

سیرت رسولِ عربی

صلی اللہ علیہ وسلم



پروفیسر علامہ نور بخش توکلی مدظلہ

زاویہ

زاویہ پبلشرز

دربار مارکیٹ، لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَسَنُ جَمَالٍ مُصْطَفَا

وَأَسْنُ مِنْكَ لَمْ يَطْبِقْ

وَأَحْمَلُ مِنْكَ لَمْ يَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبْرَأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ

كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا نَشَاءُ

پیامت

رسولِ محمدی ﷺ

پروفیسر علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

زاویہ پبلشرز

(8-C محی الدین بلڈنگ) داتا دربار مارکیٹ، لاہور

فون: 042-7248657

موبائل: 0300-9467047 - 0300-4505466

Email: zaviapublishers@yahoo.com



جملہ حقوق محفوظ ہیں

2010

1000

بار اول

۲۵۰ روپے

بدیہ

نجات علی تارڑ

زیر اہتمام

لئے کے پتے

اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5536111

051-5552929

کتاب گھر، کمیٹی چوک، راولپنڈی

051-5536111

اسلامک بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی

051-5558320

احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی

0213-4944672

مکتبہ قادریہ، پتہ انی سبزی منڈی، کراچی

0213-4219324

مکتبہ برکات المدینہ، بہادر آباد کراچی

0213-2216464

مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی

مکتبہ پارک پیلی کیشنز، کھارادر، کراچی

0321-3025510

مکتبہ نئی سلطان، حیدرآباد

055-4237699

مکتبہ قادریہ، سرکلر روڈ، گوجرانوالہ

0423-7226193

مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ لاہور

061-4545486

کتب خانہ حاجی مشتاق احمد، ملتان

فہرست

36	حرب فجار میں شرکت	11	ملک عرب کا جغرافیہ (پہلا مقدمہ)
37	حلف الفضول میں شرکت	14	عرب کی تاریخ قدیم پر طائرانہ نظر (دوسرا مقدمہ)
38	شام کا دوسرا سفر		پہلا باب
39	حضرت خدیجہ سے نکاح	19	برکاتِ نور محمدی ﷺ
39	تعمیر کعبہ		دوسرا باب
	تیسرا باب	23	حالاتِ نسب و ولادت تا بعثت
42	حالاتِ بعثت شریف تا ہجرت	23	خاندانی شرافت و سیادت
42	دنیا کی حالت	29	حضرت عبداللہ کی وفات
50	ابتداء وحی	30	واقعا صحابہ قبل
51	آغاز دعوت	31	تولد شریف
51	تبلیغ علی الاعلان	32	تولد شریف کی خوشی کا ثمرہ
57	۵ھ نبوت	32	تولد شریف کے وقت خوارق
57	۶ھ نبوت	33	رضاعت
59	۷ھ نبوت	34	تعدد شق صدر
60	۱۰ھ نبوت	35	حضرت آمنہ کی وفات
62	۱۱ھ تا ۱۳ھ نبوت	35	عبدالطلب و ابوطالب کی کفالت
	چوتھا باب	35	طفولیت میں آپ کی دعا سے نزولِ باراں
66	حالاتِ ہجرت تا وفات شریف	36	شام کا پہلا سفر

118	غزوہ دومۃ الجندل	66	خبردارالندوہ
118	غزوہ احزاب	67	قصہ ہجرت
119	غزوہ بنی قریظہ	72	ہجرت کا پہلا سال
119	ہجرت کا چھٹا سال	72	تعمیر مسجد قباء
119	بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ	73	مدینہ میں نزول رحمت
124	ہجرت کا ساتواں سال	75	تعمیر مسجد نبوی
124	والیان ملک کو دعوت اسلام	76	اصحاب صفہ
136	غزوہ ذی قرد	76	ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر
137	غزوہ خیبر	77	مہاجرین کے مکانات کی تعمیر
139	غزوہ وادی القریٰ	77	مسجد نبوی میں شراغ کی ابتداء
140	ہجرت کا آٹھواں سال	78	مواخات
140	غزوہ موہ	80	اذان کی ابتداء
141	غزوہ فتح مکہ	80	یہود سے معاہدہ
149	غزوہ حنین	81	ہجرت کا دوسرا سال
151	جنگ اوطاس	81	تحويل قبلہ
152	محاصرہ طائف	82	غزوات و سرایا کا آغاز
155	ہجرت کا نواں سال	84	غزوہ بدر کبریٰ
155	غزوہ تبوک	100	غزوہ بنی قینقاع
157	مسجد ضرار	100	غزوہ سویق
158	ہجرت کا دسواں سال	100	ہجرت کا تیسرا سال
158	ہجرت کا گیارھواں سال	100	غزوہ احد
	پانچواں باب	117	ہجرت کا چوتھا سال
159	وفات شریف	117	غزوہ بنی نضیر
162	حلیہ شریف	118	ہجرت کا پانچواں سال

182	حیات النبی ﷺ	163	روئے مبارک
	چھٹا باب	164	چشم مبارک
187	آپ کے خلق عظیم کا بیان	165	ابروئے مبارک
188	صبر و حلم و عفو	165	بہنی مبارک
200	شفقت و رحمت	165	پیشانی مبارک
200	امت پر شفقت و رحمت	165	گوش مبارک
203	کافروں پر رحمت	166	دہان مبارک
205	عورتوں پر شفقت و رحمت	167	لعاب و بہن مبارک
206	حسن معاشرت کی تاکید	168	زبان مبارک
208	عورتوں کے حقوق	168	آواز مبارک
208	یتیمی و مساکین و بیوگان پر شفقت و رحمت	169	خندہ و گریہ مبارک
210	بچوں پر شفقت و رحمت	169	سر مبارک
213	غلاموں پر شفقت و رحمت	170	گردن مبارک
214	چوپایوں پر شفقت و رحمت	170	دست مبارک
215	پرندوں اور حشرات الارض پر شفقت و رحمت	176	سینہ مبارک و قلب شریف
216	نباتات و جمادات پر رحمت	176	شکم مبارک
217	تواضع و حسن معاشرت	177	پشت مبارک
222	سخاوت و ایثار	177	پائے مبارک
226	شجاعت و قوت عزم و استقلال	177	قدم مبارک
231	خوف و عبادت	178	رنگ مبارک
232	عدل و انصاف	178	جلد مبارک و بوئے خوش
235	صدق	180	موئے مبارک
236	حسن عہد و وفا	180	لباس
237	عفت و حیا	181	درود شریف

311	طعام قلیل کو کثیر بنا دیا	237	تقسیم اوقات
315	اجابت دعا		
319	نجران کے نصاریٰ کے ساتھ مباہلہ		
320	انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری ہونا	240	آپ کے معجزوں کا بیان
321	حیوانات کی طاعت و کلام	240	فصل اول
321	اونٹ کی شکایت اور سجدہ	240	اعجاز القرآن کا بیان
322	بکری کی اطاعت اور سجدہ	242	اعجاز القرآن کی پہلی وجہ
322	بھیڑیے کی شہادت اور طاعت	242	فصاحت و بلاغت
323	شیر کی اطاعت	252	اعجاز القرآن کی دوسری وجہ
324	نباتات کا کلام اور سلام و شہادت	252	نظم قرآن کا اسلوب بدیع
325	جمادات کی اطاعت اور تسبیح و سلام	255	اعجاز القرآن کی تیسری وجہ
328	مغیبات پر مطلع ہونا	256	غیب کی خبریں
342	حضرت امام مہدی علیہ السلام	271	پیشین گوئیاں
343	دجال لعین	289	اعجاز القرآن کی چوتھی وجہ
344	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	289	علوم القرآن
346	دخان (دھواں)	296	قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کی مثالیں
346	آفتاب کا مغرب سے نکلنا	303	دیگر معجزات کا بیان
347	دابۃ الارض	303	اسراء و معراج شریف
347	خانہ کعبہ کا گرایا جانا	305	شق القمر
347	ایک بڑی آگ	306	رد الشمس
347	نفخ صور	307	مردوں کو زندہ کرنا
348	حجاز کی آگ	308	انقلاب اعیان
350	تاتاریوں کا قتلہ اور حادثہ بغداد	310	بچوں کی شہادت (گواہی)
353	کعبہ شریف کی حجابت	310	بیماروں کو شفاء دینا

جلد دوم

ساتواں باب

407	حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا	354	محاسن ظاہری و باطنی
408	حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا	354	نصاری کا اعتراض
409	حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ		آٹھواں باب
410	حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ	358	آپ کے فضائل و خصائص کا بیان
	دسواں باب	364	خصائص سید المرسلین ﷺ
414	امت پر آنحضرت کے حقوق کا بیان		نواں باب
414	ایمان و اتباع	389	آپ کی ازواج مطہرات اور اولاد کا بیان
416	محبت و عشق	393	حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا
420	علامات حب صادق	394	حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا
424	تعظیم و توقیر	395	حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا
427	آنحضرت کی تعظیم و توقیر اور ادب کے طریقے	396	حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا
439	آنحضرت ﷺ کی حدیث کا ادب	397	حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا
441	آنحضرت ﷺ کے آثار شریفہ کی تعظیم	398	حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا
451	درود شریف و زیارت قبر شریف	399	حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا
457	حدیث لاشد الرحال کی بحث	402	حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا
461	خاتمہ در بحث استغاثہ و توسل	402	حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا
461	ولادت شریف سے پہلے توسل	402	حضرت جویریہ خزاعیہ مصطلقیہ رضی اللہ عنہا
462	حیات شریف میں توسل	403	حضرت صفیہ اسرائیلیہ رضی اللہ عنہا
464	وفات شریف کے بعد توسل	404	آنحضرت ﷺ کی اولادِ کرام
491	حدیث توسل بالعباس کی بحث	404	حضرت قاسم رضی اللہ عنہ
498	عرصات قیامت میں شفاعت و توسل	404	حضرت زینب رضی اللہ عنہا
501	حواشی	407	حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا



تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

در روزِ یسین را حسابم ناکزیر
از نگاہِ مصطفیٰ ^ﷺ پنہاں بگیر

پہلا مقدمہ

ملک عرب کا جغرافیہ

ملک عرب بڑا عظیم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ چونکہ اس کو تین طرف سے سمندر نے اور چوتھی طرف سے دریائے فرات نے جزیرے کی طرح گھیرا ہوا ہے اس لیے اسے جزیرہ عرب کہتے ہیں۔

اس کے شمال میں بلاد شام و عراق ہیں۔ مغرب میں بحر احمر یعنی بحیرہ قلزم جنوب میں بحر ہند اور مشرق میں خلیج عمان اور خلیج فارس ہیں۔

اس کا طول شمالاً جنوباً پندرہ سو میل کے قریب اور اوسط عرض شرقاً غرباً آٹھ سو میل ہے۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ بیس ہزار مربع میل یعنی براعظم یورپ کی ایک تہائی کے قریب ہے۔

علمائے جغرافیہ نے بر بنائے طبیعت ارضی اس ملک کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے جن کا بیان بطریق اختصار نیچے لکھا ہے۔

1۔ اقلیم حجاز: جو مغرب میں بحر احمر کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ حجاز سے ملحق ساحل بحر کو جنوبییب مرتفع) کہلاتا ہے۔ حجاز چونکہ نجد و تہامہ کے درمیان عاجز و حائل ہے۔ اس لیے اسی نام سے موسوم ہے۔ حجاز کے مشہور شہروں میں مکہ مشرفہ ہے جو مشرق میں جبل ابوقبیس اور مغرب میں جبل قعیقعان کے درمیان واقع ہے۔ اس شہر مبارک میں نوشیرواں کی تخت نشینی کے بیالیسویں سال فیل میں ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو سیدنا موالانا محمد مصطفیٰ ﷺ پیدا ہوئے۔ خانہ کعبہ (بیت اللہ شریف) اسی شہر میں ہے۔ مناسک حج کے مشہور مقامات میں سے صفا اور مروہ تو بیت اللہ شریف کے عین قریب ہی ہیں۔ منیٰ تین میل مشرق کو ہے۔ منیٰ سے اسی قدر فاصلے پر مشرق کی طرف مزدلفہ اور مزدلفہ سے مشرق کو اتنے ہی مسافت پر عرفات ہے۔

مکہ مشرفہ سے شمال کی طرف قریباً دو سو میل کے فاصلے پر مدینہ منورہ ہے۔ جہاں حضور سرور

کائنات علیہ الوفاء الخسیۃ والصلوٰۃ کا مزار مقدس واقع ہے۔ مدینہ منورہ سے قریباً تین میل شمال کو جبل احد ہے۔ جہاں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے۔

بعبارت حذف ہے

مکہ شرفہ کی بندرگاہ جدہ ہے جو ۳۴ میل کے فاصلے پر بحیرہ قلزم کے ساحل پر ہے۔ حجاز ریلوے لائن ۱۹۰۸ء میں دمشق سے مدینہ منورہ تک تیار ہو گئی تھی۔ مدینہ منورہ سے مکہ شرفہ کی اس وقت تک تیار نہیں ہوئی۔

اس اقلیم میں حرمین شریفین کے علاوہ بدر، احد، خیبر، فدک، حنین، طائف تبوک اور غدیر خم اسلامی تاریخ میں بہت مشہور ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر مدین تبوک کے محاذ میں ساحل بحر احمر پر واقع ہے۔ حجر میں جو وادی القریٰ میں ہے آثار ثمود اب تک پائے جاتے ہیں۔ طائف اہل مکہ شرفہ کا مصیف ہے یہاں کے میوے مشہور ہیں۔

جو حجاز کے جنوب میں بحر احمر اور بحر ہند کے ساحل سے متصل واقع ہے اس کی یمن ۲۔ اقلیم یمن: برکت یا کعبۃ اللہ سے جانب یمن ہونے کے سبب سے اس نام سے موسوم ہے۔ اس اقلیم میں نجران، صنعاء اور سبأ و مارب مشہور تاریخی مقامات ہیں۔ محنہ، حدیدہ اور زبید تجارتی حیثیت رکھتے ہیں۔

صنعاء دار السلطنت ہے جو عدن سے ۱۲۸ میل ہے۔ کنیہ قلیس اسی شہر میں تھا۔ اس کا بندرگاہ حدیدہ ہے۔ جہاں سے بن اور چمڑے بیرونی ممالک کو جاتے ہیں۔ صنعاء سے چار دن کی مسافت پر سبأ و مارب کے آثار پائے جاتے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

نجران ایک بڑا شہر تھا جس کے متعلق ستر گاؤں تھے۔ یہ شہر ملک عرب میں عیسائیت کا مرکز تھا۔ یہاں ایک بڑا گر جا تھا۔ جسے بنو عبد المدان بن الدیان حارثی نے کعبۃ اللہ کے مقابلہ میں بنایا تھا۔ وہ کعبۃ اللہ کی طرح اس کی تعظیم کرتے تھے اور اسے کعبۃ نجران کہا کرتے تھے۔ اسی گر جا کے بڑے بڑے پادری ہجرت کے بارہویں سال حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے اور حضور نے ان کو مہلبہ کی دعوت دی تھی۔ نجران ہی کے ایک گاؤں میں قصہ اصحاب اخروہ وقوع میں آیا تھا۔ جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں پایا جاتا ہے۔

جو یمن کے مشرق میں بحر ہند کے ساحل سے متصل واقع ہے۔ اس کے مشہور ۳۔ اقلیم حضر موت: شہر تریم اور شام دار السلطنت ہے ان کے علاوہ مرابط، ظفار، شحر اور مکلہ ساحل پر واقع ہیں۔ مکلہ سے لوہان بیرونی ممالک کو جاتا ہے۔

جو حضرت موت کے مشرق میں واقع ہے۔ یہاں کے اونٹ مشہور ہیں۔ جنہیں قبیلہ مہرہ ^{طرف} ۴۔ اقلیم مہرہ: کی نسبت کر کے اہل مہر یہ بولتے ہیں۔ یہاں کے باشندوں کی غذا عموماً مچھلی ہے۔

جو مہرہ سے ملحق ہے۔ اس کے مشہور شہروں میں سے مسقط اور صحار ہیں۔ یہاں کے باشندے عموماً خوارج اباضیہ ہیں۔ ۵۔ اقلیم عمان:

جسے بحرین بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ بحر فارس و بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے۔ ۶۔ اقلیم الاحساء: اس طرف کے جزائر میں موتیوں کے مغاص ہیں۔ اس کے مشہور شہروں میں سے فطیف، ہفوف اور ہجر ہیں۔ یہاں کے باشندے عموماً ارضی تہرائی ہیں۔

جو حجاز کے مشرق اور صحرائے شام کے جنوب میں ہے۔ اسی اقلیم کی نسبت حدیث ۷۔ اقلیم نجد: شریف میں آیا ہے کہ یہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔ یہ پیشین گوئی محمد بن عبدالوہاب اور فرقہ وہابیہ کے ظہور سے پوری ہو گئی۔ اسی اقلیم کے شمالی حصے میں حرب داحس اور حرب بسوس وقوع میں آئیں۔ جن میں سے ہر ایک چالیس سال تک جاری رہی۔ وہابیہ کا دارالسلطنت ریاض ہے۔

جو عمان و اجساء و نجد و حضرت موت و مہرہ کے درمیان میں ایک وسیع بے آباد صحرا ۸۔ اقلیم الاحقاف: ہے، اس کا حال معلوم نہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر مبارک حضرت موت کے متصل احقاف ہی میں ہے۔

یمن وغیرہ میں پیڑ اور صمغ عربی کے درخت (اقاقیا) ہوتے ہیں حضرت موت میں نباتات پیداوار: عطریہ اور مسمومات اور عود قاقلی ہوتا ہے۔ کھجور، کپاس مکئی اور چاول یمن میں خصوصیت سے ہوتے ہیں۔ سنا جنوبی حجاز اور تہامہ میں ہوتی ہے۔ بلستان مکہ مشرفہ کے قریب اور حنا مغربی ساحل پر پائی جاتی ہے۔ نجد کے گھوڑے اور مہرہ کے اونٹ مشہور ہیں۔ گدھے، دنبے، بکریاں اور مویشی کثرت سے ہیں۔ عرب میں وحوش میں سے شتر مرغ، چیتا، پلنگ سیاہ گوش اور کفتار ہیں۔



دوسرا مقدمہ

عرب کی تاریخِ قدیم پر طائرانہ نظر

زمانہ قدیم میں طوفانِ نوح کے بعد جزیرہ عرب میں سام بن نوح کی نسل کے لوگ آباد تھے۔ چنانچہ بنو یعر ب بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام یمن میں بستے تھے۔ بنو جرہم بن قحطان اور بنو عملیق بن لوذ بن سام حجاز میں رہتے تھے۔ بنو طسم بن لوذ اور بنو جدیس بن عامر بن آرم بن سام یمامہ میں بحرین تک پھیلے ہوئے تھے۔ قوم عاد بن عوض بن آرم شحر و عمان و حضر موت کے مابین احقاف میں آباد تھی۔ اس قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا تھا۔ قوم ثمود بن جاثر بن آرم حجاز و شام کے درمیان حجر میں آباد تھی۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔

ایک زمانہ گزرنے پر عاد و ثمود جدیس و عمالیق و جرہم فنا ہو گئے۔ اس واسطے ان کو عرب باندہ بولتے ہیں۔ ان میں سے جو باقی رہے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مل جل گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی قبیلہ جرہم میں ہوئی تھی اس واسطے ان کی اولاد کو عرب مستعربہ کہتے ہیں۔ اور بنو قحطان کو عرب عاربہ یعنی اصلی عرب بولتے ہیں۔ القصہ مذکورہ بالا بتا ہی و اختلاط کے بعد عرب میں دو بڑے قبیلے رہ گئے۔

بنو قحطان اور بنو عدنان (بنو اسماعیل) ان دونوں کی بہت سی شاخیں تھیں۔ اب عرب کا بڑا حصہ خاندان اسماعیل سے ہے۔ اور خود حضور سید المرسلین ﷺ بھی اسی خاندان سے ہیں۔

قدیم الايام سے عربوں کی تجارت مصر و شام کے ساتھ تھی۔ چنانچہ جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کوئیں میں گرا دیا تو انہوں نے دیکھا کہ گلعاد سے اسماعیلیوں کا قافلہ آرہا ہے۔ جن کے اونٹوں پر ادویہ و بلسان و مرلدے ہوئے ہیں اور وہ مصر کو جا رہے ہیں (۱)۔ یہ چیزیں لاشوں کے معطر بنانے میں مصریوں کے کام آیا کرتی تھیں۔ اس کے مدتوں بعد وہ اہائی صورتوں کے ساتھ مویشیوں اور ادویہ اور بیش بہا پتھروں اور سونے کی تجارت کرتے دیکھے جاتے ہیں (۲)۔ قرونِ ماضیہ میں عربوں پر بہت سے بیرونی حملے ہوئے۔ مگر وہ کسی کے ماتحت نہ رہے۔ چنانچہ مصری فاتح شیشک ان کو زیر نہ کر سکا۔ قیروش فارسی (متوفی ۵۲۹ قبل مسیح) نے عرب کے شمالی حصے کے بعض عربوں کو مغلوب کیا۔ مگر مورخ ہیرو

دوتس (متوفی ۲۲۲ قبل مسیح) ہمیں یقین دلاتا ہے کہ دارہشلسپ (جس نے سلطنت فارس کی توسیع کی تھی) کے عہد میں عرب خراج سے بری تھے۔ بخت نصر بابل نے ان پر حملہ کیا۔ اور ان کے بہت سے شہر فتح کیے۔ مگر غنیمت لے کر اپنے وطن کو چلا آیا (۳)۔ سکندر اعظم کا جانشین انطیغونس (متوفی ۳۰۱ قبل مسیح) ان پر حملہ آور ہوا۔ مگر اسے ان کے ساتھ ان ہی کی شرائط پر صلح کرنی پڑی۔ رومی فاتح پومپے (مولود ۱۰۶ قبل مسیح) نے ملک عرب کے ایک حصے کو تاخت و تاراج کیا۔ مگر اس کی فوج پسپا ہوئی تو عربوں نے شدت سے تعاقب کیا۔ اور وہ کچھ عرصے تک شام میں رومیوں کو تنگ کرتے رہے۔ ولادت مسیح سے تقریباً ۲۳ سال پہلے رومی سپہ سالار ایوس گالس بحیرہ قلزم تک آیا۔ اس نے چاہا کہ عرب کو فتح کر لے مگر ناکام رہا۔ طراجان رومی نے ۱۲۰ء کے قریب ان پر حملہ کیا اور شہر حجرہ کا محاصرہ کر لیا مگر رعد و ژالہ و گرد باد اور مکھیوں کے جھنڈ کے سبب سے اس کا لشکر کامیاب نہ ہوا۔ جب وہ حملہ کرتے تو یہی آفتیں پیش آتیں۔ ۲۰۰ء کے قریب سیواروس رومی نے لشکر کثیر اور سامان حرب کے ساتھ شہر حجرہ کا دوبارہ محاصرہ کیا مگر لشکر و شاہ کے درمیان ایک بے وجہ تنازع نے شاہ کو محاصرہ اٹھالینے پر مجبور کر دیا (۴)۔ شاہ فارس شاپور ذوالاکتاف نے عرب پر حملہ کیا۔ تو بحرین و حجر و یمامہ میں کشت و خون کرتا ہوا مدینہ تک پہنچ گیا۔ سرداران عرب جو گرفتار ہو کر آتے تھے۔ وہ ان کے مونڈھے نکال دیتا تھا۔ اس لیے اسے ذوالاکتاف کہتے تھے۔ (۵) مگر اسی بادشاہ نے ۳۶۰ء کے قریب تکریت پر جو خود مختار عربوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا حملہ کیا تو ناکام رہا۔ (۶) دسویں صدی قبل مسیح میں یمن میں ملوک حمیر بن سبا میں سے ایک فاسق خبیث بادشاہ مالک نام تھا۔ وہ باکرہ عورتوں کو بلا کر ان کی آبروریزی کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی چچا زاد بہن بلقیس سے بھی یہی ارادہ ظاہر کیا۔ بلقیس نے کہا کہ میرے محل میں آ جانا۔ اور اس کے قتل کرنے کے لیے اپنے اقربا میں سے دو آدمی مقرر کیے۔ جب وہ محل میں داخل ہوا تو ان آدمیوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ اہل یمن نے اسی سبب سے بلقیس کو اپنا حکمران بنایا۔ ورنہ وہ عورت کی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے۔ یہ وہی بلقیس ہے جس کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

بلقیس کے بعد خاندان حمیر کے بہت سے بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت یمن پر متمکن ہوئے۔ جب اہل یمن نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ تو ان پر سیل عرم بھیجا گیا۔ جس سے ان کے باغات وغیرہ برباد ہو گئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے وہ رزق و معاش کی تلاش میں مختلف اطراف کو ہجرت کر کے چلے گئے۔ چنانچہ بنو نخم بن عدی کی ایک جماعت خراسان کی طرف نکلی۔ انہوں نے دریائے فرات کے قریب شہر حیرہ کی بنا ڈالی۔ جو بعد میں اسی خاندان کا دارالسلطنت رہا۔ ملوک لخمیہ و مناذرہ ۲۳۴ء تک اکاسرہ کی طرف سے عراق پر گورنر ہوتے رہے۔ اس کے بعد اسلام کا تسلط ہو گیا۔

بنو نخم کی طرح بنو قحطان کی ایک جماعت ہجرت کر کے دمشق کے متصل ایک چشمہ پر جسے غسان کہتے تھے جا آئی۔ وہ آخر کار شام کے حکمران بن گئے۔ ملوک غسان جنہیں مؤرخین عرب، عرب متصرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قیصرہ روم کی طرف سے قریباً ۲۰۰ء سے ۲۳۶ء تک ملک شام میں حکمرانی کرتے رہے۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ابہم تھا۔ جو بھاگ کر قیصر کے ہاں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ ملک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد میں سے مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

بنو قحطان میں سے قبیلہ ازد کے دو بھائی اوس و خزرج مدینہ میں آئے۔ انصار ان ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ قحطانیوں میں سے بعض اندرون جزیرہ عرب میں چلے گئے۔ چنانچہ ملوک کندہ نے نجد میں اپنی سلطنت قائم کی۔ ان کے علاوہ عرب میں اور متفرق ملوک تھے جن کے ذکر کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔

یل عرم کے بعد جو لوگ یمن میں رہ گئے ان پر بنو قحطان بدستور حکمرانی کرتے رہے ان بادشاہوں میں سے ایک کا نام شمر بن افریقیس بن ابرہہ تھا کہتے ہیں کہ شمر مذکور بڑا عالی ہمت تھا۔ اس نے عراق پر لشکر کشی کی۔ اور اسے فتح کر کے چین کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں جب وہ صغد میں پہنچا تو اس نواح کے باشندے ایک مقام میں پناہ گزین ہو گئے۔ شمر نے چاروں طرف سے محاصرہ کر کے ان کو قتل کیا۔ اور اس مقام کو کھدوا کر ویران کر دیا۔ اس واسطے اس مقام کو شمر کند کہنے لگے۔ جسے عرب، معرب کر کے سمرقند بولتے تھے۔ شمر وہاں سے چین کی طرف بڑھا مگر وہ اور اس کی فوج پیاس سے ہلاک ہو گئی۔ (۷) تابع (۸) یمن میں سے بتان اسعد ابو کرب تھا۔ وہ بلاد مشرق کو فتح کر کے واپس آتا ہوا مدینہ میں اترا۔ جہاں وہ جاتا ہوا اپنے بیٹے کو چھوڑ گیا تھا۔ مگر اس کو کسی نے ناگہان قتل کر دیا۔ اس لیے تبع مذکور نے مدینہ اور اہل مدینہ کو تباہ کرنا چاہا۔ مگر یہود بنی قریظہ سے دو عالموں نے تبع کو منع کیا۔ اس نے وجہ دریافت کی۔ تو عالموں نے کہا کہ آخر زمانہ میں قریش میں سے ایک پیغمبر پیدا ہوگا جس کی ہجرت اسی شہر مدینہ کی طرف ہوگی۔ وہ یہ سن کر باز آیا اور اس نے مذہب یہود اختیار کر لیا۔

تبع مذکور مدینہ سے اپنے وطن یمن کی طرف روانہ ہوا راستے میں اس نے مکہ میں چھ دن قیام کیا۔ اور طواف کر کے کعبہ پر برویمانی چڑھائی۔ یہ تبع پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے بیت اللہ پر پردہ چڑھایا۔ مکہ سے وہ یمن میں آیا۔ دونوں عالم اس کے ساتھ تھے۔ اس نے اپنی قوم یعنی حمیر کو یہودیت کی دعوت دی۔ حمیر اس وقت تک بت پرست تھے۔ انہوں نے تبع کی دعوت سے آخر کار مذہب یہود اختیار کر لیا۔

بتان اسعد کے بعد اس کے بیٹے حسان کو عمرو بن بتان اسعد نے ملک کے الچ میں قتل کر دیا۔ عمرو

مذکور بھی جلدی ہلاک ہو گیا۔ اور حمیر کی سلطنت کا شیرازہ پراگندہ ہو گیا۔ لخنیعہ نیوف ذوشناتر جو شاہی خاندان میں سے نہ تھا ان کا بادشاہ بن بیٹھا۔ وہ فاسق خبیث تھا۔ ابنائے ملوک سے لواطت کیا کرتا تھا۔ تا کہ وہ بادشاہ نہ بن جائیں۔ کیوں کہ اس زمانہ میں عرب کی عادت تھی کہ ایسے شہزادے کو بادشاہ نہ بناتے تھے۔ زرعہ بن تہان اسعد اپنے بھائی حسان کے قتل کے وقت بچہ ہی تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھا۔ اس کے سر کے بال پیٹھ پر پہنچے تھے۔ اس واسطے اس کا لقب ذونواس تھا۔ خوبصورتی کے سبب سے لوگ اسے یوسف کہا کرتے تھے۔ ذوشناتر نے اسے بلا بھیجا۔ ذونواس سمجھ گیا اور ایک تیز چھری جوتے میں پاؤں تلے چھپا کر لے گیا۔ جب وہ خلوت میں پہنچا تو اسی چھری سے ذوشناتر کا کام تمام کر دیا۔ یہ شجاعت دیکھ کر حمیر نے ذونواس ہی کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اہل نجران اس وقت عیسائی تھے۔ ذونواس لشکر سمیت نجران میں گیا۔ اور اس نے اہل نجران کو یہودیت کی دعوت دی۔ ذونواس نے ایک خندق کھدوا کر آگ سے بھر دی۔ جو لوگ یہودی ہونے سے انکار کرتے وہ ان کو آگ میں گرادیتا تھا۔ قرآن کریم میں اسی ذونواس اور اس کے اصحاب کو سورہ بروج میں اصحاب الاخذود کہا گیا ہے۔ نجران کے عیسائیوں میں سے ایک شخص دوس ذو ثعلبان قیصر روم جستینین (متوفی ۵۶۵ء) کے پاس پہنچا۔ اور اسے سب ماجرا کہہ سنایا۔ قیصر نے جواب دیا کہ تمہارا ملک ہم سے بہت دور ہے۔ ہم شاہ حبشہ نجاشی کو جو عیسائی ہے تمہاری مدد کے لیے لکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ دوس قیصر کا نامہ نجاشی کے پاس لایا۔ نجاشی نے اپنے ایک امیر اریاط کو لشکر جرار دے کر دوس کے ساتھ روانہ کیا۔ اس لشکر میں ابرہہ اشرم بھی تھا۔ ذونواس کو شکست ہوئی۔ وہ بدیں خیال کے مبادا دشمن کے ہاتھ گرفتار ہو جائے ۵۲۸ء میں سمندر میں ڈوب کر مر گیا۔ اریاط ۵۲۹ء سے ۵۳۹ء تک یمن میں حکمران رہا۔ وہ کمزوریوں پر تعدی کیا کرتا تھا۔ اس لیے بہت سی رعیت اس کے خلاف ابرہہ سے مل گئی۔ ابرہہ نے اریاط سے کہا کہ ہم دونوں سمجھ لیں۔ چنانچہ دونوں لڑنے لگے۔ ابرہہ نے پس پشت ایک غلام کو مقرر کیا تھا۔ جب اریاط نے حربہ مارا تو ابرہہ کی پیشانی پر پڑا اور اس کی آنکھ، ناک اور ہونٹ کاٹ دیئے۔ اسی سبب سے اس کو ابرہہ اشرم کہتے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس غلام نے ابرہہ کی پشت کی طرف سے نکل کر اریاط کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح حبشہ اور یمن نے ابرہہ کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ نجاشی یہ حال سن کر ابرہہ پر ناراض ہوا۔ مگر ابرہہ نے معافی مانگ کر اس کو راضی کر لیا۔ اسی ابرہہ نے صنعا میں ایک گرجا بنایا تھا۔ تاکہ عرب بجائے کعبۃ اللہ کے اس کا طواف کیا کریں مگر بنو کنانہ میں سے ایک شخص نے اس میں بول و براز کر دیا۔ اس پر ابرہہ ہاتھی لے کر خانہ کعبہ کو ڈھانے آیا مگر وہ اور اس کی فوج تباہ ہو گئی۔ یہ قصہ اصحاب فیل قرآن مجید میں مذکور ہے۔ حضور ختم المرسلین ﷺ کا تولد شریف اس واقعہ کے پچیس دن بعد ہوا۔

ابرہہ کے بعد اس کا بیٹا یکسوم تخت یمن پر بیٹھا۔ مگر جلد ہی ہلاک ہو گیا۔ پھر یکسوم کا بھائی مسروق تخت نشین ہوا۔ اہل یمن اجنبیوں کی حکومت سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اس لیے سیف بن ذی یزن حمیری قیصر روم کے پاس گیا اور اپنے ملک کو غیروں کی غلامی سے آزاد کرنے کے لیے اس کی مدد مانگی۔ قیصر نے مدد دینے سے انکار کر دیا۔ اس لیے وہ کسریٰ نوشیرواں کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ ہمارے ملک پر اجنبیوں کی حکومت ہے اگر آپ مدد دیں تو ہمارا ملک آپ کے زیر فرمان ہو جائے گا۔ کسریٰ کے ایک مرزبان نے یہ مشورہ دیا کہ بادشاہ کے قید خانہ میں آٹھ سو واجب القتل موجود ہیں ان کو بھیج دیا جائے۔ اگر وہ ہلاک ہو گئے تو ہوا المراد۔ اور اگر فتح یاب ہو گئے تو علاقہ مفتوحہ آپ کے قبضہ میں آ جائے گا۔ چنانچہ قیدیوں میں سے ایک شخص و ہزر کی سرکردگی میں وہ سب مہم یمن پر بھیج دیئے گئے۔ اہل فارس کو فتح نصیب ہوئی۔ اور مسروق مارا گیا۔ اس طرح حبشہ کا تصرف یمن پر بہتر سال (۵۲۹ء سے ۶۰۱ء تک) رہا۔

و ہزر کے بعد کسریٰ کی طرف سے مرزبان بن و ہزر پھر تینجان بن مرزبان نائب السلطنت مقرر ہوا۔ تینجان کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ مگر کسریٰ نے اسے معزول کر کے پاذان کو اپنا نائب مقرر کیا۔ جب حضور سید المرسلین ﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت یہی پاذان حاکم یمن تھا۔ جب کسریٰ (خسرو پرویز) کو حضور اقدس ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی تو اس نے پاذان کو لکھا کہ تم اس مدعی نبوت کے پاس جاؤ اور اسے کہہ دو کہ اپنے دعوے سے باز آ جائے۔ ورنہ سر قلم کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ پاذان نے وہ خط رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیج دیا۔ حضور نے پاذان کو جواب میں لکھا کہ کسریٰ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو قتل ہو جائے گا۔ جب یہ نامہ پاذان کو ملا تو کہنے لگا کہ اگر وہ نبی ہیں تو ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ کسریٰ کو اس کے بیٹے شیروہ نے اسی مہینے اور اسی تاریخ کو قتل کر دیا۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی۔ یہ دیکھ کر پاذان اور دیگر اہل فارس جو یمن میں تھے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حروب عرب کہ جنہیں ایام عرب سے تعبیر کیا جاتا ہے اس مختصر مقدمہ میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ عرب جاہلیت کی دینی و اخلاقی حالت کا بیان آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

باب : ۱

برکات نور محمدی ﷺ

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے بالواسطہ اپنے حبیب محمد ﷺ کا نور پیدا کیا پھر اسی نور کو خلق عالم کا واسطہ ٹھہرایا (۱)۔ اور عالم ارواح ہی میں اس روح سراپا نور کو وصف نبوت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ ایک روز صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ کی نبوت کب ثابت ہوئی آپ نے فرمایا و آدم بین الروح والجسد۔ (۲)۔ یعنی میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم کی روح نے جسم سے تعلق نہ پکڑا تھا۔ بعد ازاں اسی عالم میں اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی روحوں سے وہ عہد لیا جو اذ اخذ اللہ میثاق النبین میں مذکور ہے (۳)۔ جس وقت ان پیغمبروں کی روحوں نے عہد مذکورہ کے مطابق حضور ﷺ کی نبوت و امداد کا اقرار کر لیا تو نور محمدی کے فیضان سے ان روحوں میں وہ قابلیتیں پیدا ہو گئیں کہ دنیا میں اپنے اپنے وقت میں ان کو منصب نبوت عطا ہوا۔ اور ان سے معجزات ظہور میں آئے۔ امام بوسیری رحمہ اللہ نے خوب فرمایا:

وَ كُلُّ اِيَّ اَتَى الرَّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا فَاِنَّمَا ا تَصَلَّتْ مِنْ نُوْرِهِ بِهَمُّ
فَاِنَّهُ شَمْسٌ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا يُظْهَرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

ترجمہ منظوم

معجزے جتنے کہ لائے رسولانِ کرام
لڑی کے نور سے جا ملتی ہے سب کی بہم
آفتابِ فضل ہے وہ سب کواکب اس کے تھے
ظلمتوں میں نور پھیلا یا جنہوں نے بیش و کم

اسی عہدے کے سبب حضرات انبیائے سابقین علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد و بشارت اور ان کے اتباع و امداد کی تاکید فرماتے رہے ہیں۔ اگر حضور نبی امی و ابی ہودامی کی نبوت دنیا میں ظاہری نہ ہوتی۔ تو تمام انبیاء سابقین علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوتیں باطل ہو جاتیں اور وہ تمام بشارتیں ناتمام رہ جاتیں۔ پس دنیا میں حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری نے تمام انبیائے

سابقین علیہم السلام کی نبوتوں کی تصدیق فرمادی (۴)۔

جس طرح نبی کریم ﷺ جاء بالحق وصدق المرسلین کا نور از بہر منبع انوار الانبیاء تھا اسی طرح آپ کے جسم اطہر کا مادہ بھی لطیف ترین اشیاء سے تھا۔ چنانچہ حضرت کعب احبار سے منقول ہے۔ (۵) کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو پیدا کرنا چاہا تو جبرائیل کو حکم دیا کہ سفید مٹی ااؤ۔ پس جبرائیل بہشت کے فرشتوں کے ساتھ اترے اور حضرت کی قبر شریف کی جگہ سے مٹھی بھر خاک سفید چمکتی دکتی اٹھا لائے۔ پھر وہ مشت خاک سفید بہشت کے چشمہ تسنیم کے پانی سے گوندھی گئی۔ یہاں تک کہ سفید موتی کی مانند ہو گئی۔ جس کی بڑی شعاع تھی بعد ازاں فرشتے اسے لے کر عرش و کرسی کے گرد اور آسمانوں اور زمین میں پھرے یہاں تک کہ تمام فرشتوں نے آپ (روح انور مادہ اطہر) کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے پہچان لیا۔ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو اپنے حبیب پاک کے نور کو ان کی پشت مبارک میں بطور ودیعت رکھا۔ اس نور کے انوار ان کی پیشانی میں یوں نمایاں تھے جیسے آفتاب آسمان اور چاند اندھیری رات میں۔ اور ان سے عہد لیا گیا کہ یہ نور انوار پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوا کرے۔ اسی واسطے جب وہ حضرت حواء علیہا السلام سے مقاربت کا ارادہ کرتے تو انہیں پاک و پاکیزہ ہونے کی تاکید فرماتے یہاں تک کہ وہ نور حضرت حواء علیہا السلام کے رحم پاک میں منتقل ہو گیا اس وقت وہ انوار جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھے حضرت حواء کی پیشانی میں نمودار ہوئے۔ ایام حمل میں حضرت آدم علیہ السلام نے پاس ادب تعظیم حضرت حواء سے مقاربت ترک کر دی۔ یہاں تک کہ حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو وہ نور ان کی پشت میں منتقل ہو گیا۔ یہ حضور علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ حضرت شیث علیہ السلام کیلے پیدا ہوئے۔ آپ کے بعد ایک لطن میں جوڑا (لڑکا اور لڑکی) پیدا ہوتا رہا اس طرح یہ نور پاک، پاک، پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا ہوا حضور علیہ السلام کے والد ماجد حضرت عبداللہ تک پہنچا۔ اور ان سے بناء برقول اصح ایام تشریق میں جمعہ کی رات کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے رحم پاک میں منتقل ہوا۔

اسی نور کے پاک و صاف رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ حضرت کے تمام آباء و امہات کو شرک و کفر کی نجاست اور زنا کی آلودگی سے پاک رکھا۔ اسی نور کے ذریعہ سے حضرت کے تمام آباء و اجداد نہایت حسین و مرجع خلاق تھے۔ اسی نور کی برکت سے حضرت آدم نبینا و علیہ السلام ملائک کے مبعود بنے اور اسی نور کے وسیلہ سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت نوح علی نبینا و علیہ السلام کی کشتی طوفان میں غرق ہونے سے بچی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ السلام پر آتش نمرود گلزار ہو گئی۔ اور اسی

نور کے طفیل سے حضرات انبیائے سابقین علی نبینا وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات پر اللہ تعالیٰ کی عنایات بے غائب ہوئیں۔

مغائب

جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی اجازت سے آپ کی مدح میں چند اشعار عرض کیے۔ جن میں مذکور ہے کہ کشتی کا طوفان سے بچنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود کا گلزار ہو جانا حضور کے نور ہی کی برکت سے تھا۔ حضرت امام الامم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت تابعی کو فی رضی اللہ عنہ حضور رسول اکرم ﷺ کی مدح میں یوں فرماتے ہیں: (۷)

أَنْتَ الَّذِي لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرَأٌ	كَلًّا وَ لَا خُلِقَ الْوَرَى لَوْلَا كَا
أَنْتَ الَّذِي مِنْ نُورِكَ لِلْبَدْرِ السَّنَا	وَالشَّمْسُ مُشْرِقَةٌ بِنُورِ بَهَا كَا
أَنْتَ الَّذِي لَمَّا تَوَسَّلَ آدَمُ	مِنْ زَلَّةٍ بِكَ فَآزَ وَ هُوَ آبَا كَا
وَ بِكَ الْخَلِيلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهُ	بَرْدًا وَ قَدْ حَمِدَتْ بِنُورِ سَنَا كَا
وَ دَعَاكَ أَيُّوبُ لِضَرِّ مَسَّهُ	فَازِيلَ عَنْهُ الضَّرْحِينَ دَعَا كَا
وَ بِكَ الْمَسِيحُ أَتَى بِشِيرًا مُخْبِرًا	بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَا دِحًا لِعَلَا كَا
كَذَلِكَ مُوسَى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلًا	بِكَ فِي الْقِيَمَةِ مُحْتَمًا بِحَمَا كَا
وَالْأَنْبِيَاءُ وَ كُلُّ خَلْقٍ فِي الْوَرَى	وَالرُّسُلُ وَالْأَمْلَاكُ تَحْتَ لِوَا كَا

”آپ کی وہ مقدس ذات ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہرگز کوئی آدمی پیدا نہ ہوتا۔ اور نہ کوئی مخلوق پیدا ہوتی۔ آپ وہ ہیں کہ آپ کے نور سے چاند کو روشنی ہے اور سورج آپ ہی کے نور زیبا سے چمک رہا ہے آپ وہ ہیں کہ جب آدم نے لغزش کے سبب سے آپ کا وسیلہ پکڑا تو وہ کامیاب ہو گئے۔ حالانکہ وہ آپ کے باپ ہیں آپ کے وسیلہ سے خلیل نے دعا مانگی تو آپ کے روشن نور سے آگ ان پر ٹھنڈی ہو گئی اور بجھ گئی۔ اور ایوب نے اپنی مصیبت میں آپ ہی کو پکارا تو اس کے پکارنے پر ان کی مصیبت دور ہو گئی۔ اور مسیح آپ ہی کی بشارت اور آپ ہی کی صفات حسنہ کی خبر دیتے اور آپ کی مدح کرتے ہوئے آئے۔ اسی طرح موسیٰ آپ کا وسیلہ پکڑنے والے اور قیامت میں آپ کے سبزہ زار میں پناہ لینے والے رہے اور انبیاء اور مخلوقات میں سے ہر مخلوق اور پیغمبر اور فرشتے آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔“

مواا ناجامی سے یوں فرماتے ہیں:

و صلی اللہ علی نور کز وشد نور ما پیرا

زمین از حب او ساکن فلک در عشق او تیدا
 محمد احمد و محمود دے را حلقش بستود
 کزوشد بودہر موجود زوشد دیدہا بینا
 اگر نام محمد را نیارودے شفیع آدم
 نہ آدم یافتے توبہ، نہ نوح از غرق نچینا
 نہ ایوب از بلا راحت نہ یوسف حشمت و جاہت
 نہ عیسیٰ آں مسیحا دم نہ موسیٰ آں پد بیضا



باب : ۲

حالاتِ نسب و ولادت شریف تا بعثت شریف

حضور ﷺ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سیدنا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ اور عدنان حضرت اسمعیل بن ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد سے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا خاندان عرب میں ہمیشہ سے ممتاز و معزز چلا آتا خاندانی شرافت و سیادت: تھا۔ نضر (یا فہر) کا لقب قریش تھا۔ اس وجہ سے اس کی اولاد کو قریشی اور خاندان کو قریش کہنے لگے اور اس سے اوپر والے کنانی کہلائے۔ قریش کی وجہ تسمیہ میں بہت سے مختلف اقوال ہیں جن کے ایراد کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں بنی آدم کے بہترین طبقات سے بھیجا گیا۔ ایک قرن بعد دوسرے قرن کے یہاں تک کہ میں اس قرن سے ہوا۔ جس سے کہ ہوا“۔ حدیث مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے کنانہ کو برگزیدہ بنایا۔ اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ بنایا۔ اسی طرح ترمذی شریف میں بہ سند حسن آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو مجھ کو ان کے سب سے اچھے گروہ میں بنایا۔ پس میں روح و ذات اور اصل کے لحاظ سے ان سب سے اچھا ہوں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے:

لَمْ يَخْلُقِ الرَّحْمَنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ اَبَدًا وَ عَلِمِي اَنَّهُ لَا يَخْلُقُ

خدا نے حضرت محمد کا مثل کبھی پیدا نہیں کیا

اور مجھے علم ہے کہ وہ آپ کا مثل پیدا نہ کرے گا

نضر کے بعد فہر اپنے وقت میں رئیس عرب تھا۔ اس کا ہم عصر احسان بن عبد کلال حمیری چاہتا تھا کہ کعبہ کے پتھر اٹھا کر یمن میں لے جائے۔ تاکہ حج کے لیے وہیں کعبہ بنا دیا جائے۔ جب وہ اس ارادے سے حمیر وغیرہ کو ساتھ لے کر یمن سے آیا۔ اور مکہ سے ایک منزل پر مقام نخلہ میں اترا۔ تو فہر نے

قبائل عرب کو جمع کر کے اس کا مقابلہ کیا۔ حمیر کو شکست ہوئی۔ حسان گرفتار ہوا اور مین برس کے بعد فدیہ دے کر رہا ہوا۔ اس واقعہ سے فہر کی ہیبت و عظمت کا سکہ عرب کے دلوں میں جم گیا۔

فہر کے بعد قصی (۱) بن کلاب نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا۔ قصی مذکور آنحضرت ﷺ کے جد خاس ہیں۔ ان کا اصلی نام زید تھا۔ کلاب کی وفات کے بعد ان کی والدہ فاطمہ نے بنو عذرہ میں سے ایک شخص ربیعہ بن حزام سے شادی کر لی تھی۔ وہ فاطمہ کو اپنی ولایت یعنی ملک شام کو لے گیا۔ فاطمہ اپنے ساتھ زید کو بھی لے گئی۔ چونکہ زید ابھی بچہ ہی تھے اور اپنے وطن مالوف سے دور جا رہے تھے اس لیے ان کو قصی (تصغیر قصی بہ بعید) کہنے لگے۔ جب قصی جوان ہو گئے تو پھر مکہ میں اپنی قوم میں آ گئے۔ اور وہیں حلیل خزاعی کی بیٹی سے شادی کر لی۔ حلیل اس وقت کعبہ کا متولی تھا۔ اس کے مرنے پر تولیت قصی کے ہاتھ آئی۔ اس نے خزاعہ کو بیت المال سے نکال دیا۔ اور قریش کو گھاٹیوں پہاڑیوں اور وادیوں سے جمع کر کے مکہ کے اندر اور باہر آباد کیا۔ اس وجہ سے قصی کو مجتمع بھی کہتے ہیں۔

قصی نے کئی کارہائے نمایاں کئے۔ چنانچہ ایک کمیٹی گھر قائم کیا جسے دار الندوہ کہتے ہیں۔ مہمات امور میں مشورے یہاں کرتے۔ لڑائی کے لیے جھنڈا یہیں تیار ہوتا۔ نکاح اور دیگر تقریبات کی مراسم یہیں ادا کرتے۔ حرم کی رفادت و سقایت (۲) کا منصب بھی قصی ہی نے قائم کیا۔ چنانچہ موسم حج میں قریش کو جمع کر کے یہ تقریر کی۔ ”تم خدا کے پڑوسی اور خدا کے گھر کے متولی ہو۔ اور حجاج خدا کے مہمان اور خدا کے گھر کے زائرین ہیں۔ وہ اور مہمانوں کی نسبت تمہاری میزبانی کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لیے ایام حج میں ان کے کھانے پینے کے لیے کچھ مقرر کرو۔“ اس پر قریش نے سالانہ رقم مقرر کی۔ جس سے ہر سال ایام منیٰ میں غریب حاجیوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اسقایت کے لیے قصی نے چرمی حوض بنائے جو ایام حج میں کعبہ کے صحن میں رکھے جاتے تھے ان حوضوں کے بھرنے کے لیے مکہ کے کوؤں کا پانی مشکوں میں اونٹوں پر لایا جاتا تھا۔ ان مناصب کے علاوہ قریش کے باقی شرف بھی یعنی حجابت (کعبہ کی کلید برادری و تولیت) اور لواء (علم بندی) اور قیادت (امارت لشکر) قصی کے ہاتھ میں تھے۔ اور قصی ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے مزدلفہ پر روشنی کی تاکہ لوگوں کو عرفات نظر آ جائے۔

قصی کے چار لڑکے (عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزی، عہد) اور دو لڑکیاں (تخمر، برہ) تھیں۔ عبدالدار اگرچہ عمر میں سب سے بڑا تھا۔ مگر شرافت و وجاہت میں اپنے بھائیوں کے ہم پایہ نہ تھا۔ اور عبدمناف تو سب سے اشرف تھے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد رابع تھے۔ ان کا اصلی نام مغیرہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے نور کی جھلک ان کی پیشانی میں ایسی تھی کہ ان کو قمر البطحاء (وادی مکہ کا چاند) کہا کرتے تھے۔ جب قصی بہت بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے عبدالدار سے کہا کہ میں تجھے تیرے بھائیوں

کے برابر کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حرم شریف کے تمام مناصب اس کے سپرد کر دیئے قصی کی بیبت کے سبب سے اس وقت کسی نے اعتراض نہ کیا۔ مگر قصی کے بعد جب عبدالدار اور عبد مناف کا بھی انتقال ہو چکا تو عبد مناف کے بیٹوں (ہاشم، عبد شمس، مطلب، نوفل) نے اپنا استحقاق ظاہر کیا اور چاہا کہ حرم شریف کے وظائف عبدالدار کی اولاد سے چھین لیں۔ اس پر قریش میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بنو اسد بنی عزیٰ اور بنو زہرہ بن کلاب اور بنو تیم بن مرہ اور بنو حارث بن فہر یہ سب بنو عبد مناف کی طرف اور بنو مخزوم اور بنو ہبم اور بنو جح اور بنو عدی بن کعب دوسری طرف ہو گئے۔ بنو عبد مناف اور ان کے احلاف نے قسمیں کھا کر معاہدہ کیا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ اور ایک جہتی کے اظہار کے لیے ایک پیالہ خوشبو سے بھر کر حرم شریف میں رکھا۔ اور سب نے اس میں اپنی انگلیاں ڈبوئیں۔ اس لیے ان پانچ قبائل کو مطہیین کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے فریق نے باہم معاہدہ کیا اور ایک پیالہ خون سے بھر کر اس میں اپنی انگلیاں ڈبو کر چاٹ لیں۔ اس لیے ان پانچ قبائل کو لعقتہ الدم (خون کے چاٹنے والے) کہتے ہیں۔ غرض ہر دو فریق لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر اس بات پر صلح ہو گئی کہ سقایت ورفادت و قیادت بنو عبد مناف کو دی جائے۔ اور حجاب و لواء و ندوہ بدستور بنو عبد دار کے پاس رہے۔ چنانچہ ہاشم کو جو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ سقایت ورفادت ملی۔ ہاشم کے بعد مطلب کو اور مطلب کے بعد عبدالمطلب اور عبدالمطلب کے بعد ابوطالب کو ملی۔ اور ابوطالب نے اپنے بھائی عباس کے حوالہ کر دی۔ قیادت عبد شمس کو دی گئی۔ عبد شمس کے بعد اس کے بیٹے امیہ کو پھر امید کے بیٹے حرب کو پھر حرب کے بیٹے ابوسفیان کو عطا ہوئی۔ اس لیے جنگ احد اور احزاب میں ابوسفیان ہی قائد تھا۔ جنگ بدر کے وقت وہ قافلہ قریش کے ساتھ تھا۔ اس لیے عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس امیر الجیش تھا۔ دارالندوہ عبدالدار کی اولاد میں رہا۔ یہاں تک کہ عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ انہوں نے اسے دارالامارات بنا لیا اور آخر کار حرم میں شامل ہو گیا۔ حجاب آج تک عبدالدار کی اولاد میں ہے۔ اور وہ بنو شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ بن عبد العزیٰ بن عثمان بن عبدالدار ہیں۔ لواء بھی اسی کی اولاد میں رہا۔ چنانچہ جنگ احد میں جھنڈا ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ جب ایک قتل ہو جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لیتا۔ اس طرح ان کی ایک جماعت قتل ہو گئی۔

ہاشم (۳) نے منصب رفادت و سقایت کو نہایت خوبی سے انجام دیا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو صبح کے وقت کعبہ سے پشت لگا کر یوں خطا کرتے تھے۔ ”اے قریش کے گروہ! تم خدا کے گھر کے پڑوسی ہو۔ خدا نے بنی اطمیل میں سے تم کو اس کی تولیت کا شرف بخشا ہے اور تم کو اس کے پڑوس کے لیے خاص کیا ہے۔ خدا کے زائرین تمہارے پاس آ رہے ہیں جو اس کے گھر کی تعظیم کرتے ہیں۔ پس وہ اس خدا

کے مہمان ہیں۔ اور خدا کے مہمانوں کی میزبانی کا حق سب سے زیادہ تم پر ہے۔ اس لیے تم خدا کے مہمانوں اور اس کے گھر کے زائرین کا اکرام کرو۔ جو ہر ایک شہر سے تیروں جیسی لاغر اور سبک اندام اونٹنیوں پر ڈولیدہ مو اور غبار آلودہ آرہے ہیں۔ اس گھر کے رب کی قسم اگر میرے پاس اس کام کے لیے کافی سرمایہ ہوتا تو میں تمہیں تکلیف نہ دیتا میں اپنے کسب حلال کی کمائی میں سے دے رہا ہوں۔ تم میں سے بھی جو چاہے ایسا کرے۔ میں اس گھر کی حرمت کا واسطہ دے کر گزارش کرتا ہوں کہ جو شخص بیت اللہ کے زائرین کو اپنے مال سے دے، وہ بجز حلال کی کمائی کہ نہ ہو۔ اس تقریر پر قریش اپنے حلال مالوں میں سے دیا کرتے اور دارالندوہ میں جمع کر دیتے۔

ہاشم کا اصلی نام عمرو تھا۔ علورتبہ کے سبب عمرو العلاء کہلاتے تھے۔ نہایت مہمان نواز تھے، ان کا دستر خوان ہر وقت بچھا رہتا تھا۔ ایک سال قریش میں سخت قحط پڑا۔ یہ ملک شام سے خشک روٹیاں خرید کر ایام حج میں مکہ پہنچے اور روٹیوں کا چورہ کر کے اونٹوں کے گوشت کے شوربے میں ڈال کر خرید بنایا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلایا۔ اس دن سے ان کو ہاشم (روٹیوں کا چورہ کرنے والا) کہنے لگے۔

عبدمناف کے صاحبزادوں نے قریش کی تجارت کو بہت ترقی دی اور دول خارجہ کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے ان سے کاروان قریش کے لیے فرامین حفظ و امن حاصل کیے۔ چنانچہ ہاشم نے قیصر روم اور ملک غسان سے اور عبدشمس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے اور نوفل نے اکاسرہ عراق سے اور مطلب نے یمن کے شاہ حمیر سے اسی قسم کے فرمان لکھوا لیے۔ اس کے بعد ہاشم نے قریش کے لیے سال میں دو تجارتی سفر مقرر کیے اس لیے قریش موسم سرما میں یمن و حبشہ میں اور گرما میں عراق و شام میں جاتے اور ایشیائے کوچک کے مشہور شہر انقرہ (انگورہ) تک پہنچ جاتے۔

ہاشم کی پیشانی میں نور محمدی چمک رہا تھا۔ احبار میں سے جو آپ کو دیکھتا آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا۔ قبائل عرب و احبار میں سے آپ کو شادی کے پیام آتے مگر آپ انکار کر دیتے۔ ایک دفعہ بغرض تجارت آپ ملک شام کو گئے۔ راستے میں مدینہ بنو عدی بن نجار میں سے ایک شخص عمرو بن زید بن لبید خزرجی کے ہاں ٹھہرے۔ اس کی صاحبزادی سلمیٰ حسن و صورت و شرافت میں اپنی قوم کی تمام عورتوں میں ممتاز تھی۔ آپ نے اس سے شادی کر لی۔ مگر عمرو نے ہاشم سے یہ عہد لیا کہ سلمیٰ (۴) جو اولاد جنے گی وہ اپنے میکے میں جنے گی۔ شادی کے بعد ہاشم شام کو چلے گئے۔ جب واپس آئے تو سلمیٰ کو اپنے ساتھ مکہ میں لے آئے۔ حمل کے آثار بخوبی محسوس ہوئے تو سلمیٰ کو مدینہ میں چھوڑ کر آپ شام کو چلے گئے۔ اور وہیں غزہ (۵) میں پچیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اور غزہ ہی میں دفن ہوئے۔ سلمیٰ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کے سر میں کچھ سفید بال تھے۔ اس لیے اس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ اور شیبہ الحمد بھی کہتے

تھے۔ حمد کی نسبت اس کی طرف اس امید پر کی گئی کہ اس سے افعال نیک سرزد ہوں گے۔ جس کے سبب سے لوگ اس کی تعریف کیا کریں گے شیبہ سات یا آٹھ سال مدینہ ہی میں رہے۔ پھر مطلب کو خبر لگی تو بھتیجے کو لینے کے لیے مدینہ میں پہنچے۔ جب مدینہ سے واپس آئے تو شیبہ کو اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کر لیا۔ شیبہ کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ جب چاشت کے وقت مکہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے مطلب سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ مطلب نے کہا یہ میرا عبد (غلام) ہے۔ اس وجہ سے شیبہ کو عبدالمطلب کہنے لگے۔ وجہ تسمیہ میں بعضوں نے اور قول بھی نقل کیے ہیں۔

مطلب کے بعد اہل مکہ کی ریاست عبدالمطلب کو ملی (۶)۔ اور رقادت و سقایت ان کے حوالہ ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کا نور ان کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ ان سے کستوری کی سی خوشبو آتی تھی۔ جب قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا تو عبدالمطلب کو کوہ شیبہ پر لے جاتے اور ان کے وسیلہ سے بارگاہ رب العزت میں دعا مانگتے۔ اور ایام قحط میں ان کے واسطے سے طلب باراں کرتے اور وہ دعا قبول ہوتی۔ عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جو تحت کیا کرتے تھے۔ یعنی ہر سال ماہ رمضان میں کوہ حرام میں جا کر خدا کے گیان دھیان میں گوشہ نشین رہا کرتے۔ وہ موحد تھے۔ شراب و زنا کو حرام جانتے تھے۔ نکاح محارم سے اور بحالت برہنگی طواف کعبہ سے منع کرتے۔ لڑکیوں کے قتل سے روکتے۔ چور کا ہاتھ کاٹ دیتے۔ بڑے مستجاب الدعوات اور فیاض تھے اپنے دسترخوان سے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پرند چرند کو کھلایا کرتے تھے۔ اس لیے انہیں مطعم الطیر (پرندوں کو کھلانے والے) کہتے تھے یہ سب کچھ نور محمدی کی برکت سے تھا۔

عبدالمطلب نے چاہ زمزم کو نئے سرے سے کھدوا کر درست کیا۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہ السلام کے بعد کعبہ کی تولیت نابت بن اسمعیل کے سپرد ہوئی نابت کے بعد نابت کا نانا مضاض بن عمرو جرہمی متولی ہوا۔ جب بنو جرہم حرم شریف کی بے حرمتی کرنے اور کعبہ کے مال اپنے خرچ میں لانے لگے تو بنو بکر بن عبدمناف بن کنانہ اور غبشان خزاعی نے ان کو مکہ سے یمن کی طرف نکال دیا۔ اس وقت سے خزاعہ متولی ہوئے۔ خزاعہ میں سے اخیر متولی حلیل بن جشیہ تھا۔ جس کے بعد تولیت قصی کے ہاتھ آئی جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی نے جاتے وقت کعبہ کے بردو غزال طلائی اور حجر رکن کو زمزم میں ڈال کر اسے ایسا بند کر دیا تھا کہ مدت گزرنے پر کسی کو اس کا نشان تک معلوم نہ رہا۔ آخر کار عبدالمطلب کو خواب میں اس کے کھودنے کا اشارہ ہوا۔ عبدالمطلب کے ہاں اس وقت صرف ایک صاحبزادہ حارث تھا۔ اسی کو ساتھ لے کر کھودنے لگے۔ جب کوئیں کا بااکی حصہ نظر آیا تو خوشی میں تکبیر کہی۔ کھودتے کھودتے ہر دو غزال اور کچھ تلواریں اور زرہیں برآمد ہوئیں۔ یہ دیکھ کر

قریش نے کہا کہ اس میں ہمارا بھی حق ہے۔ عبدالمطلب نے بجائے مقابلہ کے اس معاملہ کو قرعہ اندازی پر چھوڑا چنانچہ ہر دو غزال کا قرعہ کعب پر اور تلواریں اور زرہوں کا قرعہ عبدالمطلب پر پڑا اور قریش کے نام کچھ نہ نکلا۔ اس طرح عبدالمطلب نے زمزم کو کھود کر درست کیا۔ اس وقت سے زمزم کا پانی حاجیوں کے کام آنے لگا۔ اور مکہ کے کنوؤں کے پانی کی ضرورت نہ رہی۔

زمزم کے کھودنے میں عبدالمطلب نے اپنے معاونین کی قلت محسوس کر کے یہ منت مانی تھی کہ اگر میں اپنے سامنے دس بیٹوں کو جو ان دیکھ لوں۔ تو ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں قربان کروں گا۔ جب مراد برآئی تو ایفائے نذر کے لیے دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے۔ اور پجاری سے اپنی نذر کا حال بیان کیا اور کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو دیکھو کس کا نام نکلتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے نام کا قرعہ دیا۔ ایک طرف پجاری قرعہ نکال رہا تھا۔ دوسری طرف عبدالمطلب یوں دعا کر رہے تھے۔ ”یا اللہ میں نے ان میں سے ایک کی قربانی کی منت مانی تھی اب میں ان پر قرعہ اندازی کرتا ہوں تو جسے چاہتا ہے اس کا نام نکال“۔ اتفاق سے عبد اللہ کا نام نکلا۔ جو رسول اللہ ﷺ کے والد اور عبدالمطلب کو سب بیٹوں میں پیارے تھے۔ عبدالمطلب چھری ہاتھ میں لے کر ان کو قربان گاہ کی طرف لے چلے۔ مگر قریش اور عبد اللہ کے بھائی مانع ہوئے۔ آخر کار عبد اللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈال گیا اتفاق یہ کہ عبد اللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ پھر عبد اللہ اور بیس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا مگر نتیجہ وہی نکلا۔ بڑھاتے بڑھاتے سو اونٹوں پر نوبت پہنچی تو قرعہ اونٹوں پر نکلا۔ چنانچہ عبدالمطلب نے سو اونٹ قربانی کیے، اور عبد اللہ بیچ گئے۔ اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے انا ابن الذبیحین یعنی میں دو ذبیح (اسمعیل و عبد اللہ) کا بیٹا ہوں۔

جب عبدالمطلب اونٹوں کی قربانی سے فارغ ہوئے تو عبد اللہ کی شادی کی فکر ہوئی۔ عبد اللہ نور محمدی کے سبب کمال حسن و جمال رکھتے تھے۔ قضیہ ذبح سے اور مشہور ہو گئے۔ قریش کی عورتیں ان کی طرف مائل تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو پردہ عفت و عصمت میں محفوظ رکھا۔ عبدالمطلب ان کے لیے ایسی عورت کی تلاش میں تھے جو شرف نسب و حسب و عفت میں ممتا ہو۔ اس لیے وہ ان کو بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کے ہاں لے گئے۔ وہب کی بیٹی آمنہ زہریہ قریشیہ نسب و شرف میں قریش کی تمام عورتوں سے افضل تھیں عبدالمطلب نے وہب کو عبد اللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ اور وہیں عقد ہو گیا (۷)۔ بعض کہتے ہیں کہ آمنہ اپنے چچا وہب کے پاس رہتی تھیں۔ عبدالمطلب نے وہب کو پیغام دیا اور نکاح ہو گیا اور اسی مجلس میں خود عبدالمطلب نے وہب کی صاحب زادی بالہ سے شادی کی۔

عبدالمطلب کے ہاں بقول ابن ہشام پانچ بیویوں سے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں جن کی تفصیل یوں ہے:

زوجہ کا نام	اولاد
سراء بنت جندب ہوازنیہ	حارث (۸)
لبنی بنت باجرہ خزاعیہ	ابولہب (اصلی نام عبدالعزیٰ)
فاطمہ بنت عمر و مخزومیہ	ابوطالب (اصلی نام عبدمناف) زبیر۔ عبداللہ (والد رسول اللہ)۔ بیضاء۔ عاتکہ۔ برہ۔ امیمہ۔ اروی۔
ہالہ بنت وہیب زہریہ	حمزہ۔ مقوم۔ حبل۔ صفیہ۔
نتیلہ بنت خباب خزرجیہ	عباس۔ ضرار۔

جب نور محمدی حضرت آمنہ کے رحم مبارک میں منتقل ہو گیا تو کئی عجائبات ظہور میں آئے۔ اس سال قریش میں سخت قحط سالی تھی۔ اس نور کی برکت سے زمین پر جا بجا روئیدگی کی مٹلی چادر نظر آنے لگی۔ درختوں نے اپنے پھل جھکا دیے اور مکہ میں اس قدر فراخ سالی ہوئی کہ اس سال کو سَنَتُ الْفَتْحِ وَالْإِبْتِهَاجِ کہنے لگے۔ قریش کا ہر ایک چار پائیہ فصیح عربی زبان میں حضرت آمنہ کے حمل کی خبر دینے لگا۔ بادشاہ کے تخت اور بت اوندھے گر پڑھے۔ مشرق و مغرب کے وحشی چرند پرند اور دریائی جانوروں نے ایک دوسرے کو خوشخبری دی۔ جن پکارا ٹھے کہ حضرت کا زمانہ قریب آ گیا۔ کہانت کی آبرو جاتی رہی اور رہبانیت پر خوف طاری ہوا۔ حضرت کی والدہ ماجدہ نے خواب میں سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے ”تیرے پیٹ میں جہان کا سردار ہے۔ جب وہ پیدا ہوں تو ان کا نام محمد رکھنا۔“

حضرت عبداللہ کی وفات: جب قول مشہور کے موافق حمل شریف کو دو مہینے پورے ہو گئے تو حضرت کے دادا عبدالمطلب نے آپ کے والد حضرت عبداللہ کو مدینہ میں کھجوریں لانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہ وہاں اپنے والد کے نہال بنو عدی بن نجار میں ایک ماہ بیمار رہ کر انتقال فرما گئے۔ اور وہیں دارنا بغہ میں دفن ہوئے۔ بعضے کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو تجارت کے لیے ملک شام بھیجا تھا۔ وہ واپس آتے ہوئے مدینہ میں بنو عدی میں ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ حضرت عبداللہ کا ترکہ ایک لونڈی ام ایمن برکہ حبشیہ اور پانچ اونٹ اور کچھ بکریاں تھیں۔

تولد شریف سے ۵۵ دن پہلے ایک واقعہ پیش آیا جو اصحابِ فیل کا واقعہ کر کے واقعہ اصحابِ فیل مشہور ہے۔ اس واقعہ کی کیفیت بطریق اختصار یوں ہے کہ اس وقت شاہ حبشہ کی طرف سے ابرہہ یمن کا گورنر تھا۔ اس نے شہر صنعاء میں ایک کلیسا بنایا اور شاہ حبشہ کو لکھا کہ میں نے آپ کے لیے ایک بے نظری کلیسا بنوایا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ عرب کے لوگ آئندہ خانہ کعبہ کو چھوڑ کر یہیں حج و طواف کیا کریں۔ جب یہ خبر عرب میں مشہور ہو گئی تو بنی کنانہ میں سے ایک شخص نے غصہ میں آ کر اس کلیسا میں بول و براز کر دیا۔ یہ دیکھ کر ابرہہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دوں تو میرا نام ابرہہ نہیں۔ اسی وقت فوج و ہاتھی لے کر کعبہ پر چڑھائی کی۔ یہاں تک کہ مقامِ مخمس میں جو مکہ مشرفہ سے دو میل ہے جا اترا۔ اور ایک سردار کو حکم دیا کہ اہل مکہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے۔ چنانچہ وہ سردار قریش کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک لایا جن میں دو سو اونٹ عبدالمطلب بن ہاشم کے بھی تھے۔ بعد ازاں ابرہہ کی طرف سے حناطہ حمیری گیا اور عبدالمطلب کو ابرہہ کے پاس لے آیا۔ ابرہہ نے عبدالمطلب کا بڑا اکرام کیا اور دونوں میں بذریعہ ترجمان یہ گفتگو ہوئی:

ابرہہ: تم کیا چاہتے ہو؟

عبدالمطلب: میرے اونٹ واپس کر دو۔

ابرہہ: (متعجب ہو کر) تمہیں اونٹوں کا تو خیال ہے۔ مگر خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباؤ

اجداد کا دین ہے اور جسے میں ڈھانے آیا ہوں اس کا نام تک نہیں لیتے۔

عبدالمطلب: میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ خانہ کعبہ کا مالک اور ہے۔ وہ اپنے گھر کو بچائے گا۔

ابرہہ: خانہ کعبہ مجھ سے بچ نہیں سکتا۔

عبدالمطلب: پھر تم جانو اور وہ۔

اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر مکہ میں واپس آ گیا اور قریش سے کہنے لگا کہ شہر

مکہ سے نکل جاؤ اور پہاڑوں کے دروں میں پناہ لو۔ یہ کہہ کر خود چند آدمیوں کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں

گیا اور دروازے کا حلقہ پکڑ کر یوں دعا کی:

لاہم ان العبدیمنع رحلہ فامنع دارک لایغلبن صلیہم ومحالہم غلوا محالک

ان کنت تارکھم و قبلتا فامر ما بدالک

”اے اللہ! بندہ اپنے گھر کو بچایا کرتا ہے تو بھی اپنا گھر بچا۔

ایسا نہ ہو کہ کل کو ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر غالب آجائے۔

اگر تو ہمارے قبلہ کو ان پر چھوڑنے لگا ہے تو حکم کر جو چاہتا ہے۔“

ادھر عبدالمطلب یہ دعا کر کے اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑوں کے درے میں پناہ گزیں ہوا۔ ادھر صبح کو ابرہہ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے فوج اور ہاتھی لے کر تیار ہوا۔ جب اس نے ہاتھی کا منہ مکہ کی طرف کیا تو وہ بیٹھ گیا۔ بہتیرے آنکس مارے مگر نہ اٹھا۔ آخر مکہ کی طرف سے اس کا منہ موڑ کر اٹھایا تو اٹھا اور تیز بھاگنے لگا۔ غرض جب مکہ کی طرف اس کا منہ کرتے تو بیٹھ جاتا۔ اور کسی دوسری طرف کرتے تو اٹھ کر بھاگتا۔ اسی حال میں اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف ابا بیلوں کے غول کے غول بھیجے۔ جن کے پاس کنکریاں تھیں۔ ایک ایک چونچ میں اور دو دو پنچوں میں انہوں نے کنکریوں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ جس پر کنکر گرتی ہلاک ہو جاتا۔ یہ دیکھ کر ابرہہ کا لشکر بھاگ نکلا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر دشمن سے بچالیا۔ قرآن مجید سورہ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

قصہ اصحاب فیل میں دو طرح سے حضرت کی کرامت ظاہر ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر اصحاب فیل غالب آتے تو وہ حضرت کی قوم کو قید کر لیتے اور غلام بنا لیتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو ہلاک کر دیا۔ تاکہ اس کے حبیب پاک پر حمل و طفولیت کی حالت میں اسیری و غلامی کا دھبہ نہ لگے۔ دوسرے یہ کہ اصحاب فیل نصاریٰ اہل کتاب تھے جن کا دین قریش کے دین سے جو بت پرست تھے یقیناً بہتر تھا۔ مگر یہ کہ حضرت کے وجود باوجود کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی حرمت قائم رکھنے کے لیے قریش کو باوجود بت پرست ہونے کے اہل کتاب پر فتح دی۔ یہ واقعہ حضرت کی نبوت کا پیش خیمہ تھا۔ کیوں کہ آپ کے دین میں اسی بیت اللہ کی تعظیم اسی کے حج اور اسی کی طرف نماز کا حکم ہوا۔

تولد شریف: جب حمل شریف کو چاند کے حساب سے پورے نو مہینے ہو گئے تو حضور اقدس ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو دو شنبہ کے دن فجر کے وقت کہ ابھی بعض ستارے آسمان پر نظر آرہے تھے پیدا ہوئے۔ دونوں ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے۔ سر آسمان طرف اٹھا ہوئے (جس سے آپ اپنے علو مرتبہ کی طرف اشارہ فرما رہے تھے) بدن بالکل پاکیزہ اور تیز بو کستوری کی طرح خوشبودار ختنہ کیے ہوئے۔ ناف بریدہ۔ چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح نورانی۔ آنکھیں قدرت الہی سے سرگیں۔ دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت درخشاں۔ آپ کی والدہ نے آپ کے دادا عبدالمطلب کو جو اس وقت خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے بلا بھیجا۔ وہ حضرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور بیت اللہ شریف میں لے جا کر آپ کے لیے صدق دل سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کا شکر یہ ادا کیا۔ آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے ابولہب کو تولد شریف کی خبر دی تو اس نے اس خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا۔

حضرت جس مہینے میں پیدا ہوئے۔ اس کا نام تو ربیع تھا ہی۔ مگر وہ موسم بھی ربیع (بہار) کا تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ربیع فی ربیع و نور فوق نور فوق نور

چہرہ مبارک ۱۲ موسم ربیع ۱۲ ماہ تولد شریف ۱۲

ابولہب کی موت کے ایک سال بعد حضرت عباس نے خواب میں ابولہب
تولد شریف کی خوشی کا ثمرہ: کو برے حال میں دیکھا۔ پوچھا تجھے کیا ملا؟ ابولہب نے جواب دیا:

لم الق بعد کم غیر انی سقیتم فی ہذہ بعناقتی ثویبہ۔

”تمہارے بعد مجھے کچھ آرام نہیں ملا سوائے اس کے کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کے سبب سے

بمقدار اس (مغاک میان ابہام و سبابہ) کے پانی مل جاتا ہے جسے میں پی لیتا ہوں۔“

اس حدیث (۹) عزوہ بن زبیر کا مطلب یہ ہے کہ ابولہب بتا رہا ہے کہ میرے اعمال رائیگاں گئے

سوائے ایک کے اور وہ یہ کہ میں نے حضرت کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ اس

ایک عمل کا فائدہ باقی رہ گیا۔ اور وہ یوں ہے کہ اس کے بدلے ہر دو شنبہ کو ابہام و سبابہ کے درمیانی مغاک

کی مقدار مجھے پانی مل جاتا ہے جسے میں انگلیوں سے چوس لیتا ہوں اور عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

یہ حضور رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات سے ہے۔ ورنہ کافر کا کوئی عمل فائدہ نہ دے گا۔

فقیر تو کلی گزارش کرتا ہے کہ جب حضور ﷺ کے تولد شریف پر خوشی منانے سے ایک کافر کو یہ فائدہ

پہنچا تو قیاس کیجئے کہ ایک مسلمان جو ہر سال میلاد شریف کراتا اور حضور احمد مختار ﷺ کے تولد شریف پر

خوشیاں مناتا اس دار فانی سے رخصت ہو جائے تو اسے کس قدر فائدہ پہنچے گا۔

تولد شریف کے وقت غیب سے عجیب و غریب اور خارق عادت

تولد شریف کے وقت خوارق: امور ظاہر ہوئے تاکہ آپ کی نبوت کی بنیاد پڑ جائے اور لوگوں کو

معلوم ہو جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ و پسندیدہ ہیں اور ان کے نور سے حرم شریف کی پست زمین

اور ٹیلے روشن ہو گئے۔ آپ کے ساتھ ایسا نور نکلا کہ مکہ شرف کے رہنے والوں کو ملک شام کے قیصری محل

نظر آ گئے۔ شیاطین پہلے آسمانوں پر چلے جاتے اور کابنوں کو بعض مغیبات کی خبر دے دیتے تھے اور وہ

لوگوں کو کچھ اپنی طرف سے ملا کر بتا دیا کرتے تھے۔ اب آسمانوں میں ان کا آنا جانا بند کر دیا گیا۔ اور

آسمانوں کی حفاظت شہاب ثاقب سے کر دی گئی۔ اس طرح وحی و غیر وحی میں خلط ملط ہو جانے کا

اندیشہ جاتا رہا۔ شہر مدائن میں محل کسری پھٹ گیا اور اس کے چودہ کنکرے گر پڑے۔ اس میں اشارہ تھا

کہ چودہ حکمرانوں کے بعد ملک فارس خادمان اسلام کے قبضہ میں آ جائے گا (۱۰)۔ فارس کے آتش

کدے ایسے سرد پڑ گئے کہ ہر چند ان میں آگ جلانے کی کوشش کی جاتی تھی مگر نہ جلتی تھی بحیرہ ساوہ جو

ہمدان و قم کے درمیان چھ میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا اور جس کے کناروں پر شرک و بت پرستی ہوا کرتی تھی
یہاں ایک بالکل خشک ہو گیا۔ وادی ساوہ (شام و کوفہ کے درمیان) کی ندی جو بالکل خشک پڑی تھی لبالب
بنے لگی۔

آنحضرت ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے کئی دن دودھ پلایا۔ پھر ابو لہب کی آزاد کی ہوئی
رضاعت: لونڈی ثویبہ نے چند روز ایسا ہی کیا۔ بعد ازاں حلیمہ سعدیہ نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی۔
قریش میں دستور تھا کہ شہر کے لوگ اپنے شیر خوار بچوں کو بدوی آبادی میں بھیج دیا کرتے تھے تاکہ
بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت اور عرب کی خالص خصوصیات حاصل کریں اور مدت رضاعت کے ختم
ہونے پر عوضانہ دے کر واپس لے آتے تھے۔ اس لیے نواح مکہ کے قبائل کی بدوی عورتیں سال میں دو
دفعہ ربیع و خریف میں بچوں کی تلاش میں شہر مکہ میں آیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس دفعہ قحط سالی میں حلیمہ
سعدیہ اپنے قبیلہ کی دس عورتوں کے ساتھ اسی غرض سے شہر میں آئی۔ حلیمہ کے ساتھ اس کا شیر خوار بچہ
عبداللہ نام، اس کا شوہر حارث بن عبدالعزیٰ سعدی، ایک دراز گوش اور ایک اونٹنی تھی۔ بھوک کے
ماہے نہ اونٹنی دودھ کا ایک قطرہ دیتی تھی اور نہ حلیمہ کی چھاتیوں میں کافی دودھ تھا۔ اس لیے بچہ بے چین
رہتا تھا۔ اور رات کو اس کے رونے کے سبب سے میاں بیوی سو بھی نہ سکتے تھے۔ اب قسمت جاگی تو
حلیمہ کو جو شرف و کمال میں مشہور تھی ایسا مبارک رضع مل گیا کہ ساری زحمت کا فور ہو گئی۔ دیکھتے ہی
دائیں چھاتی سے لگا لیا۔ دودھ نے جوش مارا۔ حضرت نے پیا اور بائیں چھاتی چھوڑ دی جس سے حلیمہ
کے بچہ نے پیا۔ اس کے بعد بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ یہ عدل جبلی کا نتیجہ تھا۔ ڈیرے پر پہنچی تو پھر دونوں بچوں
نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ حارث نے اٹھ کر اونٹنی کو جو دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے
جس سے میاں بیوی سیر ہو گئے اور رات آرام سے کٹی۔ اس طرح تین راتیں مکہ میں گزار کر حضرت
آمنہ کو وداع کر دیا گیا اور حلیمہ اپنے قبیلہ کو آئی اس نے حضرت کو اپنے آگے دراز گوش پر سوار کر لیا۔ دراز
گوش نے پہلے کعبہ کی طرف تین سجدے کر کے سر آسمان کی طرف اٹھایا گویا شکر یہ ادا کیا کہ اس سے یہ
خدمت لی گئی۔ پھر روانہ ہوئی۔ اور حضرت کی برکت سے ایسی چست و چالاک بن گئی کہ قافلہ کے سب
چوپایوں سے آگے چل رہی تھی حالانکہ جب آئی تھی تو کمزوری کے سبب سے سب سے پیچھے رہ جاتی
تھی۔ ساتھ کی عورتیں حیران ہو کر پوچھتیں تھیں ابو ذؤیب کی بیٹی! کیا یہ وہی دراز گوش ہے؟ حلیمہ جواب
دیتی، واللہ یہ وہی ہے بنو سعد میں اس وقت سخت قحط تھا۔ مگر حضرت کی برکت سے حلیمہ کے مویشی سیر ہو
کر آتے اور خوب دودھ دیتے۔ اور دوسروں کے مویشی بھوکے آتے اور وہ دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ

دیتے۔ اس طرح حلیمہ کی سب تنگ دستی دور ہو گئی (۱۱)۔

حلیمہ حضرت کو کسی دور جگہ نہ جانے دیتی تھی۔ ایک روز وہ غافل ہو گئی۔ اور حضرت اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ دوپہر کے وقت بھیتروں کے ریوڑ میں تشریف لے گئے مائی حلیمہ تلاش میں نکلی۔ اور آپ کو شیماء کے ساتھ پایا۔ کہنے لگی ایسی تپش میں؟ شیماء بولی (۱۲): ”اما جان میرے بھائی نے تپش محسوس نہیں کی۔ بادل آپ پر سایہ کرتا تھا۔ جب آپ ٹھہر جاتے تو بادل بھی ٹھہر جاتا اور جب آپ چلتے تو بادل بھی چلتا۔ یہی حال رہا یہاں تک کہ ہم اس جگہ آ پہنچے ہیں۔“

جب حضرت دو سال کے ہو گئے تو مائی حلیمہ نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔ اور آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لے کر آئی اور کہا۔ کاش تو اپنے بیٹے کو میرے پاس اور رہنے دے تاکہ قوی ہو جائے۔ کیوں کہ مجھے اس پر دبائے مکہ کا ڈر ہے۔ یہ سن کر بی بی آمنہ نے آپ کو حلیمہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ حلیمہ کا بیان ہے کہ ہمیں واپس آئے دو یا تین مہینے گزرے تھے کہ ایک روز حضرت اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ ہمارے گھروں کے پیچھے ہماری بھیتروں میں تھے کہ آپ کا بھائی دوڑتا آیا۔ کہنے لگا کہ میرے اس قریشی بھائی کے پاس دو شخص آئے جن پر سفید کپڑے ہیں۔ انہوں نے پہلو کے بل لٹا کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ یہ سن کر میں اور میرا خاوند دوڑے گئے۔ دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں اور چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ ہم دونوں آپ کے گلے لپٹ گئے اور پوچھا، بیٹا! تجھے کیا ہوا؟ آپ نے بیان کیا کہ دو شخص میرے پاس آئے جن پر سفید کپڑے تھے۔ انہوں نے پہلو کے بل لٹا کر میرا پیٹ پھاڑ دیا۔ اور اس میں سے ایک خون کی پھٹکی نکال کر کہا: **بِذَا حَظَّ الشَّيْطَانُ مِنْكَ** (یہ تجھ سے شیطان کا حصہ ہے) پھر اسے ایمان و حکمت سے بھر کر سی دیا۔ پس ہم آپ کو اپنے خیمہ میں لے آئے۔ میرے خاوند نے کہا، حلیمہ! مجھے ڈر ہے اس لڑکے کو کچھ آسیب ہے۔ آسیب ظاہر ہونے سے پہلے اسے اس کے کنبے میں چھوڑ آ۔ میں آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لائی اور بڑے اصرار کے بعد اس سے حقیقت حال بیان کی۔ ماں نے کہا: اللہ کی قسم ان پر شیطان کو دخل نہیں۔ میرے بیٹے کی بڑی شان ہے۔

واضح رہے کہ حضور ﷺ کا شق صد چار مرتبہ ہوا ہے۔ ایک وہ جس کا ذکر اوپر ہوا۔

تعدو شق صدر: یہ اس واسطے تھا کہ حضور انور و سواں شیطان سے جن میں بچے مبتلا ہوا کرتے ہیں

محفوظ رہیں۔ اور بچپن ہی سے اخلاق حمیدہ پر پرورش پائیں۔ دوسری مرتبہ دس برس کی عمر میں ہوا تاکہ آپ کامل ترین اوصاف پھ جوان ہوں۔ تیسری مرتبہ غار حرام میں بعثت کے وقت ہوا تاکہ آپ وحی کے بوجھ کو برداشت کر سکیں۔ چوتھی مرتبہ شب معراج میں ہوا تاکہ آپ مناجات الہی کے لیے تیار ہو جائیں۔

حضرت کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ میں آپ کے دادا کے نہال بنو عدی بن نجار میں ملنے گئیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں۔ ام ایمن بھی ساتھ تھی۔ جب واپس آئی تو راستے میں مقام ابو امیہ انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔

ہجرت کے بعد جب حضرت کا گذر بنو نجار پر ہوا تو اپنے قیام مدینہ کا نقشہ سامنے آ گیا اور اپنے قیام گاہ کو دیکھ کر فرمایا۔ ”اس گھر میں میری والدہ مکرمہ مجھے لے کر ٹھہری تھیں۔ میں بنی عدی بن نجار کے تالاب میں تیرا کرتا تھا“۔ (مواہب لدنیہ)

ام ایمن حضرت کو مکہ میں لائیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب عبدالمطلب و ابوطالب کی کفالت: کے حوالہ کیا۔ عبدالمطلب آپ کی پرورش کرتا رہا۔ مگر جب آپ کی عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو اس نے بھی وفات پائی اور حسب وصیت آپ کا چچا ابوطالب جو حضرت علی کا باپ اور آپ کے والد عبد اللہ کا ماں جایا بھائی تھا۔ آپ کی تربیت کا کفیل ہوا۔ ابوطالب نے آپ کی کفالت کو بہت اچھی طرح انجام دیا۔ اور آپ کو اپنی ذات اور بیٹوں پر مقدم رکھا۔

ایک دفعہ ابوطالب نے حضرت کو ساتھ لے کر بارش کے لیے دعا کی تھی جو حضور کی

برکت سے فوراً قبول ہوئی تھی۔ چنانچہ ابن عساکر جہلمہ بن عرفطہ سے ناقل ہے کہ اس نے کہا کہ میں مکہ میں آیا۔ اہل مکہ قحط میں مبتلا تھے۔ ایک بولا کہ لات و عزی کے پاس چلو دوسرا بولا کہ منات کے پاس چلو۔ یہ سن کر ایک خوب رو جید الرائے بوڑھے نے کہا تم کہاں لٹے جا رہے ہو۔ حالانکہ ہمارے درمیان باقیہ ابراہیم و سلالہ اسماعیل موجود ہے۔ وہ بولے کیا تمہاری مراد ابوطالب ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ پس وہ سب اٹھے اور میں بھی ساتھ ہو لیا۔ جا کر دروازے پر دستک دی ابوطالب نکلا تو کہنے لگے: ”ابو طالب! جنگل قحط زدہ ہو گیا۔ ہمارے زن و فرزند قحط میں مبتلا ہیں۔ چل مینہ مانگ“۔ پس ابوطالب نکلا اس کے ساتھ ایک لڑکا تھا۔ گویا آفتاب تھا۔ جس سے ہلکا سیاہ بادل دور ہو گیا ہو۔ اس کے گرد اور چھوٹے چھوٹے لڑکے تھے۔ ابوطالب نے اس لڑکے کو لیا اور اس کی پیٹھ کعبہ سے لگائی۔ اس لڑکے (محمد ﷺ) نے التجا کرنے والے کی طرح اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ حالانکہ اس وقت آسمان پر کوئی بادل کرکٹرانہ تھا۔ اشارہ کرنا تھا کہ چاروں طرف سے بادل آنے لگے۔ برسا اور خوب برسا جنگل میں پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ اور آبادی و وادی سب سرسبز و شاداب ہو گئے۔ اسی بارے میں ابوطالب نے کہا ہے:

وابيض يستقى الغمام بوجهه شمال اليتمی عصمة للارامل

”اور گورے رنگ والے جن کی ذات کے وسیلہ سے نزولِ باراں طلب کیا جاتا ہے۔

قیموں کے بجا و ماوی۔ رائڈوں اور درویشوں کے نگہبان۔“

بعثت کے بعد جب قریش آنحضرت ﷺ کو ستارہ ہے تھے تو ابوطالب نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو

سیرت ابن ہشام میں دیا ہوا ہے۔ شعر مذکور اسی قصیدے میں سے ہے۔ اس شعر میں ابوطالب قریش پر

بچپن سے حضرت کے احسانات بتا رہا ہے۔ اور گویا کہہ رہا ہے کہ ایسے قدیم بابرکت محسن کے درپے

آزار کیوں ہو؟ (موہب و زرقانی)

جب حضرت کی عمر مبارک بارہ سال کی ہوئی تو ابوطالب حسب معمول قافلہ قریش

شام کا پہلا سفر: کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام کو جانے لگا۔ یہ دیکھ کر آپ اس سے لپٹ گئے۔

اس لیے اس نے آپ کو بھی ساتھ لے لیا۔ جب قافلہ شہر بصریٰ میں پہنچا تو وہاں بحیرا راہب نے آپ کو

دیکھ کر پہچان لیا۔ اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا، یہ سارے جہان کا سردار ہے۔ رب العالمین کا رسول

ہے۔ اللہ اس کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا۔ قریشیوں نے پوچھا تجھے یہ کیوں کر معلوم ہوا۔

اس نے کہا کہ جس وقت تم گھاٹی سے چڑھے کوئی درخت اور پتھر باقی نہ رہا مگر سجدے میں گر پڑا۔

درخت اور پتھر پیغمبر کے سوا کسی دوسرے شخص کو سجدہ نہیں کرتے اور میں ان کو مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو

ان کے شانے کی ہڈی کے نیچے سب کی مانند ہے پھر اس راہب نے کھانا تیار کیا۔ جب وہ ان کے پاس

کھانا لایا تو حضرت اونٹوں کے چرانے میں مشغول تھے۔ اس نے کہا، آپ کو بلا لو۔ آپ آئے تو بادل

نے آپ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ جب آپ قوم کے نزدیک آئے تو ان کو درخت کے سایہ کی طرف آگے

بڑھے ہوئے پایا جس وقت آپ بیٹھ گئے تو درخت کا سایہ آپ کی طرف ہٹ آیا۔ پھر کہا: ”تمہیں خدا کی

قسم بتاؤ ان کا ولی کون ہے؟ انہوں نے کہا ابوطالب۔ پس اس نے ابوطالب سے بتا کید تمام کہا کہ ان کو

مکہ واپس لے جاؤ۔ کیوں کہ اگر تم آگے بڑھو گے تو ڈر ہے کہیں یہودی ان کو قتل کر دیں۔ لہذا ابوطالب

آپ کو واپس لے آیا۔ اور شہر بصریٰ سے آگے نہ بڑھا اور اس راہب نے حضرت کو خشک روٹی اور زیتون

کا تیل زادِ راہ دیا۔ (۱۳)

آغازِ اسلام سے پہلے عرب میں جو لڑائیاں ان مہینوں میں پیش آتی تھیں

حربِ فجار میں شرکت: جن میں لڑنا ناجائز تھا حروبِ فجار کہلاتی تھیں۔ چوتھی یعنی اخیر حربِ فجار

میں حضور اقدس ﷺ نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ نعمان بن منذر شاہ حیرہ ہر

سال اپنا تجارتی مال بازار عکاظ میں فروخت ہونے کے لیے اشراف عرب میں سے کسی کی پناہ میں بھیجا کرتا تھا۔ اس دفعہ جو اس نے اونٹ لدا کر تیار کیے۔ اتفاقاً عرب کی ایک جماعت اس کے پاس حاضر تھی جن میں بنی کنانہ میں سے براض اور ہوازن میں سے عروہ رحال موجود تھا۔ نعمان نے کہا: اس قافلہ کو کون پناہ دے گا؟ براض بولا: میں بنی کنانہ سے پناہ دیتا ہوں۔ نعمان نے کہا میں ایسا شخص چاہتا ہوں جو اہل نجد تہامہ سے پناہ دے۔ یہ سن کر عروہ نے کہا: (۱۴) اکلہب خلیج یحیر ہالک میں اہل نجد و تہامہ سے پناہ دیتا ہوں۔ براض نے کہا اے عروہ کیا تو بنی کنانہ سے پناہ دیتا ہے؟ عروہ نے کہا: تمام مخلوق سے۔ پس عروہ اس قافلہ کے ساتھ نکلا۔ براض بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ اور موقع پا کر عروہ کو ماہ حرام میں قتل کر ڈالا۔ ہوازن نے قصاص میں براض کو قتل کرنے سے انکار کیا۔ کیوں کہ عروہ ہوازن کا سردار تھا۔ وہ قریش کے کسی سردار کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ مگر قریش نے منظور نہ کیا۔ اس لیے قریش و کنانہ اور ہوازن میں جنگ چھڑ گئی۔ کنانہ کا سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا۔ جو ابوسفیان کا باپ اور حضرت امیر معاویہ کا دادا تھا۔ اور ہوازن کا سپہ سالار اعظم مسعود بن معتب ثقفی تھا۔ لشکر کنانہ کے ایک پہلو پر عبد اللہ بن جدعان اور دوسرے پر کریم بن ربیعہ اور قلب میں حرب بن امیہ تھا۔ اس جنگ میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے ایک میں حضرت کے چچا آپ کو بھی لے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک چودہ سال کی تھی۔ مگر آپ نے خود لڑائی نہیں کی۔ بلکہ تیراٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے رہے چنانچہ فرماتے ہیں: (۱۵) و کنت انبل علی اعمامی بعضے کہتے ہیں آپ نے بھی تیر پھینکے تھے بہر حال اخیر میں فریقین میں صلح ہو گئی۔

جب قریشی حرف فجار سے واپس آئے تو یہ واقعہ پیش آیا کہ شہرزبید کا حلف الفضول میں شرکت: ایک شخص اپنے مال تجارت مکہ میں لایا جسے عاص بن وائل سہمی نے خرید لیا۔ مگر قیمت نہ دی۔ اس پر زبیدی نے اپنے احلاف عبدالدار و مخزوم و جمح و سہم و عدی بن کعب سے مدد مانگی مگر ان سب نے مدد دینے سے انکار کیا۔ پھر اس نے جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر فریاد کی۔ نئے قریش کعبہ میں سن رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنو ہاشم زہرہ اور بنو اسد بن عبد العزیٰ سب عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور باہم عہد کیا کہ ہم ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کیا کریں گے۔ اور مظالم واپس کر دیا کریں گے اس کے بعد وہ سب عاص بن وائل کے پاس گئے اور ان سے زبیدہ کا مال واپس کرایا۔ اس معاہدہ کو حلف الفضول اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ اس معاہدہ کے مشابہ تھا جو قدیم زمانہ میں جرہم کے وقت مکہ میں بریں مضمون ہوا تھا کہ ہم ایک

دوسرے کی حق رسالی کیا کریں گے۔ اور قوی سے ضعیف کا اور مقیم سے مسافر کا حق لے کر دیا کریں گے۔ چونکہ جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے ان سب کا نام فضل تھا۔ جن میں سے فضل بن حارث اور فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ تھے۔ اس لیے اس کو ”حلف الفضول“ سے موسوم کیا گیا تھا۔ اس معاہدہ قریش میں آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے۔ اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدے کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں اسے نہ توڑتا اور ایک روایت میں ہے کہ میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں ایسے معاہدے میں حاضر ہوا کہ اگر اس سے غیر حاضری پر مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں پسند نہ کرتا۔ اور آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم یا الٰہی حلف الفضول کہہ کر پکارے تو میں مدد دینے کو حاضر ہوں۔

جب حضرت کی عمر مبارک پچیس سال کی ہوئی تو آپ کے صدق و امانت کا شہرہ شام کا دوسرا سفر: دور دور تک پہنچ چکا تھا یہاں تک کہ زبان خلق نے آپ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت خدیجہ نے جو ایک معزز مالدار خاتون تھیں آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں۔ جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں، آپ کو اس کا مضاعف دوں گی۔ حضور ﷺ نے قبول فرمایا۔ اور مال تجارت لے کر شام کو روانہ ہوئے۔ حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ آپ کے ساتھ تھا جو آپ کی خدمت کرتا تھا اور آپ کی ضروریات کا متکفل تھا۔ جب آپ شام میں پہنچے تو بازار بصرہ میں ایک راہب نسطورانام کی خانقاہ کے نزدیک اترے۔ وہ راہب میسرہ کی طرف آیا اور اسے جانتا تھا۔ کہا: ”اے میسرہ! یہ کون ہے جو اس درخت کے نیچے اتر رہا ہے۔“ میسرہ نے کہا۔ اہل حرم میں سے قریش سے ہے راہب نے کہا۔ سوائے نبی کے اس درخت کے نیچے کبھی کوئی نہیں اترتا۔ پھر اس نے پوچھا۔ کیا اس کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے۔ میسرہ نے جواب دیا ہاں۔ اور کبھی دور نہیں ہوتی۔ یہ سن کر راہب بولا: ”یہ وہی ہیں اور یہی آخر الانبیاء ہیں۔ کاش میں ان کو پاؤں جس وقت یہ مبعوث ہوں گے۔“ اور میسرہ سے کہا کہ ”ان سے جدا نہ ہونا اور نیک نیتی سے ان کے ساتھ رہنا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کا شرف عطا کیا ہے۔“ حضرت بازار بصرہ میں خرید و فروخت کر کے مکہ واپس آئے جب حضرت خدیجہ نے جو عورتوں کے درمیان ایک بالا خانے میں بیٹھی تھی آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو دو فرشتے آپ کے سر مبارک پر دھوپ سے سایہ کیے ہوئے تھے میسرہ نے حضرت خدیجہ سے بیان کیا کہ میں نے تمام سفر میں آپ کا یہی حال دیکھا ہے اور اس راہب کے قول و وصیت کی خبر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس تجارت میں مضاعف نفع دیا۔ حضرت خدیجہ نے جو دیکھا اور سنا اس سے ظاہر ہو گیا کہ

آپ بے شک ساری مخلوق کی طرف اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔

اس وقت حضرت خدیجہ بیوہ تھیں۔ ان کی دو شادیاں ہو چکی تھیں۔ ان حضرت خدیجہ سے نکاح: کی پاکدامنی کے سبب لوگ جاہلیت میں ان کو طاہرہ کہا کرتے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت ﷺ کے خاندان سے ملتا ہے۔ حضرت خدیجہ نے امور مذکورہ بالا کو مد نظر رکھ کر واپس آنے کے قریباً تین مہینے بعد یعلیٰ بن مدیہ کی بہن نفیسہ کی وساطت سے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ نے اس درخواست کی خبر اپنے چچاؤں کو دی۔ انہوں نے قبول کیا۔ پس تاریخ معین پر ابوطالب اور امیر حمزہ اور دیگر روسائے خاندان خدیجہ کے مکان پر گئے۔ اور ان کے چچا عمرو بن اسد نے اور بقول بعض ان کے بھائی عمرو بن خویلد نے ان کا نکاح کر دیا۔ شادی کے وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی۔ ابوطالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور پانسو درہم مہر قرار پایا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی پہلی شادی تھی۔ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد آنحضرت نے چند شادیاں اور کیں۔ تمام ازواج مطہرات کا مہر پانسو درہم ہی مقرر ہوا۔ آنحضرت کی تمام اولاد حضرت خدیجہ ہی کے لطن سے ہوئی صرف ایک صاحب زادے جن کا نام ابراہیم تھا حضرت ماریہ قبطیہ کے لطن سے جو سنہ آٹھ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ دس ہجری میں انتقال فرما گئے۔

جب حضرت کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی تو قریش نے کعبہ کو از سر نو بنایا۔ علامہ (۱۶) تعمیر کعبہ ازرقی (متوفی ۲۲۳ھ) نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پتھروں سے جو تعمیر کی تھی اس کا طول و عرض حسب ذیل تھا:

ارتفاع _____ ۹ گز (۱۷)

طول (سامنے کی طرف) حجر اسود سے رکن شامی تک۔ ۲۳ گز (۲۳ ہاتھ)

عرض (میزاب شریف کی طرف) رکن شامی سے رکن غربی تک۔ ۲۲ گز (۲۲ ہاتھ)

طول (پچھواڑے کی طرف) رکن غربی سے رکن یمانی تک۔ ۳۱ گز (۳۱ ہاتھ)

عرض رکن یمانی سے حجر اسود تک۔ ۲۰ گز (۲۰ ہاتھ)

اس عمارت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کر رہے تھے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے کندھے پر پتھر لاد کر لارہے تھے۔ جب دیواریں اونچی ہو گئیں تو مقام پر کھڑے ہو کر کام کرتے رہے۔ جب حجر اسود کی جگہ تک پہنچ گئے تو آپ نے حضرت اسماعیل سے فرمایا کہ ایک پتھر لادو۔ میں اسے یہاں نصب کروں تا کہ لوگ طواف یہاں سے شروع کیا کریں حضرت اسماعیل پتھر کی تلاش میں گئے تو حضرت جبریل حجر

اسود لے کر حاضر ہوئے۔ اس بنا میں دروازہ سطح زمین کے برابر تھا۔ مگر چوکھٹ بازو نہ تھے۔ نہ کواڑ تھے نہ چھت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد عمالقہ (۱۸) وجرہم و قصى نے اپنے اپنے وقت میں اس عمارت کی تجدید کی۔ چونکہ عمارت نشیب میں واقع تھی۔ وادی مکہ کی روؤں کا پانی حرم میں آجاتا تھا۔ اس پانی کی روک کے لیے بالائی حصہ پر بند بھی بنوایا گیا تھا۔ مگر وہ ٹوٹ جاتا تھا۔ اس دفعہ ایسے زور کی رو آئی کہ کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں۔ اس لیے قریش نے پرانی عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے مضبوط و مسقف بنانے کا ارادہ کیا۔ حسن اتفاق یہ کہ ایک رومی تاجر باقول کا جہاز ساحل جدہ پر کنارے سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ باقوم مذکور معمار و نجار بھی تھا۔ قریش کو جو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ چند اور قریشیوں کے ساتھ وہاں پہنچا۔ اس نے چھت کے لیے جہاز کے تختے مول لے لیے۔ اور باقوم کو ساتھ لے آیا۔ دیواروں کے لیے قریش کے ہر ایک قبیلہ نے الگ الگ پتھر ڈھونے شروع کیے۔ مرد و دوہل کر دور سے پتھروں کو کندھوں پر اٹھا کر لاتے تھے۔ چنانچہ اس کام میں حضرت اپنے چچا عباس کے ساتھ شریف تھے۔ اور کوہ صفا کے متصل اجیاد سے پتھر لارہے تھے۔ جب سامان عمارت جمع ہو گیا تو ابو وہب بن عمرو بن عائد مخزومی کے مشورے سے قبائل قریش نے تعمیر کے لیے بیت اللہ کی چاروں طرفیں آپس میں تقسیم کر لیں۔ ابو وہب مذکور حضرت کے والد ماجد عبد اللہ کا ماموں تھا۔ اسی نے قریش سے کہا تھا کہ کعبہ کی تعمیر میں کسب حلال کی کمائی کے سوا اور مال صرف نہ کیا جائے۔ جب عمارت حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو قبائل میں سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر ایک قبیلہ چاہتا تھا کہ ہم ہی حجر اسود کو اٹھا کر نصب کریں گے۔ اسی کشمکش میں چار دن گزر گئے اور تلواروں تک نوبت پہنچ گئی۔ بنو عبد الدار اور بنو عدی بن کعب نے تو اس پر جان دینے کی قسم کھائی اور حسب دستور اس حلف کی تاکید کے لیے ایک پیالہ میں خون بھر کر اپنی انگلیاں اس میں ڈبو کر چاٹ لیں۔ پانچویں دن سب مسجد حرام میں جمع ہوئے۔ ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو حضرت ام المومنین ام سلمہ کا والد اور قریش میں سب سے معمر تھا یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص اس مسجد کے باب بنی شیبہ سے حرم میں داخل ہو وہ ثالث قرار دیا جائے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے روز سب سے پہلے داخل ہونے والے ہمارے آقائے نامدار ﷺ تھے۔ دیکھتے ہی سب پکاراٹھے ”یہ امین ہیں ہم ان پر راضی ہیں“۔ جب انہوں نے آپ سے یہ معاملہ ذکر کیا تو آپ نے ایک چادر بچھا کر اس میں حجر اسود کو رکھا۔ پھر فرمایا کہ ہر طرف والے ایک ایک سردار انتخاب کر لیں۔ اور وہ چاروں سردار چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر اٹھائیں۔ اس طرح جب وہ چادر مقام نصب کے برابر پہنچ گئی تو حضرت نے حجر اسود کو اپنے مبارک ہاتھ سے اٹھا کر دیوار میں نصب فرما دیا۔ اور وہ سب خوش ہو گئے۔

قریش نے اس تعمیر میں بہ نسبت سابق کئی تبدیلیاں کر دیں۔ بنائے خلیل میں ارتفاع نو گز تھا۔ اب اٹھارہ گز ارتفاع کر کے عمارت مسقف کر دی گئی۔ مگر سامان تعمیر کے لیے نفقہ حلال کافی نہ ملا۔ اس لیے بنائے خلیل میں سے جانب غرب کا کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا اور اس کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر موقع ملے گا تو کعبہ کے اندر لے لیں گے اس حصہ کو حجر یا حطیم (۱۹) کہتے تھے۔ بنائے خلیل میں کعبہ کا دروازہ سطح زمین کے برابر تھا مگر اب قریش نے زمین سے اونچا کر دیا۔ تاکہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں۔ عہد نبوت میں حضرت کا ارادہ ہوا کہ حجر کی عمارت کعبہ میں ملا لیں دروازہ سطح زمین کے برابر کر دیں۔ مگر بدیں خیال ایسا نہ کیا کہ قریش نئے نئے مسلمان ہیں، کہیں دیوار کعبہ کے گرانے سے بدظن ہو کر دین اسلام سے نہ پھر جائیں۔



باب: ۳

حالات بعثت شریف تا ہجرت

اس عنوان پر قلم اٹھانے سے پہلے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عرب اور باقی دنیا کی دینی اور اخلاقی اور روحانی حالت جو تھی اس کا مجمل بیان پیش کیا جائے جس سے حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کی ضرورت و اہمیت ثابت ہو جائے۔

عرب پہلے دین ابراہیم ﷺ پر تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کے صاحب دنیا کی حالت: زادے حضرت ثابت کعبہ کے متولی ہوئے۔ ان کے بعد قبیلہ جرہم متولی ہوا۔ اس قبیلہ کو عمرو بن لُحی نے جو قبیلہ خزاعہ کا مورث اعلیٰ تھا۔ بیت اللہ شریف سے نکال دیا اور خود متولی بن گیا۔ اس کا اصل نام عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ازدی تھا عرب میں بت پرستی کا بانی یہی شخص تھا۔ اسی نے سائبہ و صیلہ، بحیرہ، حامیہ کی رسم ایجاد کی تھی۔ ایک دفعہ یہ سخت بیمار ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ بلقاء واقع شام میں ایک گرم پانی کا چشمہ ہے، اگر تم اس میں غسل کرو تو تندرست ہو جاؤ گے۔ اس لیے یہ بلقاء میں پہنچا اور اس چشمہ میں غسل کرنے سے اچھا ہو گیا۔ وہاں اس نے لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا۔ پوچھا کہ یہ کیا ہیں؟ انہوں نے کہا ہم ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے ہیں۔ اور ان ہی کے وسیلہ سے دشمن پر فتح پاتے ہیں۔ یہ سن کر اس نے درخواست کی کہ ان میں سے کچھ مجھے بھی عنایت کیجئے۔ غرض اس نے وہ بت لاکر کعبہ کے گرد نصب کر دیئے اور عرب کو ان کی پوجا کی دعوت دی۔ اس طرح عرب میں بت پرستی شائع ہو گئی۔ جس کا اجمالی (۱) خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

بت کا نام: ود۔

مقام بت: دومتہ الجندل جو دمشق و مدینہ کے وسط میں ہے۔

پوجنے والا قبیلہ: کلب۔

کیفیت: یہ بت بشکل انسان بزرگ جثہ تھا۔ جس پر دو حلقہ منقوش تھے ایک حلقہ بطور ازارد دوسرا بطور

چادر۔ تلوار آڑے لٹکائے ہوئے اور کمانے شانے پر۔ سامنے ایک تھیلے میں نیزہ اور

جھنڈا تھا اور ایک ترکش تھی جس میں تیر تھے۔ حارثہ اجداری اپنے بیٹے مالک کو دودھ

دیکر اس بت کے پاس بھیجا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اپنے معبود کو پلا لاؤ۔

بت کا نام: سواع

مقام بت: رباط

پوجنے والا قبیلہ: ہذیل

کیفیت: بنو لحيان اس بت کے خادم یا پجاری تھے۔

بت کا نام: یغوث

مقام بت: مذحج

پوجنے والا قبیلہ: مذحج و اہل جرش

کیفیت: مذحج یمن میں ایک ٹیلہ کا نام ہے۔

بت کا نام: یعوق

مقام بت: خیوان

پوجنے والا قبیلہ: ہمدان اور اس کے نواح کے لوگ یمن میں

کیفیت: خیوان صنعاء یمن سے مکہ کی طرف دو دن کا راستہ ہے۔

بت کا نام: نسر

مقام بت: بلنخ

پوجنے والا قبیلہ: حمیر

کیفیت: بلنخ سرزمین سبا واقع یمن میں ہے۔ حمیر نسر کو پوجتے رہے یہاں تک کہ وہ نواس نے

ان کو یہودی بنالیا۔ اس طرح حمیر کے لیے تبدیل مذہب سے پہلے صنعاء یمن میں ایک

مندر نام تھا جس پر وہ قربانیاں چڑھاتے تھے۔

بت کا نام: فلس (بشکل انسان)

مقام بت: اجا

پوجنے والا قبیلہ: طسی

کیفیت: قبیلہ طسی کے دو پہاڑ اجاد سلمیٰ مدینہ منورہ سے جانب شمال تین مرحلہ کے فاصلہ پر ہیں۔

اس بت پر قربانی چڑھاتے تھے۔ اگر کوئی جانور بھاگ کر اس کی پناہ میں آتا تو وہ اسی کو

ہو جاتا۔ ایک روز اس کا پجاری صفیٰ نام ایک عورت کی اونٹنی بھگالایا اور اس بت کے

پاس لا کر باندھ دی۔ عورت نے اپنے ہمسایہ سے شکایت کی۔ وہ اونٹنی کو کھول کر لے

گیا۔ پجاری نے بت سے فریاد کی۔ مگر کچھ نہ بنا۔ عدی بن حاتم نے یہ دیکھ کر بت پرستی چھوڑی اور عیسائی ہو گئے۔ پھر ۹ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔

بت کا نام: منات

مقام بت: قدید کے قریب ساحل بحر پر کوہ مشقل کے نواح میں

پوجنے والا قبیلہ: اوس و خزرج ہذیل و خزاعہ

کیفیت: قریش اور باقی تمام عرب اسکی عبادت کرتے تھے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔ اوس و خزرج جب مدینہ سے حج کرنے آئے تو ارکان حج ادا کر کے اپنے سر اس بت کے پاس منڈواتے تھے اور اسکے بغیر حج کو نامتمام سمجھتے تھے۔

بت کا نام: لات

مقام بت: طائف

پوجنے والا قبیلہ: ثقیف

کیفیت: مربع پتھر تھا۔ تمام عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔

بت کا نام: عزی

مقام بت: وادی حراض واقع نخلہ شامیہ (مکہ سے جانب شمال دو دن کا راستہ)

پوجنے والا قبیلہ: قریش

کیفیت: یہ ایک شیطانہ تھی۔ جس کا تھان ببول کے تین درختوں میں تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید نے ان درختوں کو کاٹ دیا اور عزی کو قتل کر دیا قریش دیگر اصنام کی نسبت اس کی تعظیم زیادہ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے حرم کعبہ کی طرح وادی حراض میں ایک درہ کو اس کا حرم قرار دیا تھا۔ اس درہ کا نام سقا تھا۔ اور قربانیوں کیلئے ایک مذبح بنایا تھا جسے غنغب کہتے تھے۔ عرب لات و منات و عزی کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ ہماری شفاعت کریں گی۔

بت کا نام: ذوالخلصہ

مقام بت: تبالہ

پوجنے والا قبیلہ: خشم۔ بحیلہ از دسراة

کیفیت: تبالہ مکہ و یمن کے درمیان مکہ سے سات یا آٹھ دن کی راہ ہے۔ یہ بت سفید پتھر پر منقوش تھا۔ جس پر تاج کی مثل کوئی شے تھی۔

- بت کا نام: سعد
- مقام بت: ساحل جدہ
- پوجنے والا قبیلہ: مالک و ملک و ملک ان پسران کنانہ
- کیفیت: طویل پتھر تھا۔ اس پر خون بہایا جاتا تھا۔ مالک و ملک ان پسران کنانہ ساحل جدہ۔
- بت کا نام: ذوالکفلین
- مقام بت: ارض دوس واقع یمن
- پوجنے والا قبیلہ: دوس
- کیفیت: فتح مکہ کے بعد حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے اس بت کو بحکم رسول اللہ ﷺ آگ سے جلا دیا تھا۔
- بت کا نام: ذوالشری
- مقام بت: ذوالشری
- پوجنے والا قبیلہ: بنو حارث بن یشکر ازدی
- کیفیت: ذوالشری مکہ معظمہ کے قریب ایک مقام نام ہے۔
- بت کا نام: اقصیر
- مقام بت: مشارف شام
- پوجنے والا قبیلہ: قضاہ، حم، جذام، عاملہ، غطفان
- کیفیت: اس کا حج کرتے۔ قربانی دیتے اور اس کے پاس اپنا سر منڈایا کرتے سر منڈوانے والا ہر بال پر گیہوں کے آنے کی ایک مٹھی پھینکا کرتا تھا۔
- بت کا نام: نہم
- پوجنے والا قبیلہ: مزینہ
- کیفیت: اس کا پجاری خزاعی بن عبد نہم مزنی تھا۔ اس نے جب رسول اللہ ﷺ کا حال سنا تو اس بت کو توڑ کر حاضر خدمت ہوا اور ایمان لایا۔
- بت کا نام: عائم رضاء یارضی
- پوجنے والا قبیلہ: اذدسرات۔ بنو ربیعہ بن کعب بن سعد تمیمی
- کیفیت: اس بات کا ذکر صنعاء کے پرانے کتبوں میں بھی پایا جاتا ہے اس کو مستوغری یعنی عمرو بن ربیعہ تمیمی نے زمانہ اسلام میں منہدم کر دیا۔

بت کا نام: سیر

پوجنے والا قبیلہ: غزہ

کیفیت: اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔

بت کا نام: عمیانس

مقام بت: موضع خولان واقعہ یمن

پوجنے والا قبیلہ: خولان

کیفیت: مویشیوں اور کھیتوں کو اس بت اور خدا تعالیٰ کے درمیان تقسیم کیا کرتے تھے۔ بقول

ہشام کلبی و جعلوا لله مما ذرا من الحرث والانعام الا یہ خولان ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

بت کا نام: ہبل

مقام بت: مکہ

پوجنے والا قبیلہ: قریش

کیفیت: کعبۃ اللہ جو خانہ خدا تھا بت خانہ بنا ہوا تھا۔ اس میں تین سو ساٹھ بت تھے جن میں ہبل

بہت بڑا اور جوف کعبہ میں نصب کیا ہوا تھا۔ یہ بت بشکل انسان عمیق احمر کا بنا ہوا تھا۔

اسکا بایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش کو اسی حالت میں ملا تھا۔ انہوں نے اس کیلئے سونے کا

ہاتھ بنا دیا تھا۔ اس کے سامنے سات سیر رکھے ہوئے تھے۔ جن سے پجاری قرعہ

اندازی کیا کرتا تھا۔ اساف اور نائلہ دونوں زمزم کی جگہ پر تھے۔ قریش انکے پاس

قربانیاں دیا کرتے تھے۔ قریش کا ایک بت مناف تھا۔ علاوہ انکے مکہ کے گھر گھر میں

ایک ایک بت تھا۔ جب کوئی سفر کو جاتا تو بطور تبرک اس کو مسح کرتا۔ جب واپس آتا تو

گھر میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس کو مسح کرتا۔

مندرجہ بالا بتوں کے علاوہ عرب میں اور بھی بت تھے۔ ستاروں کی بھی پوجا ہوتی تھی چنانچہ قبیلہ

حمیر سورج کی پرستش کرتا تھا۔ کنانہ چاند کی۔ بنو تمیم و بران کو۔ قیس شعریٰ کو اسد عطار کو اور حم و جذام

مشتری کو پوجتے تھے۔ (۲)

عرب میں درخت پرستی بھی پائی جاتی تھی مکہ مشرفہ کے قریب ایک بڑا سرسبز درخت تھا جاہلیت

میں لوگ سال میں ایک دفعہ وہاں آتے اور اس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکاتے اور اس کے پاس حیوانات

ذبح کرتے۔ کہتے ہیں کہ عرب جب حج کو آتے تو اپنی چادریں اس درخت پر لٹکا دیتے اور حرم میں

بغرض تعظیم بغیر چادروں کے داخل ہوتے۔ اس لیے اس درخت کو انواط کہتے تھے۔ (۳) ابن اسحاق نے حدیث وہب بن منبہ میں ذکر کیا ہے کہ جب فیمیون نصرانی اپنی سیاحت میں نجران میں بطور غلام فروخت ہوا تو اس وقت اہل نجران ایک بڑے درخت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اس درخت کے پاس سال میں ایک دفعہ عید ہوا کرتی تھی۔ وہ عید کے موقع پر اپنے اچھے سے اچھے کپڑے اور عورتوں کے زیورات اس درخت پر ڈال دیا کرتے تھے۔ پھر وہ فیمیون کی کرامت دیکھ کر عیسائی ہو گئے۔ (۴)

بتوں پر عموماً حیوانات کو خون بہایا جاتا تھا۔ مگر بعض دفعہ انسان کو بھی ذبح کر دیتے تھے چنانچہ نیلوس ایک قسم کی قربانی کا ذکر جو ۴۱۰ء میں دی گئی تھی بدیں الفاظ کرتا ہے:

حجاز کے وحشی عربوں کے ہاں دیوتا کی کوئی صورت نہ تھی۔ صرف ان گھڑ پتھروں کی ایک قربانگاہ ہوا کرتی تھی۔ اس پر وہ ستارہ صبح (زہرہ) کے لیے کوئی انسان یا سفید اونٹ بڑی جلدی سے ذبح کیا کرتے تھے۔ یہ قربانی طلوع آفتاب سے پہلے بظاہر بدیں وجہ ہوا کرتی تھی کہ وہ ستارہ اس عمل میں پیش نظر رہے۔ وہ مقام متبرک کے گرد بھجن گاتے ہوئے تین بار طواف کرتے۔ تب سردار قوم یا بوڑھا پجاری اس بھینٹ پر پہلا وار کرتا اور اس کا کچھ خون پیتا۔ بعد ازاں حاضرین کو دپڑتے اور اس جانور کو کچا اور صرف نیم پوست کندہ طلوع آفتاب سے پہلے کھا جاتے۔ خود نیلوس کا بیٹا زہرہ کی بھینٹ چڑھنے کو تھا کہ ایک اتفاقی امر سے بچ گیا۔ نیلوس سے پیشتر پور فری بیان کرتا ہے کہ عرب میں دومہ کے باشندے سال میں ایک بار ایک لڑکے کی بھینٹ دیتے۔ اور اسے قربان گاہ کے نیچے دفن کر دیتے۔ (۵)

اوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ عرب کے طول و عرض میں بت پرستی کا جال بچھا ہوا تھا اس کے علاوہ یہودیت و نصرانیت و مجوسیت بھی کہیں کہیں رائج تھی۔ چنانچہ (۶) حمیر، کنانہ، بنو حارث بن کعب اور کندہ میں یہودیت تھی۔ مدینہ میں یہودیوں کا زور تھا۔ خیبر میں بھی یہودی بستے تھے۔ ربیعہ، غسان اور بعض قضاہ میں نصرانیت تھی۔ مجوسیت بہت کم تھی۔ وہ بت پرستی و یہودیت و عیسائیت میں جذب ہوتے ہوتے صرف بنو تمیم میں رہ گئی تھی۔ جن کے منازل نجد سے یمامہ تک پائے جاتے تھے۔ حضرت حاجب بن زرارہ تمیمی اسی قبیلہ سے تھے۔ جنہوں نے کسریٰ کے ہاں اپنی کمان رہن رکھی تھی اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں فک کرا کر بطور ہدیہ خدمت اقدس میں بھیجتی تھی۔

عرب میں ازدواج کی کثرت تھی۔ چنانچہ جب حضرت غیلان ثقفی ایمان لائے تو ان کے تحت میں دس عورتیں تھیں۔ جمع بین الاختمین جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ ضحاک بن فیروز کا بیان ہے کہ جب میرا باپ اسلام لایا تو اس کے تحت دو سگی بہنیں تھیں۔ جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کا سب سے بڑا بیٹا اپنی سو تیلی ماں کو میراث میں پاتا۔ چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا۔ ورنہ اپنے کسی اور بھائی یا رشتہ دار کو شادی

کے لیے دے دیتا۔ زنا کاری کا عام رواج تھا۔ اور اسے جائز خیال کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح چار طرح (۷) کا تھا ایک نکاح متعارف جیسا کہ آج کل ہے کہ زوج زوجہ کے ولی مہر معین پر متفق ہو جائیں اور ایجاب و قبول ہو جائے۔ دوسرا نکاح استبضاع بدیں طور پر شوہر اپنی عورت کو حیض سے پاک ہونے کے بعد کہتا کہ تو فلاں سے استبضاع (طلب ولد) کر لے اور خود اس سے مقاربت نہ کرتا۔ یہاں تک کہ اس شخص سے حمل ظاہر ہو جاتا۔ اس وقت چاہتا تو وہ اپنی زوجہ سے مجامعت کرتا یہ استبضاع بغرض نجابت ولد کیا جاتا تھا۔ تیسرا نکاح جمع۔ بدیں طور کہ دس سے کم مرد ایک عورت پر یکے بعد دیگرے داخل ہوتے۔ یہاں تک کہ وہ حاملہ ہو جاتی۔ وضع حمل کے چند روز بعد وہ عورت ان سب کو بلاتی اور ان سے کہتی کہ تم نے جو کیا وہ تمہیں معلوم ہے۔ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے کہتی کہ یہ تیرا بچہ ہے۔ پس وہ اسی کا سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ شخص انکار نہ کر سکتا تھا۔ چوتھا نکاح بغایا۔ بدیں طور کہ بہت سے مرد جمع ہو کر بغایا (زنا کار عورتیں) میں سے کسی پر بے روک ٹوک داخل ہوتے۔ یہ بغایا بطور علامت کے اپنے دروازوں پر جھنڈے نصب کرتی تھیں۔ جو چاہتا ان کے پاس جاتا جب ان میں سے کوئی حاملہ ہو جاتی وضع حمل کے بعد وہ سب مرد اس کے ہاں جمع ہوتے اور قافہ کو بلاتے وہ قافہ اس بچہ کو (اس کے اعضاء دیکھ کر فرست سے) جس سے منسوب کرتا اسی کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ اور اس سے انکار نہ ہو سکتا تھا۔

شراب خوری اور قمار بازی بھی عرب میں کثرت سے رائج تھیں۔ مہمان نوازی کی طرح ان دونوں میں مال و دولت لٹانے پر فخر کیا کرتے تھے۔ ملک عرب میں انگوروں یا کھجوروں وغیرہ سے جو شراب بناتے تھے وہ ان کے لیے کافی نہ تھی۔ اس لیے شراب کا بہت بڑا حصہ دیگر ممالک سے منگایا جاتا تھا۔ وہ بہت تیز ہوتی تھی۔ پانی میں ملا کر استعمال کیا کرتے تھے۔ شراب کی دکانوں پر جھنڈے لہرایا کرتے تھے۔ جب کسی دکان میں شراب کا ذخیرہ ختم ہو جاتا تو جھنڈا اتار لیا جاتا تھا۔ اشعار عرب میں جن مقامات کی شراب کا ذکر آیا ہے ان کی تفصیل یوں ہے:

ملک کا نام: سیریا یعنی شام

شراب کیلئے مشہور مقامات: جدر، حمص، بیت راس، خص، اندرین، بصری، صرخد، مآب

کیفیت: بیت راس دوشہروں کا نام ہے۔ ایک بیت المقدس میں دوسرا نواح حلب

میں ہے۔ دونوں میں انگور بکثرت اور شراب کیلئے مشہور تھے۔ جدر کی

شراب کو جدر یہ کہتے تھے۔

فلسطین

ملک کا نام:

شراب کیلئے مشہور مقامات: مقدر۔ عوز۔ بیسان
 کیفیت: مقدر کی شراب کو مقدری یا مقدریہ اور بیسان کی شراب کو بیسانیہ بولتے تھے۔

ملک کا نام: الجزیرہ

شراب کیلئے مشہور مقامات: عانہ
 کیفیت: عانہ کی شراب کو عانیہ کہتے تھے۔

ملک کا نام: کلد یہ یا بابلونیا

شراب کیلئے مشہور مقامات: بابل، صریفون، قطر بل
 کیفیت: صریفون عکبر کے قریب اور قطر بل بغداد و عکبر کے درمیان ہے۔ ان مقامات کی شراب کو بابلیہ و صریفیہ و قطر بلیہ کہتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ دین ابراہیمی جو عرب کا اصلی دین تھا۔ سوائے چند رسموں کے جن سے عقل سلیم کو قطع نظر ارشاد انبیاء علیہم السلام کے انکار نہیں ہو سکتا عرب میں معدوم ہو گیا تھا۔ بجائے توحید کے عموماً شرک و بت پرستی تھی۔ وہ معبودان باطل کو قادر مطلق کی طرح اپنے حاجت روا جانتے تھے۔ بعض اجرام فلکیہ، آفتاب ماہتاب و ستارگان کی پوجا کرتے تھے۔ بعض تشبیہ کے قائل تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی پوجا کرتے اور خدا کے ہاں ان کی شفاعت کے امیدوار تھے۔ شرک و تشبیہ کا کیا ذکر بعض کو خدا کی ہستی ہی سے انکار تھا۔ وہ شب و روز شراب خوری، قمار بازی، زنا کاری اور قتل و غارت گری میں مشغول رہتے تھے۔ قساوت قلب کا یہ حال تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھانے سے دریغ نہ کرتے۔ لڑائیوں میں آدمیوں کو زندہ جلا دینا۔ مستورات کا پیٹ چاک کرنا اور بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز سمجھتے تھے ان کے درمیان جو یہود و نصاریٰ تھے ان کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ ان کی کتابیں محرف ہو چکی تھیں۔ یہود خدا کو مغلولۃ الید اور حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اور نصاریٰ تین خدا مانتے تھے۔ اور مسئلہ کفارہ کی آڑ میں اعمال حسنہ کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے تھے۔

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ بلکہ تمام دنیا میں اسی طرح کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ چنانچہ اہل فارس (۸) آگ کے پوجنے اور ماؤں کے ساتھ وطی کرنے میں مشغول تھے۔ ترک شب و روز بستیوں کے تباہ کرنے اور بندگان خدا کو اذیت دینے میں مصروف تھے۔ ان کا دین بتوں کی پوجا اور ان کی عادت مخلوقات پر مظلم کرنا تھا۔ ہندوستان کے لوگ بتوں کی پوجا اور خود کو آگ میں جلانے

کے سوا کچھ نہ جانتے تھے۔ اور نیوگ کو جائز سمجھتے تھے۔

یہ عالمگیر ظلمت اس امر کی مقتضی تھی کہ حسب عادت الہی ملک عرب میں جہاں دنیا بھر کے ادیان باطلہ و عقائد قبیحہ و اخلاق ردیہ موجود تھے۔ ایک ہادی تمام دنیا کے لیے معبوث ہو۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

عرب جیسی قوم میں جس کی حالت اوپر بیان ہوئی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی بعثت تک ہر پہلو کے لحاظ سے بالکل بے لوث رہی۔ آپ اخلاق حمیدہ سے متصف اور صدق و امانت میں مشہور تھے۔ حتیٰ کہ قوم نے آپ کو امین کا لقب دیا ہوا تھا۔ آپ مجالس لہو و لعب میں کبھی شریک نہ ہوئے۔ وہ افعال جاہلیت جن کی آپ کی شریعت میں ممانعت وارد ہے، آپ کبھی ان کے مرتکب نہ ہوئے جو جانور بتوں پر ذبح کیے جاتے آپ ان کا گوشت نہ کھاتے۔ فسانہ گوئی، شراب خوری، قمار بازی اور بت پرستی جو قوم میں عام شائع تھیں، آپ ان سب سے الگ رہے۔ سال میں ایک بار ماہ رمضان میں کوہ حرا میں جو مکہ مشرفہ سے تین میل کے فاصلہ پر منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں طرف کوہے اعتکاف فرمایا کرتے۔ اور وہاں ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ چند راتوں کا توشہ ساتھ لے جاتے۔ وہ ختم ہو چکتا تو گھر تشریف لاتے اور اسی قدر توشہ لے کر حراء میں جا معتکف ہوتے۔

جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت سے ابتداءً وحی: سرفراز فرمایا۔ وحی کی ابتداء رویائے صادقہ سے ہوئی۔ کچھ آپ رات کو خواب میں دیکھتے بعینہ وہی ظہور میں آتا۔ چھ ماہ اسی حالت میں گزر گئے کہ ایک روز آپ حسب معمول غار حراء میں مراقب تھے کہ فرشتہ (جبریل) آپ کے پاس آیا۔ اس نے آپ سے کہا: اقراء (پڑھو) آپ نے فرمایا: ما انا بقاری (میں پڑھا ہوا نہیں) آپ کا بیان ہے کہ اس پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر بھینچا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے غایت وسع و طاقت کو پہنچا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اقراء میں نے کہا ما انا بقاری اس نے مجھے پکڑ کر دوسری بار بھینچا یہاں تک کہ وہ مجھ سے غایت وسع و طاقت کو پہنچا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اقراء میں نے کہا ما انا بقاری پھر اس نے مجھے پکڑ کر تیسری بار بھینچا یہاں تک کہ وہ مجھ سے غایت وسع اور طاقت کو پہنچا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ

بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

”پڑھا اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا آدمی کو لہو کی پھٹکی سے۔ پڑھا اور

تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے، سکھایا آدمی کو جو کچھ نہ جانتا تھا۔“

یہ سبق بڑھ کر آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے سارا قصہ بیان کیا وہ آپ کو اپنے

چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو عیسائی اور تورات و انجیل کا ماہر تھا۔ اس نے یہ ماجرا سن کر کہا کہ یہ وہی ناموس و فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ پر اتر ا تھا (۹)۔ اس کے بعد کچھ مدت تک وحی بند رہی تاکہ آپ کا شوق و انتظار زیادہ ہو جائے۔ پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ ۚ وَرَبِّكَ فَكْبِيرٌ ۚ وَثِيَابِكَ فَطَهِّرْ ۚ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۚ

”اے لحاف میں لپٹے اٹھ کھڑا ہو۔ پس ڈرنا اور اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔ اور پلیدی کو چھوڑ دے۔“

قم فاندز سے آپ پر انداز اور دعوت الی اللہ فرض ہو چکی تھی۔ مگر اعلان دعوت کا حکم نہ آغاز دعوت: آیا تھا۔ اس لیے آپ نے پہلے خفیہ طور سے ان لوگوں کو دعوت اسلام دی جن پر آپ کو اعتماد تھا اور جو آپ کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ اس دعوت پر کئی مرد و زن ایمان لائے۔ چنانچہ مردوں میں سب سے پہلے جو آپ پر ایمان لائے وہ حضرت ابو بکر صدیق ہیں۔ لڑکوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی المرتضیٰ ہیں۔ اور عورتوں میں حضرت خدیجہ الکبریٰ، آزاد کیے ہوئے غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ۔ اور غلاموں میں حضرت بلال ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق نے ایمان لاتے ہی دعوت اسلام شروع کر دی۔ عشرہ مبشرہ میں سے پانچ۔ یعنی حضرت عثمان غنی، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ، عبدالرحمن بن عوف اور زبیر بن العوام آپ ہی کی ترغیب سے مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے بعد حضرت سعید بن زید، ابوذر غفاری ارم بن ابی ارم، عبداللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون، ابو عبیدہ بن الجراح، عبیدہ بن حارث حصین والد عمران بن حصین، عمار بن یاسر، خباب بن الارت، خالد بن سعید بن العاص اور صہیب رومی وغیرہ ہم سابقین اولین کے زمرہ میں شامل ہوئے۔ جنی اللہ۔ اور عورتوں میں فاطمہ بنت خطاب ہمشیرہ عمر فاروق، اسماء بنت ابی بکر، اسماء بنت سلامہ، تمیمیہ، اسماء بنت عمیس شعمیہ، فاطمہ بنت مجلل قرشیہ عامریہ، فکیہہ بنت یسار، رملہ بنت ابی عوف اور ایمنہ بنت خلف خزاعیہ، سابقات الی الاسلام میں سے ہیں۔ جنی اللہ۔ لیکن یہ سب کچھ جو ہوا پوشیدہ طور پر ہوا۔ نماز بھی شعاب مکہ میں چھپ کر پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاص اور کچھ اصحاب مکہ کے کسی شعب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین نے دیکھ کر اس فعل کو برا کہا۔ پس باہم لڑائی ہو گئی۔ حضرت سعد نے اونٹ کے تالو کی ہڈی ان نابکاروں میں سے ایک پر ماری اور سر توڑ ڈالا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب دار ارم میں جو کوہ صفا کے نشیب میں تھارتے اور وہیں نماز پڑھتے۔

خفیہ دعوت کو جب تین سال ہو چکے تو اعلان کا حکم اس طرح آیا:

تَبْلِغِي عَلَى الْاِعْلَانِ: فَاصْدَعِي بِمَا تُوْمَرُوْنَ وَاَعْرِضِي عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (سورہ حجر)

”پس تو کھول کر بیان کر دے جو تجھے حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں سے کنارہ کر۔“
نیز حکم آیا:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ (شعراء)
”اور ڈرا اپنے نزدیک کے ناطے والوں کو۔“

اس (۱۰) پر آنحضرت ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قبیلہ قریش کے بطون کو یوں پکارا۔ یا نبی فہر یا نبی عدی یہاں تک کہ وہ جمع ہو گئے۔ جو خود نہ آسکتا تھا۔ وہ اپنی طرف سے کسی اور کو بھیجتا تا کہ دیکھے کہ یہ پکار کیسی ہے۔ پس ابولہب اور قریش آ گئے۔ آپ نے فرمایا: ”بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ وادی مکہ سے ایک سواروں کا لشکر تم پر تاخت و تاراج کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا تمہیں یقین آ جائے گا؟“ وہ بولے: ”ہاں۔ کیوں کہ ہم نے تم کو سچ ہی بولتے دیکھا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔“ اس پر ابولہب بولا: ”تجھ پر آئندہ ہمیشہ ہلاک و زیان ہو۔ کیا اس کے لیے تو نے ہم کو جرم کیا ہے؟“ تب یہ آیتیں نازل ہوئیں:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝

”ہلاک ہوں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور ہلاک ہو وہ۔ کام نہ آیا اس کو مال اس کا اور نہ جو کچھ کمایا۔“

جب آنحضرت ﷺ نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی اعلانیہ مذمت شروع کی تو سرداران قریش عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ بن عبد شمس، ابوسفیان، ابو جہل و لید بن مغیرہ، عاص بن وائل سہمی اور اسود بن مطلب وغیرہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تیرا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتاتا ہے اور ہمیں احمق ٹھہراتا ہے۔ تم اس کو منع کر دو۔ یا بیچ میں سے ہٹ جاؤ۔ ہم اس سے سمجھ لیں گے۔ ابوطالب نے انہیں نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ آپ نے تبلیغ کو جاری رکھا مگر قریش بجائے روبراہ ہونے کے آپ سے عداوت زیادہ کرنے لگے۔ اور ایک دوسرے کو آپ سے لڑنے پر ابھارنے لگے۔ وہ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے: ”ابوطالب! بے شک ہم میں تیری قدر و منزلت ہے ہم نے تم سے کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو منع کر دو۔ مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ خدا کی قسم! ہم اپنے معبودوں اور آباؤ اجداد کی توہین گوارا نہیں کر سکتے۔ تم اس کو روک دو ورنہ وہ اور تم میدان میں آ جاؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔“ وہ یہ کہہ کر چلے گئے۔ ابوطالب نے حضور ﷺ کو بلا کر کہا: ”اے میرے بھتیجے! تیری قوم نے میرے پاس آ کر ایسا ایسا کہا ہے تو اپنے آپ پر اور مجھ پر رحم کر۔ اور مجھ امر مالا یطاق کی تکلیف نہ دے۔“ یہ سن کر حضور نے بدیں خیال کہ اب میرے پچانے مجھے چھوڑ

دیا ہے اور میری مدد سے عاجز آ گیا ہے یوں فرمایا ”اے میرے چچا! اللہ کی قسم اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تاکہ میں اس کام کو پھوڑ دوں۔ تب بھی میں اس کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ سے غالب کر دے یا میں خود اس میں ہلاک ہو جاؤں“ (۱۱)

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید یاتن رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید
پھر آپ آبدیدہ ہوئے اور رو پڑے۔ آپ واپس ہوئے تو ابوطالب نے کہا: ”اے میرے بھتیجے! جو کچھ آپ چاہیں کہیں میں کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا“۔ جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالب اس طرح نہیں مانتا۔ تو عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ساتھ لے کر اس کے پاس آئے، کہنے لگے: اے ابوطالب! یہ عمارہ قریش میں نہایت قوی اور خوبصورت نوجوان ہے۔ ہم یہ تجھے دیتے ہیں۔ تو اس کو اپنا بیٹا بنا لے۔ اور اس کے عوض میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دے۔ ابوطالب نے کہا: ”اللہ کی قسم! تم مجھے بڑی تکلیف دیتے ہو۔ کیا تم مجھے اپنا بیٹا دیتے ہو کہ میں اسے تمہارے واسطے پالوں اور اپنا بیٹا تمہیں دوں کہ اسے قتل کر ڈالو! اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا“۔ یہ سن کر قریش اور بھی برا فروختہ ہو گئے وہ ایک روز ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے۔ ولید مذکور فصاحت و بلاغت میں ان کا سردار تھا۔ ایام حج قریب تھے ولید و قریش میں یوں گفتگو ہوئی:

ولید: اے گروہ قریش! حج کا موسم آ گیا ہے۔ عرب کے قبائل تمہارے پاس آئیں گے جنہوں نے تمہارے صاحب کا حال سن لیا ہے۔ اس کے بارے میں ایک رائے پر اتفاق کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم ایک دوسرے کی تکذیب کرو۔

قریش: آپ ہی ایک رائے قائم کر دیں۔ ہم اسے تسلیم کر لیں گے۔

ولید: نہیں، تم کہو میں سنتا ہوں۔

قریش: ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہے۔

ولید: اللہ کی قسم وہ کاہن نہیں۔ ہم نے کاہن دیکھے ہوئے ہیں۔ اس کا کلام نہ کاہن کا زمرہ ہے نہ حج۔

قریش: ہم کہیں گے کہ وہ دیوانہ ہے۔

ولید: وہ دیوانہ نہیں۔ ہم نے دیوانگی دیکھی ہوئی ہے۔ وہ دیوانہ کا عیظ و غضب نہیں نہ دیوانہ کا خلجان و وسوسہ ہے۔

قریش: ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔

ولید: وہ شاعر نہیں۔ ہمیں تمام اقسام شعر رجز، ہزج، قریض، مقبوض اور مبسوط معلوم ہیں۔ اس کا

کلام شعر نہیں۔

قریش: ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔

ولید: وہ جادوگر نہیں۔ ہم نے جادوگر اور ان کے جادو دیکھے ہوئے ہیں۔ یہ جادوگروں کا پھونک مارنا نہیں۔ اور نہ ان کاریوں یا بالوں کو گرہ دینا ہے۔

قریش: ابو عبد شمس! پھر تم بتاؤ ہم کیا کہیں؟

ولید: اللہ کی قسم، اس کے کلام میں بڑی حلاوت ہے۔ اس کلام کی اصل مضبوط جزو والا درخت خرما ہے اور اس کی فرع پھل ہے۔ ان باتوں میں سے جو بات تم کہوں گے۔ وہ ضرور پہچان لی جائے گی کہ جھوٹ ہے۔ اس کے بارے میں صحت سے قریب تر یہ قول ہے کہ تم کہو۔ وہ جادوگر ہے۔ اور ایسا کلام لایا ہے جو جادو ہے۔ اس کلام میں وہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، میا بیوی میں اور خویش واقارب میں جدائی ڈال دیتا ہے۔

ولید کا کلام سن کر وہ مجلس سے چلے گئے۔ جب موسم حج میں لوگ آنے لگے تو وہ ان کے راستوں میں بیٹھتے۔ جو کوئی ان کے پاس سے گزرتا وہ اس کو آنحضرت ﷺ سے ڈرا دیتے اور آپ کا حل بیان کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ولید کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۖ وَجَعَلْتُ لَكَ مَالًا مَدْدُودًا ۖ وَيَسِّرَ لَكَ شُحُودًا ۖ وَمَهَّدْتُ
لَكَ تَهْيِيدًا ۖ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۖ كَلَّا إِنَّكَ كَأَنَّ لَآئِنَا عِينًا ۖ

”چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو جو میں نے بنایا اکیلا۔ اور دیا میں نے اس کو مال پھیلا کر اور بیٹے موجود (یعنی زندگی والے) اور تیار کر دی اس کی خوب تیاری۔ اور پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور دوں۔ کوئی نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف۔“

ان کے بعد کی اور کئی آیتیں ولید ہی کے بارے میں ہیں۔

اسی طرح ایک دن جب کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے سردار قوم عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس اور قریش میں یوں (۱۲) گفتگو ہوئی:

عتبہ: اے گروہ قریش! کیا میں محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں تاکہ اس سے کلام کروں اور چند باتیں اس کے آگے پیش کروں۔ شاید وہ ان میں سے ایک بات کو پسند کرے۔ پس ہم وہ کر دیں اور وہ ہم سے باز رہے۔

قریش: ہاں اے ابوالولید۔ آپ جائیے اور اس سے گفتگو کیجئے۔

عتبہ: (حضرت سے مخاطب ہو کر) بھائی کے بیٹے! آپ کو معلوم ہے کہ خویش واقارب میں آپ

بزرگ و برگزیدہ اور نسب میں عالی رتبہ ہیں۔ آپ اپنی قوم میں ایک نیا مذہب لائے ہیں جس سے آپ نے ان کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ آپ نے ان کے داناؤں کو نادان بتایا۔ ان کے معبودوں اور ان کے دین کو برا کہا۔ اور ان کے گزشتہ آباؤ اجداد کو کافر بتایا۔ سینے میں چند باتیں پیش کرتا ہوں۔ شاید آپ ان میں سے ایک بات پسند فرمائیں۔

آنحضرت ﷺ: ابو الولید! بیان کر میں سنتا ہوں۔

عتبہ: بھائی کے بیٹے! اس نئے مذہب سے آپ کا مقصود اگر مال ہے تو ہم آپ کے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ ہم سب سے زیادہ مالدار بن جائیں۔ اگر اس سے ہم پر شرف مقصود ہے تو آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ آپ کے بغیر کوئی کام نہ کیا کریں گے۔ اگر آپ کو ملک مطلوب ہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر ہم آپ سے اس جن کو نہ روک سکیں جو آپ کے پاس آتا ہے تو آپ کا علاج کرائیں گے اور علاج میں اپنا خرچ کریں گے۔ یہاں تک کہ وہ جن بھاگ جائے۔

آنحضرت ﷺ: ابو الولید کیا تو کہہ چکا جو کہنا تھا؟

عتبہ: ہاں۔

آنحضرت ﷺ: مجھ سے سن۔

عتبہ: سناؤ۔

(آنحضرت ﷺ نے سورہ حم السجدہ کی آیات تا آیہ سجدہ تلاوت فرما کر سجدہ کیا اور عتبہ کھڑا سنتا رہا)

آنحضرت ﷺ: ابو الولید! تو نے سنا؟

عتبہ: میں نے سن لیا۔ آپ جانیں اور آپ کا کام۔

قریش: (عتبہ کو آتا دیکھ کر ایک دوسرے سے) اللہ کی قسم ابو الولید وہ چہرہ لے کر نہیں آیا جو لے کر گیا تھا۔ (عتبہ کو پاس بیٹھا دیکھ کر) ابو الولید! وہاں کا حال سناؤ۔

عتبہ: اللہ کی قسم میں نے ایسا کلام سنا کہ اس کی مثل کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم وہ شعر نہیں۔ نہ جادو ہے۔ نہ کہانت۔ اے گردہ قریش! میرا کہا مانو۔ اس شخص کو کرنے دو جو کرتا ہے اور اس سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم میں نے جو کلام اس سے سنا ہے اس کی بڑی عظمت و شان ہوگی۔ اگر عرب اس کو مغلوب کر لیں تو تم غیر کے ذریعے اس سے بچ گئے۔ اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کا ملک تمہارا ملک ہے۔ اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے تم اس کے سبب سے خوش نصیب ہو جاؤ گے۔

قریش: ابوالولید! اللہ کی قسم اس نے اپنی زبان سے تجھے بھی جادو کر دیا۔

عقبہ: اس کی نسبت میری یہی رائے ہے۔ تم جو چاہو کرو۔

اب رسول اللہ ﷺ کا ذکر بلاد عرب میں دور دور پہنچ چکا تھا قریش روز بروز تشدد میں زیادتی کرتے جاتے تھے۔ انہوں نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ کینے لوگوں کو آپ پر برا بھلا کہنے لگے۔ آپ کی تکذیب کی۔ آپ پر استہزاء کیا۔ آپ کو شاعر کہا۔ جادوگر بتایا۔ کاہن کہا۔ سڑی اور پاگل بتایا مگر آپ برابر تبلیغ فرماتے رہے۔

ایک روز آپ خانہ کعبہ کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے۔ حرم شریف میں اس وقت قریش کی ایک جماعت موجود تھی۔ عقبہ بن ابی معیط نے ابو جہل کی ترغیب سے ذبح کیے ہوئے اونٹوں کی اوجھ سجدے کی حالت میں آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی یہ دیکھ کر وہ سب نابکار قہقہہ مار کر ہنسے۔ کسی نے آپ کی صاحب زادی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر کر دی۔ وہ فوراً دوڑی آئیں اور آپ کی پشت مبارک سے وہ پلیدی دور کر دی اور ان کو برا بھلا کہا۔ یہ نابکار حرمت اللہ کی بے حرمتی بھی کیا کرتے تھے۔ اس لیے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو یوں بد دعا فرمائی۔ (۱۳) ”یا اللہ! تو گروہ قریش کو پکڑ۔ یا اللہ! تو ابو جہل بن ہشام، عقبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف کو پکڑ۔“ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سب کو بدر کے دن مقتول دیکھا اور امیہ کے سوا سب چاہ بدر میں پھینک دیئے گئے۔ امیہ موٹا تھا۔ جب اسے کھینچنے لگے تو چاہ میں ڈالنے سے پہلے ہی اس کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

اسی طرح شیاطین قریش ایک دن خانہ کعبہ میں جمع تھے۔ ابو جہل ایک بھاری پتھر اٹھا کر سجدے کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے سر مبارک کو کچلنے کے لیے آگے بڑھا۔ جب وہ نزدیک پہنچا تو وہ خوف زدہ اور رنگ بدلا ہوا پیچھے بھاگا۔ اور پتھر ہاتھ سے نہ پھینک سکا۔ قریش نے پوچھا: ابوالحکم! تجھے کیا ہوا؟ بولا جب میں نزدیک گیا تو میں نے اس کے پیچھے ایک اونٹ دیکھا۔ اللہ کی قسم میں نے اس کا وہ سر اور گردن اور دانت دیکھے کہ کبھی کسی اونٹ کے دیکھنے میں نہیں آئے۔ وہ اونٹ مجھے کھانے لگا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (۱۴) وہ جبرائیل تھے۔ اگر ابو جہل اور نزدیک آتا تو اسے پکڑ لیتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ نابکار کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن مبارک میں چادر ڈالی۔ پھر اسے کھینچا یہاں تک کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دوڑے آئے اور فرمانے لگے۔ (۱۵) ”کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔“ یہ

ن کر وہ ہٹ گئے۔

یہ اذیتیں آنحضرت ﷺ تک محدود نہ تھی۔ بلکہ آپ کے اصحاب بھی طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا تھے۔ وہ غریب مسلمان جن کا مکہ میں کوئی قبیلہ اور یار و یاور نہ تھا۔ خصوصیت سے قریش کا تختہ بنے ہوئے تھے۔ اذیتیں مختلف انواع کی تھیں مثلاً آگ پر لٹا دینا۔ تپتی ریت پر لٹا کر بھاری پتھر سے رکھ دینا تاکہ کروٹ نہ لے سکے۔ چابک سے اس قدر مارنا کہ ٹوٹ جائے۔ چٹائی میں لپیٹ کر نا میں دھواں دینا۔ جکڑ کر کوٹھڑی میں بند کر دینا۔ پاؤں میں رسی باندھ کر تپتی ریت پر گھسیٹنا۔ گلا اس گھوٹنا کہ دم نکل جانے کا گمان ہو جائے۔ زد و کوب سے بے ہوش و محفل الحواس کر دینا نیزہ مار کر ہلاک دینا وغیرہ۔

جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ مسلمانوں کا مکہ میں رہنا مشکل ہو گیا ہے تو آپ نے:

۵۔ نبوت: اصحاب سے فرمایا کہ ملک حبشہ کا بادشاہ اپنے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ تم میں سے جو چاہیں وہاں چلے جائیں۔ چنانچہ اس سال ماہ رجب میں اول اول گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ جن میں حضرت عثمان غنی اور ان کی زوجہ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ بھی تھیں۔ حسن اتفاق سے جب یہ بندرگاہ پر پہنچے تو ذوات تجارتی جہاز حبشہ کو جا رہے تھے۔ جہاز والوں نے ان کو سستے کرایہ پر بٹھالیا۔ قریش کو خبر لگی تو انہوں نے بندرگاہ تک تعاقب کیا۔ مگر موقع نکل چکا تھا۔

مہاجرین قریباً تین ماہ حبشہ میں امن و امان سے رہے۔ ماہ شوال میں ان کو یہ غلط خبر پہنچی کہ اہل مکہ ایمان لے آئے ہیں۔ اس لیے ان میں سے اکثر مکہ میں واپس آ گئے۔

اس سال آنحضرت کے چچا امیر حمزہ ایمان لائے۔ اور ان کے تین دن بعد حضرت عمر فاروق بھی مشرف باسلام ہوئے جو لوگ حبشہ سے واپس آئے تھے قریش نے ان کو اور دوسرے مسلمانوں کو زیادہ ستانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ اس دفعہ ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں حضور ﷺ کی اجازت سے ہجرت کر کے حبشہ چلی گئیں۔

جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو مہاجرین حبشہ میں سے کچھ لوگ فوراً واپس آ گئے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب وغیرہ جو وہاں رہ گئے تھے وہ فتح خیبر کے وقت مدینہ میں واپس آئے۔ جب حضرت جعفر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے ان سے معاف کیا۔ اور پیشانی کو بوسہ دے کر فرمایا۔ (۱۶) ”میں نہیں بتا سکتا کہ فتح خیبر سے مجھے زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آنے سے۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بارادۂ ہجرت حبشہ کی طرف نکلے تھے برک الغماد تک جہ

یمن کی طرف پانچ دن کی راہ ہے پہنچے تھے کہ قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغنه ملا۔ اس نے یو

رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ میری قوم نے مجھے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنے نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ سافیاض و مہمان نواز اپنوں سے نیک سلوک کرنے والا۔ غریب پرور اور حوادث حق میں لوگوں کا مددگار مکہ سے نکل جائے یا نکالا جائے۔ میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اس لیے آپ ابن الدغنے کے ساتھ مکہ میں واپس آ گئے۔ (۱۷)

جب قریش کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے مشورہ کر کے ایک سفارت بسر کردگی عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ (یا عمارہ بن ولید) نجاشی کی خدمت میں مع تحائف بھیجی۔ سفراء وہاں پہنچ کر پہلے بادشاہ کے بطارقہ سے ملے۔ اور نذریں پیش کر کے کہا کہ ہم میں چند نادان لونڈوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت و بت پرستی دونوں سے جدا ہے۔ وہ بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ ہمیں اشراف قریش نے آپ کے بادشاہ کے پاس بھیجا ہے کہ ان کو واپس کر دے۔ درخواست پیش ہونے پر آپ ہماری تائید کر دیں چنانچہ سفراء نے نجاشی کی خدمت میں حاضر ہو کر تحائف پیش کیے۔ اور سارا قصہ بیان کیا۔ بادشاہ نے مہاجرین کو طلب کیا۔ بطارقہ نے کہا: ”حضور! یہ لوگ ان کے حال سے بخوبی واقف ہیں آپ ان کے حوالہ کر دیں“۔ بادشاہ نے کہا ”نہیں پہلے ہم ان سے دریافت کر لیں“۔ چنانچہ جب مہاجرین دربار میں حاضر ہوئے تو حضرت جعفر بن ابی طالب نے ان کی طرف سے اس طرح تقریر شروع کی: (۱۸)

شاہا! ”ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ اپنوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے۔ قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ ہم اس حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول ہماری طرف بھیجا۔ جس کے نسب اور صدق و امانت اور پرہیزگاری سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہم کو یہ دعوت دی کہ ہم خدا کو ایک جانیں۔ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ بتوں کی پوجا جو ہم اور ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے چھوڑ دیں۔ سچ بولا کریں۔ امانت ادا کریں۔ اپنوں سے محبت و سلوک رکھیں۔ ہمسایوں سے نیک سلوک کریں۔ محارم اور خون ریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ عقیف عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں۔ صدقہ دیں۔ روزے رکھیں پس ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ شرک و بت پرستی چھوڑ دی۔ حرام کو حرام اور حلال کو حلال جاننے لگے۔ اس جرم پر ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی۔ اور اذیت دے کر مجبور کرنے لگی کہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر پھر بتوں کو پوجنے لگ جائیں۔ اور خباثت کو بدستور سابق حلال سمجھیں۔ جب انہوں نے ہم پر قہر و یاس اور ہمارے فرائض مذہبی کی بجا آوری میں سب راہ ہو گئے۔ تو ہم آپ کے ملک میں آپ کی پناہ

میں آگے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔“

یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا کہ تمہارے پیغمبر پر جو کلام اترا ہے اس میں سے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کی چند آیتیں پڑھیں۔ نجاشی سن کر اتنا رویا کہ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اور اس کے اساقفہ بھی روئے۔ پھر نجاشی نے کہا: ”یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔“ اس کے بعد سفیروں سے کہا کہ تم واپس چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں ان کو تمہارے حوالہ نہ کروں گا۔

دوسرے دن عمرو بن العاص نے حاضر دربار ہو کر عرض کیا: ”حضور! یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی نسبت برا عقیدہ رکھتے ہیں۔“ نجاشی نے مسلمانوں کو طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا کہ ”تم حضرت عیسیٰ کی نسبت کیا عقیدہ رکھتے ہو؟“ حضرت جعفر نے کہا ہم اعتقاد رکھتے ہیں جیسا کہ ہمارے پیغمبر نے فرمایا ہے کہ عیسیٰ خدا کے بندے اور پیغمبر اور روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں۔ یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا ”واللہ جو تم نے کہا حضرت عیسیٰ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔“ جب نجاشی کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تو بطارقہ حاضرین کے تھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی۔ مگر نجاشی نے پروا نہ کی۔ اور سفارت بالکل ناکام واپس آئی۔

قریش نے جب دیکھا کہ باوجود تشدد و مزاحمت کے اسلام قبائل عرب میں پھیل رہا ہے۔ کے نبوت: ہے۔ حضرت حمزہ و عمرؓ جیسے لوگ ایمان لائے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے اور سفارت بھی بے نیل مرام واپس آگئی ہے تو انہوں نے بالاتفاق یہ قرار (۱۹) دیا کہ (حضرت) محمد (ﷺ) کو اعلانِ قتل کر دیا جائے۔ ابوطالب کو یہ خبر پہنچی تو اس نے بنی ہاشم و بنی مطلب کو جمع کر کے کہا کہ (حضرت) محمد (ﷺ) کو بغرض حفاظت اپنے شعب (درہ) میں لے چلو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب قریش کو معلوم ہوا کہ ہاشم و مطلب کی اولاد نے (سوائے ابولہب کے) بلا امتیاز حضرت کو اس طرح اپنی پناہ میں لے لیا ہے تو انہوں نے مقام محصب میں جو کہ مکہ و منیٰ کے درمیان ہے آپس میں یہ عہد کیا کہ ہاشم و مطلب کی اولاد سے مناکحت اور لین دین سب موقوف کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ تنگ آ کر محمد (ﷺ) کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ کر دیں۔ (۲۰) اور تاکید مزید کے لیے یہ معاہدہ تحریر کر کے کعبۃ اللہ کی چوٹ میں لٹکا دیا۔ کفار قریش نے نہایت سختی سے اس معاہدہ پر عمل کیا۔ باہر سے جو غلہ مکہ میں آتا وہ خود ہی خرید لیتے اور مسلمانوں تک نہ پہنچتے دیتے۔ اگر ان میں سے کوئی بطور صلہ رحم اپنے کسی مسلمان رشتہ دار کو ناج بھیجتا تو اس کے بھی سدراہ ہوتے۔ غرض بنو ہاشم شعب ابی طالب میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ ابوطالب کا یہ معمول تھا کہ جب لوگ سو جاتے تو آنحضرت ﷺ کو

بغرض حفاظت آپ کے بستر سے اٹھاتا تا کہ دوسرے بستر پر جا لیں اور آپ کے بستر پر اپنے کسی بیٹے یا بھائی کو لٹاتا۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ابو طالب آپ کی مراعات و مدد کیا کرتا تھا۔ اور آپ کے لیے ناراض ہوا کرتا تھا۔ کیا یہ عمل اس کو فائدہ دے گا؟ آپ نے فرمایا:

نعم وجدته فی غمرات من النار فاخرجته الی ضحضاح۔

”ہاں میں نے اسے سر تا پا بڑی آگ میں پایا پس اس کو نکال کر تھوڑی آگ میں کر دیا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچی ہے۔“

یہ تو عذاب قبر میں تخفیف ہے قیامت کو بھی اس کی یہی حالت ہوگی۔ چنانچہ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ابو طالب کا ذکر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لعلہ تنفعہ شفاعتی یوم القیمة فیجعل فی ضحضاح من النار یبلغ کعبہ یغلی منه دماغہ۔

”مجھے امید ہے قیامت کو میری شفاعت اسے فائدہ دے گی۔ پس اس کو تھوڑی آگ میں کر دیا جائیگا جو اسکے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے اس کا دماغ جوش کھائے گا۔“

بعض علماء نے خلاف احادیث صحاح ابو طالب کا ایمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ والعلم عند اللہ۔

جب تین سال اسی حالت میں گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو خبر دی کہ اس معاہدے کو دیکھ اس طرح چاٹ گئی ہے کہ اللہ کے نام کے سوا اس میں کچھ باقی نہیں رہا۔ آپ نے یہ خبر ابو طالب کو دی۔ اس نے کفار قریش کو جا کر کہا: ”اے گروہ قریش! میرے بھتیجے نے مجھ کو اس طرح خبر دی ہے۔ تم اپنا معاہدہ لاؤ۔ اگر یہ خبر صحیح نکلی تو تم قطع رحم سے باز آؤ۔ اور اگر غلط نکلی تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔“ وہ اس پر راضی ہو گئے۔ جب معاہدہ دیکھا گیا تو ویسا ہی پایا گیا جیسا کہ خبر دی گئی تھی۔ اسی وقت پانچ اشخاص (ہشام بن عمر۔ زبیر بن ابی امیہ مخزومی۔ مطعم بن عدی۔ ابو البختری۔ زمعہ بن الاسود) کچھ قیل و قال کے بعد اس معاہدے کو چاک کرنے پر متفق ہو گئے۔ اور آخر کار ابو البختری نے لے کر پھاڑ ڈالا باقی سب بجائے روبراہ ہونے کے مزید ایذا کے درپے ہو گئے۔

اس سال ماہ رمضان میں ابو طالب نے وفات پائی۔ اور اس کے تین روز بعد خدیجہ

ؓ نبوت: الکبریٰؓ بھی انتقال فرما گئیں۔ اب کفار قریش رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی پر اور

دلیر ہو گئے۔ ایک روز ایک نابکار نے راہ میں آپ کے سر مبارک پر خاک ڈال دی۔ آپ اسی حالت میں گھر تشریف لے گئے۔ آپ کی صاحبزادی نے دیکھا۔ تو پانی لے کر سر مبارک کو دھونے لگیں۔ اور روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ”جان پدر! اللہ تعالیٰ تیرے باپ کو بچالے گا۔“ (۲۱)

آخر آنحضرت ﷺ نے تنگ آ کر اس خیال سے کہ اگر ثقیف ایمان لے آئے تو قریش کے برخلاف میری مدد کریں گے۔ طائف کا قصد کیا۔ زید بن حارثہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر اشراف ثقیف یعنی عبدیاللیل اور اس کے بھائی مسعود حبیب کو دعوت اسلام دی۔ مگر انہوں نے آپ کی دعوت کا بری طرح جواب دیا۔ ایک بولا: ”اگر تجھے خدا نے پیغمبر بنایا ہے تو وہ کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔“ دوسرے نے کہا: ”کیا خدا کو پیغمبری کے لیے تیرے سوا کوئی اور نہ ملا؟“ تیسرے نے کہا: ”میں ہرگز تجھ سے کلام نہیں کر سکتا۔ اگر تو پیغمبری کے دعویٰ میں سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ اور اگر جھوٹا ہے تو قابل خطاب نہیں۔“ جب آپ مایوس ہو کر واپس ہوئے تو انہوں نے کینے لوگوں اور غلام کو آپ پر ابھارا۔ جو آپ کو گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے تھے۔ اتنے میں لوگ جمع ہو گئے۔ وہ آپ کے راستہ میں دو رو یہ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب آپ درمیان سے گزرے تو قدم اٹھاتے وقت آپ کے پاؤں پر پتھر برسانے لگے۔ یہاں تک کہ نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ جب آپ کو پتھروں کا صدمہ پہنچتا تو بیٹھ جاتے۔ مگر وہ بازو تھام کر کھڑا کر دیتے۔ جب پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے اور ساتھ ساتھ ہنستے جاتے۔ اس طرح انہوں نے عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ کے باغ تک آپ کا تعاقب کیا۔ آپ نے باغ میں ایک انگور کی شاخ کے سایہ میں پناہ لی۔ عتبہ اور شیبہ اگرچہ آپ کے سخت دشمن تھے۔ مگر آپ کی اس حالت پر ان کو بھی رحم آ گیا۔ انہوں نے اپنے نصرانی غلام عداس سے کہا کہ انگور کا ایک خوشہ تھال میں رکھ کر ان کے پاس لے جا اور کہہ دے کہ کھالیں۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کر کھایا۔ عداس متعجب ہو کر کہنے لگا کہ ان شہروں کے لوگ ایسا نہیں کہتے۔ آپ نے پوچھا: تو کہاں سے ہے؟ اس نے کہا نینوی سے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ نیک بندے یونس بن متی کا شہر ہے پھر اس نے آپ سے یونس کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بھی میری طرح پیغمبر تھے۔ یہ سن کر وہ آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور اسلام لایا۔

اسی سفر میں مقام نخلہ میں جو مکہ شرفہ سے ایک رات کا راستہ ہے شہر نصیبین (۲۲) کے جن حاضر ہوئے۔ آپ رات کو نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ وہ سن کر ایمان لائے۔ واذ صرفنا الیک نفرًا من الجن الایہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ نخلہ میں چند روز قیام رہا۔ وہاں سے آپ حرا میں

تشریف لائے۔ اور مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ کیا تم مجھے اپنی پناہ و امان میں لے سکتے ہو؟ مطعم نے قبول کیا۔ آپ رات کو مطعم کے ہاں رہے۔ جب صبح ہوئی تو مطعم اور اس کے بیٹوں نے ہتھیار لگائے اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ طواف کیجئے۔ اور خود تلواریں لگائے ہوئے مطاف میں موجود رہے جب حضرت طواف سے فارغ ہوئے تو اسی ہیئت میں آپ کے دولت خانہ تک آپ کے ساتھ آئے۔

اس سفر کے مدتوں بعد ایک روز عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن آیا ہے جو احد کے دن سے سخت ہو۔ فرمایا بے شک میں نے تیری قوم سے دیکھا جو دیکھا۔ اور جو میں نے ان سے دیکھا اس میں سب سخت عقبہ کا دن تھا۔ جب کہ میں انے اپنے آپ کو عبد یلیل بن کلال پر پیش کیا۔ اس نے دعوت اسلام کو قبول نہ کیا۔ پس میں غم کی حالت میں گردن جھکائے چلا۔ مجھے ہوش نہ آیا مگر قرن الثعالب میں سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل نے مجھے سایہ کیا ہوا ہے۔ میں نے نظر اٹھائی تو اس بادل میں حضرت جبرائیل دکھائی دیئے۔ حضرت جبرائیل نے مجھے آواز دی اور کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول سن لیا ہے اور انہوں نے جو آپ کو جواب دیا وہ بھی سن لیا ہے۔ آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا گیا ہے۔ تاکہ آپ اسے حکم دیں جو کچھ آپ اپنی قوم میں چاہتے ہیں۔ حضور کا بیان ہے کہ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی اور سلام کے بعد کہا اے محمد! بے شک اللہ نے آپ کی قوم کا قول سن لیا ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ مجھ کو آپ کے رب نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں اشہین (۲۳) کو ان پر الٹ دوں۔ (توالٹ دیتا ہوں) آپ نے جواب دیا: ”نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے بندے پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔“ (۲۳)

آنحضرت ﷺ کی عادت شریف تھی کہ ہر سال موسم حج میں تمام قبائل عرب کو جو مکہ التاسعہ انبوت: اور نواح مکہ میں موجود ہوتے دعوت اسلام دیا کرتے تھے۔ اسی غرض سے ان کے میلوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے۔ ان میلوں میں سے عکاظ و مجنہ و ذوالہجاز کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ عکاظ جو ان سب سے بڑا تھا نخلہ و طائف کے درمیان طائف سے دس میل کے فاصلہ پر لگا کرتا تھا۔ یہ عرب کی تجارت کی بڑی منڈی اور شعراء کا دنگل تھا ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے بیس تک رہا کرتا تھا۔ پھر مجنہ جو مرانظہر ان کے متصل مکہ سے چند میل پر تھا۔ اخیر ذیقعدہ تک لگتا۔ اور ذوالہجاز جو عرفہ کے متصل تھا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے آٹھویں تک قائم رہتا۔ بعد ازاں لوگ حج کو نکلتے۔ آنحضرت ﷺ لوگوں کے ڈیروں پر جا کر تبلیغ فرماتے۔ مگر کوئی آپ کی نصرت کا دم نہ بھرتا تھا۔ عرب کے قبائل جن کے پاس حضرت بغرض تبلیغ

تشریف لے گئے یہ ہیں: بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارہ، ان سب کو آپ نے دعوت اسلام دی۔ مگر کوئی ایمان نہ لایا ابولہب لعین ہر جگہ ساتھ جاتا۔ جب آپ کہیں تقریر فرماتے تو وہ برابر سے کہتا ”اس کا کہنا نہ مانیو۔ یہ بڑا دروغ گودین سے پھرا ہوا ہے۔“

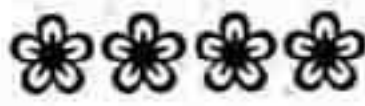
اللہ تعالیٰ کو اپنے دین اور اپنے رسول کا اعزاز منظور تھا۔ اس لیے نبوت کے گیارہویں سال ماہ رجب میں جب آپ نے حسب عادت منیٰ میں عقبہ کے نزدیک جہاں اب مسجد عقبہ ہے قبیلہ خزرج کے چھ آدمیوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ ایمان لے آئے۔

واضح رہے کہ مدینہ کا اصلی نام یثرب تھا۔ بہت قدیم زمانہ میں یہاں قوم عمالقہ کے لوگ آباد تھے۔ ان کے بعد شام سے یہود آئے۔ اور انہوں نے یثرب اور اس کے نواح میں اپنی سکونت کے لیے آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے۔ جب مارب واقع یمن میں سیل عرم آیا تو وہاں کے لوگ یمن سے نکل کر مختلف جگہوں میں چلے گئے۔ چنانچہ قبیلہ ازد بن غوث قحطانی کے دو بھائی اوس و خزرج یثرب میں آئے۔ تمام انصار ان ہی دو کے خاندان سے ہیں۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ یہود کا چونکہ بڑا اقتدار و زور تھا اس لیے قبیلہ اوس و خزرج آخر کار ان کے حلیف بن گئے۔ یہود اہل کتاب اور صاحب علم تھے۔ اوس و خزرج نے جو بت پرست تھے ان سے سنا ہوا تھا کہ ایک اور پیغمبر عنقریب معبوث ہونے والا ہے۔ اس لیے جب آنحضرت ﷺ نے حسب معمول دعوت اسلام دی تو خزرج کے چھ اشخاص نے آپ کے حالات پر غور کر کے ایک دوسرے سے کہا کہ ”واللہ! یہ تو وہی ہیں جن کا ذکر ہم نے یہود مدینہ سے سنا ہوا ہے۔ کہیں یہود ہم سے سبقت نہ لے جائیں“ اس لیے وہ سب آپ پر ایمان لائے۔ انہوں نے مدینہ میں پہنچ کر اپنے بھائی بندوں کو اسلام کی دعوت دی۔ آئندہ سال بارہ مرد ایام حج میں مکہ میں آئے۔ اور انہوں نے عقبہ کے متصل آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر عورتوں کی طرح بیعت کی۔ کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ چوری نہ کریں گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے زنا نہ کریں گے بہتان نہ لگائیں گے کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گے۔ چونکہ عورتوں سے ان ہی باتوں پر بیعت (۲۵) ہوئی تھی۔ اس لیے بیعت مذکورہ کو عورتوں کی سی بیعت کہا گیا۔ اس کو بیعت عقبہ اولیٰ یعنی عقبہ میں اول مرتبہ بیعت بولتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ان بارہ کے ساتھ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف کو بدیں غرض بھیجا کہ ان کو تعلیم اسلام دیں۔ حضرت مصعب نے سعد بن زرارہ کے مکان پر قیام کیا۔ پھر ان کو ساتھ لے کر بنی عبد الاشہل اوسی میں آئے۔ اس قبیلہ کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر آپ کے سمجھانے سے ایمان لائے۔ اور ان کے ایمان لانے سے سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

بقول مشہور اسی سال ماہ رجب کی ستائیسویں رات کو آنحضرت ﷺ کو حالت بیداری میں جسد شریف کے ساتھ معراج شریف ہوا اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

نبوت کے تیرھویں سال میں ایام حج میں انصار کے ساتھ ان کی قوم کے بہت سے مشرک بھی حجاز میں آئے۔ جب حج سے فارغ ہوئے تو ان میں سے بہتر مرد اور دو عورتیں اپنی قوم سے چل کر ایام تشریق میں رات کے وقت عقبہ منیٰ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس حضرت عباس بن عبدالمطلب جو اب تک اسلام نہ لائے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے سب پہلے وہی بولے ”اے گروہ خزرج محمد (ﷺ) اپنی قوم میں معزز ہیں۔ اور اپنے شہر میں مددگاروں کی ایک جماعت ساتھ رکھتے ہیں۔ ہم نے ان کو دشمنوں سے بچایا ہے اگر تم اپنے عہد کو پورا کر سکو اور ان کو دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے ان کا ساتھ چھوڑ دو“ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دی اور فرمایا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم مجھ سے وہ چیز بازر کھو گے جو اپنے اہل و عیال سے بازر رکھتے ہو۔ یہ سن کر سب سے پہلے براء بن معرور انصاری خزرجی نے آپ کا دست مبارک پکڑ کر کہا ”ہمیں منظور ہے یا رسول اللہ ہمیں بیعت کر لیجئے۔ واللہ ہم اہل حرب و اہل سلاح ہیں۔ یہی باپ دادا سے ہمیں ورثہ میں ملی ہیں“ ابوالہیثم بن تیہان انصاری اسی نے قطع کلام کر کے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہود سے ہمارے تعلقات ہیں جو بیعت سے ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اللہ آپ کو غلبہ دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں چلے جائیں۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا: ”نہیں۔ تمہارا میرا خون ہے میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ تمہارا دشمن میرا دشمن اور دوست میرا دوست ہے“ اس طرح جب وہ بیعت کے لیے آمادہ ہو گئے تو عباس بن عبدادہ بن اصل انصاری خزرجی نے ان سے کہا ”یہ بھی خبر ہے کہ تم محمد (ﷺ) سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ عرب و عجم سے جنگ پر بیعت ہے۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ جب تمہارے مال تاراج ہوں اور تمہارے اہل و عیال قتل ہوں۔ تم ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو ابھی سے چھوڑ دو۔ اور اگر ایسی مصیبت پر بھی ساتھ دے مت کر لو“ سب بولے ہم اسی بات پر بیعت کرتے ہیں مگر یا رسول اللہ اگر ہم اس عہد پر ثابت نہیں کیا ملے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا بہشت۔ یہ سن کر سب نے آپ کے دست مبارک پر ہاتھ رکھے۔ اسے عقبہ کی بیعت ثانیہ کہتے ہیں بیعت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں سے بارہ اشخاص کو مقرر کیا جن کے نام خود انصار نے پیش کیے اور ان سے یوں خطاب فرمایا ”تم اپنی اپنی قوم کے کفیل ہو۔ جیسا کہ حواری حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہا السلام) کے تھے۔ اور میں اپنی قوم کا

لقیل ہوں“ وہ بولے کہ ہاں! منظور ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے اپنے ڈیروں پر چلے گئے۔ صبح کو قریش ان سے کہنے لگے ہم نے سنا ہے کہ تم نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر بیعت کی ہے۔ ان کے مشرک ساتھیوں نے کہا کہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی یہ سن کر قریش واپس چلے گئے۔ مگر تفتیش کے بعد حقیقت حال جو ان کو معلوم ہوئی تو انہوں نے انصار کا تعاقب کیا۔ صرف سعد بن عبادہ ان کے ہاتھ آئے۔ ظالموں نے ان ہی کے اونٹ کے تنگ سے ان کے ہاتھ گردن سے جکڑ لیے۔ اور مارتے پیٹتے اور سر کے بالوں سے گھسیٹتے ہوئے ان کو مکہ میں لے آئے۔ وہاں جبیر بن مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے ان کو چھڑایا۔



باب : ۴

حالات ہجرت تا وفات شریف

قریش کی اذیت رسائی کے سبب سے اب مکہ میں مسلمانوں کا قیام نہایت دشوار ہو گیا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ۔ چنانچہ صحابہ کرام متفرق طور پر رفتہ رفتہ چوری چھپے مدینہ پہنچ گئے اور مکہ میں حضور انور بانی ہوو امی کے علاوہ حضرت ابو بکر و علی اور کچھ بیمار و عاجز رہ گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی اجازت مانگی تو حضور نے فرمایا ”امید ہے کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل جائے گی“ عرض کیا ”میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ یہ امید ہے؟“ ”فرمایا ہاں“ یہ سن کر حضرت صدیق ہمراہی کی امید پر حاضر خدمت رہے۔

قریش نے جب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے مددگار مکہ سے باہر مدینہ میں بھی خبردار الندوہ (۱): ہو گئے ہیں اور مہاجرین مکہ کو انصار نے اپنی حمایت میں لے لیا ہے تو وہ ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بھی وہاں چلے جائیں۔ اور اپنے مددگاروں کو ساتھ لے کر حملہ آور ہوں۔ اس لیے تمام قبائل قریش کے سردار عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ، ابوسفیان طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث، ابوالنختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، ابو جہل بدیہ و منبہ پسران حجاج اور امیہ بن خلف وغیرہ دار الندوہ میں مشورہ کے لیے جمع ہوئے ابلیس لعین بھی کبیل اوڑھے اور شیخ پارسا کی صورت بنائے دروازہ پر آمو جو ہوا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ بولا ”میں نجدیوں سے ایک شیخ ہوں۔ میں نے سن لیا ہے جس امر کے لیے تم جمع ہوئے اس لیے میں بھی حاضر ہوا ہوں تاکہ سنوں کہ تم کیا کہتے ہو اور مجھے تم سے اپنی رائے اور نصیحت سے بھی دریغ نہ ہوگا“ وہ بولے بہت اچھا آئے۔ جب آنحضرت ﷺ کا معاملہ پیش ہوا تو ایک بولا اس کے ہاتھ پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال کر ایک کوٹھڑی میں بند کر دو اور کھانے پینے کو کچھ نہ دو خود ہلاک ہو جائے گا۔ شیخ نجدی نے کہا یہ رائے اچھی نہیں۔ اللہ کی قسم! اگر تم اس کو اس طرح کوٹھڑی میں قید بھی کر دو تو اس کی خبر بند دروازے میں سے اس کے اصحاب تک پہنچ جائے گی۔ وہ تم پر حملہ کر کے اس کو چھڑالیں گے۔ دوسرا بولا کہ اس کو شہر سے نکال دو۔ جہاں چاہے چلا جائے ہمیں اس کا خوف نہ رہے گا۔ شیخ نجدی نے کہا اللہ کی قسم! یہ رائے اچھی نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کا کلام کیسا

شیریں اور دلفریب ہے اگر تم ایسا کرو گے تو ممکن ہے وہ کسی قبیلہ میں چلا جائے اور اپنے کلام سے اسے اپنا تابع بنا لے۔ اور پھر انہیں ساتھ لے کر تم پر حملہ کر دے۔ ابو جہل بولا۔ میرے ذہن میں ایک رائے ہے۔ جو اب تک کسی کو نہیں سوچھی۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ ابو جہل نے کہا: ”وہ یہ ہے کہ ہم ہر قبیلہ میں سے ایک ایک عالی قدر دلیر خاندانی جوان لیں۔ اور ہر نو جوان کے ہاتھ میں ایک ایک تیز تلوار دے دیں۔ پھر وہ سب مل کر اس کو قتل کر دیں اور اس طرح جرم خون تمام قبائل پر عائد ہوگا عبد مناف کی اولاد تمام قبائل سے لڑ نہیں سکتی اس لیے وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ اور ہم آسانی سے خون بہا دیں گے“ یہ سن کر شیخ نجدی بولا ”یہی بات درست ہے اس کے سوا کوئی اور رائے نہیں“ سب نے اس رائے پر اتفاق کیا اور مجلس برخواست ہو گئی قرآن مجید کی آیہ ذیل میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُبْتِلُواكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۗ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۗ

وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَكْرِينِ ۖ

”اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں اور پنا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔“ (انفال، ۴۷)

جب قریش قتل پر اتفاق کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو حضرت جبرائیل اللہ قصہ ہجرت: تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور قریش کے ارادہ کی آپ کو اطلاع دی اور عرض کیا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ عین (۲) دوپہر کے وقت حضور ﷺ حضرت ابوبکر کے گھر تشریف لے گئے۔ دروازے پر دستک دی۔ اجازت کے بعد اندر داخل ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”جو تمہارے پاس ہیں ان کو نکال دو“ حضرت صدیق نے عرض کیا ”یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان، آپ کے اہل کے سوا کوئی اور نہیں“ آپ نے فرمایا کہ ”مجھے ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے“ حضرت صدیق نے عرض کیا ”یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان! میں آپ کی ہمراہی چاہتا ہوں“ رسول اللہ ﷺ نے منظور فرمایا۔ حضرت صدیق نے پھر عرض کیا ”یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان آپ ان دو اونٹنیوں (۳) میں سے ایک پسند فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں قیمت سے لوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو شادی کے بعد سے اس وقت تک اپنے والد بزرگوار کے گھر میں تھیں بیان فرماتی ہیں کہ ہم نے سفر کی ضروریات کو جلدی تیار کر دیا۔ اور دونوں کے لیے کچھ کھانا توشہ دان میں رکھ دیا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنے نطق (پٹکے) کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے توشہ دان کا منہ اور دوسرے سے مشکیزہ کا منہ باندھا۔ جس کی وجہ سے ان کو

ذات النطاقین کہا جاتا ہے ایک کافر عبداللہ بن اریقظ دہلی جو راستہ سے خوب واقف تھا رہنمائی کے لیے اجرت پر نو کر رکھ لیا گیا اور دونوں اونٹنیاں اس کے سپرد کر دی گئیں تاکہ تین راتوں کے بعد غار پر حاضر کر دے۔ اس انتظام کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے دولت خانہ کو تشریف لے گئے۔

ایک تہائی رات گزری تھی کہ قریش نے حسب قرارداد دولت خانہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس انتظار میں رہے کہ آپ سو جائیں تو حملہ آور ہوں۔ اس وقت آپ کے پاس صرف حضرت علی المرتضیٰ تھے۔ قریش کو اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے سخت عداوت تھی۔ مگر آپ کی امانت و دیانت پر انہیں اس قدر اعتماد تھا کہ جس کے پاس کچھ مال و اسباب ایسا ہوتا کہ اسے خود اپنے پاس رکھنے میں جو کھم نظر آتی وہ آپ ہی کے پاس امانت رکھتا۔ چنانچہ اب بھی آپ کے پاس کچھ امانتیں تھیں۔ اس لیے آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور حکم دیا کہ یہ امانتیں واپس کر کے چلے آنا۔ اور خود خاک کی ایک مٹھی لی (۴) اور سورہ یسین شریف کے شروع کی آیات فہم لا یبصرون تک پڑھتے ہوئے کفار پر پھینک دی اور اس مجمع میں سے صاف نکل گئے۔ کسی نے آپ کو نہ پہچانا ایک مخبر نے جو اس مجمع میں نہ تھا ان کو خبر دی کہ محمد (ﷺ) تو یہاں سے نکل گئے اور تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے ہیں انہوں نے اپنے سروں پر جو ہاتھ پھیرا تو واقعی میں خاک پائی۔ مگر حضرت علیؑ کو سبز چادر اوڑھے ہوئے سوتے دیکھ کر خیال کیا کہ رسول اللہ سورہ ہے ہیں جب صبح کو حضرت علی بیدار ہوئے تو وہ کہنے لگے کہ اس مخبر نے سچ کہا تھا۔

آنحضرت ﷺ اپنے دولت خانہ سے نکل کر حضرت ابو بکر صدیق کے گھر تشریف لے گئے۔ راستے میں بازار حزورہ میں جو بعد میں مسجد حرام میں شامل کر لیا گیا ٹھہر کر یوں خطاب (۵) فرمایا ”بطحائے مکہ، تو پاکیزہ شہر ہے اور میرے نزدیک کیسا عزیز ہے اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا“ اسی رات آپ حضرت ابو بکر کو ساتھ لے کر گھر کے عقب میں ایک دریچے سے نکلے اور کوہ ثور کے غار پر پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ غار میں داخل ہوں مگر صدیق اکبر نے عرض کیا کہ آپ داخل نہ ہوں۔ جب تک کہ میں پہلے داخل نہ ہوں تاکہ اگر اس میں کوئی سانپ بچھو وغیرہ ہو۔ تو وہ مجھ کو کاٹے آپ کو نہ کاٹے۔ اس لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے داخل ہوئے۔ غار میں جھاڑو دی۔ اس کے ایک طرف میں کچھ سوراخ پائے۔ اپنا شلووار پھاڑ کر ان کو بند کیا مگر دو سوراخ باقی رہ گئے، ان میں اپنے دونوں پاؤں ڈال دیئے۔ پھر عرض کیا اب تشریف لائیے۔ آپ داخل ہوئے اور سر مبارک حضرت صدیق اکبر کی گود میں رکھ کر سو گئے ایک سوراخ سے کسی چیز نے حضرت صدیق کو کاٹا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے کہ مبادا رسول اللہ ﷺ جاگ اٹھیں۔ حضرت صدیق

کے آنسو جو آپ کے چہرہ مبارک پر گرے تو فرمایا ”ابو بکر تجھے کیا ہوا؟ عرض کی ”میرے ماں باپ آپ پر فدا مجھے کسی چیز نے کاٹ کھایا“ آپ نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ فوراً سب درد جاتا رہا (۶) اس غار میں دونوں تین راتیں رہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ جو نوخیز جوان تھے رات کو غار میں ساتھ سوتے صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور قریش جو مشورہ کرتے یا کہتے شام کو غار میں آکر اس کی اطلاع دیتے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ دن کو بکریاں چراتا۔ اور رات کو دو بکریاں غار پر لے جاتا۔ ان کا دودھ حضور اقدس ﷺ اور صدیق اکبر کے کام آتا۔ عامر منہ اندھیرے بکریوں کو عبداللہ کے نقش پا پر ہانک لے جاتا تا کہ نقش مٹ جائے۔

جب آنحضرت ﷺ رات کو اپنے دولت خانہ سے نکل آئے تو صبح کو کفار نے حضرت علی سے پوچھا کہ تیرا یار کہاں گیا؟ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں اس لیے پائے مبارک کے نشان کے ذریعے سے انہوں نے آنحضرت ﷺ کا تعاقب کیا۔ جب وہ کوہ ثور کے پاس پہنچے تو پائے مبارک کا نشان ان پر مشتبہ ہو گیا۔ وہ پہاڑ پر چڑھ گئے اور غار کے دہانہ پر پہنچ گئے۔ مگر غار پر اس وقت خدائی پہرہ لگا ہوا تھا۔ (۷) دہانہ پر مکڑی نے جالاتا ہوا تھا۔ اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ اگر (حضرت) محمد (ﷺ) اس میں داخل ہوتے تو مکڑی جالانہ تمنی اور کبوتری انڈے نہ دیتی۔ اس حال میں آہٹ پا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی کی نظر اپنے قدم پر پڑ جائے تو ہمیں دیکھ لے گا“ آپ نے فرمایا ”غم نہ کر۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔“

قصہ کوتاہ غار میں تین راتیں گزار کر شب دوشنبہ یکم ربیع الاول کو اونٹنیوں پر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے عامر بن فہیرہ کو حضرت ابو بکر نے بغرض خدمت اپنے ساتھ سوار کر لیا تھا۔ بدرقہ آگے آگے راستہ بناتا جاتا تھا۔ راستے میں اگر کوئی حضرت صدیق سے رسول اللہ ﷺ کی نسبت پوچھتا تھا کہ یہ کون ہیں تو جواب دیتے کہ یہ میرے ہادی طریق ہیں۔

حضرت ابو بکر کا بیان ہے کہ (دوشنبہ کی) رات کو روانہ ہو کر ہم برابر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی اور راستہ میں آمد و رفت بند ہو گئی، ہمیں ایک بڑا پتھر نظر آیا۔ ہم اس کے نزدیک اتر پڑے، میں نے اس کے سایہ میں اپنے ہاتھوں سے جگہ ہموار کی۔ اس پر پوستین بچھادی اور عرض کی ”یا رسول اللہ! آپ سو جائیں میں آپ کے ارد گرد پاسبانی کرتا ہوں“ آپ سو گئے میں نکلا کہ دیکھوں ارد گرد کوئی دشمن تو نہیں آ رہا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں اسی پتھر کی طرف سایہ میں آرام پانے کے لیے لا رہا ہے۔ میں نے پوچھا: تو کس کا غلام ہے؟ اس نے قریش کے ایک شخص کا نام لیا تو میں نے اسے پہچان لیا، اور پوچھا کہ تیری بکریوں میں دودھ دینے والی ہیں؟ وہ بولا کہ ہاں میں نے کہا کیا تو دودھ

کردے سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں پس اس نے ایک بکری پکڑ لی میں نے کہا اس کا تھن گردو غبار سے صاف کر لے پھر کہا کہ تو اپنا ہاتھ بھی صاف کر لے۔ اس نے ایک پیالہ چوبین میں دودھ دوہا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک مطہرہ ساتھ لے گیا تھا جس سے آپ وضو کرتے۔ میں نے ٹھنڈا کرنے کے لیے دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا کر خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آپ نے خوب پیا۔ جس سے میری طبیعت خوش ہوئی پھر فرمایا کیا چلنے کا وقت نہیں آیا؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں دن ڈھل چکا تھا کہ ہم وہاں سے چلے۔ (۸)

دوسرے روز یعنی سہ شنبہ کے دن جب قدید کے قریب پہنچے تو سراقہ بن مالک بن جشم مد لہجی تعاقب میں نکلا۔ جس کی کیفیت وہ خود یوں بیان کرتا ہے: ”کفار قریش کے قاصد ہمارے پاس آئے کہنے لگے کہ جو شخص محمد (ﷺ) یا ابو بکر کو قتل کرے گا یا گرفتار کر کے لائے گا اسے ایک خون بہا کے برابر (یعنی سوانٹ) انعام دیا جائے گا میں اپنی قوم بنو مد لہج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان میں سے ایک شخص نے آ کر کہا ”سراقہ! میں نے ابھی ساحل پر چند اشخاص دیکھے ہیں میرے خیال میں وہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہیں“ میں سمجھ گیا کہ وہی ہیں مگر میں نے اس سے کہا کہ وہ نہیں ہیں تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے جو ہمارے سامنے سے گئے ہیں پھر تھوڑی دیر کے بعد میں مجلس سے اٹھ کر گھر آیا۔ اور اپنی لونڈی سے کہا کہ میرے گھوڑے کو پشتہ کے پیچھے (بطن وادی میں) لے جا کر ٹھہرا۔ میں نیزہ لے کر اپنے گھر کے عقب سے نکلا۔ اور بن نیزہ سے زمین میں خط کھینچا اور نیزہ کے بالائی حصہ کو نیچا کیے ہوئے گھوڑے کے پاس پہنچا۔ میں نے سوار ہو کر گھوڑے کو ذرا دوڑایا یہاں تک کہ میں ان کے قریب جا پہنچا۔ میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ میں گر پڑا۔ اٹھ کر میں نے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں۔ مگر جواب خلاف مراد نکلا۔ میں نے تیر کی بات نہ مانی۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ جب میں نے رسول اللہ کی قرأت کی آواز سنی حالانکہ آپ (میری طرف) نہ دیکھتے (۹) تھے اور ابو بکر اکثر پیچھے دیکھتے تھے تو میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ میں نے اتر کر گھوڑے کے زبرد تو بیخ کی۔ اس نے چاہا کہ اٹھے۔ مگر وہ پاؤں زمین سے نہ نکال سکا۔ جب وہ (بمشکل تمام) سیدھا کھڑا ہوا تو ناگاہ اس کے پاؤں کے نشان سے دھوئیں کی مانند غبار آسمان کی طرف اٹھا۔ میں نے پھر تیروں سے فال لی۔ مگر خلاف مراد ہی جواب ملا۔ میں نے پکارا۔ امان! امان! یہ سن کر وہ ٹھہر گئے۔ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ مگر تجربہ سے میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ رسول اللہ کا بول بالا ہوگا۔ میں نے آپ سے قریش کے ارادے اور انعام کا ذکر کیا۔ اور زاد و متاع پیش کیا۔ مگر انہوں نے کچھ نہ لیا۔ اور

صرف یہی درخواست کی کہ ہمارا حال پوشیدہ رکھنا۔ اس کے بعد میں نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے کتاب امن تحریر فرمادیتے۔ آپ کے حکم سے عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر فرمان امن لکھ (۱۰) دیا۔ سراقہ نے فرمان امن اپنی ترکش میں رکھ لیا اور واپس ہوا راستے میں جس سے ملتا، یہ کہہ کر واپس کر لیتا کہ میں نے بہت ڈھونڈا۔ آنحضرت ﷺ اس طرف نہیں ہیں۔ حسن اتفاق سے حضور اقدس ﷺ کو مسلمانوں کا ایک قافلہ ملا جو شام سے مال تجارت لا رہا تھا۔ اس قافلہ میں حضرت زبیر بن العوام بھی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر کو سفید کپڑے پہنائے۔

قدید ہی میں سہ شنبہ کو دوپہر کے وقت معبد عاتکہ بنت خالد خزیمہ کے ہاں گزر رہا۔ ام معبد کی قوم قحط زدہ تھی۔ وہ اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھا کرتی۔ اور آنے جانے والوں کو پانی پلاتی اور کھانا کھلاتی۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے گوشت اور کھجوریں خریدنے کا قصد کیا مگر اس کے پاس ان میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضور ﷺ نے اس کے خیمہ کی ایک جانب ایک بکری دیکھی۔ پوچھا یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ لاغری و کمزوری کے سبب دوسری بکریوں سے پیچھے رہ گئی ہے۔ پھر پوچھا۔ کیا دودھ دیتی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو مجھے اجازت دیتی ہے کہ اسے دودھ لوں۔ اس نے عرض کیا: ”میرے ماں باپ آپ پر قربان اگر آپ اس کے نیچے دودھ دیکھتے ہیں تو دودھ لیں۔“ آپ نے اس کے تھن پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور بسم اللہ پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ بکری نے آپ کے لیے دونوں ٹانگیں چوڑی کر دیں۔ دودھ اتار لیا اور جگالی کی۔ آپ نے برتن طلب کیا جو جماعت کو سیراب کر دے۔ پس آپ نے اس میں خوب دوہا۔ یہاں تک کہ اس پر جھاگ آگئی۔ پھر ام معبد کو پلایا یہاں تک کہ سیر ہو گئی۔ اور اپنے ساتھیوں کو پلایا یہاں تک کہ سیر ہو گئے۔ سب کے بعد آپ نے پیا۔ بعد ازاں دوسری بار دوہا۔ یہاں تک کہ برتن بھر دیا۔ اور اس کو (بطور نشان) ام معبد کے پاس چھوڑا اور اس کو اسلام میں بیعت کیا۔ پھر سب وہاں سے چل دیئے۔ (۱۱) تھوڑی دیر کے بعد ام معبد کا خاوند گھر آیا۔ اس نے دودھ جو دیکھا تو حیران ہو کر کہنے لگا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ حالانکہ گھر میں تو کوئی ایسی بکری نہیں جو دودھ کا ایک قطرہ بھی دے۔ ام معبد نے جواب دیا کہ ایک مبارک شخص آیا تھا کہ جس کا حلیہ شریف ایسا ایسا تھا۔ وہ بولا۔ وہی تو قریش کے سردار ہیں جن کا چرچا ہو رہا ہے۔ میں نے قصد کر لیا ہے کہ ان کی صحبت میں رہوں۔

جب مدینہ کے قریب موضع نخیم میں پہنچے جو رابغ و نخجہ کے درمیان ہے تو بریدہ سلمی قبیلہ بنی سہم کے ستر سوار لے کر حصول انعام کی امید پر آنحضرت ﷺ کو گرفتار کرنے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں بریدہ ہوں۔ یہ سن کر آپ نے حضرت ابو بکر سے بطور تباہی

فرمایا: ابو بکر! ہمارا کام خوش و خنک اور درست ہو گیا۔ پھر آپ نے بریدہ سے پوچھا کہ تو کس قبیلہ سے ہے اس نے کہا کہ بنو اسلم سے۔ آپ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا ہمارے لیے خیر و سلامتی ہے۔ پھر پوچھا کون سے بنو اسلم سے؟ اس نے کہا کہ بنو سہم سے۔ آپ نے فرمایا، تو نے اپنا حصہ (اسلام سے) پا لیا۔ بعد ازاں بریدہ نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول محمد بن عبد اللہ ہوں۔ بریدہ نے نام مبارک سن کر کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ جو سوار بریدہ کے ساتھ تھے وہ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ بریدہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ مدینہ میں آپ کا داخلہ جھنڈے کے ساتھ ہونا چاہیے پس اپنا عمامہ سر سے اتار کر نیزہ پر باندھ لیا اور حضرت کے آگے آگے روانہ ہوا۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کس کے ہاں اتریں گے؟ فرمایا، یہ میرا ناقہ مامور ہے جہاں یہ بیٹھ جائے گا وہی میری منزل ہے۔ بریدہ نے کہا: الحمد للہ کہ بنو سہم بطوع و رغبت مسلمان ہو گئے۔ (۱۲)

رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی۔ لوگ ہر روز صبح کو شہر سے نکل کر حرہ میں جمع ہوتے۔ انتظار کرتے جب دوپہر ہو جاتی تو واپس چلے جاتے۔ ایک دن انتظار کر کے گھروں میں واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے ایک قلعہ پر سے کسی مطلب کے لیے نظر دوڑائی۔ اسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ہمراہی سفید لباس پہنے ہوئے نظر پڑے جو سراب کے آگے حائل تھے۔ وہ یہودی نہایت زور سے بے ساختہ پکارا اٹھا: ”اے معشر عرب! لو تمہارا مقصد و مقصود جس کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا۔“ یہ سن کر مسلمانوں نے فوراً ہتھیار لگا کر حرہ قباء کے عقب میں رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا۔ اور اظہار مسرت کے لیے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جس کی آواز بنی عمرو بن عوف میں پہنچی۔ یہ قبیلہ موضع قباء میں جو مدینہ سے جنوب کی طرف دو میل کے فاصلہ پر ہے آباد تھا۔ اس خاندان کا سردار کلثوم بن ہدم انصاری اسی تھا۔ اس سے پہلے اکثر اکابر صحابہ اسی کے ہاں اترے تھے۔ حضور ﷺ نے بھی اسی کو شرف نزول بخشا۔

ہجرت کا پہلا سال

قباء میں رسول اللہ ﷺ کا نزول ۱۲ ربیع الاول یوم دو شنبہ کو ہوا۔ یہی تاریخ اسلام کی تعمیر مسجد قباء: ابتداء ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ جو آنحضرت ﷺ کی روانگی کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے یہاں آئے اور یہیں رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد کی بناء رکھی جس کی شان میں یہ آیت وارد ہے:

لَسَجْدًا أَسَّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۗ فِيهِ رَجُلٌ يَجْعَلُ لِيُحْيُونَ أَنْ

يَتَطَهَّرُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ۝

”البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں وہ مرد ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“ (سورہ توبہ)

کلوٹم بن ہدم کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں خشک ہونے کے لیے پھیلا دی جاتی تھیں آنحضرت ﷺ نے اس سے یہ زمین لے کر مسجد مذکور کی بنیاد رکھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں دیگر اصحاب کے ساتھ حضور ﷺ بھی خود بغرض تشویق و ترغیب کام کرتے تھے۔ شمس بنت نعمان انصاریہ مدنیہ کا بیان ہے کہ میں دیکھ رہی تھی کہ ”رسول اللہ ﷺ اتنا بھاری پتھر اٹھاتے کہ جسم اطہر خم ہو جاتا اور بطن شریف پر مجھے مٹی کی سفیدی نظر آ جاتی! آپ ﷺ کے اصحاب میں سے اگر کوئی عقیدت مند آ کر عرض کرتا: ”یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر خدا! چھوڑ دیجئے، میں اٹھاتا ہوں“ تو آپ ﷺ فرماتے ”نہیں، تم ایسا اور پتھر اٹھا لو۔ اور خود اسی کو عمارت میں لگاتے“ اس تعمیر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو سمت قبلہ بتا رہے تھے۔ اسی واسطے کہا جاتا تھا کہ اس مسجد کا قبلہ اعدل واقوم (۱۳) ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی شاعر بھی تعمیر مسجد میں شامل تھے اور کام کرتے ہوئے یوں کہتے جاتے تھے:

أَفْلَحَ مَنْ يُعَالِجُ الْمَسَاجِدَ وَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَانِمًا وَقَاعِدًا وَلَا يَبِيتُ اللَّيْلَ عَنْهُ
رَاقِدًا۔

”وہ کامیاب ہے جو مسجدیں تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھے قرآن پڑھتا ہے۔ اور رات کو جاگتا ہے۔“

آنحضرت ﷺ بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔ (۱۴)

قباء میں چار (چودہ یا بیس) روز قیام رہا۔ یہاں سے جمعہ کے دن باطن مدینہ میں نزول رحمت: مدینہ کو روانہ ہوئے مہاجرین و انصار ساتھ تھے۔ انصار کے جس قبیلہ پر

سے گزر ہوتا اس کے سربر آوردہ عقیدت مند عرض کرتے: یا رسول اللہ! ہماری نصرت و حمایت میں اترے۔ آپ اظہار مذمت و دعائے خیر کے بعد فرماتے کہ ”میرا ناقہ مامور ہے۔ اس کا راستہ چھوڑ دو“۔

راستے میں بنو سالم خزرجی کے محلہ میں جمعہ کا وقت آ گیا۔ آپ ﷺ نے وادی ذی صلب کی مسجد میں نماز جمعہ مع خطبہ ادا کی۔ یہ آپ کا پہلا جمعہ اور پہلا خطبہ تھا۔ اس طرح بنی بیاضہ، بنی ساعدہ اور بنی حارث بن

خزرج سے گزرتے ہوئے بنی عدی بن نجار میں پہنچے جو آپ کے دادا عبدالمطلب کے نہال تھے۔ سلیط ابن یس بخاری خزرجی وغیرہ نے نہالی رشتہ کو یاد دلا کر اقامت کے لیے عرض کیا۔ مگر ان کو بھی وہی جواب

ملا۔ بعد ازاں آپ کا ناقہ محلہ مالک بن نجار میں اس جگہ بیٹھ گیا جہاں اب مسجد نبوی ہے۔ پھر اٹھ کر قدرے آگے بڑھا۔ اور مڑ کر پہلی جگہ بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان شاء اللہ یہی منزل ہے حضرت ابو ایوب انصاری نجاری خزرجی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی اجازت سے آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ اور حضور ﷺ یہ فرما کر المرء مع راحلہ وہیں تشریف فرما ہوئے۔ (۱۵)

مبارک منزلے کاں خانہ راما ہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشا ہے چنیں باشد
حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری سے جو خوشی مدینہ میں مسلمانوں کو ہوئی اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ حضور انور کی سواری نزدیک پہنچی تو جوش ہسرت کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین عورتیں چھتوں پر نکل آئیں اور یوں گانے لگیں: (۱۶)

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوُدَاعِ
وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلَّهِ دَاعٍ

”ہم پر چاند نکل آیا..... وداع کی گھاٹیوں سے..... ہم پر خدا کا شکر واجب ہے..... جب تک دعائے مانگنے والا دعائے مانگے۔“

آپ ﷺ کے ناقہ کا بیٹھنا تھا کہ بنو نجار کی لڑکیاں دف بجاتی نکلیں اور یوں گانے لگیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِي النَّجَّارِ يَا حَبْدًا مُحَمَّدًا مِّنْ جَارِ
”ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں..... اے نجاریو! محمد ﷺ کیسا اچھا ہمسایہ ہے۔“

آپ ﷺ نے یہ سن کر ان لڑکیوں سے پوچھا: کیا تم مجھ کو دوست رکھتی ہو؟ وہ بولیں: ہاں آپ ﷺ نے فرمایا میں بھی تم کو دوست رکھتا ہوں۔

اسی خوشی میں زن و مرد چھوٹے بڑے گلی کوچوں میں پکار رہے تھے: جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ جَاءَ نَبِيُّ اللَّهِ
جہشی غلام آپ ﷺ کے قدم و مہمنت لزوم کی خوشی میں ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے۔ انسانوں پر کیا موقوف ہے وحوش بھی اپنی حرکات و سکنات سے خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

جب مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے قیام کا انتظام ہو چکا تو آپ نے زید بن حارثہ اور اپنے غلام ابورافع کو پانسو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ میں بھیجا کہ آپ کے عیال کو مدینہ میں لے آئیں۔ اسی وقت حضرت ابو بکر نے عبد اللہ بن اریقظ دہلی (جو کہ مکہ کو واپس جا رہا تھا) کے ہاتھ اپنے صاحب زادے عبد اللہ کو رقعہ دے دیا کہ میرے عیال کو مدینہ میں لے آؤ۔ آنحضرت ﷺ کی صاحب زادیوں میں سے حضرت زینب کو ان کے خاوند ابو العاص نے آنے نہ دیا حضرت رقیہ حبشہ میں تھیں۔ اس لیے زید و ابو رافع حضور کی صاحب زادیوں حضرت ام کلثوم و فاطمہ اور زوجہ محترمہ حضرت سودہ کو اور ام ایمن زوجہ زید

اور اسامہ بن زید کو لے آئے۔ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن ابی بکر حضرت عائشہ اور ان کی والدہ ام رومان اور حضرت اسماء بنت ابی بکر کو لائے۔ یہ سب حارثہ بن نعمان کے ہاں اترے۔ (۱۷)

حضور اقدس ﷺ کا قیام سات ماہ تک حضرت ابو ایوب کے ہاں ہی رہا۔ جب مسجد نبوی کے ساتھ حجرے تیار ہو گئے تو نقل مکان فرمایا۔ اس عرصہ میں بنو نجار نے مہمانی کا حق کما حقہ ادا کیا۔ حضرت ابو ایوب اور سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے خصوصیات سے اس میں حصہ لیا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزا۔

آنحضرت ﷺ کا ناقہ جہاں بیٹھا تھا۔ وہ جگہ دو نجاری تیموں (سہیل و ہیل) کی تعمیر مسجد نبوی: تھی۔ جن کے ولی حضرت اسعد بن زرارہ نجاری خزرجی تھے۔ وہ اس زمین میں کھجوریں خشک کرنے کے لیے پھیلا دیا کرتے تھے۔ اس کے ایک حصہ میں حضرت اسعد نے نماز کے لیے ایک مختصر جگہ بنائی ہوئی تھی۔ جس پر چھت نہ تھی۔ یہاں وہ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ باقی زمین میں کھجور کے درخت اور مشرکوں کی قبریں اور گڑھے تھے۔ حضور ﷺ نے یہاں مسجد جامع بنانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے ان یتیم بچوں کو بلا بھیجا اور ان سے قیمت پر زمین طلب کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم بلا قیمت آپ کی نذر کرتے ہیں۔ آپ نے قبول نہ فرمایا اور قیمت دے کر خرید لی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ قبریں اکھڑا کر ہڈیاں کسی دوسری جگہ دبا دی گئیں۔ درخت کاٹ دیئے گئے۔ اور گڑھے ہموار کر دیئے گئے۔ حضور سرورِ دو عالم ﷺ خود بھی کام کر رہے تھے۔ آپ اپنی چادر میں اینٹیں اٹھا کر لارہے تھے اور یوں فرما رہے تھے:

هَذَا لِحِمَالٍ وَ اِحْمَالٍ خَيْرٍ
 اے ہمارے پروردگار! یہ اینٹیں خیر کے تمرو زبیب سے زیادہ ثواب والی اور پاکیزہ ہیں۔
 اور نیز فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِ الْاَجْرَ الْاٰخِرَةَ فَارِحِمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ
 ”خدا یا! بے شک اجر صرف آخرت کا اجر ہے پس تو انصار و مہاجرین پر رحم فرما۔“

یہ مسجد نہایت سادہ تھی۔ بنیادیں تین ہاتھ تک پتھر کی تھیں۔ دیواریں کچی اینٹوں کی۔ چھت برگ خرما کی قد آدم سے کچھ اونچی اور ستون کھجور کے تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ تین دروازے تھے۔ ایک جانب کعبہ اور دو دائیں بائیں۔ جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو جانب کعبہ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور اس کے مقابل شمالی جانب میں نیا دروازہ بنا دیا گیا۔ چونکہ چھت پر مٹی کم تھی اور فرش خام تھا۔ اس لیے بارش میں کیچڑ ہو جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ رات کو بارش بہت ہوئی۔ جو نمازی

آتا کپڑے میں کنکریاں ساتھ لاتا اور اپنی جگہ پر بچھا لیتا۔ جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ”یہ خوب ہے“ اور کنکروں کا فرش بنوادیا۔

پایان مسجد میں ایک سائبان تھا جو صفہ کہلاتا تھا اور ان فقراء و مساکین صحابہ کے لیے اصحابِ صفہ: تھا۔ جو مال و منال اور اہل و عیال نہ رکھتے تھے۔ ان ہی کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ۔

”اور روک رکھ جان اپنی ساتھ ان لوگوں کے کہ پکارتے ہیں پروردگار اپنے کو صبح اور شام کو

چاہتے ہیں رضامندی اس کی۔“

ان کی تعداد میں موت یا سفر یا تزوج کے سبب سے کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ بعض وقت ان کی

تعداد ستر تک پہنچ جاتی تھی۔ باہر سے مدینہ میں اگر کوئی آتا اور شہر میں اس کا کوئی شریف جان پہچان نہ

ہوتا تو وہ بھی صفہ میں اترا کرتا تھا۔ حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں سو سے کچھ اوپر اہل صفہ کے نام

گنائے ہیں۔ جن میں حضرات ابوذر غفاری، عمار بن یاسر، سلمان فارسی، صہیب رومی، بلال حبشی، ابو

ہریرہ، خباب بن الارت، حذیفہ بن الیمان، ابو سعید خدری، بشیر بن الخصاصیہ، ابو موسیٰ بہہ (مولے رسول

اللہ ﷺ) وغیرہ ہم مشاہیر میں سے تھے۔ (جنتنا، ۱۸)

اہل صفہ پر آنحضرت ﷺ کی بڑی نظر عنایت تھی۔ ایک دفعہ غنیمت میں کینریں آئی ہوئی تھیں۔

اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ کی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ اور حضرت علی المرتضیٰ دونوں خدمت

اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور ایک خادمہ کے لیے درخواست کی۔ آپ نے یوں جواب دیا: ”اللہ کی قسم!

یہ نہیں ہوگا کہ تم کو خادمہ دوں اور اہل صفہ بھوکے مریں۔ ان کے خرچ کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔

میں ان اسیران جنگ کو بیچ کر ان کی قیمت اہل صفہ پر خرچ کروں (۱۹) گا۔

ازواجِ مطہرات میں سے اس وقت صرف حضرت سودہ

ازواجِ مطہرات کے حجروں کی تعمیر: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کے عقد میں آچکی

تھیں ان کے لیے مسجد سے متصل دو مکان بنادیئے گئے۔ بعد ازاں دیگر ازواج کے آنے پر اور مکانات

بننے گئے۔ ان مکانات میں سے پانچ کھجور کی شاخوں سے بنے تھے جن پر کہگل کی ہوئی تھی۔ ان کے

ساتھ کوئی حجرہ نہ تھا۔ دروازوں پر کبیل کا پردہ پڑا رہتا تھا باقی چار مکان کچی اینٹوں کے تھے جن کی چھت

پر کھجور (۲۰) کی شاخوں کی کہگل کی ہوئی تھی۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک حجرہ کی شاخوں کا

تھا۔ جس کے دروازے پر کبیل کا پردہ تھا۔ بقول داؤد بن قیس (۲۱) حجرہ کے دروازہ سے اندرونی کمرہ

کے دروازے تک چھ یا سات ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ اور اندرونی کمرہ دس ہاتھ کا تھا اور ارتفاع (۲۲) ساتھ

آٹھ ہاتھ کے درمیان تھا۔ حضرت امام حسن بصری کا بیان ہے کہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں مراہق تھا ان مکانات کی چھت کو میں ہاتھ سے چھو لیتا تھا۔

یہ مکانات (۲۳) جانب غربی کے سوا مسجد کے ارد گرد تھے۔ ان کے دروازے مسجد ہی کی طرف تھے۔ اور مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ حضور اقدس ﷺ حالت اعتکاف میں مسجد سے سر مبارک نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھی آپ کے بال مبارک دھو دیا کرتی تھیں۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا دولت خانہ جانب مشرق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ سے متصل اس جگہ تھا جہاں اب آپ کی قبر شریف کی صورت بنی ہوئی ہے۔ جب آنحضرت ﷺ سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں دو گانہ ادا کرتے۔ بعد ازاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کا حال دریافت فرماتے۔ پھر ازواج مطہرات کے گھروں میں قدم رنجہ فرماتے۔

مہاجرین کی سکونت کے لیے مسجد کے قریب مکانات کا انتظام مہاجرین کے مکانات کی تعمیر: کیا گیا۔ چنانچہ آقائے نامدار ﷺ نے بنو زہرہ کو مسجد کی ایک

جانب میں ایک خطہ عنایت فرمایا جس میں حضرت عبدالرحمن بن عوف قرشی زہری کے حصہ میں ایک خرماستان آیا جو ان کے نام سے مشہور و معروف تھا۔ حضرت عبداللہ و عتبہ پسران مسعود ہذلی جو بنو زہرہ کے حلیف تھے۔ ان کے لیے مسجد کے پاس ایک خطہ معین کیا گیا جو ان کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت زبیر بن عوام قرشی اسد کو ایک وسیع قطعہ ملا۔ جس میں مختلف اقسام کے درختوں کی جڑیں تھیں۔ وہ بقیع الزبیر کہلاتا تھا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ قرشی یلمی کو ان کے گھروں کی جگہ ملی۔ حضرت ابو بکر صدیق کو بھی مسجد کے قریب زمین دی گئی۔ اسی طرح حضرات عثمان بن عفان قرشی اموی، خالد بن ولید قرشی مخزومی، مقداد بن اسود کنذی اور طفیل بن حارث قرشی مطلبی وغیرہ ہم کو زمینیں دی گئیں۔

ان قطعات میں سے جو زمینیں بے آباد غیر مملوکہ تھیں وہ رسول اللہ ﷺ نے بطور خود تقسیم فرما دیں۔ اور جن قطعات میں انصار کے منازل و مکانات تھے۔ وہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دیئے۔ اور حضور انور ﷺ نے مہاجرین کو عطا فرمادئے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرات حارثہ بن نعمان نے اپنے مکانات بطور ہدیہ پیش (۲۴) کیے۔ بقول واقدی منازل حارثہ کی جگہ ہی حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے حجرے بنے۔

مسجد نبوی اور حجرات میں راتوں کو چراغ نہیں (۲۵) جلتے تھے۔

مسجد نبوی میں چراغ کی ابتداء: حضرت تمیم داری کے غلام سراج کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ

کی مسجد میں کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے روشنی کی جاتی تھی۔ ہم قنادیل و روغن زیتوں اور رسیاں لائے۔

اور میں نے (قندیلوں کو ستونوں پر لٹکا کر) مسجد میں روشنی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر پوچھا: کہ ہماری مسجد کو کس نے روشن کیا ہے؟ تمیم نے کہا: میرے اس غلام نے۔ آپ نے پوچھا: اس کا کیا نام ہے؟ تمیم نے کہا: فتح۔ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا۔ بلکہ اس کا نام سراج ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے میرا نام (۲۶) سراج رکھا۔

مہاجرین اپنے وطن سے اہل و عیال اور بھائی بندوں کو چھوڑ کر بے سرو سامان چھپ کر مواخات: نکلے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسجد جامع کی تعمیر کے بعد مہاجرین و انصار میں رشتہ اخوت قائم کیا۔ تاکہ مہاجرین غربت کی وحشت اور اہل و عیال کی مفارقت محسوس نہ کریں اور ایک کو دوسرے سے مدد ملے۔ مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی آپ ہر دو فریق میں سے دو دو کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ درحقیقت بھائی بن گئے۔ چنانچہ جب حضور انور بانی ہوو امی نے حضرت عبدالرحمن بن عوف قرشی زہری اور حضرت سعد بن ربیع انصاری خزرجی میں رشتہ برادری قائم کر دیا تو حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمن سے کہا کہ انصار میں میرے پاس سب سے زیادہ مال ہے۔ میں اپنا مال آپ کو بانٹ دیتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک کو جو آپ پسند کریں میں طلاق دے دیتا ہوں۔ عدت گزرنے پر آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔ حضرت عبدالرحمن نے کہا کہ آپ کے اہل اور آپ کا مال آپ کو مبارک ہو۔ کیا یہاں کوئی بازار تجارت ہے؟ انہوں نے بنوقینقاع کے بازار کا راستہ بتا دیا۔ حضرت عبدالرحمن شام کو نفع کا پتلا اور مکھن ساتھ لائے۔ اسی طرح ہر روز بازار میں چلے جایا کرتے۔ تھوڑے عرصہ میں وہ مالدار ہو گئے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان کے بدن پر خوشبو کا نشان تھا۔ حضور انور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کی کہ میں نے انصار کی ایک عورت سے شادی کی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے پوچھا کہ مہر کتنا دیا؟ عرض کی کہ پانچ درہم بھر سونا۔ فرمایا کہ ولیمہ دو خواہ ایک بکری (۲۷) ہو۔ حضرت عبدالرحمن کی طرح کئی اور مہاجرین نے بھی تجارت کا کام شروع کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عقد برادری کے بعد انصار نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے نخلستان ہمارے بھائیوں اور ہم میں تقسیم فرمادیں۔ آپ نے فرمایا، نہیں۔ یہ سن کر انصار نے مہاجرین سے کہا کہ کام (درختوں کو پانی دینا وغیرہ) تم کیا کرو۔ ہم تمہیں پھل میں شریک کر لیں گے۔ اس پر سب نے کہا (۲۸) بسر و چشم یہ مساقات کی صورت تھی۔ مگر بعض نخلستان محض میٹھ کے طور پر بھی دیئے ہوئے تھے جن میں کام بھی خود انصار کرتے تھے۔ اور مہاجرین کو پیداوار کا نصف دیتے تھے۔

یہ عقد برادری نصرت و مواسات و توارث پر تھا۔ اس لیے جب کوئی انصاری وفات پاتا تھا تو اس کی جائیداد و مال مہاجر کو ملتا تھا۔ اور قریبی رشتہ دار محروم رہتے تھے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْتُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑤

”اور (فی ہے واسطے) ان لوگوں کے جنہوں نے مہاجرین کے پہلے دارالسلام (مدینہ) اور ایمان میں جگہ پکڑی وہ دوست رکھتے ہیں ان کو جو وطن چھوڑ کر ان کے پاس آتے ہیں۔ اور اپنے دلوں میں کوئی دغدغہ نہیں پاتے اس چیز سے جو مہاجرین کو دی گئی۔ اور ان کو اپنی جانوں سے اول رکھتے ہیں اگرچہ خود ان کو تنگی ہو۔ اور جو کوئی اپنے نفس کے حرص سے بچایا جائے۔ وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔“ (حشر: آیت ۹)

صحیح (۲۹) بخاری میں یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک بھوکا سائل جب پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے گھر میں دریافت کیا کہ کچھ کھانے کو ہے۔ جواب آیا کہ صرف پانی۔ آپ نے فرمایا کہ کون ہے جو اس کو اپنا مہمان بنائے؟ ایک انصاری نے کہا میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ اسے اپنے گھر لے گیا۔ اور بیوی سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان کو کھانا کھلاؤ۔ وہ بولی کہ صرف بچوں کی خوراک موجود ہے۔ کہا کہ تو وہ کھانا تیار کر اور چراغ روشن کر کے کھانے کے وقت بچوں کو سلا دینا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا جب میاں بیوی اور مہمان کھانے پر بیٹھے تو بیوی نے بتی اکسانے کے بہانہ سے اٹھ کر چراغ گل کر دیا۔ میاں بیوی بھوکے رہے۔ اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں۔ صبح کو وہ انصاری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ رات اللہ تعالیٰ تمہارے نیک کام سے راضی ہوا۔ اور یوثرون علیٰ انفسہم الایمانزل فرمائی۔

جب ۴ھ میں بنو نضیر جلا وطن ہوئے اور ان کے اموال (ارضی و نخلستان) رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں آئے تو آپ نے تمام انصار کو بلا کر فرمایا (۳۰) اگر تم چاہتے ہو تو میں بنو نضیر کے اموال تم میں اور مہاجرین میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ اور مہاجرین تمہارے گھروں اور اموال میں بدستور رہیں گے۔ اور اگر تم چاہتے ہو تو یہ اموال مہاجرین کو بانٹ دیتا ہوں اور وہ تمہارے گھروں اور اموال سے بے دخل ہوں جائیں گے۔ حضرات سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ان اموال کو آپ مہاجرین میں تقسیم کر دیجئے۔ وہ ہمارے گھروں اور اموال میں بدستور رہیں گے۔ یہ سن کر انصار بولے یا رسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خدا یا تو انصار اور انصار پر رحم

فرما۔ اس طرح حضور ﷺ نے اموال بنی نضیر صرف مہاجرین میں تقسیم فرمادئے۔

۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علاء بن الحضرمی کو بغرض تبلیغ ولایت بحرین میں بھیجا۔ منذر بن ساوی حاکم بحرین اور وہاں کے تمام عرب ایمان لائے باقی اہل بحرین (مجوس و یہود و نصاریٰ) نے جزیہ پر صلح کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار کو بلایا تا کہ بحرین کا جزیہ و خراج انصار کے لیے لکھ دیں۔ مگر انصار نے عرض کیا: ”نہیں (۳۱) اللہ کی قسم ایسا نہ کیجئے۔ یہاں تک کہ حضور ہمارے قریشی بھائیوں کے لیے اتنا ہی مال لکھ دیں۔“

جب ۷ھ میں خیبر فتح ہوا تو مہاجرین کے حصہ میں اس قدر مال آیا کہ ان کو انصار کے نخلستان کی حاجت نہ رہی۔ اس لیے انہوں نے وہ نخلستان جو بطور اباحت ان کے پاس تھے انصار کو واپس کر دیئے (۳۲)۔

جب مدینہ منورہ میں مسجد تیار ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال آیا کہ مسلمانوں کو اذان کی ابتداء: نماز کے لیے کس طرح جمع کیا جائے۔ آپ نے اپنے اصحاب کرام سے مشورہ کیا ظاہر ہے کہ ایک وقت اور ایک مکان میں اجتماع بغیر اعلام و آگاہی کے نہیں ہو سکتا اس لیے صحابہ کرام نے اعلام کے لیے کئی طریقے پیش کیے بعض نے کہا کہ آگ روشن کر کے اونچی کر دی جائے۔ مسلمان اسے دیکھ کر جمع ہو جایا کریں گے۔ حضور ﷺ نے بوجہ مشابہت مجوس اس طریقہ کو پسند نہ فرمایا۔ بعض نے قانون تجویز کیا۔ مگر بوجہ مشابہت نصاریٰ یہ تجویز رد کر دی گئی۔ اس طرح بوق کو بوجہ مشابہت یہود پسند نہ کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ ایک شخص کو نماز کے وقت بغرض اعلام بھیج دیا جائے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ اٹھ کر نماز کے لیے ندا کر دے۔ چنانچہ حضرت بلال یوں ندا کر دیا کرتے الصلوٰۃ جامعہ اسی اثنا میں حضرت عبداللہ بن زید انصاری کو خواب میں ان سب سے بہتر طریق بتلا دیا گیا۔ اور وہ مروجہ اذان شرعی ہے۔ حضرت عبداللہ نے اپنا خواب بارگاہ رسالت میں عرض کیا حضور انور بانی ہو و امی پر اس سے پہلے اس بارے میں وحی آچکی تھی اس لیے آپ نے سن کر فرمایا کہ بے شک یہ رویا حق ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ حضرت بلال کو کلمات اذان کی تلقین کر دو۔ وہ اذان دیں گے۔ کیوں کہ ان کی آواز تم سے بلند اور نرم و شیرین ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اسی سال رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں اور یہود مدینہ کے درمیان ایک معاہدہ یہود سے معاہدہ: تحریر فرمایا جس کی شرائط کی پوری تفصیل سیرت ابن ہشام میں ہے۔ ان شرائط کا خلاصہ یہ ہے:

- ۱- خون بہا اور فدیہ کا طریقہ۔ سابقہ قائم رہے گا۔
- ۲- ہر دو فریق کو مذہبی آزادی ہوگی۔ ایک دوسرے کے دین سے تعرض نہ کریں گے۔
- ۳- ہر دو فریق ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں گے۔
- ۴- اگر ایک فریق کو کسی سے لڑائی پیش آئے تو دوسرا اس کی مدد کرے گا۔
- ۵- اگر فریقین میں ایسا اختلاف پیدا ہو جائے کہ جس سے فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور رسول پر چھوڑ دیا جائے گا۔
- ۶- کوئی فریق قریش اور ان کے معاونین کو امان نہ دے گا۔
- ۷- اگر کوئی دشمن یثرب پر حملہ آور ہو۔ تو ہر فریق مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔
- ۸- اگر ایک فریق کسی سے صلح کرے گا۔ تو اس مصالحت میں دوسرا فریق بھی شامل ہوگا مگر مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

ہجرت کا دوسرا سال

نماز اسلام کا ایک رکن ہے۔ اور نماز کی روح خشوع ہے۔ خشوع کے لیے باطنی یکجہتی **تحویل قبلہ:** کے ساتھ ظاہری یکجہتی بھی درکار ہے۔ کیوں کہ ظاہر کا اثر باطن پر ضرور پڑتا ہے اور مقصود اصلی کو تقویت پہنچتی ہے۔ نماز جماعت و جمعہ میں اتحاد جہت کا اثر جو دوسرے نمازیوں پر پڑتا ہے محتاج بیان نہیں۔ اس لیے نماز میں ایک جہت کا تعین ضروری ہے۔ مگر اس تعین میں انسانی عقل کو دخل نہیں۔ بلکہ جو ذات پاک سزاوار عبادت ہے یہ تعین اسی کا حق ہے۔

رسول اللہ ﷺ پہلے مکہ میں کعبہ کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے ہجرت کے بعد بحکم الہی بنا بر حکمت و مصلحت وقت بیت المقدس آپ کا قبلہ مقرر ہوا۔ چنانچہ آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی۔ یہود آپ پر طعن کیا کرتے تھے۔ کہ محمد ﷺ ہماری مخالفت کرتے ہیں مگر قبلہ میں ہمارے تابع ہیں۔ اس لیے آپ کی یہ آرزو رہی کہ ملت ابراہیمی کی طرح میرا قبلہ بھی ابراہیمی ہو۔ مدت مذکورہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ آرزو پوری کر دی۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ

”بیشک ہم دیکھتے ہیں تیرے منہ کا پھرنا آسمان کی طرف پس ضرور ہم پھیریں گے تجھ کو اس قبلہ کی طرف کہ تو اسے پسند کرتا ہے۔ پس پھیر منہ اپنا مسجد حرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا

کر و پس پھیر و منہ اپنے اس کی طرف۔“ (البقرہ: آیت ۱۴۴)

اس تحویل کی کیفیت یہ ہے کہ نصف رجب یوم دو شنبہ یا نصف شعبان یوم سہ شنبہ کو حضور انور ﷺ مسجد بنی سلمہ میں نماز ظہر پڑھا رہے تھے۔ تیسری رکعت کے رکوع میں تھے کہ وحی الہی سے آپ نے نماز ہی میں کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔ اور مقتدیوں نے بھی آپ کا اتباع کیا۔ اس مسجد کو قبلتین کہتے ہیں۔ ایک نمازی جو شامل جماعت تھا عصر کے وقت مسجد بنی حارثہ میں گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں انصار نماز عصر بیت المقدس کی طرف پڑھ رہے ہیں۔ اس نے تحویل قبلہ کی خبر دی۔ وہ لوگ نماز ہی میں کعبہ رخ ہو گئے۔ دوسرے روز قباء میں عین اس وقت خبر پہنچی جب کہ لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے بھی اسی حال میں اپنا رخ بدل کر کعبہ کی طرف کر لیا۔

تحویل قبلہ یہودیوں پر سخت ناگوار گزرا۔ وہ اس پر اعتراض کرنے لگے۔ ان کا اعتراض اور اس کا جواب قرآن کریم میں یوں مذکور ہے:

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الشَّرِيقُ

وَالْمَغْرِبُ ۗ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

”اب کہیں گے لوگوں میں سے بیوقوف کس چیز نے پھیرا ان کو ان کے قبلے سے جس پر وہ تھے۔ کہہ دے اللہ کی ہے مشرق اور مغرب چلاتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔“

(البقرہ: آیت ۱۴۴)

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلٰى

عَقْبَيْهِ ۗ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلٰى الَّذِيْنَ هَدٰى اللّٰهُ

”اور نہیں مقرر کیا ہم نے قبلہ اس کو جس پر تو پہلے تھا (یعنی کعبہ) مگر اسی واسطے کہ معلوم

کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا۔ اٹنے پاؤں۔ اور البتہ یہ قبلہ ہے

شاق و دشوار مگر ان لوگوں پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے (حکمت احکام کی)۔“ (البقرہ: ع ۱۷)

پہلی آیت میں ان کا اعتراض نقل کر کے یوں جواب دیا گیا کہ مشرق و غرب بلکہ جہات ستہ سب

خدا کی ہیں اس کو کسی خاص جہت سے خصوصیت نہیں۔ کیوں کہ وہ مکان و جہت سے پاک ہے۔ وہ جس

جہت کو چاہے قبلہ مقرر کر دے۔ ہمارا کام اطاعت ہے۔ دوسری آیت میں مذکور ہے کہ تحویل قبلہ اس

واسطے ہوا کہ ثابت و متزلزل میں تمیز ہو جائے۔

غزوات و سرایا کا آغاز

اسی سال سلسلہ غزوات و سرایا شروع ہوتا ہے۔ محدثین و اہل سیر کی اصطلاح میں غزوہ وہ لشکر ہے

جس میں رسول اللہ ﷺ بذات اقدس شامل ہوں۔ اور اگر حضور ﷺ بذات شریف شامل نہ ہوں۔ بلکہ اپنے اصحاب میں سے کسی کو دشمن کے مقابلہ میں بھیج دیں تو وہ لشکر سر یہ کہلاتا ہے۔ غزوات تعداد میں ستائیس ہیں۔ جن میں سے نو میں قتال وقوع میں آیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں: بدر احد مرہ۔ بسبع، خندق، قریظہ، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف۔ سرایا کی تعداد سینتالیس ہے۔ نظر بر اختصار ہم سرایا کو پس انداز کر کے غزوات و بعض دیگر وقائع کا حال سنہ وار پیش کرتے ہیں۔

ہجرت کے بعد بھی کفار قریش مسلمانوں کے مذہبی فرائض کی بجا آوری میں مزاحم ہوتے تھے اور اسلام کے مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔ بلکہ دیگر قبائل کو بھی مسلمانوں کی مخالفت پر برا بیچتے کرتے تھے۔ اس لیے حضور اقدس ﷺ نے مختلف اغراض کیلئے اپنے اصحاب کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں (سرایا) اطراف مدینہ میں بھیجی شروع کیں بلکہ بعض دفعہ خود بھی شرکت فرمائی۔ کہیں دشمن کی نقل و حرکت کی خبر لانے کیلئے۔ کہیں بعض قبیلوں سے معاہدہ قائم کرنے کیلئے اور کہیں محض مدافعت کیلئے ایسا کیا گیا وہاں ایک غرض یہ بھی تھی کہ قریش کی شامی تجارت کا راستہ بند کر دیا جائے۔ اور یہ وہی بات ہے جس کی دھمکی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے بعد ابو جہل کو خاص خانہ کعبہ میں یوں دی تھی۔ کہ اگر تم (۳۳) نے ہم کو طواف کعبہ سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ بند کر دیں گے۔ چونکہ قریش بالعموم مسلمانوں کو حج و عمرہ سے روکتے تھے۔ اس لیے مجبوراً مسلمانوں کو ان کے تجارتی قافلوں سے تعرض کرنا پڑا۔ تاکہ مذہبی مداخلت سے باز آجائیں۔

غزوہ (۳۴) ابواء اسی سال کے ماہ صفر میں۔ غزوہ بواط (۳۵) وغیرہ بدر اولیٰ ماہ ربیع الاول میں اور غزوہ ذوالعشیرہ (۳۶) ماہ جمادی الاخریٰ میں ہوا۔ بدر (۳۷) اولیٰ کرز بن جابر فہری کی گوشالی کے لیے تھا جو مدینہ منورہ کے اونٹ ہانک لے گیا تھا۔ باقی تینوں، قافلہ قریش سے تعرض کے لیے تھے مگر ان میں سے کسی میں بھی مقابلہ نہیں ہوا۔

غزوہ ذوالعشیرہ کے بعد ماہ رجب میں آنحضرت ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو آٹھ یا بتول بعض بارہ مہاجرین کی جمعیت کے ساتھ نخلہ (۳۸) کی طرف روانہ کیا۔ وہ نخلہ میں پہنچ کر قافلہ قریش کے منتظر رہے۔ ناگاہ قریش کے اونٹوں کا قافلہ جن پر وہ شراب منقی اور چمڑا وغیرہ مال تجارت طائف سے لار رہے تھے ان کے قریب اترا۔ اس قافلے میں عمرو (۳۹) بن حضری، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ اور ابو جہل کے باپ ہشام بن مغیرہ کا آزاد کردہ غلام حکم بن کیسان تھے فریقین میں مقابلہ ہوا۔ اس میں حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی نے ایک تیر سے عمرو بن حضری کا کام تمام کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ

گئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش دونوں اسیروں اور مال غنیمت کو لے کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے غنیمت تقسیم فرمادی۔ حضرت حکم بن کیسان اسلام لائے عثمان بن عبداللہ کو چھوڑ دیا گیا۔ وہ مکہ میں چلا گیا، اور کفر پر مرا۔

اسی سال کے ماہ شعبان میں ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے اور ماہ رمضان میں غزوہ بدر ثانیہ وقوع میں آیا۔

غزوہ بدر سب سے بڑا غزوہ ہے۔ اس کا سبب عمرو بن حضرمی کا قتل اور قافلہ قریش کا شام کی طرف سے آنا تھا۔ یہ وہی قافلہ تھا جس کے قصد سے حضور اقدس ﷺ ذوالعشیرہ تک تشریف لے گئے تھے۔ امیر قافلہ ابوسفیان تھا۔ اس قافلے میں قریش کا بہت سا مال تھا۔ جب یہ قافلہ بدر کے قریب پہنچا۔ تو حضور اقدس ﷺ کو خبر لگی۔ آپ نے فوراً مسلمانوں کو نکلنے کی دعوت دی۔ اس لیے جلدی سے تیاری کر کے آپ بتاریخ ۱۲ ماہ رمضان بروز ہفتہ مدینہ سے نکلے۔ اور مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر براء بن عتبہ پر لشکر گاہ مقرر ہوا۔ یہاں لشکر کا جائزہ لینے کے بعد آپ نے صغیر السن صحابہ (مثلاً ابن عمر، براء بن عازب، انس بن مالک، جابر، زید بن ثابت اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم) کو واپس کر دیا۔ اور باقی کو لے کر روانہ ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی عمیر (۴۰) جن کی عمر سولہ سال کی تھی حضور اقدس ﷺ سے آنکھ بچا رہے تھے۔ کیوں کہ ان کو شہادت کا شوق تھا۔ مگر ڈرتے تھے کہ کہیں چھوٹی عمر کے سبب واپس نہ کر دیئے جائیں۔ چنانچہ جب پیش ہوئے تو واپسی کا حکم ملا۔ اس پر آپ رونے لگے۔ لہذا اس رحمۃ اللعالمین نے شمولیت کی اجازت دے دی۔ بلکہ ان پر خود اپنی تلوار کا پر تلہ لگا دیا۔

واضح رہے کہ مسلمان محض قافلہ قریش سے تعرض (۴۱) کے لیے نکلے تھے۔ ان کو علم نہ تھا کہ فوج قریش سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس لیے فوری نا تمام تیاری کی گئی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ”جس کا سواری کا اونٹ موجود ہو وہ سوار ہو کر ہمارے ساتھ چلے۔ انصار آپ سے ان اونٹوں کے لانے کے لیے جو مدینہ کے حصہ بالا کی میں تھے۔ اجازت مانگنے لگے۔ آپ نے فرمایا ”نہیں صرف وہی ساتھ چلے جس کا سواری کا اونٹ حاضر (۴۲) ہے۔“

آپ کے ساتھ صرف ستر اونٹ دو گھوڑے اور تین سو آٹھ مجاہدین تھے۔ جن میں سے مہاجرین کچھ ساٹھ سے اوپر تھے اور باقی سب انصار تھے۔ آٹھ صحابہ اور تھے۔ جو بوجہ عذر شامل نہ ہو سکے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کو بھی غنیمت میں سے پورا حصہ دیا۔ لہذا یہ بھی اصحاب بدر میں شمار ہوتے ہیں۔ ان آٹھ میں سے تین تو مہاجرین تھے۔ یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جو اپنی اہلیہ حضرت رقیہ بنت رسول

اللہ ﷺ کی تیمارداری کیلئے حضور ہی کے ارشاد سے مدینہ منورہ میں رہ گئے تھے۔ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید (ہر دو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) جن کو حضور نے روانگی سے دس روز پیشتر قافلہ قریش کی خبر لانے کیلئے بھیج دیا تھا۔ اور وہ آپ کی روانگی کے بعد مدینہ میں واپس آئے تھے۔ اور پانچ انصار تھے۔ یعنی ابولبابہ بن عبدالمنذر جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی غیبت میں مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ عاصم بن عدی العجلانی جو روحا (۴۳) سے ضرب شدید کے سبب واپس کر دیئے گئے۔ اور مدینہ منورہ کی بلائی آبادی (عالیہ) کے حاکم بنائے گئے۔ حارث بن حاطب العمری جن کو حضور اقدس ﷺ نے روحا سے کسی خاص کام کے لیے بنو عمرو بن عوف کے پاس بھیج دیا حارث بن الصممہ جو روحا میں ٹانگ پر ضرب شدید آنے کے سبب واپس کر دیئے گئے اور خوات بن جبیر جو اثنائے راہ میں ساق پر پتھر لگنے کے سبب مقام (۴۴) صفا سے واپس کر دیئے گئے۔

سواری کے لیے تین تین مجاہدین کو ایک ایک اونٹ ملا ہوا تھا۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ اور حضرت علی اور حضرت مرشد غنوی (۴۵) ایک اونٹ پر اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عبدالرحمن بن عوف دوسرے پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ روحا سے چل کر صفراء کے قریب پہنچے تو آپ نے حضرت بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء کو قافلہ قریش کی خبر لانے کے لیے بھیجا وہ بدر میں پہنچے اور وہاں سے یہ خبر سن کر آئے کہ قافلہ کل یا پرسوں (۴۶) بدر میں پہنچے گا۔ ابوسفیان کو شام میں خبر لگی تھی کہ حضرت قافلہ کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس لیے اس نے حجاز کے قریب پہنچ کر مضمم بن عمرو کو بیس مشقال سونے کی اجرت پر مکہ میں قریش کے پاس بھیجا۔ تاکہ ان کو قافلہ کے بچانے کی ترغیب دے۔ چنانچہ مضمم اونٹ پر سوار ہو کر فوراً روانہ ہو گیا۔

مکہ پہنچ کر مضمم نے اپنے اونٹ کے ناک کان کاٹ دیئے تھے۔ کجاوہ الٹ دیا تھا اور اپنی قمیص پھاڑ دی تھی۔ اس ہیئت کذائی میں وہ اپنے اونٹ پر سوار، یوں پکار پکار کر کہہ رہا تھا: ”اے گروہ قریش (۴۷)! قافلہ تجارت! قافلہ تجارت! تمہارا مال ابوسفیان کے ساتھ ہے۔ محمد اور اس کے اصحاب اس کے سدراہ ہو گئے ہیں۔ میں خیال نہیں کرتا کہ تم اسے بچا لو گے۔ فریاد! فریاد!“ یہ سن کر قریش کہنے لگے۔ کیا محمد اور اس کے اصحاب گمان کرتے ہیں کہ یہ قافلہ بھی عمرو بن حضری کی مانند ہوگا؟ بہ گز نہیں۔ اللہ کی قسم! انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ایسا نہیں۔ غرض قریش جلدی نکلے۔ اور ان کے اشراف میں سے سوائے ابولہب کے کوئی پیچھے نہ رہا۔ اور اس نے بھی اپنے عوض ابو جہل کے بھائی عاص بن ہشام کو بھیجا اور چار ہزار درہم جو بطور سود اس سے لینے تھے۔ اس صلے میں اس کو معاف کر دیئے۔ امیہ بن خلف نے بھی پیچھے رہ جانے کا ارادہ کیا تھا۔ کیوں کہ اس نے حضرت سعد بن معاذ سے ہجرت کے بعد مکہ مشرف

میں سنا تھا کہ وہ حضور اقدس ﷺ اور آپ کے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ مگر ابو جہل نے کہا: تو اس وادی مکہ کا سردار ہے اگر تو پیچھے رہ گیا تو دوسرے بھی دیکھا دیکھی تیرے ساتھ رہ جائیں گے غرض پس و پیش کے بعد ابو جہل کے اصرار پر وہ بھی ساتھ ہولیا۔ (۴۸)

قریش جب بڑے ساز و سامان سے اس طرح چلنے کو تیار ہو گئے۔ تو انہیں بنو کنانہ کی طرف سے اندیشہ پیدا ہوا کیوں کہ بدر سے پہلے قریش و کنانہ میں لڑائی جاری تھی۔ اس لیے قریش خائف تھے۔ کہ مبادا کینہ سابق کے سبب ہمارے پیچھے ہم کو کوئی ضرر پہنچائیں۔ اس وقت ابلیس (۴۹) بصورت سراقہ بن مالک ظاہر ہوا۔ جو کنانہ کا سردار تھا۔ اور کہنے لگا میں ضامن ہوں تمہارے پیچھے بنو کنانہ سے تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ میں تمہارے ساتھ (۵۰) ہوں۔ اس طرح ابلیس لعین بصورت سراقہ لشکر قریش کے ساتھ تھا۔ علاوہ ازیں اہل مکہ کے ساتھ گانے والی عورتیں اور آلات ملاہی بھی تھے۔ رسد کا انتظام یہ تھا کہ امرائے قریش عباس، عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نصر بن حارث، ابو جہل امیہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔

جب ابوسفیان مدینہ کے نواح میں پہنچا۔ اور قریش کی کمک اس کی مدد کو نہ پہنچی تو وہ نہایت خوفزدہ ہوا۔ کہ کہیں مسلمان کین گاہ میں نہ ہوں۔ اسی حال میں وہ بدر میں جا پہنچا وہاں اس نے مجدی بن عمرو سے پوچھا: کیا تو نے محمد کے جاسوسوں میں سے کسی کو دیکھا ہے؟ مجدی بولا: ”اللہ کی قسم! میں نے کسی اجنبی شخص کو نہیں دیکھا۔ ہاں اس مقام پر دو سوار آئے تھے۔ یہ کہہ کر عدی و بسبس کے مناخ (۵۱) کی طرف اشارہ کیا۔ ابوسفیان نے ان کے اونٹوں کی مینگنیوں کو لے کر توڑا تو کیا دیکھتا ہے کہ ان میں کھجور کی گٹھلیاں ہیں۔ کہنے لگا۔ ان اونٹوں (۵۲) نے یثرب کی کھجوریں کھائی ہیں۔ وہ تو محمد کے جاسوس تھے۔ لہذا اس نے اپنے قافلے کے اونٹوں کے منہ پھیر دیئے۔ اور بدر کو بائیں ہاتھ چھوڑ کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مکہ کو روانہ ہوا۔ جب وہ قافلے کو محل خطر سے بچالے گیا تو اس نے قیس بن امری القیس کے ہاتھ قریش کو کہلا بھیجا۔ کہ میں نے قافلے کو بچا لیا ہے۔ لہذا تم واپس چلے جاؤ۔ یہ قاصد (۵۳) جھہ میں قریش سے ملا۔ اور انہیں ابوسفیان کا پیغام پہنچایا۔ قریش نے واپس ہوئے کا ارادہ کیا۔ مگر ابو جہل بولا کہ ہم (۵۴) بدر سے ہرگز واپس نہ ہوں گے۔ وہاں تین دن ٹھہریں گے اونٹ ذبح کریں گے۔ اور کھائیں کھلائیں گے۔ شراب پیئیں گے اور راگ سنیں گے۔ اس طرح قبائل عرب کے اطراف میں ہماری عظمت و شوکت کا آواز پھیل (۵۵) جائے گا۔ اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ پس ابو جہل کی رائے پر عمل کیا گیا۔ جھہ ہی میں اخنس (۵۶) بن شریق التثقی نے اپنے حلیف بنوزہرہ کو جو ایک سو

اور بقول بعض تین سو مرد تھے۔ مشورہ دیا کہ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے اس طرح بنو عدی بن کعب جو قریش کے ساتھ آئے تھے۔ ثنیہ لفت سے واپس چلے گئے اور واپسی میں ابوسفیان ان سے ملا اور کہنے لگا۔ اے بنو عدی تم کیوں کر لوٹ آئے۔ لا (۵۷) فی الغیر ولا فی النفر۔ (نہ قافلے میں اور نہ قریش میں) وہ بولے کہ تو نے ہی تو قریش کو لوٹ جانے کا پیغام بھیجا تھا۔ غرض بنو ہرہ اور بنو عدی کے سوا تمام قریش کے قبائل لڑائی میں شامل تھے۔

مقام صفراء کے نزدیک وادی ذفران میں حضور اقدس کی خدمت میں حضرت جبرائیل دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ لائے۔ پس آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ اور پوچھا کہ تم چاہتے ہو عمیر (قافلہ) بانفیر (گروہ قریش) مسلمان چونکہ محض قافلہ کے قصد سے نکلے تھے۔ تعداد بھی کم تھی۔ اور سامان جنگ بھی کافی نہ تھا۔ اس لئے ایک فریق اس حالت میں لڑائی سے ہچکچاتا (۵۸) تھا۔ وہ بولے: عمیر۔ یہ سن کر حضور اقدس ﷺ ناخوش ہوئے لہذا ابو بکر صدیق نے کھڑے ہو کر تقریر کی۔ اور خوب (۵۹) کہا۔ پھر حضرت عمر نے تقریر کی اور اچھی کی۔ پھر حضرت مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور بولے کہ ”یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو بتایا ہے وہ کیجئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم نہیں (۶۰) کہتے جیسا کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے کہا تھا۔ فاذهب (۶۱) انت و ربک فقاتلا بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے لڑیں گے۔“ یہ سن کر حضور اقدس ﷺ خوش ہوئے اور حضرت مقداد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر آپ نے انصار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: کہ مجھے مشورہ دو انصار کی طرف اشارہ کی وجہ یہ تھی۔ کہ انہوں نے بیعت عقبہ کے وقت کہا (۶۲) تھا: ”یا رسول اللہ! ہم آپ کے ذمام یعنی عہد سے بری ہیں۔ یہاں تک کہ آپ ہمارے دیار میں پہنچ جائیں جب آپ ہمارے دیار میں پہنچیں گے تو ہمارے امان و عہد میں ہوں گے۔ اور ہم آپ کی حمایت کریں گے۔ ہر ایسے امر سے کہ اس سے ہم اپنی اولاد اور عورتوں کی حمایت کرتے ہیں۔“ چونکہ اس عبارت سے ایک طرح کا وہم ہوتا تھا۔ کہ انصار پر صرف مدینے میں ہی حضور کی حمایت واجب تھی۔ لہذا آپ نے اس مقام پر محض ان کے حال سے استکشاف و استمزاج کے لیے ایسا کیا۔ انصار نے جب حضور کا ارشاد سنا تو حضرت سعد بن معاذ نے جو اکابر انصار میں سے تھے: یوں جواب (۶۳) دیا: ”ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ اور شاہد ہیں اس امر پر کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہی حق ہے اور اس تصدیق پر ہم نے آپ کو اپنی اطاعت کے عہد و مواثیق دیئے ہوئے ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ جہاں چاہیں چلیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ اس سمندر کو عبور کرنا چاہیں اور اس میں کود پڑیں تو بے شک ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں کود پڑیں گے۔ اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے

گا۔ ہمیں یہ ناگوار نہیں کہ کل آپ کو ہمیں ساتھ لے کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ ہم لڑائی میں صابر اور دشمن کے مقابلے کے وقت صادق ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ مقابلے میں ہمارے ہاتھ سے آپ کو وہ دکھائے کہ جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ لہذا آپ ہم کو اللہ کی برکت سے لے چلیں۔“ حضور ﷺ حضرت سعد کے اس قول سے خوش ہوئے اور فرمایا: کہ ”اللہ کی برکت سے چلو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو باتوں (قافلہ اور فوج قریش) میں سے ایک (۶۴) کا وعدہ کیا ہوا ہے اللہ کی قسم! گویا میں قریش کی موت کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔“ یہاں حضور ﷺ نے جھنڈے تیار کیے۔ سب سے بڑا جھنڈا مہاجرین کا تھا۔ جو حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن المنذر کے پاس تھا۔ اور قبیلہ اوس کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ نے اٹھایا ہوا تھا مشرکین کے ساتھ بھی تین جھنڈے تھے۔ ایک ابو عزییر بن عمیر، دوسرا نضر بن حارث اور تیسرا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضور اقدس ﷺ بتاریخ ۷ ماہ رمضان جمعہ کی رات کو بدر میں قریش کے میدان میں اترے اور قریش دوسری طرف اترے (۶۵)۔ حضور انور ﷺ نے حضرات علی و زبیر و سعد بن ابی وقاص کو مشرکین کا حال دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ قریش کے دو غلام پکڑائے۔ اس وقت حضور اقدس ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ کرام نے ان (۶۶) غلاموں سے پوچھا: کیا تم ابوسفیان کے ساتھی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: کہ ہم تو قریش کے سقے ہیں۔ قریش نے ہمیں پانی پلانے کے لیے بھیجا ہے۔ اس پر صحابہ کرام نے انہیں مارا۔ جب وہ درد سے بے چین ہو گئے تو کہنے لگے کہ ہم ابوسفیان کے ساتھی ہیں۔ اتنے میں حضرت نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ”جب یہ تم سے سچ بولے تم نے ان کو مارا۔ اور جب تم سے جھوٹ بولے۔ تو ان کو چھوڑ دیا۔ اللہ کی قسم! انہوں نے سچ کہا۔ وہ قریش کے ساتھ ہیں۔“ پھر حضور اقدس ﷺ نے ان غلاموں سے قریش کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم! یہ تو وہ ریگ جو نظر آ رہا ہے۔ اس کے پیچھے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ قریش تعداد میں کتنے ہیں وہ بولے کہ ہمیں معلوم نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ وہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن دس اور ایک دن نو۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں (واقع میں وہ ساڑھے نو سو تھے۔ اور ان کے پاس سو گھوڑے تھے) پھر آپ نے پوچھا: سرداران قریش میں سے کون کون آئے ہیں؟ وہ بولے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، ابوالنختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر بن نوفل، طعیمہ بن عدی ابن نوفل، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، امیہ بن خلف، ہدیہ و مدبہ پسران حجاج، بہل بن عمرو، عمرو بن عدود۔ یہ سن کر حضور نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ”لو! مکہ نے اپنے جگر پارے تمہاری طرف بھیج دیئے ہیں۔“ پس حضور اقدس ﷺ جلدی

کوچ کر کے کنوؤں کی طرف آئے۔ اور جو کنواں بدر کے سب سے قریب تھا اس پر اترے۔ حضرت جناب بن منذر نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! جہاں آپ ہیں وہ اچھی جگہ نہیں۔ آپ ہمیں اس کنوؤں پر لے چلیں جو قریش کے سب سے نزدیک ہو میں بدر سے اور اس کے کنوؤں سے واقف ہوں۔ وہاں ایک بیٹھے پانی کا کنواں ہے جس کا پانی ختم نہیں ہوتا۔ ہم اس پر ایک حوض بنالیں گے۔ اس میں سے پئیں گے۔ اور جنگ کریں گے۔ اور باقی کنوؤں کو بند کر دیں گے۔ تاکہ کفار کو پانی نہ ملے۔“ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جناب کی رائے درست ہے۔ علاوہ ازیں جہاں مسلمان اترے ہوئے تھے وہ نرم ریتلی زمین تھی جس میں آدمیوں کے پاؤں اور چوپایوں کے کھر اور سم دھنتے تھے۔ اور جہاں کفار ٹھہرے ہوئے تھے انہوں نے وہاں کوئیں کھود لیے تھے اور پانی جمع کر لیا تھا۔ مسلمانوں میں سے بعض کو غسل جنابت اور بعض کو وضو کی حاجت تھی۔ اور پیاسے تھے۔ پانی نہ ملتا تھا۔ پس شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارا گمان ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ پیغمبر ہمارے درمیان ہیں اور ہم اللہ کے پیارے ہیں۔ حالانکہ مشرکین پانی پر قابض ہیں۔ اور تم جنب اور محدث ہونے کی حالت میں نمازیں پڑھتے ہو۔ پھر تمہیں کس طرح امید ہو سکتی ہے۔ کہ تم ان پر غالب آ جاؤ گے۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند (۶۷) طاری کر دی۔ جس سے ان کا رنج و تعب دور ہو گیا۔ اور مینہ برسا دیا۔ جس سے انہوں نے پیا، غسل کیا، اپنے چوپایوں کو پلایا۔ اور مشکیں بھر لیں۔ اور ریت سخت ہو گئی جس پر چلنا آسان ہو گیا۔ اور کفار کی زمین کیچڑ ہو گئی جس پر چلنا دشوار ہو گیا۔ اس طرح وسوسہ شیطانی جاتا رہا اور اطمینان حاصل ہو گیا۔

غرض حضور اقدس ﷺ اور آپ کے اصحاب وہاں سے چل کر کفار سے پہلے آب بدر پر پہنچ گئے۔ اور قریش کے سب سے قریب کنویں پر اترے۔ اور اس پر حوض بنا کر پانی سے بھر لیا۔ اور دوسرے کنوؤں کو بند کر دیا۔ پھر حضور اقدس کے لیے اونچی جگہ پر ایک عریش (کھجور کی شاخوں کا سا بان) بنایا گیا۔ اور حضرت بذات خود معرکہ کی جگہ تشریف لے گئے۔ اور دست مبارک کے اشارے سے فرماتے تھے کہ یہ فلاں کافر کے مارے جانے کی جگہ ہے۔ اور یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا۔ لڑائی میں ویسا ہی وقوع میں آیا۔ ان میں سے کسی نے بھی اشارے کی جگہ سے سر موٹجاوڑ نہ کیا۔ یہ سب کچھ جمعہ کی رات بتاریخ ۷ ماہ رمضان المبارک میں واقع ہوا۔ کفار کیچڑ کے سبب سے اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حضرت مع صدیق اکبر عریش میں داخل ہوئے۔ یار غار یہاں بھی عریش کے اندر اپنے آقائے نامدار کی حفاظت کے لیے شمشیر برہنہ (۶۸) علم کیے ہوئے تھا۔ اور دروازے پر حضرت سعد بن معاذ تلوار آڑے لٹکائے پہرہ دے رہے تھے۔

حضور اقدس ﷺ تمام رات بیدار اور مصروف دعا رہے۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لیے آواز دی۔ اور نماز سے فارغ ہو کر جہاد پر وعظ (۶۹) فرمایا۔ پھر آپ صف آرائی میں مشغول ہوئے۔ آپ کے دست مبارک میں ایک تیر کی لکڑی تھی جس سے کسی کو آپ اشارہ فرماتے کہ آگے ہو جاؤ اور کسی سے ارشاد فرماتے کہ پیچھے ہو جاؤ۔ چنانچہ حضرت سواد بن (۷۰) غزیہ انصاری جو صف سے آگے نکلے ہوئے تھے حضور اقدس نے اس لکڑی سے ان کے پیٹ کو ٹھوکا دیا اور فرمایا استویا سواد (اے سواد برابر ہو جاؤ) حضرت سواد نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ نے مجھے ضرب شدید لگائی ہے۔ حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حق و انصاف کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ مجھے قصاص دیں۔ یہ سن کر حضور نے اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا۔ اور فرمایا: اپنا قصاص لے لو۔ اس پر حضرت سواد حضور اقدس ﷺ کے گلے لپٹ گئے۔ اور آپ کے شکم مبارک کو بوسہ دیا حضور نے پوچھا: اے سواد! تو نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت سواد نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! موت حاضر ہے۔ میں نے چاہا کہ آخر میں میرا بدن آپ کے بدن اطہر سے مس کر جائے یہ سن کر آپ نے اس کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اس نے معاف کر دیا۔ اسی اثناء میں مشرکین بھی نمودار ہوئے۔ حضور اقدس نے ان کی تعداد کثیر دیکھ کر یوں دعا فرمائی: ”یا اللہ! یہ قریش فخر و تکبر کرتے آپہنچے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ تیرے ساتھ جنگ کریں اور تیرے رسول کو جھٹلائیں۔ اے خدا! میں اس نصرت کا منتظر ہوں۔ جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے۔“

جب ہر دو فریق صف آرائی کر چکے تو قریش نے عمیر بن وہب جمعی کو لشکر اسلام کی تعداد معلوم کرنے بھیجا۔ وہ لشکر اسلام میں آیا اور دیکھ بھال کے بعد واپس جا کر کہنے لگا: ”مسلمان (۱۷) کم و بیش تین سو ہیں۔ اور ان کے ساتھ ستر اونٹ اور دو گھوڑے ہیں۔ اے گردہ قریش میں نے دیکھا کہ ان کے اونٹوں کے پالان موتوں کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ یثرب کے آب کش اونٹ زہر قاتل سے لدے ہوئے ہیں۔ ان کو اپنی تلواروں کے سوا اور کوئی پناہ نہیں وہ گونگے ہیں۔ کلام نہیں کر سکتے اور سانپوں کی طرح زبانیں منہ سے نکالتے ہیں۔ اللہ کی قسم۔ میری رائے میں ان میں سے ایک شخص بھی قتل نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ تم میں سے ایک کو قتل نہ کر لے۔ پس جب وہ تم میں سے اپنی تعداد کے برابر قتل کر دیں گے تو اس کے بعد تمہارا جینا کیسا ہوگا۔ اس لیے تم آپس میں مشورہ کر لو۔“ جب حکیم بن حزام نے یہ سنا تو عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا۔ اور اس سے کہا: اے ابوالولید! تو قریش کا سردار ہے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ آخر زمانے تک دنیا میں تیرا ذکر خیر رہے؟ وہ بولا۔ پھر میں کیا کروں؟ حکیم نے کہا لوگوں کو واپس لے جا اور اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کا خون بہا ادا کر دے عتبہ نے کہا: بے شک وہ میرا حلیف تھا۔ اس کا خون بہا اور اس کا نقصان مال جو ہوا، وہ سب میرے ذمہ ہے۔ تو ابن الحنظلیہ (ابو جہل) کے پاس جا۔ کیوں کہ وہی ہے جس

کی طرف سے مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں میں لڑائی کرادے۔ پھر عتبہ نے کھڑے ہو کر یوں تقریر کی: ”اے گروہ قریش! محمد اور اس کے اصحاب کے ساتھ لڑنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کی قسم اگر تم محمد کو قتل کرو گے تو تم میں سے ہر ایک کو ان میں اپنے چچیرے بھائی کے قاتل یا ماموں زاد بھائی کے قاتل یا اپنے خاندان کے کسی شخص کے قاتل کا منہ ہر وقت دیکھنا پڑے گا اس لیے لوٹ چلو۔ اور محمد اور باقی عرب کو خود آپس میں سمجھ لینے دو۔“ حکیم مذکور کا بیان ہے کہ میں ابو جہل کے پاس گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہا ابو جہل نے زرہ دان میں سے اپنی زرہ نکالی ہوئی ہے۔ اسے زیتون کے تیل کی چینک مل رہا ہے۔ میں نے کہا اے ابوالحکم! عتبہ نے مجھے ایسا ایسا کہہ کر تیرے پاس بھیجا ہے۔ ابو جہل نے کہا: ”خدا کی قسم (۷۲) محمد اور اس کے اصحاب کو دیکھ کر اس کا سینہ پھول گیا ہے۔ (یعنی بزدل ہو گیا ہے) خدا کی قسم ہم ہرگز واپس نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور محمد کے درمیان فیصلہ کر دے۔ عتبہ بزدل تو نہیں ہے مگر اس نے دیکھا کہ محمد اور اس کے اصحاب چند اونٹوں کا گوشت کھانے والے ہیں۔ اور ان میں ان کا بیٹا ابو خذیفہ ہے۔ اس کے بارے میں وہ تم سے ڈر گیا ہے۔“ پھر ابو جہل نے عامر بن حضرمی کو کہلا بھیجا کہ تیرا حلیف عتبہ چاہتا ہے کہ لوگوں کو ہٹالے جائے۔ اور تو قصاص چاہتا ہے۔ اس لیے اٹھ اور اپنے بھائی کا قصاص اور عہد و پیمانہ یاد دلا۔ اس پر عامر مذکور اٹھا اور اپنے چوڑے ننگے کر کے چلایا و اعمرہ و اعمرہ یہ دیکھ کر لوگوں کی رائے بدل گئی۔ جب عتبہ کو معلوم ہوا کہ ابو جہل نے اس کی نسبت یہ الفاظ (اللہ کی قسم اس کا سینہ پھول گیا ہے) کہے ہیں۔ تو بولا ”وہ حلقہ دبر (۷۳) زرد کیے ہوئے جلدی جان لے گا کہ کس کا سینہ پھول گیا ہے۔ میرا یا اس کا۔“ یہ کہہ کر عتبہ نے اپنے سر کے لیے خود طلب کی۔ مگر اس کی کھوپڑی اتنی بڑی تھی کہ تمام لشکر میں ایسی خود نہ ملی جو اس کے سر پر ٹھیک آجائے۔ اس لیے اس نے چادر سے اپنا سر ڈھانپ لیا۔ اس طرح قریش آمادہ جنگ ہو گئے۔ عتبہ نے عمیر بن وہب سے کہا کہ جنگ کر و اس لیے وہ سو سوار لے کر حملہ آور ہوا۔ مسلمان اپنی صف پر قائم رہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میری اجازت کے بغیر لڑائی نہ کرنا۔ اس وقت حضور اقدس ﷺ پر نیند (۷۴) طاری ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قریش ہم پر آپڑے ہیں۔ حضور بیدار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خواب میں قریش تھوڑے دکھائے (۷۵)۔ اگر بہت دکھاتا تو مسلمان تعداد کثیر کا نام سن کر ڈر جاتے۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو دیکھیے کہ میدان جنگ میں اتحام حرب سے پہلے مسلمانوں کو کفار تھوڑے (۷۶) دکھائے تاکہ وہ جنگ پر اقدام کریں۔ اور کفار کو مسلمان تھوڑے دکھائے جس سے انہوں نے لڑنے میں بہت کوشش نہ کی۔

مسلمانوں میں سے جو سب سے پہلے لڑائی کے لیے نکلا۔ وہ حضرت عمر فاروق کا آزاد کردہ غلام کعب نام تھا۔ جسے عامر بن حضرمی نے تیرے شہید کیا۔ وہ مسلمانوں میں پہلا قاتل تھا پھر انصار میں سے

حضرت حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے۔ بعد ازاں آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو ترغیب دی اور فرمایا (۷۷): بہشت کی طرف اٹھو۔ جس کا عرض آسمان وزمین کے برابر ہے یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام انصاری بولے: ”یا رسول اللہ! بہشت جس کا عرض آسمان وزمین ہے؟“ آپ نے فرمایا ”ہاں“۔ تب حضرت عمیر نے کہا واہ وا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تو نے واہ وا کیوں کہا؟ حضرت عمیر نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! فقط اس توقع پر کہ میں اہل بہشت سے ہو جاؤں“۔ آپ نے فرمایا: ”تب تو بے شک اہل بہشت میں سے ہے“۔ اس پر حضرت عمیر نے اپنی ترکش سے چھوارے نکال کر کھانے شروع کیے۔ پھر کہنے لگے: ”اگر میں زندہ رہوں یہاں تک کہ یہ چھوہارے کھا لوں۔ تو البتہ یہ لمبی زندگی ہے“۔ یہ کہہ کر حضرت عمیر نے چھوارے جو پاس تھے پھینک دیئے پھر جہاد کیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ دوسری جانب صف اعدائیں سے اسود بن عبدالاسد مخزومی جو بدخلق تھا۔ آگے بڑھا اور کہنے لگا: ”میں اللہ سے عہد کرتا ہوں۔ کہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پیوں گا۔ یا اسے ویران کر دوں گا یا اس سے ورے مر جاؤں گا“۔ ادھر سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نکلے۔ اسود حوض تک پہنچنے نہ پایا کہ حضرت حمزہ نے اس کا پاؤں نصف ساق تک کاٹ دیا۔ اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا اور پھر وہ حوض کے قریب پہنچا۔ یہاں تک کہ اس میں گر پڑا تا کہ اس کی قسم پوری ہو جائے۔ حضرت حمزہ نے اس کا تعاقب کیا۔ اور حوض ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔ بعد ازاں شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن ربیعہ نکلے۔ مشرکین نے چلا کر کہا: ”اے محمد! ہماری طرف اپنی قوم میں سے ہمارے جوڑے کے آدمی بھیجے“۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا: ”اے بنی ہاشم! اٹھو۔ اور اس حق کی حمایت میں لڑو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا ہے۔ کیوں کہ وہ باطل لائے ہیں تا کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں“۔ پس حضرت حمزہ (جس کے سینہ مبارک پر بطور نشان شتر مرغ کا پرتھا) اور علی ابن ابی طالب اور عبیدہ بن مطلب بن عبدمناف دشمن کی طرف بڑھے۔ اور ان کے سروں پر خود تھے۔ عتبہ نے کہا: ”تم بولو تا کہ ہم پہچان لیں۔ حضرت حمزہ نے کہا: میں حمزہ بن عبدالمطلب شیر خدا اور شیر رسول ﷺ ہوں“۔ عتبہ بولا: ”یہ اچھا جوڑے ہے۔ میں حلیفوں کا شیر ہوں“۔ پھر اس نے اپنے بیٹے سے کہا: ولید اٹھ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ ولید (۷۸) کی طرف بڑھے۔ اور ایک نے دوسرے پر وار کیا۔ مگر حضرت علی نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر عتبہ اٹھا۔ حضرت حمزہ اس کی طرف بڑھے اور اسے قتل کر دیا پھر شیبہ اٹھا حضرت عبیدہ جو اصحاب میں سے عمر میں سب سے بڑے تھے۔ اس کی طرف بڑھے۔ شیبہ نے تلوار کی دھار حضرت عبیدہ کے پاؤں پر ماری۔ جو پنڈلی کے گوشت پر لگی اور اسے کاٹ دیا۔ پھر حضرت حمزہ اور حضرت علی شیبہ پر حملہ آور ہوئے اور اسے قتل کر دیا۔ اور حضرت عبیدہ کو اٹھا کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہ نے کہا: اگر ابو طالب اس حالت (۷۹)

میں مجھے دیکھتا۔ تو مان جاتا کہ میں اس کی نسبت اس کے شعر ذیل کا زیادہ مستحق ہوں۔ (۸۰)

وَنُسَلِمَةُ حَتَّىٰ نَصْرَعُ حَوْلَهُ وَ نَذْهَلُ عَنِ ابْنَانَا وَ الْحَلَانِلِ

”ہم محمد کو حوالہ نہ کریں گے یہاں تک کہ ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور اپنے بیٹوں اور

بیویوں کو بھول جائیں۔“

یہ سب کچھ ہر دو فوج کے اجتماعی حملہ سے پہلے وقوع میں آیا۔ پھر دونوں فوجیں مقابلہ کے لیے نزدیک ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ میرے حکم کے بغیر حملہ نہ کرو۔ اگر تمہیں دشمن آگھیرے تو نیزوں سے اسے دور رکھو۔ اہل اسلام نے جب جنگ سے چارہ نہ دیکھا تو اپنی تعداد کی کمی اور دشمن کی کثرت دیکھ کر خدا سے دعا کرنے لگے۔ حضرت بھی صفیں درست کرنے کے بعد عریش میں تشریف لے آئے۔ عریش میں بجز یار غار آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ اس وقت حضور انور قبلہ رو ہو کر یوں دست بدعا ہوئے: ”یا اللہ (۸۱) تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر۔ یا اللہ! تو نے جو کچھ مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ عطا کر۔ یا اللہ اگر تو مسلمانوں کا یہ گروہ ہلاک کر دے گا۔ تو روئے زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی۔“ حضور نے دعا میں اتنا الحاح کیا کہ چادر شانہ مبارک سے گر پڑی۔ حضرت صدیق اکبر نے چادر اٹھا کر شانہ مبارک پر ڈال دی۔ پھر آپ کا دست مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا: ”یا نبی اللہ آپ کو اپنے پروردگار سے اتنی ہی درخواست کافی ہے۔ (۸۲) جو اس نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ جلدی پورا کر دے گا۔“ عریش ہی میں آنحضرت ﷺ پر غنودگی طاری ہوئی۔ جب بیدار ہوئے تو فرمایا: ”ابوبکر! بشارت ہو۔ اللہ کی نصرت آجی۔ حضرت جبرائیل گھوڑے پر سوار باگ پکڑے آرہے ہیں۔ اور ان کے دندان پیشین پر غبار ہے۔“ اس انعام کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ السَّمَاءِ مَدَدًا مُّزِيدًا ۝ (انفال: ۱۰)

”جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو پہنچا تمہاری پکار کو کہ میں تمہاری مدد بھیجوں گا

ہزار فرشتے لگاتار آنے والے۔“

پہلے ہزار فرشتے آئے۔ پھر تین (۸۳) ہزار ہو گئے۔ بعد ازاں بصورت صبر و تقویٰ پانچ ہزار ہو گئے۔ شیطان نے جو بصورت سراقہ کفار کے ساتھ تھا۔ جب یہ آسمانی مدد دیکھی تو اپنی جان کے ڈر سے بھاگ گیا۔ (۸۴) حضور اقدس ﷺ نے کنکریوں (۸۵) کی مٹھی لے کر کفار کی طرف پھینک دی۔ (۸۶) کوئی مشرک ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں کنکریاں نہ ہوں اب حضور نے حملہ اجتماعی کا حکم دیا۔ گھمسان کے معرکے کے وقت اللہ تعالیٰ نے کفار کو مسلمان اپنے سے دو چند دکھائے۔ جس سے ان پر رعب طاری ہو گیا۔ قتل کا بازار گرم ہوا۔ فرشتے نظر نہ آتے تھے۔ مگر ان کے افعال نمایاں تھے۔ کہیں کسی

مشرک کے منہ اور ناک پر کوڑے کی ضرب کا نشان پایا جاتا ہے۔ کہیں بے تلواری سر کتنا نظر آتا نہیں آواز آتی (۸۷) اقدم حیزوم۔ آخر کار کفار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے۔ خود حضور اقدس ﷺ عریش سے ننگی تلواری علم کیے یہ پکارتے ہوئے نکلے (۸۸) سیہزم الجمع و یولون الدبر۔ (قمر۔ ۳۷)

حضور اقدس ﷺ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ارشاد فرمایا (۸۹) تھا۔ کہ ”مجھے معلوم ہے۔ کہ بنو ہاشم وغیرہ میں سے چند لوگ بہ جبر و اکراہ کفار کے ساتھ شامل ہو کر آئے ہیں۔ جو ہم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ اگر ان میں سے کوئی تمہارے مقابل آجائے تو تم اسے قتل نہ کرو۔“ حضور انور ﷺ نے ان لوگوں کے نام بھی بتا دیئے تھے۔ ازاں جملہ ابوالختری عاص بن ہشام تھا۔ جو مکہ میں حضور اقدس ﷺ کو کسی قسم کی اذیت نہ دیا کرتا تھا۔ ابوالختری کے ساتھ جنادہ بن ملیحہ بھی اس کا ردیف تھا مجذربن زیاد کی نظر جو ابوالختری پر پڑی۔ تو کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تیرے قتل سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے تجھے چھوڑتا ہوں۔“ ابوالختری نے کہا: میرے رفیق کو بھی۔ مجذربن نے کہا: ”اللہ کی قسم! ہم تیرے رفیق کو نہیں چھوڑیں گے ہمیں رسول اللہ نے فقط تیرے چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔“ ابوالختری نے کہا: ”تب اللہ کی قسم میں اور وہ دونوں جان دیں گے۔ میں مکہ کی عورتوں کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا۔ کہ ابوالختری نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا۔“ جب مجذربن نے حملہ کیا۔ تو ابوالختری بھی یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا اور مارا گیا: (۹۰)

لن یسلم ابن حرة زمیله حتی یموت او یری سبیله۔

”شریف زادہ اپنے رفیق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ جب تک مرنے جائے، یا اپنے رفیق کے بچاؤ کی راہ نہ دیکھ لے۔“

آنحضرت ﷺ کا بڑا دشمن امیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں شریک تھا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلے اس امیہ کے غلام تھے۔ امیہ ان کو اذیت دیا کرتا تھا۔ تاکہ اسلام چھوڑ دیں۔ مکہ کی گرم ریت پر پیٹھ کے بل لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیا کرتا تھا۔ پھر کہا کرتا تھا تمہیں یہ حالت پسند ہے یا ترک اسلام؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی احد احد پکارا کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کسی زمانہ میں مکہ میں امیہ سے معاہدہ کیا تھا۔ کہ وہ مدینہ میں آئے گا تو یہ اس کی جان کے ضامن ہوں گے۔ عہد کی پابندی کو ملحوظ رکھ کر حضرت عبدالرحمن بن عوف نے چاہا کہ وہ میدان جنگ سے بچ کر نکل جائے۔ اس لیے اس کو اور اس کے بیٹے کو لے کر ایک پہاڑ پر چڑھے۔ اتفاق یہ کہ حضرت بلال نے دیکھ لیا۔ اور انصار کو خبر کر دی۔ لوگ دفعۃً ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمن نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا۔ لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔ لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی۔ اور

امیہ کی طرف بڑھے۔ امیہ چونکہ جسیم و ثقیل تھا۔ اس لیے حضرت عبدالرحمن نے کہا تم زمین پر لیٹ جاؤ۔ وہ لیٹ گیا تو آپ اس پر چھا گئے۔ تاکہ لوگ اس کو مارنے نہ پائیں۔ مگر لوگوں نے حضرت عبدالرحمن کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمن کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتوں باقی رہا۔ (۹۱)

جب میدان کارزار سرد ہو گیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ایسا کون ہے؟ جو ابو جہل کی خبر لائے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود گئے۔ اور اسے اس حال میں پایا کہ عفراء کے بیٹوں معاذ اور معوذ نے اسے ضرب شمشیر سے گرایا ہوا تھا اور اس میں ابھی رتق حیات باقی تھا۔ حضرت ابن مسعود اس لعین کے سینے پر بیٹھ گئے۔ اور اس کی ناپاک ڈاڑھی کو پکڑ کر کہا: کیا تو ابو جہل ہے؟ بتا آج تجھے اللہ نے رسوا کیا؟ اس لعین نے جواب دیا: ”رسوا کیا کیا؟ تمہارا مجھے قتل کرنا اس سے زیادہ (۹۲) نہیں کہ ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر ڈالا۔ کاش مجھے کسان کے سوا کوئی اور قتل کرتا“۔ اس جواب میں اس لعین کا تکبر اور انصار کی تحقیر پائی جاتی ہے۔ کیوں کہ معاذ اور معوذ انصار میں تھے۔ اور انصار کھیتی باڑی کا کام کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت ابن مسعود نے اس لعین کا کام تمام کر دیا۔ اور یہ خبر حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے۔ حضور نے یہ سن کر تین بار اللہ الذی لا الہ الا هو پڑھا۔ چوتھی باریوں فرمایا: اللہ اکبر۔ الحمد لله الذی صدق وعده و نصر الاحزاب و حده۔ پھر آپ حضرت ابن مسعود کو ساتھ لے کر اس لعین کی لاش کے پاس تشریف لے گئے اور دیکھ کر فرمایا: ”یہ اس امت کا فرعون ہے“۔

آنحضرت ﷺ نے جنگ سے فارغ ہو کر حضرت زید بن حارثہ کو اس فتح کی خوشخبری دینے کے لیے مدینہ میں بھیجا۔ اور اسی غرض کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اہل عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) کی طرف بھیجا۔ جب حضرت زید مدینہ میں پہنچے۔ تو بقیع میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کو دفن کر رہے تھے۔

اس جنگ میں مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے جن کے اسمائے مبارک یہ ہیں: حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبدمناف، حضرت عمیر بن ابی وقاص، حضرت ذوالشمالین عمیر بن عبد عمرو بن نھلہ، حضرت عاقل بن ابی بکیر، حضرت مہجج مولیٰ عمر بن الخطاب، حضرت صفوان بن بیضاء (یہ چھ مہاجرین میں سے ہیں) حضرت سعد بن خثیمہ، حضرت مبشر بن عبدالمنذر، حضرت حارثہ بن سراقہ، حضرت عوف و معوذ پسران عفراء، حضرت عمیر بن حمام حضرت رافع بن معلیٰ، حضرت یزید بن حارثہ بن نسیم (یہ آٹھ انصار میں سے ہیں) رضی اللہ عنہم۔ مشرکین میں سے ستر مقتول اور ستر گرفتار ہوئے۔ من جملہ مقتولین یہ ہیں: شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، عاص بن سعید بن عاص، ابو جہل بن

ہشام، ابوالبختری، حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب، حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف، طعیمہ بن عدی، زمعہ بن اسود بن مطلب، نوفل بن خویلد، عاص بن ہشام بن مغیرہ جو حضرت عمر فاروق اعظم کا ماموں تھا۔ امیہ بن خلف، علی بن امیہ بن خلف، منبہ بن حجاج، معید بن وہب اور من جملہ اسیران یہ ہیں: نوفل بن حارث بن عبدالمطلب، عباس بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب، ابوالعاص بن ربیع، عدی بن خیبار، ابو عزیر بن عمیر، ولید بن ولید بن مغیرہ، عبد اللہ بن ابی بن خلف، ابو عزہ عمرو بن عبد اللہ جمحی شاعر، وہب بن عمیر بن وہب جمحی، ابو وداعہ بن ضبیرہ سہمی، سہیل بن عمرو عامری۔

آنحضرت ﷺ کے حکم سے مشرکین مقتولین سے چوبیس رؤساء کی لاشیں ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں۔ جس میں مردار پھینکا کرتے تھے۔ امیہ بن خلف جو زرہ میں پھول گیا تھا اس پر جہاں وہ پڑا تھا وہیں مٹی ڈال دی گئی۔ اور باقی لاشوں کو اور جگہ پھینک دیا گیا۔

حضور اقدس ﷺ کی عادت شریف تھی کہ جب دشمن پر فتح پاتے تو تین دن میدان جنگ میں قیام فرماتے۔ چنانچہ بدر میں بھی تیسرے روز سوار ہو کر مقتولین کے گڑھے پر تشریف لے گئے اور ان سے یوں خطاب (۹۳) فرمایا: ”اے بیٹے فلاں کے۔ اے فلاں بیٹے فلاں کے، کیا اب تمہیں تمنا ہے۔ کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے۔ جو کچھ ہمارے پروردگار نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ ہم نے اسے سچ پایا۔ کیا تم نے بھی اسے جو تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ سچ پایا۔“ یہ دیکھ کر حضرت عمر فاروق نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! آپ ان بے روح جسموں سے کیا خطاب فرما رہے ہیں؟“ اس پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے خدا کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے (۹۴)۔“ پھر جناب رسالت مآب علیہ الوفا التحیہ والصلوٰۃ مظفر و منصور اسیران جنگ اور غنائم کے ساتھ مدینہ کو واپس ہوئے۔

جب آنحضرت ﷺ مقام صفراء میں پہنچے جو بدر سے ایک منزل ہے تو آپ نے غنیمت مجاہدین میں (۹۵) برابر برابر تقسیم فرمادی۔ اسی مقام پر حضرت عبیدہ بن حارث نے جن کا پائے مبارک کٹ گیا تھا۔ وفات (۹۶) پائی۔ صفراء ہی میں نصر بن حارث کو قتل کر دیا گیا یہاں سے روانہ ہو کر جب عراق الطیبہ میں پہنچے تو آنحضرت ﷺ کے حکم سے عقبہ بن معیط قتل کر دیا گیا۔ مدینہ میں اس فتح کی اتنی خوشی تھی۔ کہ لوگوں نے مبارک باد کہنے کے لیے حضور اقدس کا مقام روحاء میں استقبال کیا۔ اسیران جنگ جناب سرور عالم ﷺ کے ایک دن بعد مدینہ میں پہنچے۔ آپ نے ان کو صحابہ میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور تاکید فرمادی تھی۔ کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ چنانچہ ابو عزیر بن عمیر کا بیان ہے۔ کہ جب مجھے بدر سے لائے تو میں انصار کی ایک جماعت میں تھا۔ وہ صبح یا شام کا کھانا لاتے۔ تو روٹی مجھے دیتے اور خود

کھجوریں کھاتے۔ ان میں سے جس کے ہاتھ روٹی کا ٹکڑا آتا۔ وہ میرے آگے رکھ دیتا مجھے شرم آتی۔ میں اسے واپس کرتا۔ مگر وہ مجھ ہی کو واپس دیتا اور ہاتھ نہ لگاتا۔ (۹۷)

جن قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے ان کو کپڑے دلوائے گئے۔ حضرت عباس چونکہ دراز قد تھے۔ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہ اترتا تھا۔ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے جو حضرت عباس کا ہم قد تھا۔ اپنا کرتہ منگوا کر دیا۔ صحیح بخاری (۹۸) میں سفیان بن عیینہ کا یہ قول منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ مذکور کو قبر سے نکلوا کر جو اپنا کرتہ پہنایا تھا۔ وہ اکثر کے نزدیک اسی احسان کا معاوضہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا (۹۹) یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم اور آپ کا قبیلہ ہیں۔ انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ ان سے فدیہ لیا جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی توفیق دے۔ حضرت فاروق اعظم نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! میری تو وہ رائے نہیں جو ابو بکر کی ہے بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں۔ تاکہ ہم ان کو قتل کر ڈالیں۔ مثلاً عقیل کو حضرت علی کے حوالہ کر دیں۔ اور میرے فلاں رشتہ دار کو میرے سپرد کر دیں۔“

حضور انور بانی ہووامی نے حضرت صدیق اکبر کی رائے پر عمل (۱۰۰) فرمایا۔

قیدیوں میں سے ہر ایک کا فدیہ حسب استطاعت ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک تھا جن کے پاس مال نہ تھا۔ اور وہ لکھنا جانتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا فدیہ یہ تھا کہ۔ انصار کے دس (۱۰۱) لڑکوں کو لکھنا سکھا دے۔ چنانچہ زید بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ بعضوں مثلاً ابو عزہ جمحی شاعر کو حضور اقدس ﷺ نے یونہی چھوڑ دیا۔ ان قیدیوں میں سے ایک شخص سہیل بن عمرو تھا۔ جو عام مجموعوں میں آنحضرت ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمر ابن الخطاب نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں سہیل کے دندان پیشین اکھاڑ دوں اور اس کی زبان نکال دوں پھر وہ کسی جگہ آپ کے خلاف تقریر نہ کر سکے گا۔“ حضور نے فرمایا ”میں اس کا عضو نہیں بگاڑتا۔ ورنہ خدا اس کی جزا میں میرے اعضا بگاڑ دے گا۔ گو میں نبی ہوں۔“

حضرت عباس ان دس رؤسائے قریش میں تھے جنہوں نے لشکر قریش کی رسد کا سامان اپنے ذمہ لیا تھا۔ اس غرض کے لیے حضرت عباس کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔ چونکہ ان کی نوبت کھانا کھلانے کی نہ آئی۔ اس لیے وہ سونا انہیں کے پاس رہا۔ اور غنیمت میں شامل کر لیا گیا۔ حضرت عباس نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! میں مسلمان ہوں۔“ حضور نے فرمایا اللہ کو تیرے اسلام کا خوب علم ہے۔ اگر تو سچا ہے۔ تو اللہ تجھے جزا دے گا۔ تو اپنے فدیہ کے ساتھ عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور

اپنے حلیف عمرو بن حجدم کا فدیہ بھی ادا کر۔ حضرت عباس نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی مال نہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ مال کہاں ہے جو تو نے اپنی بیوی ام الفضل کے پاس رکھا تھا اور اسے کہا تھا کہ اگر میں لڑائی میں مارا جاؤں۔ تو اتنا فضل کو اتنا عبد اللہ کو اتنا عبید اللہ کو ملے۔ یہ سن کر حضرت عباس (۱۰۲) نے کہا: ”قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اس مال کا علم سوائے میرے اور ام الفضل کے کسی کو نہ تھا اور میں خوب جانتا ہوں۔ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“ پس حضرت عباس نے اپنا اور اپنے بھائیوں کے بیٹوں اور اپنے حلیف کا فدیہ (۱۰۳) ادا کر دیا۔

شکست قریش کی خبر مکہ میں سب سے پہلے حیسمان بن ایاس خزاعی لایا۔ قریش اپنے مقتولین پر نوحہ کرنے لگے۔ پھر بدیں خیال کہ مسلمان ہم پر نہیں گے۔ نوحہ بند کر دیا۔ شکست کی خبر پہنچنے کے نو روز بعد ابو لہب مر گیا۔ اسود بن عبد یعوث کے دو بیٹے زمعہ اور عقیل اور ایک پوتا حارث بن زمعہ میدان بدر میں کام آئے۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ ان پر روئے۔ مگر ممانعت کے سبب خاموش تھا۔ ایک رات اس نے کسی عورت کے رونے کی آواز سنی چونکہ اس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ اس لیے اس نے اپنے غلام سے کہا: کہ جاؤ دریافت کرو کیا اب رونے کی اجازت ہو گئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں بھی زمعہ پر نوحہ کروں۔ کیوں کہ میرا جگر جل گیا ہے۔ غلام نے آ کر کہا: ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ اس کے لیے رو رہی ہے۔ یہ سن کر اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر (۱۰۴) نکلے

اتبکی ان یضل لها بعیر
فلا تبکی علی بکر ولكن
و بکی ان بکیت علی عقیل
و بکیہم ولا ستمی جمیعا
و یمنعها من النوم السہود
علی بدر تقاصرت الجدود
و بکی حارثا اسد الاسود
و ما لِأبْنی حَکیمۃ من ندید

”کیا وہ اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے اور بے خوابی اسے نیند نہیں آنے دیتی سو وہ جوان اونٹ پر نہ روئے بلکہ بدر پر جہاں قسموں نے کوتاہی کی اگر تجھ کو رونا ہے تو عقیل پر رو اور شیروں کے شیر حارث پر رو اور ان سب پر رو اور نام نہ لے اور ابو حکیمہ (زمعہ) کا کوئی ہمسر نہیں۔“

یوم بدر واقع میں یوم فرقان تھا۔ کہ کفر و اسلام میں فرق ظاہر ہو گیا۔ اور اللہ عزوجل نے ضعف کے بعد مسلمانوں کو تقویت دی۔ چنانچہ اس نعمت کو یوں یاد دلایا ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ۔ (آل عمران: ۳۷)

”اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم بے مقدور تھے۔“

اس دن سے اسلام کا سکہ کفار کے دل پر جم گیا۔ اور اہل مدینہ میں بہت سے لوگ ایمان لائے۔ اہل بدر کے فضائل میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔ کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا (۱۰۵) ہے: ”بے شک اللہ اہل بدر سے واقف ہے۔ کیوں کہ اس نے فرما دیا۔ تم عمل کرو جو چاہو البتہ تمہارے واسطے جنت ثابت ہو چکی یا تحقیق میں نے تمہیں بخش دیا۔“ آخرت میں مغفور ہونے کے علاوہ دنیا میں بھی بدری ہونا خاص امتیاز کا سبب شمار کیا جاتا تھا۔ بلکہ وہ ہتھیار بھی جن سے بدر میں کام لیا گیا۔ تبرک خیال کیے جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جو برچھی عبیدہ بن سعید بن عاص کی آنکھ میں ماری (۱۰۶) تھی۔ وہ یادگار رہی۔ بدیں طور کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت زبیر سے مستعار لی۔ پھر آپ کے چاروں خلیفوں کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس رہی۔ یہاں تک کہ ۷۳ھ میں حجاج نے ان کو شہید کر دیا۔ اہل بدر کے توسل سے جو دعائیں مانگی جائے وہ بفضل الہی مستجاب ہوتی ہے جیسا کہ مشائخ کا تجربہ ہے۔

اندلس کے مشہور سیاح محمد بن جبیر (متوفی ۲۷ شعبان ۶۱۳ھ) نے بدر کے حال میں یوں لکھا ہے (۱۰۷) ”اس موضع میں خرما کے بہت باغ ہیں۔ اور آب رواں کا ایک چشمہ ہے۔ موضع کا قلعہ بلند ٹیلے پر ہے۔ اور قلعہ کا راستہ پہاڑوں کے بیچ میں ہے، وہ قطعہ زمین نشیب میں ہے۔ جہاں اسلامی لڑائی ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور اہل شرک کو ذلت دی۔ آج کل اس زمین میں خرما کا باغ ہے اور اس کے بیچ میں گنج شہیداں ہے۔ اس آبادی میں داخل ہوتے وقت بائیں طرف جبل الرحمتہ ہے۔ لڑائی کے دن اس پہاڑ پر فرشتے اترتے تھے۔ اس پہاڑ کے ساتھ جبل الطبول ہے۔ اس کی قطع ریت کے ٹیلے کی سی ہے۔ کہتے ہیں ہر شب جمعہ کو اس پہاڑ سے نقرے کی صدا آتی ہے۔ اس لیے اس کا نام جب الطبول رکھا ہے ہنوز نصرت نبوی ﷺ کی یہ بھی ایک کرامت باقی ہے۔ اس بستی کے ایک عرب باشندے نے بیان کیا کہ میں نے اپنے کانوں سے نقروں کی آواز سنی ہے۔ یہ آواز ہر جمعرات اور دو شنبہ کو آیا کرتی ہے۔ اس پہاڑ کی سطح کے قریب آنحضرت ﷺ کے تشریف رکھنے کی جگہ ہے۔ اور اس کے سامنے میدان جنگ ہے۔“

اللّٰهُمَّ اِنِّى اَسْئَلُكَ بِحَبِيبِكَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِاهْلِ بَدْرِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ اَنْ تَبْلُغْنِى فِى الدَّارِىْنَ اَقْصَى مَرَامِى وَتَغْفِرْ لِى وَلِوَالِدِى وَلِمَشَانِحِى وَلَا اَحْبَانِى وَ لِسَائِرِ الْمُؤْمِنِىْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَ اِنْ تَوَيْدَ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِىْنَ۔

اسی سال یوم فطر سے دو دن پہلے یا شروع شوال میں صدقہ فطر واجب ہوا۔ عید کے دن نماز عید

الفطر عید گاہ میں جماعت سے پڑھی گئی۔ اسی وقت زکوٰۃ مال فرض ہوئی۔

غزوہ بنی قینقاع: جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔ مدینہ کے گرد یہود کے تین قبیلے تھے: بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ۔ ان تینوں نے یکے بعد دیگرے نقض عہد کیا۔ ان میں سب سے پہلے بنو قینقاع نے جو چھ سو مرد کارزار اور یہود میں سب سے بہادر تھے۔ عہد کو توڑا اور باغی ہو کر قلعہ بند ہو گئے مگر پندرہ روز کے محاصرہ کے بعد مغلوب ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو جلا وطن کر دیا۔ اور وہ اذرعات ملک شام میں پہنچا دیئے گئے۔ جہاں وہ جلدی ہلاک و تباہ ہو گئے۔

غزوہ سویق: غزوہ میں غزوہ سویق وقوع میں آیا۔ سویق عرب میں ستو کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس ماہ ذی قعدہ میں غزوہ سویق وقوع میں آیا۔ اس لیے اس نام سے موسوم ہوا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ غزوہ بدر کے بعد ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں محمد (ﷺ) سے لڑائی نہ کر لوں جنابت سے سر نہ دھوؤں گا۔ اس لیے قسم کے پورا کرنے کے لیے وہ دو سو سوار لے کر نکلا۔ مقام عریض میں اس نے ایک نخلستان کو جلا دیا۔ اور ایک انصاری کو قتل کر ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ نے تعاقب فرمایا۔ ابوسفیان اور اس کے ہمراہی بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ستو کے بورے پھینک کر بھاگ گئے جنہیں مسلمانوں نے اٹھا لیا۔ اور واپس چلے آئے۔

ہجرت کا تیسرا سال

نصف محرم کو غزوہ قرقرۃ الکدر اور ربیع الاول میں غزوہ انمار یا غطفان اور جمادی الاولیٰ میں غزوہ بنی سلیم وقوع میں آیا۔ ان میں سے کسی میں مقابلہ نہیں ہوا۔ غزوہ انمار میں وعشور غطفانی اسلام لایا۔ ماہ ربیع الاول میں کعب بن اشرف یہودی شاعر جو اسلام کی ہجو کیا کرتا تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ماہ جمادی الاخریٰ میں ابورافع اسلام بن ابی الحقیق یہودی جو رسول اللہ ﷺ کو اذیت دیا کرتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری خزرجی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (۱۰۸)

ماہ شوال میں غزوہ (۱۰۹) احد وقوع میں آیا۔ جب قریش بدر میں شکست فاش کھا کر مکہ میں غزوہ احد: آئے تو ابوسفیان کے قافلے کا تمام مال دار الندوہ میں رکھا ہوا پایا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ وغیرہ رؤسائے قریش جن کے باپ بھائی اور بیٹے جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ ابوسفیان اور دیگر شرکاء کے پاس آ کر کہنے لگے۔ کہ اپنے مال کے نفع سے مدد کرو۔ تا کہ ہم ایک لشکر تیار کریں اور (حضرت) محمد (ﷺ) سے بدلہ لیں۔ سب نے بخوشی منظور کیا چنانچہ تمام

مال فروخت کر دیا گیا۔ اور حسب قرارداد اس المال مالکوں کو دیا گیا۔ اور نفع تجہیز لشکر میں کام آیا۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَسَيَنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ

عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ۖ ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۗ

”جو لوگ کافر ہیں خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں اللہ کی راہ سے سوا بھی اور خرچ

کریں گے پھر آخر ہو گا ان پر پچھتاؤ پھر آخر مغلوب ہوں گے۔ اور جو کافر ہیں دوزخ کو

ہانکے جائیں گے۔“ (انفال: ۴۷)

قریش نے بڑی سرگرمی سے تیاری کی۔ اور قبائل عرب کو بھی دعوت جنگ دی۔ مردوں کے ساتھ

عورتوں کی ایک جماعت بھی شامل ہوئی۔ تاکہ ان کو مقتولین بدر کی یاد دلا کر لڑائی پر ابھارتی رہیں۔

چنانچہ ابوسفیان کی زوجہ ہندہ بنت عتبہ عکرمہ بن ابوجہل کی زوجہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام۔ حارث

بن ہشام بن مغیرہ کی زوجہ فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ۔ صفوان بن امیہ کی زوجہ برزہ بنت مسعود ثقفیہ عمرو

بن عاص کی زوجہ ربط بنت شیبہ سہیمہ۔ طلحہ جحشی کی زوجہ سلافہ بنت سعد۔ اپنے اپنے شوہروں سمیت

نکلئیں۔ اسی طرح خناس بنت مالک اپنے بیٹے ابو عزیز بن عمیر کے ساتھ نکلی۔ کل جمعیت تین ہزار تھی جن

میں سات سوزرہ پوش تھے۔ ان کے ساتھ دو سو گھوڑے تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔ جبیر بن

مطعم نے اپنے حبشی غلام وحشی نام کو بھی یہ کہہ کر بھیج دیا کہ اگر تم محمد (ﷺ) کے چچا حمزہ کو میرے چچا

طعیبہ بن عدی کے بدلے قتل کرو تو میں تم کو آزاد کر دوں گا۔

یہ لشکر قریش بسرکردگی ابوسفیان مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور مدینہ کے مقابل احد کی طرف بطن

وادی میں اترا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جو اب تک مکہ میں تھے بذریعہ خط آنحضرت ﷺ کو

قریش کی تیاری کی خبر دی حضور نے حضرت انس و مونس پہر ان فضالہ بن عدی انصاری کو بطور جاسوس

بھیجا۔ وہ خبر لائے اور کہنے لگے کہ مشرکین نے اپنے اونٹ اور گھوڑے عریض میں چھوڑ دیئے ہیں جنہوں

نے چراگاہ میں سبزہ کا نام و نشان نہیں چھوڑا۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت خباب بن منذر کو بھی بغرض تجسس

بھیجا۔ وہ لشکر کی تعداد وغیرہ کی خبر لائے۔ جمعہ کی رات (۱۴ شوال) کو حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن

حضیر اور سعد بن عبادہ ایک جماعت کے ساتھ مسلح ہو کر حضور اقدس ﷺ کے دولت خانے پر پہرہ دیتے

رہے۔ اور شہر پر بھی پہرہ لگا رہا۔ اسی رات حضور نے خواب میں دیکھا کہ گویا آپ مضبوط زرہ پہنے

ہوئے ہیں۔ آپ کی تلوار ذوالفقار ایک طرف سے ٹوٹ گئی ہے ایک گائے پر نظر پڑی جو ذبح کی جا رہی

ہے۔ اور آپ کے پیچھے ایک مینڈھا سوار ہے۔ صبح کو آپ نے تبصیر بیان فرمائی کہ مضبوط زرہ مدینہ

ہے۔ تلوار (۱۱۰) کی شکستگی ذات شریف پر مصیبت ہے۔ گائے آپ کے وہ اصحاب ہیں جو شہید ہوں گے۔ اور مینڈھا کبش (۱۱۱) الکتیہ ہے جسے اللہ تعالیٰ قتل کرے گا۔ اس خواب کے سبب سے حضور انور کی رائے تھی۔ کہ لڑائی کے لیے مدینہ سے باہر نہ نکلیں۔ عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھی حضور نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو اکابر مہاجرین و انصار بھی آپ سے متفق ہو گئے۔ مگر وہ نوجوان جو جنگ بدر میں شامل نہ تھے آپ سے درخواست کرنے لگے۔ کہ مدینہ سے نکل کر لڑنا چاہیے ان کے اصرار پر آپ نکلنے کی طرف مائل ہوئے۔ نماز جمعہ کے بعد آپ نے وعظ فرمایا۔ اہل مدینہ و اہل عوالی جمع ہو گئے۔ آپ دولت خانہ میں تشریف لے گئے اور ذوہری زرہ پہن کر نکلے۔ یہ دیکھ کر وہ نوجوان کہنے لگے کہ ہمیں زیبا نہیں کہ آپ کی رائے کے خلاف کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ پیغمبر خدا کو شایاں نہیں۔ کہ جب وہ زرہ پہن لے تو اسے اتار دے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اب جو میں حکم دوں وہی کرو۔ اور خدا کا نام لے کر چلو۔ اگر تم صبر کرو گے تو فتح تمہاری ہو گی۔ پھر آپ نے تین جھنڈے تیار کیے۔ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر کو اور خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن منذر کو اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی ابن ابی طالب کو عطا فرمایا اس طرح آپ ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ جن میں سے ایک سونے دوہری زرہ پہنی ہوئی تھی۔ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ زرہ پہنے ہوئے آپ کے آگے چل رہے تھے۔ جب آپ شنیۃ الوداع کے قریب پہنچے تو ایک فوج نظر آئی آپ کے دریافت فرمانے پر صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ یہ یہود میں سے ابن ابی کے حلیف ہیں جو آپ کی مدد کو آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ لوٹ جائیں۔ کیوں کہ ہم مشرکین کے خلاف مشرکین سے مدد نہیں لیتے۔ جب آپ موضع شیخان میں اترے تو عرض لشکر کے بعد آپ نے بعض صحابہ کرام کو بوجہ صغریٰ واپس کر دیا۔ چنانچہ اسامہ بن زید، ابن عمر، زید بن ثابت، براہ بن عازب، عمرو بن حزم، اسید بن ظہیر انصاری، ابو سعید خدری، عرابہ بن اوس، زید بن ارقم، سعد بن عقیب، سعد بن حبیہ، زید بن جاریہ انصاری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم واپس ہوئے۔ حضرت سمرہ بن جندب اور رافع بن جندب جو پندرہ پندرہ سال کے تھے پہلے روک دیئے گئے۔ پھر عرض کیا گیا۔ کہ یا رسول اللہ! رافع اچھا تیر انداز ہے۔ اس لیے وہ بھی رکھ لیے گئے۔ پھر سمرہ کی نسبت کہا گیا۔ کہ وہ کشتی میں رافع کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ حضور نے فرمایا: کہ دونوں کشتی لڑیں۔ چنانچہ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ اس طرح حضرت سمرہ بھی رکھ لیے گئے۔ رات یہیں بسر ہوئی دوسرے روز باغ شوط میں جو مدینہ اور احد کے درمیان ہے۔ فجر کے وقت پہنچے اور نماز باجماعت ادا کی گئی۔ اس جگہ ابن ابی اپنے تین سو آدمی لے کر لشکر اسلام سے علیحدہ ہو گیا۔ اور یہ کہہ کر مدینہ کو چلا آیا کہ ”حضرت نے ان کا کہا مانا میرا کہا نہ مانا۔“

پھر ہم کس لیے یہاں جان دیں۔“ جب یہ منافقین واپس ہوئے۔ تو صحابہ کرام کے ایک گروہ نے کہا۔ کہ ہم ان سے قتال کرتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم قتال نہیں کرتے۔ کیوں کہ یہ مسلمان ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنِينَ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْتَدُوا مَنْ
أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يَضِلَّ اللَّهُ فَلَنْ يُجَدَّ لَهُ سَبِيلًا ۝

”پس کیا ہے واسطے تمہارے بیچ منافقوں کے دو فرقے ہو رہے ہو۔ اور اللہ نے الٹا کیا ان کو بسبب اس چیز کے کہ کمایا انہوں نے۔ کیا ارادہ کرتے ہو تم یہ کہ راہ پر لاؤ جس کو گمراہ کیا اللہ نے؟ اور جس کو گمراہ کرے اللہ پس ہرگز نہ پائے گا تو واسطے اس کے راہ۔“ (نساء: ۱۲۷)

ابن ابی کا قول سن کر خزرج میں سے بنو سلمہ اور اوس میں سے بنو حارثہ نے دل میں لوٹنے کی ٹھہرائی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِّنْكُمْ أَنْ تَفْشَلُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝

”جب قصد کیا دو فریقوں نے تم میں سے یہ کہ نامردی کریں اور دوستدار تھا ان کا اللہ اور اوپر اللہ کے پس چاہیے کہ توکل کریں ایمان والے۔“ (آل عمران: ۱۳۷)

اب حضور کے ساتھ سات سو آدمی اور دو گھوڑے رہ گئے تھے۔ آپ نے ابو خثیمہ انصاری کو بطور بدرقہ ساتھ لیا۔ تاکہ نزدیک کے راستے سے لے چلے۔ اس طرح حضور حرہ بنی حارثہ اور ان کے اموال کے پاس سے گزرتے ہوئے مربع بن قنیطی منافق کے باغ کے پاس پہنچے وہ نابینا تھا۔ اس نے جب لشکر اسلام کی آہٹ سنی تو ان پر خاک پھینکنے لگا۔ اور حضور سے کہنے لگا۔ کہ اگر تو اللہ کا رسول ہے تو میں تجھے اپنے باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ سن کر صحابہ کرام اسے قتل کرنے دوڑے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اسے قتل نہ کرو۔ یہ آنکھ کا اندھا دل کا بھی اندھا ہے۔ مگر حضور کے منع کرنے سے پہلے ہی سعد بن زید اشہلی نے اس پر کمان ماری اور سر توڑ دیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر لشکر اسلام نصف شوال یوم شنبہ کو کوہ احد کی شعب (درہ) میں کرانہ وادی میں پہاڑ کی طرف اترا۔ حضور نے صف آرائی کے لیے پہاڑ کو پس پشت اور کوہ عینین کو جو وادی قنات میں ہے اپنی بائیں طرف رکھا۔ کوہ عینین میں ایک شکاف یا درہ تھا۔ جس میں سے دشمن عقب سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اس لیے آپ نے اس درہ پر اپنے پچاس پیدل تیر انداز مقرر کیے۔ اور حضرت عبداللہ بن جبیر کو ان کا سردار بنایا۔ اور یوں ہدایت کی: ”اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اچک لے گئے ہیں۔ تو اپنی جگہ کو نہ چھوڑو یہاں تک کہ میں تمہارے پاس کسی کو

بھیجوں۔ اور اگر تم دیکھو۔ کہ ہم نے دشمن کو شکست دی ہے اور مار کر پامال کر دیا ہے۔ تو بھی ایسا ہی کرنا۔“ (۱۱۲)

مشرکین نے بھی جو عینین میں وادی قنات کے مدینہ کی طرف کے کنارے پر شورشستان میں اترے ہوئے تھے۔ صفیں آراستہ کیں۔ چنانچہ انہوں نے سواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید کو۔ میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کر۔ پیدلوں پر صفوان بن امیہ کو۔ اور تیر اندازوں پر جو تعداد میں ایک سو تھے۔ عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا۔ اور جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا۔ کہ مشرکین کا جھنڈا بنو عبد الدار کے پاس ہے۔ تو آپ نے لشکر اسلام کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار کو دیا۔ اور میمنہ پر حضرت زبیر بن عوام اور میسرہ پر حضرت منذر بن عامر کو مقرر فرمایا۔

مشرکین میں سب سے پہلے جو لڑائی کے لیے نکلا۔ وہ ابو عامر انصاری اوسی تھا۔ اس کو راہب کہا کرتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام فاسق رکھا۔ زمانہ جاہلیت میں وہ قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لے گئے۔ تو وہ آپ کی مخالفت کرنے لگا۔ اور مدینہ سے نکل کر مکہ میں چلا آیا۔ اس نے قریش کو آپ سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ اور کہا: کہ میری قوم جب مجھے دیکھے گی تو میرے ساتھ ہو جائے گی۔ اس لیے اس نے پکار کر کہا: ”اے گروہ اوس! میں ابو عامر ہوں۔“ اوس نے جواب دیا: ”اے فاسق! تیری مراد پوری نہ ہو۔“ فاسق کا نام سن کر کہنے لگا: کہ میری قوم میرے بعد بگڑ گئی ہے۔ اس کے ساتھ غلامان قریش کی ایک جماعت تھی۔ وہ مسلمانوں پر تیر پھینکنے لگے۔ مسلمان بھی ان پر سنگ باری کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ابو عامر اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔

مشرکین کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا: ”مسلمانو! تم سمجھتے ہو کہ ہم میں سے جو تمہارے ہاتھوں مر جاتا ہے۔ وہ جلد دوزخ میں پہنچ جاتا ہے۔ اور تم میں جو ہمارے ہاتھوں مر جاتا ہے۔ وہ جلد بہشت میں پہنچ جاتا ہے۔ کیا تم میں کوئی ہے جس کو میں جلد بہشت میں پہنچا دوں؟ یا وہ مجھے جلد دوزخ میں پہنچا دے۔“ حضرت علی ابن ابی طالب نکلے اور طلحہ کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ کھوپری پھاڑ دی اور وہ گر پڑا۔ حضور اقدس ﷺ کبش الکلبیہ کے مارے جانے پر خوش ہوئے آپ نے تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی آپ کی اقتداء کی۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے جسد ہاتھ میں لیا۔ اس کے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں۔ اور ان کے آگے یہ رجز پڑھتا تھا:

إِنَّ عَلَىٰ أَهْلِ اللّٰوَاءِ حَقًّا أَنْ تَغْضَبَ الصَّعْدَةُ أَوْ تَنْدَقَا.

”بیشک علم برداروں پر واجب ہے کہ نیزہ خون سے سرخ ہو جائے یا ٹوٹ جائے۔“

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب مقابلے کے لیے نکلے۔ اور عثمان کے دو شانوں کے درمیان اس زور

سے تلوار ماری کہ ایک بازو اور شانے کو کاٹ کر سرین تک جا پہنچی۔ حضرت حمزہ واپس آئے اور زبان پر یہ الفاظ تھے:

انا ابن ساقی الحجیج۔

”میں ساقی حجاج (عبدالمطلب) کا بیٹا ہوں۔“

اب میدان کارزار گرم ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں ایک تلوار تھی۔ آپ نے فرمایا: کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟ یہ سن کر کئی شخص آپ کی طرف بڑھے مگر آپ نے وہ تلوار کسی کو نہ دی۔ ابودجانہ (ساک بن خرشہ انصاری) نے اٹھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ اس کا حق یہ ہے کہ تو اس کو دشمن پر مارے، یہاں تک کہ ٹیڑھی ہو جائے۔ ابودجانہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ حضور نے ابودجانہ کو عنایت فرمائی۔ ابودجانہ مشہور پہلوان تھے۔ اور لڑائی میں اکڑ کر چلا کرتے تھے۔ جب سرخ رومال سر پر باندھا لیتے تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ لڑیں گے۔ انہوں نے تلوار لے کر حسب عادت سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے متنے نکلے۔ یہ دیکھ کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ چال خدا کو ناپسند ہے۔“ حضرت ابو دجانہ صفوں کو چیرتے اور لاشوں پر لاشے گراتے دامن کوہ میں مشرکین کی عورتوں تک جا پہنچے۔ جو بغرض ترغیب دف پر اشعار ذیل گارہی تھیں:

نحن بنات الطارق نمشی علی النمارق

ان تقبلوا نعانق او تدبروا نفارق

”ہم (علو و شرف میں) پروین ستارے ہیں ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں اگر تم آگے

بڑھو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی پیچھے ہٹو گے تم ہم تم سے جدا ہو جائیں گی۔“

حضرت ابودجانہ نے تلوار اٹھائی کہ ہند بنت عتبہ کے سر پر ماریں۔ پھر بدیں خیال رک گئے۔ کہ

یہ سزاوار نہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار ایک عورت پر ماری جائے۔

حضرت ابودجانہ کی طرح حضرت حمزہ و حضرت علی وغیرہ بھی دشمنوں میں جا گھسے اور صفوں کی صفیں

صاف کر دیں۔ حضرت امیر حمزہ کو آخر کار وحشی نے جو بعد میں ایمان لائے۔ شہید کر دیا۔ وحشی اپنا قصہ

یوں بیان کرتے ہیں: ”حمزہ نے طعیمہ بن عدی بن الخیار کو بدر میں قتل کر دیا تھا۔ اس لیے میرے آقا

جبیر بن مطعم نے کہا: اگر تو حمزہ کو میرے چچا کے بدلے قتل کر دے تو آزاد ہو جائے گا۔ جب سال عینین

میں (عینین احد کے مقابلے ایک پہاڑ ہے۔ اور دونوں کے درمیان ایک وادی ہے) لوگ نکلے۔ تو میں

لوگوں کے ساتھ لڑائی کے لیے نکلا۔ جب لڑائی کے لیے صف بستہ ہوئے۔ تو سباع (بن عبدالعزی) نکلا

اور کہا: کیا کوئی مبارز ہے؟ یہ سن کر حمزہ بن عبدالمطلب اس کی طرف نکلے اور یوں خطاب کیا: اے سباع! اے عورتوں کے ختنہ کرنے والی ام نمار کے بیٹے! کیا تو خدا اور رسول کے ساتھ جنگ کرتا ہے؟ یہ کہہ کر حمزہ نے اس پر حملہ کیا۔ پس وہ گل گزشتہ کی طرح ہو گیا۔ میں ایک پتھر کے نیچے حمزہ کی تاک میں تھا۔ جب حمزہ مجھ سے نزدیک ہوا۔ میں نے اپنا حربہ اس پر مارا اور اس کی ناف و عانہ کے درمیان لگا۔ یہاں تک کہ اس کی دورانوں میں میں سے نکل گیا۔ اور یہ اس کا آخر امر تھا۔ جب لوگ واپس آئے میں ان کے ساتھ واپس آیا۔ اور مکہ میں ٹھہرا یہاں تک کہ اس میں اسلام پھیل گیا۔ پھر (فتح کے بعد) طائف کی طرف بھاگ گیا۔ جب اہل طائف نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنے قاصد بھیجے تو مجھ سے کہا گیا۔ کہ حضرت قاصدوں کو تکلیف نہیں دیتے۔ اس لیے میں قاصدوں کے ساتھ نکلا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو پوچھا۔ کیا تو وحشی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا تو نے حمزہ کو قتل کیا؟ میں نے کہا: ایسا ہی وقوع میں آیا ہے جیسا کہ آپ کو خبر پہنچی ہے۔ آپ نے فرمایا تو میرے سامنے نہ آیا کر۔ پس میں چلا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو مسیلمہ کذاب ظاہر ہوا۔ میں نے کہا: کہ میں مسیلمہ کی طرف ضرور نکلوں گا۔ شاید میں اسے مار ڈالوں۔ اور اس طرح سے قتل حمزہ کی مکافات کر دوں۔ اس لیے میں لوگوں کے ساتھ نکلا۔ مسیلمہ کا حال ہوا جو ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک شخص ہے دیوار کے درمیان کھڑا ہوا۔ گویا کہ وہ ایک ڈولیدہ موخا کستری اونٹ ہے۔ میں نے اس پر اپنا حربہ (۱۱۳) مارا جو اس کے دو پستان کے درمیان لگا۔ یہاں تک کہ اس کے دونوں شانوں کے درمیان سے پار ہو گیا انصار میں سے ایک شخص اس کی طرف کودا اور اس کے سر پر تلوار ماری۔ پس ایک لونڈی نے گھر کی چھت پر (نوحہ کرتے ہوئے) کہا۔ وائے امیر المؤمنین (۱۱۳)! اے ایک حبشی غلام وحشی نے قتل کر دیا (۱۱۵)۔“

حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری اوسی نے مشرکین کے سپہ سالار ابوسفیان پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ابوسفیان کو قتل کر دیتے۔ مگر شداد بن الاسود نے ان کے وار کو روک لیا۔ اور اپنی تلوار سے حضرت حنظلہ کو شہید کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کرو۔ بیوی نے کہا: کہ شب احد کو ان کی شادی ہوئی تھی۔ صبح کو اٹھے تو غسل کی حاجت تھی۔ غسل کے لیے آدھا سر دھویا تھا۔ کہ دعوت جنگ کی آواز کان میں پڑی۔ فوراً اسی حالت میں وہ شریک جنگ ہو گئے۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا کہ اسی سبب سے اسے فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت حنظلہ کو غسل الملائکہ کہتے ہیں۔ (۱۱۶)

بہادران اسلام نے خوب داد شجاعت دی۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عثمان ابی طلحہ کے بعد

ان کے علمبردار ابوسعید بن ابی طلحہ، مسطح بن طلحہ، حارث بن طلحہ، کلاب بن طلحہ، جلاس بن طلحہ، ارطات بن شراحیل، شریح بن قارظ اور ابوزید بن عمرو بن عبد مناف کے بعد دیگرے قتل ہو گئے۔ ان کا جھنڈا زمین پر پڑا رہ گیا۔ کوئی اس کے نزدیک نہ آتا تھا۔ عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے اٹھالیا۔ جس سے ایک حبشی غلام صواب نے نامی لے لیا۔ قریش اس کے گرد جمع ہو گئے۔ لڑتے لڑتے صواب کے دونوں بازو کاٹ گئے۔ وہ سینے کے بل زمین پر گر پڑا۔ اور جھنڈے کو سینے اور گردن کے درمیان دبایا۔ اس حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا۔ کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ (۱۱۷)

صواب کے بعد کسی کو جھنڈا اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ مشرکین کو شکست ہوئی۔ وہ عورتیں جو دف بجاتی تھیں۔ اب کپڑے چڑھائے برہنہ ساق پہاڑ پر بھاگی جا رہی تھیں۔ مسلمان قتل و غارت میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر عینین پر تیر اندازوں نے آپس میں کہا: ”غنیمت! غنیمت! تمہارے اصحاب غالب آگئے ہیں۔ اب تم کیا دیکھتے ہو؟“ حضرت عبداللہ بن جبیر نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یاد دلایا۔ مگر وہ بدیں خیال کہ مشرکین اب واپس نہیں آسکتے۔ اپنی جگہ چھوڑ کر لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ اور صرف چند آدمی حضرت عبداللہ کے ساتھ رہ گئے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کیا اور سب کو شہید کر دیا۔ پھر درہ کوہ میں سے آ کر عقب سے لشکر اسلام پر ٹوٹ پڑے۔ اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ ابلیس لعین نے پکار کر کہا ”ان محمد اقد قتل“ معاذ اللہ (محمد قتل ہو چکے) مسلمان سراسیمہ بھاگنے لگے۔ اور ان کے تین فرقے ہو گئے۔ فرقہ قلیل بھاگ کر مدینے کے قریب پہنچ گئے۔ اور اختتام جنگ تک واپس نہیں آئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَيْنِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا

وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

”تحقیق جو لوگ کہ پیٹھ موڑ گئے تم میں سے اس دن کہ ملیں دو جماعتیں۔ سوائے اس کے نہیں کہ دھوکا دیا ان کو شیطان نے کچھ ان کے گناہوں کی شامت ہے۔ تحقیق معاف کیا اللہ نے ان سے بے شک اللہ بخشنے والا بردبار۔“ (آل عمران: ۱۵۵)

دوسرا فرقہ یعنی اکثر صحابہ کرام یہ سن کر کہ رسول اللہ ﷺ قتل ہو گئے۔ حیران ہو گئے ان میں سے جہاں کوئی تھا وہیں رہ گیا۔ اور اپنی جان بچاتا رہا۔ یا جنگ کرتا رہا۔ تیسرا فرقہ جو بارہ یا کچھ اوپر صحابہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت رہا۔

فتح کے بعد مسلمانوں کو جو شکست ہوئی۔ اس کی وجہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی خلاف ورزی

تھی۔ جیسا کہ آیات ذیل سے ثابت ہے:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحْسَبُونَهُم بِأَذْنِهِمْ حَتَّى إِذَا فَسِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ مَا أَرْسَلَكُمْ مَا تُحِبُّونَ ۖ مِنْكُمْ مَن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۖ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝
إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوَنَ عَلَى أَحَدٍ مِنَ الرُّسُلِ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرِكُمْ فَأَنَابَكُمْ غَنَابًا وَبِغْمًا لِّكَيْلًا
تَحْزِنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (آل عمران: ۱۶۷)

”اور البتہ تحقیق سچا کیا ہے تم سے اللہ نے وعدہ اپنا جس وقت کاٹتے تھے تم ان کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب نامردی کی تم نے اور جھگڑا کیا تم نے اپنے کام میں اور نافرمانی کی تم نے بعد اس کے کہ دکھلایا تم کو جو چاہتے تھے تم۔ بعض تم میں سے وہ تھا کہ ارادہ کرتا تھا دنیا کا اور بعض تم میں سے وہ تھا کہ ارادہ کرتا تھا آخرت کا۔ پھر پھیر دیا تم کو ان سے تاکہ آزما دے تم کو اور البتہ تحقیق معاف کیا تم سے اور اللہ صاحب فضل کا ہے ایمان والوں پر جس وقت چڑھے جاتے تھے تم شہر کو اور پیچھے نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو پچھاڑی میں پس دوبارہ دیا تم کو غم ساتھ غم کے تاکہ تم غم نہ کھاؤ اس چیز کا جو چوک گئی تم سے اور جو نہ پہنچی تم کو اور اللہ کو خبر ہے اس چیز کی کہ کرتے ہو تم۔“

خالد بن ولید کے حملے پر مسلمانوں میں جو لوٹنے میں مشغول تھے۔ ایسی ابتری و سرا سیمگی پھیلی۔ کہ اپنے بیگانے میں تمیز نہ رہی۔ چنانچہ حضرت خذیفہ کے والد حضرت یمان کو مسلمانوں ہی نے شہید کر دیا۔ (۱۱۸)

آنحضرت ﷺ کی شہادت کی آواز نے بڑے بڑے بہادروں کو بدحواس کر رکھا تھا۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے۔ کہ میرے چچا حضرت انس ابن نضر جنگ بدر میں حاضر نہ تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ میں پہلے قتال میں کہ آپ نے بذات شریف مشرکین سے کیا ہے۔ حاضر نہ تھا۔ اگر خدا مجھے مشرکین کے قتال میں حاضر کرے۔ تو دیکھیے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ جب احد کا دن آیا اور مسلمانوں نے شکست کھائی تو کہا: یا اللہ میں عذر چاہتا ہوں تیرے آگے اس سے جو ان لوگوں نے کہا: یعنی اصحاب کرام نے۔ اور بیزار ہوں تیرے آگے اس سے جو ان لوگوں نے کہا: یعنی مشرکوں نے۔ پھر لڑائی کے لیے آئے۔ حضرت سعد بن معاذ ان کو ملے۔ ابن نضر نے کہا۔ سعد! میں بہشت چاہتا ہوں اور نضر کے رب کی قسم۔ کہ میں احد کی طرف سے اس کی

خوشبو پاتا ہوں۔ سعد نے کہا: یا رسول اللہ میں نہ کر سکا جو ابن نضر نے کیا۔ انس بن مالک کا قول ہے۔ کہ ہم نے ابن نضر پر اسی سے کچھ اوپر تلوار و نیزہ و تیر کے زخم پائے۔ اور وہ شہید تھے۔ مشرکین نے ان کو مثلہ کر دیا تھا۔ ان کو فقط ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ ہم گمان کرتے تھے کہ آیت ذیل ابن نضر اور اس کی مثل دوسروں کے حق میں نازل ہوئی (۱۱۹) ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ

مَّن يَنْتَظِرُ ۗ وَمَا بَدَّلُوا بَدِيلًا ۗ

”مسلمانوں میں سے وہ مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا انہوں نے اس چیز کو کہ عہد باندھا تھا اللہ سے اس پر۔ پس بعض ان میں سے وہ ہے کہ پورا کر چکا کام اپنا اور بعض ان میں سے وہ ہے کہ انتظار کرتا ہے۔ اور نہیں بدل ڈالا انہوں نے کچھ بدل ڈالنا۔“ (احزاب: رکوع ۳)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن نضر نے راستے میں مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو دیکھا۔ جس میں حضرت عمر فاروق و طلحہ بن عبید اللہ بھی تھے۔ وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ ابن نضر نے ان سے پوچھا: کہ کیوں بیٹھ رہے ہو! انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ شہادت پا چکے ہیں۔ ابن نضر نے کہا: کہ حضور کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تم بھی اسی طرح دین پر شہید ہو جاؤ۔ پھر ابن نضر نے جنگ کی اور شہید (۱۲۰) ہو گئے۔

حضرت ابن نضر کی طرح ثابت بن وحید آئے اور انصار سے یوں خطاب کیا: ”اے گروہ انصار! اگر حضرت محمد ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔ تو اللہ تو زندہ ہے مرتا نہیں۔ تم اپنے دین کے لیے لڑو۔“ یہ کہہ کر انہوں نے چند انصار کے ساتھ خالد بن ولید کی فوج پر حملہ کیا۔ مگر خالد بن ولید نے ان کو شہید (۱۲۱) کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی افواہ اور مسلمانوں کی نظروں سے غائب ہونے کے بعد سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک انصاری نے حضور کو پہچانا سر مبارک پر مغفر تھا جس کے نیچے سے آپ کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ حضرت کعب نے زور سے پکار کر کہا: ”مسلمانو! تم کو بشارت ہو۔ رسول اللہ ﷺ یہ ہیں۔“ یہ سن کر ایک جماعت حاضر خدمت ہوئی۔ اور آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق علی المرتضیٰ، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام اور حارث بن صمد وغیرہ کے ساتھ شعب کی طرف متوجہ ہوئے۔ تاکہ اپنے باقی اصحاب کا حال دیکھیں۔ اب کفار نے بھی سب طرف سے ہٹ کر اس رخ پر زور دیا۔ وہ بار بار ہجوم کر کے حملہ آور ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا۔ تو حضور نے فرمایا: ”کون مجھ پر جان دیتا ہے؟“ حضرت زیاد بن سکن پانچ یا ست انصاری ساتھ لے کر حاضر ہوئے جنہوں نے یکے

بعد دیگرے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں۔ عقبہ بن ابی وقاص نے پتھر مار کر حضور ﷺ کا دانت مبارک (رباعیہ یعنی سفلی) شہید کر دیا (۱۲۲)۔ اور نیچے کا ہونٹ زخمی کر دیا۔ ابن قثم لعین نے چہرہ مبارک ایسا زخمی کیا کہ خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے۔ اور آپ ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے۔ جو ابو عامر فاسق نے بدیں غرض کھودے تھے۔ کہ مسلمان بے علمی میں ان میں گر پڑیں۔ اس حالت میں حضور فرما رہے تھے۔ کیف یفلح قوم شجوا نبیہم (وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو زخمی کر دیا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۳۷﴾

”تیرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دے یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں۔“ (آل عمران: ۱۳۷) حضرت علی مرتضیٰ نے حضور کا ہاتھ مبارک پکڑا۔ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے آپ کو اٹھایا۔ یہاں تک کہ آپ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے اپنے دانتوں سے خود کا ایک حلقہ نکالا۔ تو ان کا ایک سامنے کا دانت گر پڑا۔ دوسرا حلقہ نکالا۔ تو دوسرا نکل گیا۔ حضرت ابو سعید خدری کے والد مالک بن سنان نے حضور کا خون چوس کر پی لیا۔ حضور خود بھی کپڑے سے اپنے چہرے کا خون پونچھ رہے تھے۔ کہ مبادا زمین پر گر پڑے تو عذاب نازل ہو۔ اور یوں فرما رہے تھے:

اللهم اغفر لي لقومي فانهم لا يعلمون۔

”اے اللہ! میری قوم کو بخش دے۔ کیوں کہ وہ نہیں جانتے۔“

اس موقع پر بعض اصحاب نے جانبازی کی خوب داد دی۔ چنانچہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اس کثرت سے رسول اللہ ﷺ پر سے تیر روکے کہ ہاتھ بیکار ہو گیا۔ حضرت ابو دجانہ حضور کے آگے ڈھال بنے کھڑے تھے۔ ان کی پشت پر تیر لگ رہے تھے۔ مگر اپنے آقا رسول اللہ ﷺ پر جھکے ہوئے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص بھی حضور انور کی مدافعت میں تیر چلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ حضور خود ان کو اپنے ترکش میں سے تیر دیتے تھے اور فرماتے تھے ”پھینکتے جاؤ“۔ حضرت ابو طلحہ انصاری بڑے تیر انداز تھے۔ انہوں نے اس قدر تیر برسائے۔ کہ دو تین کمائیں ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے ہاتھ میں رہ گئیں۔ وہ حضور انور پر چمڑے کی ڈھال کی اوٹ بنائے کھڑے تھے۔ حضور کبھی گردن اٹھا کر دشمنوں کی طرف دیکھتے۔ تو ابو طلحہ عرض کرتے: ”آپ پر میرے ماں باپ قربان! گھردن اٹھا کر نہ دیکھیے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سینہ آپ کے سینے کے لیے ڈھال ہے۔“ حضرت شماس بن عثمان قرشی مخزومی تلوار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے مدافعت کر رہے تھے۔ دائیں بائیں جس طرف سے وار ہوتا تھا۔ وہ ڈھال کی طرح آپ کو بچا رہے

تھے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ابھی رتق حیات باقی تھا کہ ان کو اٹھا کر مدینہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے گئے۔ وہاں ایک دن رات زندہ رہ کر وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اس دن ڈھال کے سوا مجھے کوئی ایسی چیز نہ سوجھی کہ جس سے شامس کو تشبیہ دوں۔ اسی طرح سیل بن حنیف انصاری اسی تیروں کے ساتھ مدافعت کر رہے تھے۔ اور حضور ﷺ فرما رہے تھے: ”سہل کو تیر دو“۔ حضرت قتادہ بن نعمان انصاری حضور اقدس ﷺ کے چہرے مبارک کو بچانے کے لیے اپنا چہرہ سامنے کیے ہوئے تھے۔ آخر کار ایک تیران کی آنکھ میں ایسا لگا کہ ڈھیلا رخسار پر آگرا۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ پر رکھ دیا اور یوں دعا فرمائیں: ”خدا یا! تو قتادہ کو بچا۔ جیسا کہ اس نے تیرے نبی کے چہرے کو بچایا ہے“۔ پس وہ آنکھ دوسری آنکھ سے بھی تیز اور خوبصورت ہو گئی۔

اثناے جنگ میں مشرکین کی عورتیں شہدائے عظام کو مثلہ کرنے میں مشغول تھیں۔ عتبہ کی بیٹی ہند نے اپنے پاؤں کے کڑے، بالیاں اور ہار حضرت امیر حمزہ کے قاتل وحشی کو دے دیئے۔ اور خود شہداء کے کانوں اور ناکوں سے اپنے واسطے کڑے بالیاں اور ہار بنائے اور حضرت حمزہ کے جگر کو پھاڑ کر چبایا۔ نکل نہ سکی۔ تو پھینک دیا۔ (۱۲۳)

حضرت مصعب بن عمیر علمبردار لشکر اسلام نے بھی آقائے نامدار ﷺ پر جان فدا کر دی۔ جب ابن قمریہ لعین حضور کے قتل کے ارادے سے حملہ آور ہوا۔ تو حضرت مصعب نے مدافعت کی۔ مگر شہید ہو گئے۔ حضرت محمد بن شرجیل عبدری روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت مصعب کا داہنا ہاتھ کٹ گیا۔ تو انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اور وہ کہہ رہے تھے: وما محمد الا رسول (الایہ) پھر بائیں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ تو جھک کر جھنڈے کو دونوں بازوؤں کے ساتھ سینہ سے لگا لیا۔ اور آیت مذکورہ زبان پر تھی۔ راوی کا قول ہے۔ کہ یہ آیت بعد میں نازل ہوئی۔ مگر اس دن اللہ تعالیٰ نے بجواب قول قاتل قد قتل محمد ﷺ ان کی زبان پر جاری کر دی (۱۲۳) تھی۔ حضرت مصعب کے بعد اسلامی جھنڈا حضرت علی مرتضیٰ کو دیا گیا۔

جب رسول اللہ ﷺ شعب پر چڑھے۔ تو ابی بن خلف سامنے آ کر کہنے لگا: ”اے محمد! اگر تم بیچ گئے۔ تو میں نہ بچوں گا“۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ اگر اجازت ہو تو ہم میں سے ایک اس کا فیصلہ کر دے۔ حضور نے اجازت نہ دی۔ اور بذات شریف حضرت حارث بن صمد سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر مارا۔ جس سے فقط خراش آئی۔ اور لہو نہ نکلا۔ ابی مذکور مکہ میں حضور سے کہا کرتا تھا۔ کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے۔ جسے میں ہر روز آٹھ یا دس سیر پختہ ذرہ (جوار) کھلاتا ہوں۔ اس پر سوار ہو کر آپ کو قتل کروں گا۔ آپ فرماتے: بلکہ میں ان شاء اللہ تم کو قتل کروں گا۔ جب وہ قریش میں واپس گیا تو کہنے

لگا۔ اللہ کی قسم مجھے محمد نے قتل کر دیا۔ وہ کہنے لگے۔ تو بے دل ہو گیا ہے۔ اس خراش کا کچھ ڈر نہیں۔ اس نے کہا کہ مکہ میں مجھ سے محمد نے کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ سو اللہ کی قسم اگر وہ مجھ پر صرف تھوک دے تو میں مرجاؤں گا۔ چنانچہ قریش اس دشمن خدا کو مکہ کی طرف لے جا رہے تھے کہ راستے میں مقام سراف میں مر گیا (۱۲۵)۔

جب رسول اللہ ﷺ شعب کے دہانے پر پہنچے۔ تو حضرت علی مرتضیٰ مہر اس (کنڈ) سے اپنی ڈھال پانی سے بھر لائے۔ تاکہ حضور پئیں۔ مگر آپ نے اس میں بو پائی اور نہ پیا۔ حضرت علی نے اس سے حضور کے چہرے سے خون دھویا۔ اور سر مبارک پر گرایا۔ اس وقت حضور نے فرمایا: اشتد غضب اللہ علی من دمی وجہ نبیہ۔

مشرکین اب تک تعاقب میں تھے۔ چنانچہ جب آپ اصحاب مذکورہ بالا کے ساتھ شعب میں تھے تو ان کے سواروں کا ایک دستہ بسر کردگی خالد بن ولید پہاڑ پر چڑھا۔ آپ نے دعا فرمائی۔ کہ خدایا! یہ ہم پر غالب نہ آئیں۔ پس حضرت عمر فاروق اور مہاجرین کی ایک جماعت نے قتال کیا۔ یہاں تک کہ ان کو پہاڑ سے اتار دیا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ ایک چٹان پر چڑھنے لگے۔ تو ناتوانی اور دہری زرہ کے سبب سے نہ چڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ نے وہ کام کیا کہ جس سے وہ بہشت کے مستحق ہو گئے (اس روز زخموں کی وجہ سے حضور نے نماز ظہر بیٹھ کر ادا کی اور مقتدیوں نے بھی بیٹھ کر پڑھی۔

جب ابوسفیان نے میدان سے واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ تو سامنے کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر پکارا۔ کیا تم میں محمد ﷺ ہیں؟ حضور نے فرمایا: کہ اس کا جواب نہ دو۔ وہ پھر پکارا کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا جواب نہ دو۔ اس نے پھر پکار کر کہا۔ کیا تم میں ابن خطاب ہے؟ جب جواب نہ ملا تو کہنے لگا: کہ یہ سب مارے گئے ہیں۔ کیوں کہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ حضرت عمر سے رہا نہ گیا۔ بول اٹھے: ”اود دشمن خدا! تو نے جھوٹ کہا۔ وہ سب زندہ ہیں۔ اللہ نے تیرے واسطے وہ باقی رکھا ہے جو تجھے غمگین کرے گا۔ (فتح کے دن) ابوسفیان بولا:

”اے ہبل تو اونچا رہ۔“

اُعْلَىٰ هُبَل۔

صحابہ کرام نے حسب ارشاد حضور جواب دیا:

”اللہ اونچا اور بڑا ہے۔“

اللَّهُ أَعْلَىٰ وَ أَجَلُّ۔

ابوسفیان نے کہا:

”ہمارے پاس عزی ہے اور تمہارے پاس عزی نہیں۔“

لَنَا الْعُزَّىٰ وَلَا عُزَّىٰ لَكُمْ

صحابہ کرام نے حسب ارشاد نبوی جواب دیا:

اللہ ہمارا ناصر و مددگار ہے اور تمہارا کوئی ناصر نہیں۔
 اللہ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ۔
 ابوسفیان نے کہا۔ آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ لڑائی میں کبھی جیت کبھی ہار ہوتی ہے۔ تم اپنی قوم میں ناک کان کٹے پاؤ گے۔ میں نے اپنی فوج کو یہ حکم نہیں دیا۔ مگر اس پر کچھ رنج بھی نہیں ہوا (۱۲۶)۔ اس کے بعد ابوسفیان یہ کہہ کر واپس ہوا: کہ ہمارا اور تمہارا مقابلہ آئندہ سال مقام بدر میں ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر سے فرما دیا: کہ کہہ دیجئے ہاں بدر ہمارا اور تمہارا موعِد ہے۔ اس طرح جب مشرکین مکہ کو لوٹے۔ تو صحابہ کرام کو خدشہ ہوا کہ مبادا وہ مدینہ کا قصد کریں۔ اس لیے حضور انور نے علی مرتضیٰ کو دریافت حال کے لیے بھیجا۔ اور فرما دیا: کہ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوں۔ اور گھوڑوں کو پہلو میں خالی لیے جا رہے ہوں۔ تو سمجھنا کہ وہ مکہ کو جاتے ہیں۔ اگر اس کا عکس کریں تو مدینہ کا قصد رکھتے ہیں۔ حضرت مرتضیٰ خبر لائے۔ کہ وہ اونٹوں پر سوار گھوڑوں کو خالی لے جا رہے ہیں۔ اور مکہ کی طرف متوجہ ہیں۔

سَلِّقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرَّعْبَ۔ (آل عمران - ۱۶۴)

”مشرکین کے اسی فرار کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔“

خواتین اسلام نے بھی اس غزوہ میں حصہ لیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ اور ام سلیم (والدہ انس پانچے چڑھائے ہوئے کہ جس سے ان کے پاؤں کی جھانجھریں نظر آتی تھیں۔ مشکیں بھر بھر کر لاتی تھیں اور مسلمانوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جب مشکیں خالی ہو جاتیں تو پھر بھراتیں اور پلاتیں۔ حضرت ام سلیط (والدہ حضرت ابوسعید خدری) بھی یہی خدمت بجالا رہی تھیں۔ حضرت ام ایمن (رسول اللہ ﷺ کی دایہ) اور حمنہ بنت جحش (ام المؤمنین زینب کی بہن) پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ حضرت ام عمارہ، نسیبہ بنت کعب انصار (زوجہ زید بن عاصم انصاری مازنی) اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کے ساتھ مشک لے کر نکلیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چند جانبا زہ گئے۔ تو یہ حضور کے پاس پہنچیں۔ اور تیر اور تلوار سے کافروں کو روکتی رہیں۔ جب ابن قمیہ لعین حضور کی طرف بڑھا۔ تو حضرت مصعب بن عمیر اور چند مسلمان مقابل ہوئے ان میں ام عمارہ بھی تھیں۔ ابن قمیہ نے ان کے کندھے پر ایسی ضرب لگائی کہ غار پڑ گیا۔ ام عمارہ نے بھی کئی وار کیے مگر وہ دشمن خدا دہری زہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لیے کارگر نہ ہوئے۔ حضرت صفیہ (حضرت امیر حمزہ کی بہن) مسلمانوں کی شکست پر احد میں نیزہ ہاتھ میں لیے آئیں۔ اور بھاگنے والوں کے منہ پر مار کر کہتی تھیں۔ کہ تم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگتے ہو پھر بھائی کی لاش دیکھ کر بڑے استقلال سے انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور دعائے مغفرت کی۔

جب مشرکین میدان کارزار سے چلے گئے۔ تو مدینہ کی عورتیں صحابہ کی مدد کو نکلیں۔ ان میں حضرت فاطمہ الزہرا بھی تھیں۔ جب حضرت فاطمہ نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا تو خوشی کے مارے حضور کے گلے لپٹ گئیں۔ اور آپ کے زخموں کو دھونے لگیں۔ حضرت علی المرتضیٰ ڈھال سے پانی گرا رہے تھے۔ جب فاطمہ نے دیکھا کہ پانی سے خون زیادہ نکل رہا ہے۔ تو چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر لگا دیا۔ جس سے خون (۱۲۷) بند ہو گیا۔ پھر حضور نے فرمایا: اشتد غضب اللہ علی قوم دموا وجہ رسولہ پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو حضرت سعد بن ربیع کا حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت سعد کو مقتولین میں زخمی پایا۔ (ان پر تیر، تلوار اور نیزے کے ستر زخم تھے) ان میں فقط رتق حیات باقی تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا: کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ میں دیکھوں کہ تم زندوں میں ہو یا مردوں میں۔ حضرت سعد نے دھیمی آواز سے جواب دیا: ”میں مردوں میں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا سلام پہنچانا۔ اور عرض کرنا۔ کہ سعد بن ربیع آپ سے گزارش کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اچھی سے اچھی جزا دے جو اس نے کسی نبی کو ان کی امت کی طرف سے دی ہے اور اپنی قوم کو میرا سلام پہنچانا۔ اور ان سے کہنا کہ اگر کوئی (دشمن) تمہارے پیغمبر تک (بارادہ قتل) پہنچ جائے۔ اور تم میں سے ایک بھی زندہ ہو تو خدا کی بارگاہ میں تمہارا کوئی عذر نہ ہوگا۔“ حضرت سعد یہ کہہ کر واصل بحق ہو گئے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضور کی خدمت میں صورت حال عرض کر دی۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا:

”اللہ اس پر رحم کرے اس نے حیات و موت میں خدا اور رسول کی خیر خواہی کی (۱۲۸)۔“

اس غزوہ میں مسلمانوں میں سے سترا یا کچھ کم و بیش شہید ہوئے۔ ابن نجار نے ان سب کے نام دیئے ہیں۔ جن میں چار مہاجرین میں سے اور باقی چھیاٹھ انصار میں سے ہیں (۱۲۹)۔ اختتام جنگ پر آنحضرت ﷺ شہدائے کرام کی لاشوں پر تشریف لے گئے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک دیکھ کر فرمایا کہ ”ایسا دردناک منظر میری نظر سے کبھی نہیں گزرا۔ حضرت حمزہ ساتوں آسمانوں میں شیر خدا اور شیر رسول لکھے گئے۔“ پھر تمام لاشوں پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا: (۱۳۰)

”میں قیامت کے دن ان کا شفیع ہوں۔“

بعد ازاں حکم دیا کہ ان کو دفن کر دیا جائے۔ کپڑے کی قلت کا یہ عالم تھا۔ کہ عموماً دو دو تین تین ملا کر ایک ہی کپڑے میں ایک ہی قبر میں دفن کر دیئے گئے۔ جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو مقدم کیا جاتا۔ اور ان شہداء پر اس وقت نماز جنازہ نہ پڑھی گئی۔ بلکہ بے غسل اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دفن کر دیئے گئے۔ رضی اللہ عنہم۔

سید الشہداء امیر حمزہؓ کو ایک چادر میں دفن کیا گیا۔ مگر چادر کوتاہ تھی۔ اگر منہ ڈھانپتے تو قدم ننگے رہتے۔ قدموں کو چھپاتے تو منہ ننگا رہتا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ منہ کو ڈھانپ دو اور قدموں پر حرم ڈال دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (۱۳۱)۔

حضرت مصعب بن عمیر جب شہید ہوئے تو ان کے پاس صرف ایک کملی تھی۔ اس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے رہتے اور پاؤں چھپاتے تو سر ننگا رہتا۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے سر کملی سے ڈھانپ دیا گیا اور پاؤں اذخر (۱۳۲) گھاس سے چھپا دیئے گئے۔

حضرت وہب بن قابوس مزنی اور ان کا بھتیجا حارث بن عتبہ بن قابوس بکریاں چراتے مدینہ میں آئے۔ جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ احد پر تشریف لے گئے ہیں تو اسلام لا کر حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ خالد و عکرمہ کے حملہ کے وقت حضرت وہب بڑی بہادری سے لڑے۔ مشرکین کا ایک دستہ آگے بڑھا۔ تو آپ نے تیروں سے ہٹا دیا دوسرا آیا تو اسے تلوار سے بھگا دیا۔ تیسرا آیا تو تلوار سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کا بھتیجا بھی اسی طرح لڑ کر شہید ہوا۔ مشرکین نے حضرت وہب کو بری طرح سے مثلہ کر دیا تھا رسول اللہ ﷺ اگر چہ زخموں سے نڈھال تھے مگر دونوں لاشوں پر کھڑے رہے اور حضرت وہب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

“رَضِيَ اللَّهُ عَنْكَ فَإِنِّي عَنْكَ رَاضٍ۔” اللہ تجھ سے راضی ہو۔ میں تو تجھ سے راضی ہوں۔“

حضرت وہب کو لحد میں رکھا گیا۔ تو حضور اقدس ﷺ نے ان کا سر ان ہی کی چادر سے چھپا دیا۔ مگر وہ چادر ان کی نصف ساق تک پہنچی۔ اس لیے حضور کے ارشاد سے پاؤں پر حرم ڈال دی گئی۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت سعد بن ابی وقاص تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہم خدا تعالیٰ سے مزنی کے حال میں ملیں۔ (۱۳۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام کا جنازہ اٹھایا گیا تو آنحضرت ﷺ نے ایک رونے والی عورت کی آواز سنی اور دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ مقتولین کی بہن یا پھوپھی ہے۔ فرمایا کہ یہ کیوں روتی ہے؟ یا فرمایا کہ نہ روئے۔ کیوں کہ جنازہ اٹھنے تک فرشتے اسے اپنے بازوؤں سے سایہ کرتے رہتے ہیں (۱۳۴)۔ ترمذی (ابواب تفسیر القرآن) میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مجھ سے ملے۔ فرمایا کہ تو غمگین کیوں ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا باپ احد کے دن شہید ہو گیا اور قرض و عیال چھوڑ گیا۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تجھے بشارت نہ دوں کہ خدا تیرے باپ سے کس طرح ملا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کبھی شہدائے احد میں سے کسی سے بے پردہ کلام نہیں کیا۔ مگر تیرے باپ سے رو برو کلام کیا۔ اور کہا مجھ سے مانگ کہ تجھے عطا کرو۔ تیرے باپ نے کہا:

اے پروردگار۔ تو مجھے حیات دنیوی عطا کرتا کہ میں دوبارہ تیری راہ میں شہید ہو جاؤں۔ رب عزوجل نے کہا کہ میری طرف سے وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ (مرکز) دنیا کی طرف نہ لوٹیں گے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا (۱۳۵) (الایہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام بھی ایک کملی میں دفن ہوئے تھے پاؤں حرم سے چھپا دیئے گئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن جبیر تیر اندازوں کے امیر تھے۔ جب ان کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے تو مشرکین نے ان پر حملہ کیا۔ وہ سب شہید ہو گئے۔ مگر اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ حضرت عبداللہ پہلے دشمنوں پر تیر پھینکتے رہے۔ جب تیر ختم ہو گئے۔ تو نیزہ سے کام لینے لگے۔ جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا۔ تو تلوار سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ کفار نے آپ کو بری طرح سے مثلہ کر دیا تھا۔ آپ کے بھائی حضرت خوات بن جبیر نے کمانوں سے گڑھا کھود کر آپ کو دفن کر دیا (۱۳۶)۔

حضرت عمرو بن جموح لنگڑے تھے۔ ان سے کہا گیا۔ کہ آپ معذور ہیں۔ آپ پر جہاد فرض نہیں۔ مگر وہ مسلح ہو کر نکلے۔ اور کہنے لگے کہ مجھے امید ہے کہ میں اسی طرح بہشت میں شہلا کروں گا۔ پھر قبلہ رو ہو کر یوں دعا کی: ”خدا یا مجھے شہادت نصیب کر اور اپنے اہل کی طرف محروم واپس نہ لا۔“ چنانچہ احد میں شہید ہو گئے (۱۳۷)۔

اثنائے جنگ میں ایک مسلمان کھڑا ہوا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اگر میں مارا گیا۔ تو کہاں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: ”بہشت میں“ یہ سن کر اس نے کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور لڑتا ہوا شہید ہو گیا (۱۳۸)۔

شہدائے کرام کی تدفین کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ کو واپس آئے۔ راستے میں جو عورتیں اپنے اہل و اقارب کا حال دریافت کرتی تھیں۔ حضور بتاتے جاتے تھے۔ آپ بنو دینار کی ایک عورت کے برابر سے گزرے۔ جس کا شوہر اور بھائی اور باپ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ لوگوں نے اسے تینوں کی شہادت کی خبر دی۔ تو اس نے کچھ پروانہ کی اور پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بخیر ہیں۔ کہنے لگی کہ مجھے دکھا دو تا کہ میں آنکھوں سے دیکھ لوں۔ چنانچہ اس وقت حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اس نے جب حضور انور زبانی ہو وای کو دیکھا تو پکار اٹھی (۱۳۹):

”آپ کے ہوتے ہوئے ہر ایک مصیبت ہیج ہے۔“
كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ۔

جب آنحضرت ﷺ انصار کے محلہ بنی عبدالاشہل میں پہنچے۔ تو ان کی عورتوں کو دیکھا۔ کہ اپنے مقتولین پر رو رہی ہی ہیں۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور زبان مبارک سے نکلا:

”لیکن حمزہ کیلئے کوئی رونے والیاں نہیں۔“
حمزة فلا بواکی له۔

یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ ان عورتوں کے پاس گئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے در دولت پر جا کر ماتم کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ہم بھی شامل گر یہ ہو گئیں۔ حضور ﷺ سو گئے اور ہم رو رہی تھی آپ نے جاگ کر نماز عشا پڑھی اور سو گئے۔ پھر جو آنکھ کھلی اور رونے کی آواز سنی تو فرمایا کہ تم اب تک رو رہی ہو۔ یہ فرما کر آپ نے رونے والیوں کو رخصت کیا۔ اور ان کے لیے اور ان کے ازواج و اولاد کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے نوحہ سے منع فرما دیا (۱۴۰)۔

اس واقعہ سے آٹھ برس کے بعد ایک روز آنحضرت ﷺ اس طرف کو نکلے اور شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے منبر پر رونق افروز ہو کر یہ خطبہ دیا (۱۴۱)۔

اِنِّیْ فَرَطٌ لِّكُمْ وَ اِنِّیْ وَاللّٰهِ لَا نَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِی الْاَنَ وَ اِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِحَ الْاَرْضِ وَ اِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ عَلَیْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِیْ وَ لٰكِنْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْهَا۔

”بیشک میں تمہارے واسطے فرط (۱۴۲) (پیش رو) ہوں اللہ کی قسم میں اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں یا زمین کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں خدا کی قسم مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک بن جاؤ گے لیکن یہ ڈر ہے کہ تم دنیا میں پھنس جاؤ۔“

ہجرت کا چوتھا سال

یہ غزوہ ماہ ربیع الاول میں ہوا۔ جس کی وجہ نقض عہد سابق تھی۔ بنو عامر کے دو شخص غزوہ بنی نضیر: جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا عہد تھا۔ مدینہ منورہ سے اپنے اہل کی طرف نکلے۔ راستے میں عمرو بن امیہ ضمیری ان سے ملا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ رسول اللہ کے جوار میں ہیں۔ اس نے دونوں کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مطالبہ دیت کے لیے بنو نضیر سے مدد مانگی۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ تشریف رکھیے۔ ہم باہم مشورہ کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ حضرات ابو بکر و عمر و علی و غیر ہم کے ساتھ ان کی ایک دیوار تلے بیٹھ گئے۔ یہود نے بجائے مدد دینے کے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ بے خبری میں دیوار پر سے آپ پر چکی کا پاٹ پھینک دیں۔ حضرت جبرائیل نے آپ کو اطلاع کر دی۔ آپ فوراً وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لائے اور جنگ کے لیے تیار ہو کر ان پر حملہ آور ہوئے بنو قریظہ بھی برسر پیکار تھے۔ آخر کار آپ نے بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا۔ بدیں شرط کہ ان کو اجازت دی کہ جو مال وہ اونٹوں پر لے جائیں لے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے اموال لے کر خیبر میں اور بعض اذرعات واقع شام میں چلے

گئے۔ مگر بنو قریظہ پر آپ نے احسان کیا کہ ان کو امن دے دیا (۱۲۳)۔ جمادی الاولیٰ میں غزوہ ذات الرقاع ہوا۔ رسول اللہ ﷺ بنو محارب اور بنو ثعلبہ کے قصد سے نجد کی طرف نکلے۔ مگر قتال وقوع میں نہ آیا۔ امام بخاری نے اس غزوہ کو غزوہ خیبر کے بعد بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ غزوہ دو دفعہ ہوا ہو۔ صلوة الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ میں پڑھی گئی۔ اس میں غورث بن حارث کا قصہ پیش آیا۔

ہجرت کا پانچواں سال

ماہ ربیع الاول میں غزوہ دومتہ الجندل میں پیش آیا۔ مگر قتال وقوع (۱۲۴) میں نہ ہوا۔ شعبان میں غزوہ مرسیع یا غزوہ بنی المصطلق ہوا۔ جس میں بنو المصطلق مغلوب ہوئے قصہ افک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے جو تہمت لگائی تھی وہ اسی غزوہ سے واپسی پر پیش آیا۔

ماہ ذی قعدہ میں غزوہ احزاب یا غزوہ خندق واقع ہوا۔ بنو نضیر جلاوطن ہو کر خیبر میں غزوہ احزاب: آرہے تھے۔ انہوں نے مکہ میں جا کر قریش کو مسلمانوں سے لڑنے پر ابھارا۔ اور دیگر قبائل عرب (غطفان، بنو سلیم، بنو مرہ، اشجع، بنو اسد وغیرہ) کو بھی اپنے ساتھ متفق کر لیا۔ بنو قریظہ پہلے شامل نہ تھے۔ مگر حنی بن اخطب نے آخر کار ان کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ غرض قریش و یہود و قبائل عرب بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ چونکہ اس غزوہ میں تمام قبائل عرب و یہود شامل تھے۔ اس واسطے اس غزوہ کو غزوہ احزاب (حزب بمعنی طائفہ) کہتے ہیں۔ کفار کی تیاری کی خبر سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا۔ کہ کھلے میدان میں لڑنا مصلحت نہیں۔ مدینہ اور دشمن کے درمیان ایک خندق کھود کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مستورات اور بچوں کو شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دیا۔ اور بذات شریف تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ شہر سے نکلے۔ اور سامی طرف میں سلع کی پہاڑی کو پس پشت رکھ کر خندق کھودی۔ اس واسطے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔ خندق کھودنے میں حضور ﷺ بھی بغرض ترغیب شامل تھے۔ کفار نے ایک ماہ محاصرہ قائم رکھا۔ وہ خندق کو عبور نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔ ایک روز قریش کے کچھ سوار عمرو بن عبد وغیرہ ایک جگہ سے جہاں سے اتفاقاً عرض کم رہ گیا تھا۔ خندق کو عبور کر گئے۔ عمرو مذکور نے مبارز طلب کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور تلوار سے اس کا فیصلہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر باقی ہمراہی بھاگ گئے۔ آخر کار قریظہ و قریش میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور (۱۲۵) باوجود سردی کے موسم کے ایک رات باد صرصر کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنائیں اکھڑ گئیں۔

اور گھوڑے چھوٹ گئے۔ کھانے کے دیگے چولھوں پر الٹ الٹ جاتے تھے۔ امتداد محاصرہ کے سبب سے سامان رسد بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس لیے قریش و دیگر قبائل محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ اور بنو قریظہ اپنے قلعوں میں چلے آئے۔ اس غزوہ میں شدت قتال کے وقت عصر و مغرب اور بقول بعض ظہر بھی قضا ہو گئی تھی۔ شہداء کی تعداد چھ تھی۔ جن میں اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ بھی تھے۔ ان کی رگ اکھل تیر لگنے سے کٹ گئی۔ مسجد میں رفیدہ انصاریہ کا خیمہ تھا جو زخیموں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت سعد کو علاج کے لیے اسی خیمہ میں بھیج دیا۔ مگر وہ اس زخم سے جانبر نہ ہوئے۔ اور ایک ماہ کے بعد انتقال فرما گئے۔ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ سے متعدد معجزے ظہور میں آئے۔

جب آنحضرت ﷺ غزوہ خندق سے واپس تشریف لائے تو نماز ظہر کے بعد بنو غزوہ بنی قریظہ: قریظہ سے جنگ کا حکم آیا۔ بنو قریظہ نقض عہد کر کے احزاب کے ساتھ مل گئے تھے۔ اس لیے حضور انور تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور پچیس دن ان کو محاصرہ میں رکھا۔ آخر کار انہوں نے حضرت سعد بن معاذ کو حکم منظور کر لیا۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کیے جائیں۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے جائیں اور ان کا مال و اسباب غنیمت سمجھا جائے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

قَضَيْتُ بِحُكْمِ اللَّهِ "تو نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔" (استثناء۔ باب ۲۰ آیت ۱۰)

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مردوں کی تعداد چھ یا سات سو تھی۔ اسی سال رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے ہوا۔ جن کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

ہجرت کا چھٹا سال

ماہ جمادی الاولیٰ میں غزوہ بنی لحيان پیش آیا۔ مگر مقابلہ نہ ہوا۔ ماہ بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ: ذیقعدہ میں رسول اللہ ﷺ ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کے ارادہ سے نکلے حضرت ام سلمہ ساتھ تھیں۔ جب آپ ذوالحلیفہ میں پہنچے جو اہل مدینہ کا میقات ہے۔ آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور قربانیوں کو تقلید و اشعار کیا۔ یہاں سے آپ نے حضرت بسر بن سفیان کو قریش کی طرف بطور جاسوس بھیجا۔ جب آپ عسفان کے قریب غدیر اشراط میں پہنچے۔ تو آپ کا جاسوس خبر لایا کہ قریش خلفاء سمیت مکہ سے باہر مقام بلدح میں جمع ہیں۔ اور آمادہ ہیں کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ کہ خلفاء کے اہل و عیال کو گرفتار کیا جائے تاکہ اگر وہ ان کی مدد کو آئیں تو ہمیں تنہا قریش سے مقابلہ کرنا

پڑے۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! آپ بیت اللہ کے قصد سے نکلے ہیں۔ آپ کا ارادہ کسی سے لڑائی کا نہیں آپ بیت اللہ کا رخ کریں۔ جو ہمیں اس سے روکے گا ہم اس سے لڑیں گے۔“ آپ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب آپ حدیبیہ کے قریب شہیتہ المرہ میں پہنچے جہاں سے اتر کر قریش کے پاس پہنچ جاتے۔ تو آپ ناقہ قصواء بیٹھ گئی۔ ہر چند اٹھانے کی کوشش کی گئی مگر نہ اٹھی۔ آپ نے فرمایا: ”قصواء نہیں رکی اور نہ رکنا اس کی عادت ہے۔“

بلکہ خدائے حابس (۱۳۶) الفیل نے اسے روک لیا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قریش مجھ سے کسی ایسی حاجت کا سوال نہ کریں گے جس سے وہ حرمت اللہ کی تعظیم کریں۔ مگر میں وہ نہیں عطا کروں گا۔“ اس کے بعد آپ نے قصواء کو جھڑک دیا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور آپ مڑ کر حدیبیہ (۱۳۷) کی پرلی طرف ایک کنویں پر اترے جس میں پانی کم تھا۔ موسم گرما تھا۔ پانی جلدی ختم ہو گیا۔ اور آپ کی خدمت اقدس میں پیاس کی شکایت آئی۔ آپ نے پانی کی ایک کلی کنویں میں ڈال دی جس سے پانی بکثرت ہو گیا۔ اور چھاگل میں اپنا دست مبارک رکھ دیا۔ تو آپ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی نکلنے لگا۔ ان دونوں معجزوں کا ذکر اس کتاب میں آگے آئے گا۔

اسی اثناء میں بدیل (۱۳۸) بن ورقاء خزاعی اپنی قوم کے چند اشخاص کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا: کہ قبائل کعب بن لوی اور عامر بن لوی حدیبیہ کے آب کثیر پر اترے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ دور حیل اونٹنیاں اور عورتیں بچوں سمیت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا۔ ”ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے بلکہ صرف عمرہ کے ارادہ سے آئے ہیں۔ لڑائی نے قریش کو کمزور کر دیا ہے۔ اور نقصان پہنچایا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو ہم ایک مدت کے لیے ان سے جنگ کا التواء کر دیتے ہیں۔ باقی لوگوں سے ہم خود سمجھ لیں گے۔ اگر میں غالب آ جاؤں اور بصورت غلبہ وہ میری اطاعت میں آنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا۔ تو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ان سے ضرور لڑتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میں اکیلا رہ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ضرورت مدد کرے گا۔“ بدیل نے عرض کیا کہ میں آپ کا یہ ارشاد ان تک پہنچا دوں گا۔ چنانچہ وہ قریش میں آ کر کہنے لگا۔ کہ میں اس مرد (رسول اللہ) کا قول سن کر آیا ہوں اگر چاہو تو گزارش کر دوں۔ ان میں سے ایک نادان بولا کہ ہم اس کی کسی بات کے سننے کے لیے تیار نہیں۔ ایک صائب الرائے نے کہا کہ بیان کیجئے۔ جو اس سے سن آئے ہو۔ اس پر بدیل نے بیان کر دیا۔ عروہ بن مسعود نے اٹھ کر کہا کہ اس نے ایک نیک امر پیش کیا ہے۔ وہ قبول کر لو اور مجھے اس کے پاس جانے دو۔ چنانچہ عروہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور بدیل کی طرح کلام کیا۔ اور وہی جواب پایا۔ عروہ نے یہ الفاظ (میں ان سے ضرور لڑتا رہوں گا) سن کر

عرض کیا: ”اے محمد ﷺ! بتائیے اگر آپ نے اپنی قوم کو بالکل ہلاک کر دیا۔ کیا آپ نے عرب میں کسی کی بابت سنا ہے کہ اس نے آپ سے پہلے اپنے اہل کو ہلاک کر دیا ہو۔ اور اگر قریش غالب آگئے۔ تو آپ ان سے امن میں نہ رہیں گے۔ کیوں کہ اللہ کی قسم میں سردار (مکہ) ہوں۔ اور اخلاط کو دیکھتا ہوں۔ جو اس لائق ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔“ حضرت ابو بکر صدیق نے یہ سن کر کہا: ”امصص بظر اللات۔ (۱۳۹) کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔“ اس پر عروہ بولا۔ کہ یہ کون ہے؟ جواب ملا ابو بکر۔ پس وہ حضرت ابو بکر سے یوں مخاطب ہوا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔! اگر مجھ پر تیرا احسان (۱۵۰) نہ ہوتا جس کا بدلہ میں نے نہیں دیا۔ تو میں تجھے جواب دیتا۔“ پھر عروہ آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہوا۔ جب وہ آپ سے کلام کرتا۔ تو (حسب عادت عرب) آپ کی ریش مبارک کو چھوتا۔ اس وقت مغیرہ بن شعبہ خود سر پر، تلوار ہاتھ میں لیے آپ کے سر مبارک پر کھڑے تھے۔ جب عروہ اپنے ہاتھ ریش مبارک کی طرف بڑھاتا۔ تو مغیرہ بغرض تعظیم نیام شمشیر اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ ریش مبارک سے ہاتھ ہٹاؤ۔ عروہ نے آنکھ اٹھا کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ (تیرا بھتیجا) مغیرہ بن شعبہ۔ عروہ نے یہ سن کر کہا: او بے وفا! کیا میں تیری دیت (۱۵۱) میں کوشش نہ کرتا تھا؟ پھر عروہ اصحاب نبی ﷺ کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے واپس جا کر اپنی قوم سے صحابہ کرام کے اوصاف بیان کیے اور کہا کہ ایک نیک امر جو پیش کیا جا رہا ہے اسے قبول کر لو۔ پھر حلیس بن علقمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس نے بھی واپس جا کر کہا کہ میری رائے ہے کہ مسلمانوں کو بیت اللہ سے نہ روکا جائے۔ حلیس کے بعد مکرز آیا۔ وہ حضور اقدس ﷺ سے کلام کر ہی رہا تھا کہ خطیب قریش سہیل بن عمرو قریشی عامری حاضر ہوا۔ آپ نے بطریق تفاعل فرمایا کہ اب تمہارا کام کچھ سہل ہو گیا۔ گفتگوئے صلح کے بعد قرار پایا کہ دس سال تک لڑائی بند رہے۔ سہیل نے عرض کیا کہ معاہدہ تحریر میں آجائے۔ پس نبی ﷺ نے کاتب یعنی حضرت علی کو طلب فرمایا۔

رسول اللہ (ﷺ): (علی سے) لکھ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“۔

سہیل: ”الرحمن“ میں نہیں جانتا کیا ہے۔ بلکہ لکھ باسمک اللهم جیسا کہ تو پہلے لکھا کرتا تھا۔

صحابہ حاضرین: اللہ کی قسم! بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سوا اور نہ لکھ۔

رسول اللہ (ﷺ): لکھ (۱۵۲) با سمک اللهم (بعد تعمیل) لکھ ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ۔

سہیل: (بعد کتابت) اللہ کی قسم! اگر ہم جانتے کہ تو اللہ کا رسول ہے۔ تو تجھے بیت اللہ سے

منع نہ کرتے اور نہ تجھ سے لڑائی کرتے (علی سے) بلکہ لکھ محمد بن عبد اللہ۔ اور لفظ

رسول اللہ کو مٹا دے۔

رسول اللہ (ﷺ): (سہیل سے) اللہ کی قسم! میں بے شک اللہ کا رسول ہوں۔ اگر تم میری تکذیب کر رہے ہو (تو اس سے میری رسالت میں فرق نہیں آتا) (علی سے) اسے مٹا دو۔

حضرت علی: میں اسے نہیں مٹاؤں گا۔

رسول اللہ (ﷺ): مجھے اس لفظ کی جگہ بتاؤ۔

(حضرت علی بتا دیتے ہیں اور حضور رسول اللہ کو مٹا کر علی سے اس کی جگہ محمد ﷺ بن عبد اللہ لکھواتے ہیں) آگے لکھ۔ شرط یہ ہے کہ قریش ہمارے واسطے بیت اللہ کا راستہ چھوڑ دیں گے اور ہم اس کا طواف کریں گے۔

سہیل: اللہ کی قسم! ہم نہ چھوڑیں گے۔ عرب یہ کہیں گے کہ دباؤ ڈال کر ہمیں اس پر راضی کیا گیا ہے۔ ہاں آئندہ سال ایسا ہو جائے گا (چنانچہ ایسا ہی لکھا گیا) دیگر شرائط (۱۵۳) یہ ہیں کہ ہم میں سے جو کوئی آپ کے پاس آئے خواہ وہ آپ کے دین پر ہو آپ اسے ہماری طرف واپس کر دیں گے۔

صحابہ و حاضرین: (متعجب ہو کر) سبحان اللہ! جو مسلمان ہو کر آئے۔ وہ مشرکین کی طرف کس طرح واپس کیا جائے گا؟

اسی اثنا میں سہیل کا بیٹا ابو جندل پابز بخیر اسفل مکہ سے (قید خانہ میں سے نکل کر یہاں آجاتا ہے اور اپنے تئیں مسلمانوں کے حوالہ کرتا ہے)۔

سہیل: یا محمد! پہلے میں اسی پر آپ سے محاکمہ کرتا ہوں کہ آپ اسے میرے حوالہ کر دیں۔ رسول اللہ (ﷺ): ہم ابھی صلح نامہ کی کتابت سے فارغ نہیں ہوئے۔

سہیل: اللہ کی قسم! تب میں بھی آپ سے کبھی کسی بات پر مصالحت نہ کروں گا۔ رسول اللہ (ﷺ): اسے میرے پاس رہنے دو۔

سہیل: میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دیتا۔

رسول اللہ (ﷺ): ہاں اجازت دے دو۔

سہیل: میں ایسا نہیں کرنے کا۔

مکرز: (سہیل سے) ہم نے تیرے واسطے اجازت دے دی۔

ابو جندل: اے معشر مسلمین! میں مسلمان ہو کر مشرکین کے حوالہ کیا جا رہا ہوں۔ کیا تم میری تکلیف نہیں دیکھتے ہو؟

رسول اللہ (ﷺ): ابو جندل! صبر کر اور ثواب کی امید رکھ۔ ہم عہد نہیں توڑتے اللہ تیرے واسطے خلاصی

کی کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔

(یہ سن کر حضرت عمر فاروق اٹھ کر ابو جندل کے ساتھ ہو لیے اور کہہ رہے تھے وہ تو مشرکین ہیں۔ کسی مشرک کو قتل کرنا ایسا ہے جیسا کسی کتے کو قتل کر ڈالا)۔

ابن سعد اور بیہقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ میں پہنچے۔ تو آپ نے قریش کو اپنے ارادے سے مطلع کرنے کے لیے حضرت فراش بن امیہ خزاعی کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے ان کی طرف بھیجا۔ عکرمہ بن ابو جہل نے اس اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ اور فراش کو قتل کرنے لگے۔ مگر احابیش اور احلاف نے روک دیا۔ فراش نے خدمت اقدس میں واپس آ کر یہ ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک خط دے کر اشراف قریش کی طرف بھیجا۔ اور فرمایا کہ مکہ میں کمزور مسلمانوں کو عنقریب فتح کی بشارت دے دینا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کو مقام بلدح میں دیکھا کہ مسلمانوں کو مکہ سے روکنے پر متفق ہیں۔ ابان میں سعید اموی نے جواب تک ایمان نہ لائے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دی اور اپنے ساتھ گھوڑے پر سوار کر کے مکہ میں لے آئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اشراف قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ اور نام مبارک پڑھ کر ایک ایک کو سنایا۔ مگر وہ روبرو نہ ہوئے۔ جب صلح نامہ مکمل ہو گیا۔ اور وہ اس کے نفاذ کے منتظر تھے۔ تو فریقین کے ایک شخص نے دوسرے فریق کے ایک شخص پر پتھریا تیر مارا۔ اس سے لڑائی چھڑ گئی۔ اس لیے فریقین نے فریق مخالف کے آدمیوں کو بطور یرغمال اپنے پاس روک لیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو اور مشرکین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو (مع دس اور کے) زیر حراست رکھا۔ اسی اثناء میں یہ غلط خبر اڑی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں قتل کر دیئے گئے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ببول کے درخت کے نیچے مسلمانوں سے موت پر بیعت لی جس کا ذکر کتاب اللہ میں ہے۔ اس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ حضرت عثمان چونکہ مکہ میں تھے۔ اس لیے حضور انور ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر ان کو بیعت کے شرف میں شامل کیا۔ جیسا کہ اس کتاب میں دوسری جگہ بالتفصیل مذکور ہے۔ جب قریش کو اس بیعت کی خبر پہنچی۔ تو ڈر گئے اور معذرت کر کے صلح کر لی۔ اور طرفین کے اصحاب چھوڑ دیئے گئے۔

جب صلح سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اٹھو قربانیاں دو۔ اور سرمنڈواؤ آپ نے تین بار ایسا فرمایا مگر کوئی نہ اٹھا۔ آپ نے حضرت ام سلمہ سے یہ تذکرہ کیا۔ تو ان کی تدبیر سے یہ مشکل حال ہو گئی۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے مدینہ میں واپس تشریف لائے تو ابو جندل کی طرح ابو بصیر ثقفی خلیفہ بنی زہرہ مکہ سے بھاگ کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ قریش نے دو شخص اس کے

تعاقب میں بھیجے۔ حضور ﷺ نے حسب معاہدہ ابوبصیر کو ان دونوں کے حوالہ کر دیا۔ جب وہ ذوالخليفة میں پہنچے تو ابوبصیر نے ان میں سے ایک سے دیکھنے کے بہانہ سے تلواریں۔ اور اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا بھاگ کر خدمت اقدس میں آیا۔ ابوبصیر بھی اس کے پیچھے آ پہنچا اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کا وعدہ پورا ہو چکا۔ آپ نے فرمایا: پورا نہیں ہوا۔ تو جہاں چاہتا ہے چلا جا۔ اس لیے ابوبصیر ساحل بحر پر چلا گیا۔ ابو جندل بھی بھاگ کر ذومرہ کے قریب ابوبصیر سے آ ملا۔ اور رفتہ رفتہ ایک جماعت ان کے ساتھ ہو گئی۔ ابو جندل نے قریش کا شامی راستہ روک لیا۔ قریش تنگ آ کر حضور رحمت دو عالم ﷺ سے طالب رحم ہوئے اور واپسی کی شرط بھی اڑادی۔ پس حضور انور نے ابوبصیر و ابو جندل کے نام ایک نامہ بھیجا۔ ابوبصیر اس وقت قریب الموت تھا۔ وہ نامہ مبارک اس کے ہاتھ میں تھا کہ انتقال کر گیا۔ اور ابو جندل ساتھیوں سمیت مدینہ میں حاضر خدمت اقدس ہو گیا۔ اور مدینہ ہی میں رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق کے عہد میں ملک شام میں شہید ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہم۔

ہجرت کا ساتوں سال

جب رسول اللہ ﷺ (ذی الحجہ ۶ھ) میں حدیبیہ سے واپس والیان ملک کو دعوت اسلام: تشریف لائے۔ تو آپ نے شروع ۷ھ میں والیان ملک کو دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے جن کا ذکر کسی قدر تفصیل سے یہاں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ جو نامہ مبارک قیصر روم کے نام لکھا گیا اس کے الفاظ یہ تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ من محمد عبد اللہ و رسوله الی ہرقل عظیم
الروم سلام علی من اتبع الهدی اما بعد فانی ادعوك بدعايته الاسلام
اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الاريسین
و یاہل الکتب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم اَلَّا نعبد اِلَّا اللّٰه ولا
نشرك به شیئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللّٰه فان تولوا فقولوا
اشهدوا بانا مسلمون ۝



”شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد کی طرف سے ہرقل امیر روم کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد میں تجھ کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ تو اسلام لا۔ سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دوبرا

ثواب دے گا اگر تو نے روگردانی کی تو تیری رعایا کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اور اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں ہے کوئی اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو خدا نہ بنائے۔ اگر وہ نہیں مانتے تو کہہ دو۔ تم گواہ رہو کہ ہم ماننے والے ہیں۔“ (محمد رسول اللہ)

رومیوں اور ایرانیوں میں دیر سے لڑائی چلی آتی تھی۔ ایرانیوں نے ملک شام فتح کر لیا تھا۔ ہرقل کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ اسے اپنے پایہ تخت قسطنطنیہ پر ایرانی حملہ کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خبر دی کہ رومی جو شام میں مغلوب ہو گئے ہیں چند سال میں وہ ایرانیوں پر غالب آئیں گے۔ یہ پیشین گوئی صلح حدیبیہ سے نو سال پیشتر ہوئی تھی اور حرف بحرف پوری ہوئی۔ چنانچہ حدیبیہ کے دن مسلمانوں کو رومیوں کی فتح کی خبر پہنچی۔ ہرقل اس فتح کے شکرانہ کے لیے حمص سے بیت المقدس میں پیادہ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا نامہ مبارک حضرت وجیہ بن خلیفہ کلبی کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ حضرت وجیہ نے وہ خط ہرقل کے گورنر شام حارث غسانی کو بصرے میں دے دیا۔ اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس میں بھیج دیا۔ قیصر نے حکم دیا کہ اس مدعی نبوت کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ملے۔ تو لاؤ اتفاق یہ کہ ابوسفیان جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے تاجران قریش کے ساتھ غزہ (۱۵۴) میں آئے ہوئے تھے قیصر کا قاصدان سب کو بیت المقدس میں لے گیا۔ ابوسفیان (۱۵۵) کا بیان ہے کہ جب ہم کو قیصر کے پاس لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تاج پہنے ہوئے دربار میں تخت پر بیٹھا ہے۔ اور اس کے گردا گرد امرائے روم ہیں۔ اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان (قریشیوں) سے پوچھو۔ کہ تم میں بلحاظ نسب اس مدعی نبوت سے کون اقرب ہے؟ (قول ابوسفیان) میں نے کہا کہ میں اقرب ہوں۔ قیصر نے رشتہ دریافت کیا۔ میں نے کہا۔ وہ میرا چچا بھائی ہے۔ قافلہ میں اس وقت عبدمناف کی اولاد میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ قیصر کے حکم سے مجھے نزدیک بلایا گیا اور میرے ساتھیوں کو میری پیٹھ پیچھے بٹھایا گیا۔ پھر قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اس کے ساتھیوں سے کہہ دو کہ میں اس (ابوسفیان) سے اس مدعی نبوت کا صلہ دریافت کرتا ہوں اگر یہ جھوٹ بولے۔ تو کہہ دینا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے یہ ڈرنہ ہوتا کہ میرے ساتھی میرا جھوٹ اوروں سے نقل کیا کریں گے تو میں اس کا حال بیان کرنے میں جھوٹ بولتا۔ مگر اس ڈر سے میں سچ ہی بولا۔ اس کے بعد قیصر و ابو سفیان میں بذریعہ ترجمان یہ گفتگو ہوئی:

قیصر: اس مدعی نبوت کا نسب تم میں کیسا ہے؟

ابوسفیان: وہ شریف النسب ہے۔

قیصر: کیا اس سے پہلے تم میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟
ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟
ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: اس کے پیروا کا بر ہیں یا کمزور لوگ۔
ابوسفیان: کمزور لوگ ہیں۔

قیصر: اس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں یا کم ہوتے جا رہے ہیں؟
ابوسفیان: زیادہ ہو رہے ہیں۔

قیصر: کیا اس کے پیروؤں میں سے کوئی اس کے دین سے ناخوش ہو کر اس دین سے پھر بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا دعوائے نبوت سے پہلے تمہیں اس پر جھوٹ بولنے کا گمان ہوا ہے؟
ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟
ابوسفیان: نہیں لیکن اب جو ہمارا اس کے ساتھ معاہدہ صلح ہے۔ دیکھیے اس میں کیا کرتا ہے۔

قیصر: کیا تم نے کبھی اس سے جنگ بھی کی؟
ابوسفیان: ہاں۔

قیصر: جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان: کبھی ہم غالب رہے اور کبھی وہ۔

قیصر: وہ تمہیں کیا تعلیم دیتا ہے؟

ابوسفیان: کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ تمہارے آباؤ اجداد جو کچھ کہتے ہیں وہ چھوڑ دو۔ نماز پڑھو، سچ بولو، پاک دامن رہو، صلہ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے ترجمان کی وساطت سے ابوسفیان سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا پیغمبر اپنی قوم کے اشراف میں سے معبوث ہوا کرتے ہیں تم نے کہا کہ ہم میں سے کسی نے اس سے پہلے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ اس نے پہلے قول کا اقتداء کیا ہے۔ تم نے کہا۔ کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں خیال کرتا کہ وہ اپنے آبائی ملک

کا طالب ہے۔ تم نے کہا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے وہ بھی متہم بالکذب نہیں ہوا۔ اس سے میں نے پہچان لیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ باندھے۔ اور خدا پر جھوٹ باندھے۔ تم نے بتایا کہ کمزور لوگ اس کے پیرو ہیں پیغمبروں کے پیرو (عالمیاً) کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں تم نے ذکر کیا کہ اس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں۔ دین و ایمان کا یہی حال ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمام و کامل ہو جاتا ہے۔ تم نے بتایا کہ اس کے پیروؤں میں سے کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ ایمان کا یہی حال ہے کہ جب اس کی بشارت و لذت دل میں سرایت کر جاتی ہے تو وہ دل سے نہیں نکلتا۔ تم نے کہا کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتا پیغمبر عہد نہیں توڑا کرتے تم نے بیان کیا جنگ میں کبھی ہم غالب رہتے ہیں۔ اور کبھی وہ۔ پیغمبروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ اعدائے دین کے سبب ان کو ابتلاء ہوا کرتا ہے مگر آخر کار فتح پیغمبروں ہی کو ہوتی ہے۔ تم نے اس کی تعلیمات بیان کیں۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو میرے قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا میں جانتا تھا کہ وہ آنے والا ہے مگر مجھے یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ اس تک پہنچ جاؤں گا تو میں اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی تکلیف گوارا کرتا۔ اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک پڑھا گیا۔ اسے سن کر امرائے روم نے بڑا شور و شغب برپا کیا۔ ابوسفیان اور اس کے ہمراہی رخصت کر دیئے گئے۔

قیصر حمص (۱۵۶) میں چلا آیا۔ اور امرائے روم کو قصر شاہی میں جمع کر کے حکم دیا کہ دروازے بند کر دیئے جائیں۔ پھر یوں خطاب کیا: ”اے گروہ روم! اگر تم فلاح و رشد کے طالب ہو۔ اور چاہتے ہو۔ کہ تمہارا ملک برقرار رہے تو اس نبی پر ایمان لاؤ۔ یہ سن کر وہ خران وحشی کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے۔ مگر ان کو بند پایا۔ جب ہرقل نے ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا۔ تو کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ۔ اور ان سے یوں خطاب کیا کہ میں تمہیں آزما تا تھا۔ کہ تم اپنے دین میں کیسے مستحکم ہو۔ سو میں نے تم کو مستحکم پایا۔ یہ سن کر انہوں نے قیصر کو سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے۔

۲۔ خسرو پرویز بن ہر مز بن نوشیرواں ایران کو یوں (۱۵۷) لکھا گیا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ الِیْ کَسْرٰی عَظِیْمِ فَارَسِ
سَلَامٌ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی وَاٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَشْهَدَانِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَدْعُوْکَ بِدَعَاِیَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ
فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَی النَّاسِ کُلِّهْمْ لَیَنْدُرْ مِنْ کَانَ حَیًّا وَیَحِقُّ الْقَوْلُ عَلٰی
الْکُفْرِیْنَ اَسْلَمْ تَسْلَمْ فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَعَلِیْکَ اِثْمُ الْمَجْوَسِ۔



”شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ رسول محمد کی طرف سے کسری امیر فارس کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ کوئی معبود بحق نہیں۔ مگر خدا ایک جس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تجھے دعوت خدائے عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ کیوں کہ میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا رسول ہوں تاکہ ڈراؤں اس کو جو زندہ ہو اور ثابت ہو جائے کلمہ عذاب کافروں پر تو اسلام لا سلامت رہے گا۔ پس اگر تو نے نہ مانا تو مجوسیوں کا گناہ تجھ پر ہے۔“ (محمد رسول اللہ)

علاقہ بحرین کسری کے زیر فرمان تھا۔ وہاں اس کی طرف سے منذر بن ساوی عبدی تمیمی نائب السلطنت تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا نام مبارک حضرت عبداللہ بن حذافہ قرشی سہمی کو دے کر حکم دیا (۱۵۸) کہ اسے حاکم بحرین کے پاس لے جاؤ۔ حاکم موصوف نے وہ نامہ خسرو پرویز کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ پڑھا گیا۔ تو پرویز نے اسے پھاڑ ڈالا۔ جب آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی۔ تو آپ نے پرویز اور اس کے معاونین پر بددعا فرمائی۔ کہ ”وہ ہر طرح پارہ پارہ کیے جائیں“ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ ان کی سلطنت جاتی رہی۔ دولت و اقبال نے منہ پھیر لیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اس بربادی کی کیفیت یوں ہے۔ (۱۵۹) کہ پرویز نے نامہ مبارک کو چاک کرنے کے بعد اپنے گورنر یمن باذان کو لکھا ہے کہ اپنے دو دلیر آدمیوں کو حجاز میں بھیجوتا کہ اس مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے پاس لائیں۔ باذان نے اپنے قہرمان بابویہ اور ایک شخص خرخرہ نام کو اس غرض کے لیے مدینہ میں بھیجا۔ اور بابو سے یہ کہہ دیا کہ اس مدعی نبوت سے کلام کرنا اور اس کے حال سے اطلاع دینا۔ یہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ بابویہ نے حقیقت حال عرض کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل میرے پاس آؤ۔ جب وہ دوسرے دن حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ کہ فلاں مہینے کی فلاں رات کو خدا نے کسری کو قتل کر دیا اور اس کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا۔ وہ بولے۔ آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ کیا ہم اپنے بادشاہ (باذان) کو یہ اطلاع کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں میری طرف سے اسے یہ خبر دے دو اور کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت کسری کے ملک کی انتہا تک پہنچ جائے گی۔ اور (باذان سے) یہ بھی کہہ دو کہ اگر تم اسلام لاؤ تو تمہارا ملک تم ہی کو دیا جائے گا۔ دونوں نے واپس آ کر باذان سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس پر کچھ عرصہ نہ گزرا تھا۔ کہ شیرویہ کا خط باذان کے نام آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ میں نے اپنے باپ پرویز کو قتل کر ڈالا۔ کیوں کہ وہ اشراف فارس کا قتل جائز سمجھتا تھا۔ اس لیے تم لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لو۔ اور اس

مدعی نبوت کو جس کے بارے میں کسریٰ نے تم کو کچھ لکھا تھا برا بھلا مت کہو۔ یہ دیکھ کر باذان مسلمان ہو گیا۔ وہ ایرانی جو یمن میں تھے سب ایمان لے آئے۔ اس کے چھ ماہ بعد شیروہ بھی مر گیا۔ فارس کا آخری بادشاہ یزدجرد بن شہریار بن شیروہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قتل ہوا۔

۳۔ اصمہ نجاشی شاہ حبشہ کو جو نامہ مبارک لکھا گیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ من محمد رسول اللہ الی النجاشی ملک الحبشة سلام انت فانی احمد الیک اللہ الذی لا اله الا هو الملك القدوس السلام المؤمن المہیمن و اشهد ان عیسیٰ ابن مریم روح اللہ و کلمة، القہا الی مریم البتول والطیبة الحصینة حملت بعیسیٰ فخلقہ من روحہ و نفخہ کما نفخ ادم بیدہ و اتی ادعوک الی اللہ و حدہ لا شریک لہ و الی موالات علی طاعته و ان تتبعنی و تؤمن بالذی جاء نی فانی رسول اللہ الیک و اتی ادعوک و جنودک الی اللہ عزوجل و قد بلغت و نصحت فاقبلوا نصیحتی۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔



”شروع خدا کلنام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے نجاشی شاہ حبشہ کے نام۔ تو سلامتی والا ہے۔ میں تیرے پاس خدا کا شکر کرتا ہوں۔ جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں وہ بادشاہ ہے۔ پاک ذات سلامت سب عیب سے۔ امان دینے والا نگہبان اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم روح اللہ ہیں اور اللہ کا کلمہ جسے اس نے القاء کیا مریم بتول طیبہ عقیقہ کی طرف۔ وہ بارور ہوئی عیسیٰ کے ساتھ پس خدا نے اسے پیدا کیا اپنی روح سے اور اس کے پھونکنے سے جیسا کہ پیدا کیا آدم کو اپنے ہاتھ سے۔ اور میں تجھے بلاتا ہوں اللہ کی طرف جو وحدہ الاشریک ہے اور اس کی اطاعت پر موالات کی طرف اور یہ کہ تو میری پیروی کرے اور ایمان لائے اس چیز پر جو مجھے ملی۔ کیوں کہ میں تیری طرف اللہ کا رسول ہوں اور میں تجھ کو اور تیرے لشکروں کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے پہنچا دیا اور نصیحت کر دی۔ تم میری نصیحت کو قبول کرو۔“

جب یہ نامہ مبارک حضرت عمرو بن ضمیری کے ہاتھ اصمہ نجاشی کا ملا۔ تو اس نے اسے اپنی آنکھوں پر رکھا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اور نامہ مبارک کو بائیں دانت کے ڈبے میں رکھ لیا۔ اور یہ جواب لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ الی محمد رسول اللّٰهِ من النجاشی اصحمة
سلام علیک یا رسول اللّٰهِ و رحمته اللّٰهِ و برکات اللّٰهِ الّٰذی لَا اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ الّٰذی هدانی لِلسّلام اٰما بعد فقد بلغنی کتابک یا رسول اللّٰهِ کما
ذکرت من امر عیسیٰ فو ربّ السّماء والارض ان عیسیٰ علیہ الصّلوٰة
والسّلام لا یزید علی ما ذکرت تفروقاً انه کما ذکرت و قد عرفنا ما
بعثت به علینا فاشهد انک رسول اللّٰهِ صادقاً صدقاً و قد بايعتک و بايعت
ابن عمّک و اسلمت علی یدیه اللّٰهِ ربّ العالمین و قد بعثت الیک بابنی و
ان شئت اتیتک بنفسی فقلت فانی اشهد ان ما تقوله حق والسّلام علیک
و رحمة اللّٰهِ و برکاتہ۔



”شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کے نام
نجاشی اصحمة کی طرف سے یا رسول اللہ آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اللہ کی برکتیں جس
کے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ اس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت کی۔ ابا بعد یا رسول اللہ
مجھے آپ کا نام ملا۔ آپ نے جو حضرات عیسیٰ کا حال بیان کیا ہے۔ سو آسمان وزمین کے
رب کی قسم کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے ذرہ بھی زیادہ نہیں ہیں۔ وہ بے شک ایسے ہی ہیں
جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے۔ اور ہم نے پہچان لیا جو کچھ آپ نے ہماری طرف لکھ کر بھیجا
ہے۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول صادق مصدق ہیں۔ اور میں نے
آپ کی بیعت کی۔ اور آپ کے چچیرے بھائی کی بیعت کی۔ اور اس کے ہاتھ پر اللہ رب
العالمین کے لیے اسلام لایا۔ اور میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ اگر
آپ چاہتے ہیں کہ میں خود حاضر ہو جاؤں تو تیار ہوں۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ
جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔“ (محمد رسول اللہ)

اصحمة کو رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمیری کے ہاتھ ایک اور نامہ بھیجا تھا۔ کہ ام حبیبہ (امیر
معاویہ کی بہن) کو نکاح کا پیغام دو۔ اور مہاجرین میں سے جو اب تک حبشہ میں ہیں ان کو یہاں پہنچا دو۔
ارشاد مبارک کی تعمیل کی گئی۔ حضرت ام حبیبہ نے حضرت خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا۔
اور نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا۔ اور مہر جو چار سو دینار تھا وہ بھی خود ہی ادا کر دیا
ام حبیبہ کا پہلا خاوند عبید اللہ بن جحش اسدی تھا۔ دونوں ہجرت کر کے حبشہ میں چلے آئے تھے مگر عبید اللہ

نصرانی ہو کر مر گیا تھا۔ اس طرح ام حبیبہ بیوہ رہ گئی تھیں۔

نجاشی نے حضرت جعفر (۱۶۰) طیار اور حضرت ام حبیبہ اور دیگر مہاجرین حبشہ کو ایک جہاز میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا۔ اس کے بعد دوسرے جہاز میں اپنے بیٹے کو مصاحبوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خط دے کر بھیجا۔ جس میں اپنے ایمان لانے کا حال لکھا تھا۔ پہلا جہاز صحیح و سالم منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ خیبر میں تشریف رکھتے تھے مگر دوسرا جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور سوار سب ہلاک ہو گئے۔

اصحہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز غائبانہ پرھی۔ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے نجاشی کو بھی جو اصحہ کے بعد بادشاہ ہوا دعوت اسلام کا خط لکھا تھا۔ اس دوسرے نجاشی کے ایمان کا حال معلوم نہیں۔

۴- مقوس والی مصر ہرقل قیصر روم کا باج گزار تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ اس کو یہ نامہ مبارک بھیجا گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ اِلَى الْمَقْوَسِ
عَظِيْمِ الْقِبْطِ سَلَامٍ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ بِبَدِیَةِ الْاِسْلَامِ
اَسْلَمْتَ سَلَمٌ یُّؤْتِکَ اللّٰهُ اَجْرًا مَّرْتِیْنِ فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَعَلِیْکَ اِثْمُ الْقِبْطِ یَا اَهْلَ
الْکُتُبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اِنْ لَا نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نَشْرُکُ بِهٖ
شَیْئًا وَلَا یَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَنْ تَوَلَّوْا فَقَوْلُوا اَشْهَدُوْا
بَاَنَّآ مُسْلِمُوْنَ ۝



”شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے مقوس امیر قبط کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد میں بلاتا ہوں تجھ کو دعوت اسلام کی طرف تو اسلام لا سلامت رہے گا۔ دے گا تجھ کو اللہ ثواب دوہرا۔ اگر تو نے نہ مانا تو تجھ پر ہوگا گناہ قبطیوں کا۔ اے اہل کتاب! تم آؤ طرف ایسی بات کی جو یکساں ہے ہم میں اور تم میں کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کے ساتھ کسی کو اور نہ بنائے ہم سے کوئی دوسرے کو رب سوائے اللہ کے سوا گروہ نہ مانیں تو کہو تم گواہ ہو کر ہم ہیں ماننے والے۔“ (محمد رسول اللہ)

حسن اتفاق سے اصل نامہ مبارک ایک فرانسیسی سیاح کو انیمیم کے گرجا میں ایک راہب سے ملا۔

اس نے زید کر سلطان عبدالجید خاں مرحوم والی سلطنت عثمانیہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ اور اب قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ اس کے دو نوٹوں اس وقت ہمارے زیر نظر ہیں ہم نے اسے تبرکاً مطابق اصل لفظ تلفظ سطر وار نقل کیا ہے اس کے اخیر میں رسول اللہ ﷺ کی مہر ثبت ہے۔ جس کی اوپر کی سطر میں اللہ دوسری میں رسول اور تیسری میں محمد ہے۔ دیگر خطوط کے آخر میں بھی یہی مہر مبارک ثبت تھی۔ یہ نامہ مبارک مقوقس کو سکندر یہ میں ملا۔ اس نے ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھ لیا اور اس پر اپنی مہر لگا دی۔ اور جواب میں عربی زبان میں یوں لکھوایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ لمحمد ابن عبد اللہ عن المقوقس عظیم القبط سلام عليك اما بعد فقد قرأت كتابك فهمت ما ذكرت فيه وما تدعوا اليه وقد علمت ان نبياً بقى و كنت اظن انه يخرج بالشام و قد اكرمت رسولك و بعثت اليك بجاريتين لهما مكان في القبط عظيم و بكسوة و اهليت اليك بغلته لتركبها و السلام عليك۔



”شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ محمد بن عبد اللہ کے نام مقوقس امیر قبط کی طرف سے سلام آپ پر۔ اما بعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور سمجھ گیا جو کچھ آپ نے اس میں ذکر کیا ہے۔ اور جس کی طرف آپ بلاتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے۔ میرا گمان تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور آپ کی طرف دو کنیریں جن کی قبٹیوں میں بڑی عزت ہے اور کپڑے بھیجتا ہوں۔ اور آپ کی سواری کے لیے ایک خچر ہدیہ بھیجتا ہوں۔ والسلام عليك۔“

یہ دو کنیریں ماریہ اور سیرین نامی سگی بہنیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دی۔ تو ماریہ نے فوراً اور سیرین نے کچھ توقف کے بعد کلمہ شہادت پڑھا اس واسطے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں داخل کر لی گئیں۔ اور سیرین حضرت حسان بن ثابت شاعر کو عنایت ہوئی۔ خچر کا نام دل دل تھا۔ حضرت حاطب نے مقوقس کا حال جو ذکر کیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس خبیث کو ملک کی طمع نے اسلام سے محروم رکھا۔ حالانکہ اس کا ملک باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۵۔ ہوذہ بن علی الحنفی صاحب یمامہ کی طرف یوں لکھا گیا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ من محمد رسول اللہ الی ہوذہ بن علی سلام

علی من اتبع الهدی و اعلم ان دینی سیظهر الی منتهی الخف والحافر
فاسلم تسلم اجعل لك ما تحت یديك۔



”شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے ہو وہ بن علی کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی تجھے معلوم رہے کہ میرا دین عنقریب اس حد تک پہنچے گا جہاں تک کہ اونٹ اور خچر جاتے ہیں تو اسلام لا سلامت رہے گا۔ میں تیرا ملک تجھ کو دے دوں گا۔“ (محمد رسول اللہ)

جب حضرت سلیط بن عمرو عامری یہ نامہ مبارک ہو وہ کے پاس لے گئے تو ارکون دمشق جو امراء نصاریٰ میں سے تھا اس وقت حاضر تھا۔ ہو وہ نے مضمون نامہ بیان کر کے اس سے آنحضرت ﷺ کی نسبت دریافت کیا۔ ارکون نے کہا: تم اس کی دعوت قبول کیوں نہیں کرتے۔ ہو وہ نے کہا: میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں۔ اگر میں اس کا پیرو بن گیا۔ تو ملک جاتا رہے گا۔ ارکون نے کہا: خدا کی قسم! اگر تو اس کا پیرو بن جائے۔ تو وہ ضرور تیرا ملک تجھ کو دے دے گا۔ تیری بہبودی اس کے اتباع میں ہے۔ وہ بے شک نبی عربی ہے جس کی بشارت حضرت عیسیٰ ابن مریم نے دی ہے۔ اور یہ بشارت ہمارے پاس انجیل میں موجود ہے۔ بایں ہمہ ہو وہ ایمان نہ لایا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہو وہ ہلاک ہو گیا اور اس کا ملک جاتا رہا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس تشریف لائے۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر خدمت ہو کر خبر دی کہ ہو وہ مر گیا۔

۶۔ قیصر روم کی طرف حارث بن ابی شمر غسانی حدود شام کا گورنر تھا غوطہ دمشق اس کا پایہ تخت تھا اس کو یہ نامہ مبارک بھیجا گیا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ من محمد رسول اللہ الی الحارث بن ابی
شمر۔ سلام علی من اتبع الهدی و امن بہ فانی ادعوك الی ان تؤمن باللہ
وحده لا شریك لہ یبقی ملك۔



”شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اور اس پر ایمان لایا اور تصدیق کی۔ میں تجھے اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تو اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان

لائے۔ تیری حکومت قائم رہے گی۔“ (محمد رسول اللہ)

حضرت شجاع بن وہب یہ نامہ مبارک لے کر روانہ ہوئے۔ جب یہ دمشق پہنچے تو دیکھا۔ کہ قیصر روم جو حمص سے بیت المقدس کو ایرانیوں پر فتح کے شکرانہ کے لیے آرہا تھا اس کے استقبال کے لیے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ان کا بیان (۱۶۱) ہے۔ کہ میں نے حارث کے دروازے پر دو تین دن قیام کیا میں نے اس کے رومی دربان سے کہا کہ میں حارث کی طرف رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ اس نے کہا کہ فلاں روز باریابی ہوگی۔ وہ دربان جس کا نام مری تھا مجھ سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت کا حال پوچھتا رہتا تھا۔ میں بیان کرتا تو اس پر رقت طاری ہو جاتی یہاں تک کہ رو پڑتا اور کہتا کہ میں نے انجیل میں پڑھا ہے۔ بعینہ اسی نبی کی صفت اس میں مذکور ہے میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ زمین عرب میں ظاہر ہوا ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ حارث مجھے قتل کر دے گا۔ آخر کار حارث ایک روز دربار میں تاج پہن کر تخت پر بیٹھا میں باریاب ہوا۔ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پیش کیا۔ اس نے پڑھ کر پھینک دیا اور کہنے لگا۔ مجھے سے میرا ملک کون چھین سکتا ہے؟ وہ خواہ یمن میں ہو میں اس کے پاس جاتا ہوں۔ اور حکم دیا کہ فوج تیار ہو جائے اور گھوڑوں کی نعل بندی کی جائے۔ پھر مجھ سے کہا تم جو کچھ دیکھ رہے ہو اس کو بتا دینا۔ حارث نے میری آمد کا حال قیصر کو لکھا۔ وہ عرضداشت قیصر کو بیت المقدس میں ملی۔ وجیہ کلی ابھی وہاں تھے جب قیصر نے حارث کا خط پڑھا تو اسے لکھا کہ اس مدعی نبوت کے پاس مت جاؤ۔ اس دور رہو۔ اور مجھ سے بیت المقدس میں ملو یہ جواب میرے ایام قیام میں آ گیا۔ حارث نے مجھے بلا کر دریافت کیا کہ کب جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ کل یہ سن کر اس نے حکم دیا کہ مجھے سو مشقال سونا دے دیا جائے۔ حضرت مری نے نفقہ و لباس سے میری مدد کی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے بعد سلام عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کا پیرو ہوں میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حارث کا حال عرض کیا تو فرمایا کہ اس کا ملک جاتا رہا۔ اور حضرت مری کا حال عرض کیا تو فرمایا کہ وہ سچا ہے۔

۷- ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علا بن الحضرمی کے ہاتھ منذر بن ساوی حاکم بحرین کے نام ایک تبلیغی خط بھیجا۔ جس کے مطالعہ سے منذر کے ساتھ وہاں کے ام عرب اور بعض عجم ایمان لائے۔ مگر یہود و مجوس ایمان نہ لائے۔ حضرت منذر نے بذریعہ عرضداشت آنحضرت ﷺ کو ان حالات کی اطلاع دی اور دریافت کیا کہ کیا کیا جائے۔ اس پر حضور ﷺ نے منذر کو یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ اِلَى الْمَنْدَرِ بْنِ سَاوِی
سَلَامٌ عَلَیْكَ فَاتِّیَ اِحْمَدُ اللّٰهُ اِلَیْكَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

انّ محمداً عبده ورسوله اما بعد فاتى اذ ذكر الله عز وجل فانه من ينصح
فانما ينصح لنفسه ا انه من يطع رسلى و يتبع امرهم فقد اطاعنى و من
نصح لهم فقد نصح لى و ان رسلى قد اثنوا عليك خيراً و اتى قد شفعتك
فى قومك فاترك للمسلمين ما اسلموا عليه و عفوت من اهل الذنوب
فاقبل منهم و انك مهما تصلح فلن نعزلك عن عملك و من اقام على
يهودية او مجوسية فعليه الجزية۔



”شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف
سے منذر بن ساوی کے نام سلام تجھ پر۔ میں تیرے پاس خدا کا شکر کرتا ہوں کہ جس کے
سوا کوئی معبود بحق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود بحق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کا
بندہ اور رسول ہے۔ اما بعد میں تجھے یاد دلاتا ہوں اللہ عزوجل (کے احکام) بے شک جو
خیر خواہی کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے۔ اور جریرے قاصدوں کی اطاعت کرے اور ان
کا حکم مانے۔ اس نے بے شبہ میری اطاعت کی اور جو ان کی خیر خواہی کرے اس نے بے
شک میری خیر خواہی کی میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے میں نے تمہاری
سفارش تمہاری قوم کے بارے میں قبول کی پس مسلمانوں کے لیے چھوڑ دو وہ (مال
وغیرہ) جس پر وہ مسلمان ہوئے میں نے گنہ گاروں کو (پہلے گناہ) معاف کر دیئے تم ان
سے (اسلام) قبول کرو جب تک تم کام اچھا کرتے رہو گے ہم تم کو تمہارے۔ عہدے
سے معزول نہ کریں گے۔ اور جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے۔“

(محمد رسول اللہ)

یہ اصل نامہ مبارک بھی ایک فرانسیسی سیاح نے اطراف بلاد مصر سے ایک قطبی راہب سے خرد کر
سلطان عبدالجید خان مرحوم کی خدمت میں بطور ہدیہ (یہ خط ٹیونس میں دستیاب ہو گیا ہے اور ایک یمانی
کے قبضہ میں ہے جسے نادر روز کار اور دستاویزات جمع کرنے کا شوق ہے) روز نامہ نوائے وقت ۱۱ جولائی
۱۹۷۷ء) میں مذکورہ گرامی نامہ کا عکس شائع ہوا ہے) پیش کیا تھا۔ اب وہ خزانہ شاہی میں محفوظ ہے۔
اس کے اخیر میں یہ مہر ہے: محمد رسول اللہ۔

۸۔ ذیقعدہ ۷ھ میں والیان عمان کے نام یہ نامہ مبارک لکھا گیا۔ (بڑی قیمت دے کر خریدا گیا تھا
(مکتوبات نبوی۔ از سید محبوب رضوی)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O من محمد بن عبد اللہ الی جیفر و عبد ابن
الجلندی سلام علی من اتبع الهدی اما بعد فاتنی ادعو کما بدعاية الاسلام
اسلما تسلما فاتنی رسول اللہ الی الناس كافة لانذر من كان حیا و یحق
القول علی الکفرین و انکما ان اقررتما بالاسلام ولیتکما مکانکما و ان
ابیتما ان تقرّا بالاسلام فان ملکما زائل عنکما وخیلی تجلّ سباحتکما و
تظہر نبوتی ملککما۔



”شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ محمد بن عبد اللہ کی طرف سے
جیفر و عبد پسران جلندی کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد میں تم
دونوں کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ تم اسلام لاؤ سلامت رہو گے کیوں کہ میں تمام
لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تاکہ ڈراؤں اس کو جو زندہ ہو اور کافروں پر حجت ثابت ہو
جائے اگر تم اسلام کا اقرار کر لو تو میں تم کو تمہارا ملک دے دوں گا۔ اگر تم اقرار اسلام سے
انکار کرو۔ تو تمہارا ملک تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اور میرے سوار تمہارے مکانات
کی فضا میں اتریں گے اور میری نبوت تمہارے ملک پر غالب آئے گی۔“ (محمد رسول اللہ)
یہ نامہ مبارک حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھ ارسال کیا گیا۔ جیفر و عبد دونوں ایمان لائے۔

غزوہ ذی قرد: ملک شام کی طرف واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں۔ حضرت
ابو ذر غفاری کا لڑکا چرایا کرتا اور شام کو ان کا دودھ دوہ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا کرتا تھا ایک
رات قبیلہ غطفان کے چالیس سواروں نے بسر کردگی شبینہ بن حصن فزاری کے چھاپا مارا۔ وہ حضرت
ابو ذر کے صاحب زادے کو قتل کر کے بیس اونٹنیاں لے گئے۔ اور حضرت ابو ذر کی بیوی کو بھی گرفتار کر
کے ساتھ لے گئے۔ دوسرے روز فجر کی اذان سے پہلے حضرت سلمہ بن اکوع جو مشہور تیر انداز اور تیز
رفتار صحابی تھے کمان جمائل کیے مدینہ سے غابہ کی طرف جو نکلے تو حضرت عبدالرحمن بن عوف کے غلام
نے ان کو اس ماجرا کی خبر دی۔ انہوں نے کوہ سلع یا شنیۃ الوداع پر کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف منہ کر کے
تین بار زور سے یا صباہاہ پکارا یہاں تک کہ وہ آواز رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئی پھر وہ پیادہ دشمن کی طرف
دوڑے اور ان کو جالیا۔ اور تیر اندازی سے وہ اونٹنیاں یکے بعد دیگرے چھڑا لیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ
بھی پانچ سو کی جمعیت کے ساتھ تعاقب میں نکلے۔ غطفان (۱۶۲) ذوقرد کے قریب ایک تنگ درہ میں

پہنچے جہاں عینہ ان کی مدد کو آیا۔ یہاں مقابلہ ہوا۔ غطفان بھاگ گئے۔ آفتاب غروب نہ ہوا تھا کہ وہ ذوقرد میں پانی پینے لگے حضرت سلمہ نے دوڑ کر ان پر تیر برسوں کے شروع کیے۔ اور ان کو پانی نہ پینے دیا۔ وہ بھاگ کر اپنے علاقہ میں جو ذوقرد سے ملحق تھا چلے گئے رسول اللہ ﷺ شام کو ذوقرد میں پہنچے۔ سوار و پیادہ سب آپ سے آئے۔ حضرت سلمہ نے عرض کیا میں نے ان کو پانی پینے نہ دیا۔ اگر مجھے سو سوار مل جائیں تو میں ان کو ایک ایک گرفتار کر لاتا ہوں۔ مگر حضور رحمتہ اللعالمین نے جواب دیا۔

”جب تو قابو پا جائے تو نرمی سے کام لے۔“

ذوقرد میں ایک دن رات قیام کر کے واپس ہوئے۔ حضرت ابوذر کی بیوی اس کے بعد ناقہ پر آ

پہنچی۔

غزوہ غابہ کے تین دن بعد جنگ خیبر پیش آئی۔ خیبر کے یہود اسلام کے سخت دشمن غزوہ خیبر (۱۶۳): تھے۔ غزوہ احزاب میں اگرچہ ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ مگر وہ اسلام کو مٹانے کے لیے برابر سازش کر رہے تھے۔ غطفان ان کو مدد دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ ایک ہزار چھ سو کی جمعیت کے ساتھ نکلے جن میں سے دو سو سوار اور باقی سب پیادہ تھے۔ اس المناقین عبد اللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کو کہلا بھیجا کہ محمد (ﷺ) تم سے لڑنے آرہے ہیں مگر تم ان سے نہ ڈرنا تمہاری تعداد بہت ہے۔ یہ تو مٹھی بھر آدمی ہیں جن کے پاس ہتھیار تک نہیں۔ اس سفر میں جب لشکر اسلام صہباء میں پہنچا جو خیبر سے بارہ میل پر ہے تو رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھ کر کھانا طالب فرمایا۔ صرف ستو پیش کیے گئے جو حسب الارشاد پانی میں گھول دیئے گئے۔ آپ اور صحابہ کرام نے وہی کھائے۔ صہباء سے روانہ ہو کر خیبر کے قریب غطفان و یہود کے درمیان وادی رجب میں اترے تاکہ غطفان یہود کی مدد کو نہ جاسکیں۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ یہ مقام اسلامی کیمپ یا لشکر گاہ مقرر ہوا۔ یہاں سے لڑائی کے لیے تیار ہو کر جایا کرتے اور زخمیوں کو علاج کے لیے یہاں لایا جاتا غرض اسباب بار برداری اور مستورات کو یہاں چھوڑ دیا گیا اور رات یہیں گزارے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت (۱۶۳) مبارک تھی کہ کسی قوم پر رات کو حملہ نہ کیا کرتے تھے صبح کو نماز فجر اول وقت پڑھ کر آگے بڑھے۔ جب بستی نظر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے تین بار یوں پکارا۔

اللَّهُ أَكْبَرُ خَرِبْتُ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا أَنْزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ۔

”اللہ اکبر! خیبر ویران ہو گیا۔ ہم جب کسی قوم کی انگٹائی میں اترتے ہیں۔ تو ڈرائے گیوں

کی صبح بری ہوتی ہے۔“

اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْأَرْضِينَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ

وَرَبِّ الشَّيْطَانِ وَمَا أَضْلَكْنَ وَرَبِّ الرِّيَّاحِ وَمَا أَذْرَيْنَ فَإِنَّا نَسْتَلِكُ خَيْرَ هَذِهِ
الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَشَرِّ
أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا۔

”اے پروردگار سات آسمانوں کے اور ان چیزوں کے جن پر آسمانوں نے سایہ ڈالا ہے
اور پروردگار سات زمینوں کے اور ان چیزوں کے جن کو زمینوں نے اٹھایا ہوا ہے۔ اور
پروردگار ہواؤں کے اور ان چیزوں کے جن کو ہوائیں اڑالے جاتی ہیں ہم تجھ سے اس
بستی اور بستی والوں اور بستی کی چیزوں کی خیر مانگتے ہیں۔ اور اس بستی اور بستی والوں پر اور
بستی کی چیزوں کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔“

آپ کا معمول تھا کہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے۔ تو یہی دعا مانگتے۔ اس کے بعد شہر میں داخلہ
ہوا اور تمام قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے۔

سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح ہوا۔ حضرت محمود بن مسلمہ انصاری اسی قلعہ کی دیوار تلے شہید
ہوئے۔ گرمی کی شدت تھی۔ وہ لڑتے لڑتے تھک کر دیوار کے سایہ میں آ بیٹھے۔ کنانہ بن ربیع بن ابی
الحقیق نے اکیلے یا بشارکت مرحب فصیل پر سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرا دیا جس کے صدمہ سے
انہوں نے شہادت پائی۔

ناعم کے بعد قنوص فتح ہوا۔ یہ بڑا مضبوط قلعہ تھا جو اسی نام کی پہاڑی پر واقع تھا ابن ابی الحقیق
یہودی کا خاندان اسی قلعہ میں رہتا تھا۔ عرب کا مشہور پہلوان مرحب اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ رسول اللہ ﷺ
نے پہلے حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر کو فوج دے کر بھیجا مگر یہ قلعہ فتح نہ ہوا۔ جب محاصرے نے طول
کھینچا۔ تو ایک روز آپ نے فرمایا کہ میں کل علم اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا۔ اور جو
اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔ صحابہ
کرام نے یہ رات انتظار و بے قراری میں گزاری کہ دیکھیے علم کسے عنایت ہوتا ہے۔ صبح کو ارشاد ہوا کہ علی
کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ فرمایا: ان کو بلاؤ۔ جب وہ حاضر خدمت
ہوئے تو آپ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا اور دعا کی۔ فوراً آرام ہو گیا۔ اور علم ان کو
عنایت ہوا دشمن کی طرف سے پہلے مرحب کا بھائی حارث نکلا۔ جو شجاعت میں معروف تھا۔ وہ حضرت
علی مرتضیٰ کے ہاتھ سے قتل ہوا تو خود مرحب بڑے طمطراق سے نکلا۔ اس کو بھی بناء بر اصح الروایات
حضرت علی مرتضیٰ نے قتل کیا مرحب کے بعد یاسر نکلا۔ اسے حضرت زبیر نے قتل کیا۔ اس طرح یہ محکم
قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ جو سبایا ہاتھ آئیں وہ صحابہ کرام میں تقسیم کر دی گئیں اور صفیہ بنت حمی بن اخطب جو

کنانہ بن ربیع کے تحت میں تھی اس کو آزاد کر کے رسول اللہ ﷺ اپنے نکاح میں لائے حضرت صفیہ کا باپ رئیس خیبر تھا۔ ان کا شوہر قبیلہ نضیر کا رئیس تھا۔ باپ اور شوہر دونوں قتل کیے جا چکے تھے، وہ کینز ہو کر بھی رہ سکتی تھیں۔ مگر حضور رحمتہ اللعالمین نے حفظ مراتب اور رفع غم کے لیے ان کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا اور وہ امہات المؤمنین میں شامل ہوئیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا حسن سلوک ہو سکتا تھا۔

قموں کے بعد باقی قلعے جلدی فتح ہو گئے ان معرکوں میں ۹۳ یہود مارے گئے اور صحابہ کرام میں سے پندرہ نے شہادت پائی فتح کے بعد زمین خیبر پر قبضہ کر لیا گیا۔ مگر یہود نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہے ہم پیداوار کا نصف آپ کو دے دیا کریں گے۔ آپ نے یہ درخواست منظور کی اور فرمایا ہم تمہیں برقرار رکھیں گے جب تک ہم چاہیں۔ جب غلہ کا وقت آیا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو وہاں بھیجا دیا۔ انہوں نے غلہ کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہا کہ جو حصہ چاہو لے لو۔ اس پر وہ حیران ہو کر کہنے لگے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔ (۱۶۵)

جنگ خیبر سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ وادی القرئی کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وادی خیبر اور تیماء کے درمیان واقع ہے۔ اس میں دیہات کا لگاتار سلسلہ چلا گیا ہے۔ اس لیے اسے وادی القرئی کہتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر یہود کو دعوت اسلام دی گئی۔ انہوں نے قبول نہ کی۔ بلکہ برسر پیکار ہوئے۔ مگر جلدی مغلوب ہو گئے خیبر کی طرح غنائم تقسیم کر دی گئیں۔ اور زمین و باغات نصف پیداوار پر ان کے قبضہ میں چھوڑ دیئے گئے تیماء کے یہود نے جب وادی القرئی کا حال سنا تو قاصد بھیج کر رسول اللہ ﷺ سے جزیہ پر صلح کر لی۔ اور زمین ان ہی کے قبضہ میں رہی۔

جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے واپس تشریف لائے تو آپ نے حضرت محیصہ بن مسعود کو اہل فدک کے پاس بھیجا۔ وہاں کا رئیس یوشع بن نون یہودی تھا۔ دعوت اسلام دی گئی۔ وہ خیبر کا حال سن کر پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے نصف زمین پر (۱۶۶) صلح کر لی۔

یہود خیبر کو اگر چہ امان دیا گیا تھا مگر وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے چنانچہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی زوجہ اور مرحب کی بھانجی تھی ایک بکری کا گوشت بھون کر اس میں زہر ملا دی اور بطور ہدیہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس میں سے بلیا اٹھالیا اور کھانے لگے۔ باقی چند صحابہ حاضرین نے تناول کیا۔ آپ نے کھاتے ہوئے فرمایا کہ یہ گوشت نہ کھاؤ۔ اور اس یہودیہ کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر خدمت ہوئی تو فرمایا تم نے اس گوشت میں زہر ملا یا ہے۔ وہ بولی آپ کو کس نے خبر دی؟

آپ نے بازو کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: کہ اس بازو نے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا ہاں میں نے اس میں زہر ملا دی ہے بدیں خیال کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو زہر اثر نہ کرے گی۔ اور اگر آپ پیغمبر نہیں ہیں تو ہم آپ سے آرام پائیں گے۔ آنحضرت ﷺ اپنی ذات شریف کے لیے کسی سے انتقام نہ لیتے تھے۔ اس لیے معاف (۱۶۷) فرمادیا۔ وہ صحابہ کرام جنہوں نے کھایا تھا۔ انتقال فرما گئے ان میں سے سب سے پہلے حضرت بشیر بن براء نے انتقال فرمایا تو ان کے قصاص میں اس یہودیہ کو قتل کر دیا گیا۔ اسی سال حضرت خالد بن ولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) ایمان لائے۔

ہجرت کا آٹھواں سال

جمادی الاولیٰ میں غزوہ موتہ وقوع میں آیا۔ حقیقت میں یہ سریہ تھا۔ مگر لشکر کی کثرت کے غزوہ موتہ: سبب سے اسے غزوہ سے تعبیر کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ امیر بصری یا قیصر روم کے نام اپنا نامہ مبارک بھیجا۔ جب قاصد موتہ میں پہنچا تو شرجیل بن عمرو غسانی نے جو قیصر روم کی طرف سے شام میں ایک گورنر تھا۔ اس کو شہید کر دیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی۔ تو آپ نہایت غمگین ہوئے اور تین ہزار فوج بسر کردگی زید بن حارث (جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے) بھیجی۔ اور حکم دیا کہ اگر زید شہید ہو جائیں۔ تو جعفر بن ابی طالب اور وہ بھی شہید ہوں تو عبد اللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں۔ اور ارشاد ہوا کہ اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر شہید ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی ہدایت کر دی گئی کہ پہلے ان کو دعوت اسلام دینا۔ اگر وہ قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ خود جناب رسالت مآب ﷺ نے منیۃ الوداع تک فوج کی مشایعت فرمائی۔ شرجیل کو خبر پہنچی تو اس نے ایک لاکھ فوج تیار کی۔ ادھر قیصر روم عرب کی ایک لاکھ فوج لے کر زمین (۱۶۸) بقاء میں خیمہ زن ہوا۔ جب لشکر اسلام شہر معان میں پہنچا۔ تو ان کو دشمن کی تعداد کثیر کی اطلاع ملی۔ انہوں نے چاہا کہ دربار رسالت کو حالات کی اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے۔ مگر حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا کہ فتح و شہادت میں سے ایک ہمیں ضرور حاصل ہو جائے گی اس لیے آگے بڑھے۔ جب بقاء کی حد پہ پہنچے۔ تو مشارف میں قیصر کا لشکر نظر آیا۔ مسلمان بچ کر موتہ کی طرف چلے گئے۔ اور یہاں جنگ ہوئی حضرات زید و جعفر و عبد اللہ بن رواحہ یکے بعد دیگرے بڑی بہادری سے پیدل ہو کر لڑے اور شہید ہوئے آنحضرت ﷺ مدینہ میں ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بیان فرما رہے تھے حضرت جعفر نے پہلے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر حملہ کیا۔ ان کا دایاں بازو کٹ گیا۔ تو علم

بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ بایاں بھی کٹ گیا تو بغل میں لے لیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تو اس پر نوے سے کچھ اوپر زخم تلواروں اور برچھیوں کے تھے۔ اور سب کے سب سامنے کی طرف تھے۔ پشت پر ایک بھی نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت جعفر کو شہادت کے بعد بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ بشکل فرشتہ دو خون آلود بازوؤں کے ساتھ دیکھا۔ اسی واسطے ان کو جعفر طیار یا جعفر ذوالجناحین کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد بالاتفاق حضرت خالد بن ولید امیر لشکر ہوئے۔ وہ بھی نہایت شجاعت سے لڑے۔ خود ان کا بیان ہے کہ اس دن نو تلواریں میرے ہاتھ سے ٹوٹ کر گر پڑیں لشکر کفار میں تزلزل پڑ گیا۔ آخر کار لشکر کفار پسا ہو گیا۔ اسے مسلمانوں کی فتح کہنا چاہیے۔ کہ دو لاکھ کے مقابلہ میں صرف بارہ شہید ہوئے۔ باقی سب صحیح و سالم مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

غزوہ فتح مکہ: حدیبیہ توڑ دیا۔ بغرض توضیح ہم یہاں کسی قدر تفصیل سے کام لیتے ہیں۔ عبدالمطلب بن ہاشم کو ان کے چچا مطلب سات یا آٹھ سال کی عمر میں مدینہ سے مکہ میں لائے تھے جیسا کہ اس کتاب میں پہلے مذکور ہوا۔ اور ہاشم کے مکانات پر ان کو قابض کر دیا تھا جب مطلب نے وفات پائی تو عبدالمطلب کے چچا نوفل نے وہ مکانات چھین لیے عبدالمطلب نے قریش سے مدد مانگی۔ قریش نے کہا کہ ہم تو تم دونوں میں دخل نہیں دیتے۔ عبدالمطلب نے اپنے نہال یعنی بنو نجار کو مدینہ میں لکھا۔ اس لیے ابوسعید بن عدس نجاری اسی سوار لے کر مدد کو آیا۔ جب وہ مکہ میں پہنچا تو نوفل حطیم میں قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابوسعید نے وہاں پہنچ کر نوفل کے سر پر تلوار کھینچ لی اور کہنے لگا کہ ہمارے بھانجے کے مکانات واپس کر دو ورنہ اس تلوار سے فیصلہ کر دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر نوفل نے قریش کے سامنے مکانات تو واپس کر دیئے۔ مگر اپنی کمزوری کو محسوس کر کے آئندہ کے لیے عبد شمس کے بیٹوں کو بنو ہاشم کے خلاف اپنا حلیف بنا لیا۔ اس پر عبدالمطلب نے خزاعہ سے کہا کہ تم بنو نوفل اور بنو عبد شمس کے خلاف میرے حلیف بن جاؤ۔ عبد مناف کی ماں خزاعہ کے سردار حلیل کی بیٹی تھی۔ اس لیے وہ کہنے لگے کہ تمہاری مدد کرنا ہم پر واجب ہے۔ چنانچہ دارالندوہ میں یہ معاہدہ لکھا گیا۔

حدیبیہ کے دن از روئے معاہدہ ہر ایک قبیلہ فریقین میں سے جس کا چاہا حلیف بن گیا۔ چنانچہ خزاعہ اپنا پرانا معاہدہ دکھا کر رسول اللہ ﷺ کے حلیف بن گئے۔ اور بنو بکر قریش کے معاہدے میں شامل ہوئے۔ یہ دونوں قبیلے (خزاعہ و بنو بکر) ایک دوسرے کے حریف تھے۔ اور ان میں مدت سے لڑائی چلی آتی تھی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں بنو الحضر می میں سے ایک شخص جو اسود بن رزن دہلی

بکری کا حلیف تھا۔ بغرض تجارت گھر سے نکلا۔ جب وہ خزاعہ کے علاقہ میں پہنچا تو انہوں نے اسے قتل کر ڈالا اور مال لے لیا۔ اس پر بنو بکر نے خزاعہ کا ایک آدمی قتل کر ڈالا۔ پھر خزاعہ نے بنو الاسود یعنی سلمیٰ و کلثوم و ذویب کو عرفات میں قتل کر ڈالا۔ اسی حالت میں اسلام کے ظہور نے عرب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور وہ لڑائیاں رک گئیں۔ جب صلح حدیبیہ کے سبب سے اسلام و کفر میں لڑائی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ تو بنو بکر (کی ایک شاخ بنو نفاثہ) سمجھے کہ اب انتقام کا وقت ہے اس لیے نوفل بن معاویہ دہلی بکری بنو نفاثہ کو ساتھ لے کر آب و تیر میں جو اسفل مکہ میں خزاعہ کے علاقہ میں ہے رات کو حملہ آور ہوا۔ قریش نے حسب معاہدہ بنو بکر کی مدد کی۔ چنانچہ صفوان بن امیہ۔ حویطب بن عبدالعزی۔ عکرمہ بن ابی جہل اور سمیل بن عمرو وغیرہ صورتیں بدل بدل کر خزاعہ سے لڑے۔ یہاں تک کہ خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم مکہ میں پناہ لی۔ بنو بکر حرم کا احترام ملحوظ رکھ کر رک گئے۔ مگر نوفل نے کہا: کہ یہ موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ چنانچہ حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔

جب بنو بکر و قریش نے وہ عہد توڑ دیا۔ جو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تھا۔ تو عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواری لے کر مدینہ پہنچا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد میں اپنے اصحاب میں تشریف رکھتے تھے۔ عمرو مذکور حاضر خدمت ہو کر یوں گویا ہوا:

يَا رَبِّ اِنِّي نَاشِدُ مُحَمَّدًا حَلَفَ اَبِينَا وَ اَبِيهِ الْاِتْلَدَا
فَانصُرْ رَسُوْلَ اللّٰهِ نَصْرًا عَتِدَا وَاذْعُ عِبَادَ اللّٰهِ يَاتُوْا مَدَا
اِنَّ قُرَيْشًا اَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا وَ نَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمَوْكَدَا
هُمْ بِيْتُوْنَا بِالْوَتِيْرِ هُجَدَا وَ قَتَلُوْنَا رُكْعًا وَ سَجَدَا

”اے خدا میں محمد کو یاد دلاتا ہوں۔ وہ پرانا معاہدہ جو ہمارے باپ اور اس کے باپ (عبدال مطلب) کے درمیان ہوا تھا۔ یا رسول اللہ! ہماری پوری مدد کیجئے اور خدا کے بندوں کو بلائیے جو ہماری مدد کو آئیں۔ قریش نے آپ سے وعدہ کے خلاف کیا۔ اور آپ کا محکم معاہدہ توڑ ڈالا۔ انہوں نے و تیر میں ہم پر بحالت خواب حملہ کیا۔ اور ہمیں رکوع و سجدے کی حالت میں قتل کر ڈالا۔“

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمرو! تجھے مدد مل جائے گی۔ ایک روایت (۱۶۹) میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ میں قریش سے دریافت کرتا ہوں۔ پس آپ نے حضرت ضمیرہ کو بھیجا۔ اور یہ تین شرطیں پیش کیں کہ قریش ان میں سے ایک اختیار کر لیں:

۱۔ خزاعہ کے مقتولین کا خون بہادیں۔

۲- بنونفاشہ کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔

۳- اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرطہ بن عمرو نے کہا کہ ہمیں صرف تیسری شرط منظور ہے۔

آنحضرت ﷺ نے مکہ پر حملہ کی پوشیدہ تیاری شروع کر دی۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی نے جو بنو اسد بن عبد العزی کے حلیف تھے بنو ہاشم کی کینز سارہ کے ہاتھ قریش کو ایک خط لکھ بھیجا۔ جس میں اس جنگی تیاریوں کا حال درج تھا۔ سارہ نے وہ خط اپنے سر کے بالوں میں چھپا لیا۔ اور روانہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس معاملہ کی خبر دے دی۔ آپ نے علی وزیر و مقداد رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور ان سے فرمایا کہ روضہ خاخ میں تم کو ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی۔ اس کے پاس قریش مکہ کے نام ایک خط ہے۔ وہ لے آؤ۔ وہ سوار ہو کر چل پڑے اور سارہ سے روضہ خاخ میں جا ملے۔ اس کو نیچے اتار لیا۔ اور کہا کہ تیرے پاس ایک خط ہے اس نے انکار کیا۔ اس کے کجاوے کی تلاشی لی گئی مگر کچھ برآمد نہ ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے اس سے کہا: میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ نہیں فرمایا۔ تو خط نکال۔ ورنہ ہم تیرے کپڑوں کی تلاشی لیں گے۔ یہ سن کر اس نے اپنے سر کے بالوں سے وہ خط نکال کر حوالہ کیا۔ جب یہ خط آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو آپ نے حضرت حاطب کو طلب فرمایا اور پوچھا: ”حاطب! تو نے یہ کیا حرکت کی؟“ حاطب نے یوں عرض کیا: ”یا رسول اللہ! میرے بارے میں جلدی نہ کیجئے۔ میں دین سے نہیں پھرا۔ میرے بال بچے مکہ میں قریش کے درمیان ہیں۔ آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں قریش میں ان کے رشتے ہیں۔ جن کے سبب سے وہ ان کے بال بچوں کی حفاظت کریں گے۔ مگر میرا قریش میں کوئی رشتہ نہیں۔ اپنے اہل و عیال کے بچاؤ کے لیے میں نے یہ حیلہ کیا کہ قریش پر یہ احسان کروں۔ تاکہ اس کے صلہ میں وہ میرے بال بچوں کی حفاظت کر دیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر فاروق نے بے تاب ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کا سراڑ ادوں۔ آپ نے فرمایا کہ حاطب اصحاب بدر میں سے ہے۔ عمر! تجھے کیا معلوم ہے بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر پر مطلع ہے۔ کہ فرمادیا عملوا (۱۷۰) ما شنتم فقد غفرت لکم۔ غرض باوجود ایسے سنگین جرم کے آپ نے حضرت حاطب کو معاف فرمادیا۔

قصہ کوتاہ آنحضرت ﷺ بتاریخ ۱۰ ماہ رمضان ۸ھ دس ہزار آراستہ فوج لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عباس جو اب تک مکہ میں مقیم تھے اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ کو آ رہے تھے۔ وہ مقام حنفہ (۱۷۱) میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حسب ارشاد نبوی انہوں نے اہل و عیال کو تو مدینہ بھیج دیا اور خود لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ قدید میں قبائل کو جھنڈے دیے

گئے۔ اخیر پڑاؤ مرالظہر ان تھا۔ جہاں سے مکہ ایک منزل یا اس سے بھی کم تھا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی۔ قریش کو لشکر اسلام کی روانگی کی افواہ پہنچ چکی تھی۔ مزید تحقیق کے لیے انہوں نے ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔ اس تجسس میں ان کا گزر مرالظہر ان پر ہوا۔ ابوسفیان بولا یہ اس قدر جا بجا آگ کیسی ہے؟ یہ تو شب عرفہ کی آگ کی مانند ہے۔ بدیل خزاعی نے کہا: یہ خزاعہ کی آگ ہے۔ ابوسفیان نے کہا: خزاعہ گنتی میں اتنے نہیں کہ ان کی اس قدر آگ ہو۔ خیمہ نبوی کی حفاظت پر جو دستہ متعین تھا انہوں نے ابوسفیان وغیرہ کو دیکھ لیا۔ اور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ ابوسفیان ایمان لائے جب رسول اللہ ﷺ یہاں سے مکہ کی طرف روانہ ہونے لگے۔ تو حضرت عباس نے فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو۔ تاکہ افواج الہی کا نظارہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ قبائل عرب کی فوجیں ابوسفیان کے سامنے سے ہو کر گزرنے لگیں۔ پہلے غفار پھر جہینہ۔ سعد بن ہذیل۔ سلیم۔ نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے گزرے ان کے بعد ایک فوج آئی جس کی مثل دیکھنے میں نہیں آئی۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت عباس نے جواب دیا کہ یہ انصار ہیں۔ سردار انصار حضرت سعد بن عبادہ علم ہاتھ میں لیے ہوئے برابر سے گزرے تو ابوسفیان سے کہا:

اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل الكعبة۔

”آج گھمسان کے معرکہ کا دن ہے۔ آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔“

بعد ازاں وہ مبارک دستہ آیا جس میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب (مہاجرین) تھے۔ حضرت زبیر بن العوام علمبردار تھے۔ حضور ﷺ برابر سے گزرے تو ابوسفیان نے کہا: ”حضور نے سنا سعد بن عبادہ کیا کہتے گزرے ہیں؟“ آپ نے فرمایا سعد نے غلط کہا۔ آج کعبہ کی عزت کی جائے گی۔ اور غلاف چڑھایا جائے گا۔ پھر حکم دیا کہ علم سعد سے لے کر ان کے صاحب زادے قیس کو دے دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ مکہ میں حصہ بالائی کی طرف سے داخل ہوئے۔ اعلان کر دیا گیا۔ کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابوسفیان کے گھریناہ لے گا۔ یا مسجد میں داخل ہوگا۔ یا دروازے بند کر لے گا۔ اس کو امن دیا جائے گا۔ حصہ بالائی میں (خيف بنی کنانہ یعنی نھب میں) رسول اللہ ﷺ کے لیے خیمہ نصب کیا گیا۔ اور حضرت زبیر نے حسب الارشاد کی نھب کی حد یعنی حجون کی پہاڑی پر علم کھڑا کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا کہ قبائل عرب کے ساتھ پائیں شہر کی طرف سے داخل ہوں اور صفائیں ہم سے آلیں۔ اور کسی سے جنگ نہ کریں۔ مگر صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو قریش کی ایک جماعت ساتھ لے کر جندمہ میں سدراہ ہوئے۔ اور حضرت خالد کی فوج پر

تیر برسانے لگے۔ چنانچہ حضرت حیش بن اشعر اور کرز بن جابر فہری نے شہادت پائی۔ حضرت خالد نے مجبور ہر کران پر حملہ کیا۔ وہ تیرہ یا زیادہ لاشیں چھوڑ کر گھروں کو بھاگ گئے اور بعض پہاڑی پر چڑھ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے جو تلواروں کی چمک دیکھی۔ تو پوچھا کہ یہ جنگ کیسی ہے؟ عرض کیا گیا کہ شاید مشرکین نے پیش دستی کی ہے۔ جس کی وجہ سے خالد کو لڑنا پڑا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے خالد سے باز پرس کی۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ ابتداء مشرکین کی طرف سے تھی۔ فرمایا: ”قضائے الہی بہتر ہے۔“

آنحضرت ﷺ نے خیمہ میں ذرا آرام فرمایا۔ پھر غسل کیا اور ہتھیاروں سے سبج کرناقہ قصواء پر سوار ہوئے اور اپنے غلام کے لڑکے اسامہ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا کو کعبہ نبوی بڑی شان و شوکت سے کعبہ کی طرف روانہ ہوا۔ آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے مہاجرین و انصاری تھے جو اس طرح سراپا آہن پوش تھے کہ بجز سیاہہ چشم ان کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا۔ بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر آنحضرت ﷺ نے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر اپنی ناقہ پر طواف کیا۔ بیت اللہ کے گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بت تھے۔ جن کے سبب سے وہ خانہ خدابت خانہ بنا ہوا تھا۔ آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی۔ اس سے آپ ایک ایک بت کو ٹھوکرتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۗ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

”سچ آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل مٹنے والا ہے۔“

جَاءَ الْحَقُّ وَ مَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَ مَا يُعْبِدُ

”سچ آ گیا اور باطل نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور نہ دوبارہ کرتا ہے۔“

اور وہ منہ کے بل گرتے جاتے تھے۔ جب اس طرح بیت اللہ شریف بتوں سے پاک ہو گیا۔ تو آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ سے کنجی لے کر دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم واسمعیل علیہما السلام کے مجسمے نظر پڑے۔ جن کے ہاتھوں میں جواہ کھیلنے کے تیر دیے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا ”خدا ان کو غارت کرے۔ اللہ کی قسم ان دونوں نے کبھی تیروں سے جواہ نہیں کھیلے۔“ کعبہ کے اندر ہی لکڑیوں کی ایک کبوتری بنی ہوئی تھی جسے آپ نے اپنے دست مبارک سے توڑ ڈالا۔ اور تصویریں جو تھیں وہ مٹا دی گئیں۔ پھر دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور حضرت اسامہ و بلال و عثمان بن طلحہ آپ کے ساتھ اندر رہے آپ نے نماز پڑھی اور ہر طرف تکبیر کہی پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ مسجد حرام قریش کی صفوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے دروازے کے بازوؤں کو پکڑ کر یہ خطبہ پڑھا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ صَدَقَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ ۗ أَلَا كُلُّ مَّا نَرُؤُهُ أَوْدَمَ أَوْ مَالٍ يُدْعَى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيْ هَاتَيْنِ

إِلَّا سِدَانَةَ الْبَيْتِ وَ سِقَايَةَ الْحَاجِّ إِلَّا وَقْتُلُ الْخَطَّاشِ بِالْعَمَدِ بِالسُّوْطِ
وَالْعَصَافِيهِ الدِّيَةِ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا يَا مَعْشَرَ
قُرَيْشٍ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَحْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ تَعَظَّمَهَا بِالْأَبَاءِ النَّاسُ مِنْ
آدَمَ وَ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ۔

”ایک خدا کے سوا اور کوئی معبود بحق نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی۔ اور کافروں کے گروہوں کو تنہا شکست دی۔ آگاہ ہو کہ تمام مفاخر یا خون یا مال ہر قسم کا سوائے کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کی سقایت کے میرے ان دو قدموں کے نیچے ہیں۔ آگاہ ہو کہ قتل خطا جو عہد کے مشابہ ہوتا زیانہ سے ہو یا عصا سے اس کا خون بہا ایک سوانٹ ہیں جن میں سے چالیس کے پیٹوں میں بچے ہوں۔ اے گروہ قریش! خدا نے تم سے جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار دور کر دیا۔ تمام لوگ آدم کی اولاد سے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔“

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ

أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَىٰ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت (آدم و حوا) سے پیدا کیا اور تم کو کنبے اور قبیلے بنایا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے تحقیق اللہ جاننے والا خبردار ہے۔“ (حجرات: ۱۳)

خطبہ کے بعد آپ قریش کی طرف متوجہ ہوئے جن سے مسجد بھری ہوئی تھی۔ اعلان دعوت سے اب تک ساڑھے سترہ سال میں قریش نے آپ سے اور آپ کے اصحاب سے جو جو سلوک کیے تھے وہ سب ان کے پیش نظر تھے۔ اور خوف زدہ اس انتظار میں تھے کہ دیکھیے کیا سلوک کیا جاتا ہے؟ آنحضرت ﷺ اب اس شہر میں ہیں جہاں سے نکلے تھے تو اندھیری رات اور فقط صدیق اکبر ساتھ تھے۔ آج آپ داخل ہوتے ہیں تو دس ہزار جاں نثار ساتھ ہیں اور بدلہ لینے پر پوری قدرت حاصل ہے۔ بایں ہمہ آپ نے یوں خطاب فرمایا: ”اے گروہ قریش! تم اپنے گمان میں مجھ سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟“

وہ بولے:

خَيْرًا أَحْ كَرِيمًا وَأَبْنُ أَحْ كَرِيمٍ۔

”نیکی کی توقع رکھتے ہیں۔ آپ شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہیں۔“

یہ سن کر حضور رحمۃ اللعالمین نے فرمایا:

لَا تَشْرِيْبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ اِذْهَبُوا فَانْتُمْ الطَّلَقَاءُ۔

”آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ تم آزاد ہو۔“

اعلانِ عفو کے بعد آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں بیٹھ گئے بیت اللہ شریف کی کنجی آپ کے دست مبارک میں تھی۔ حضرت علی اور حضرت عباس میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ کنجی ہمیں عنایت ہو۔ مگر آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کو عطا فرمائی۔

حضرت عثمان بن طلحہ کا بیان ہے۔ کہ ”ہجرت سے پہلے مجھے رسول اللہ ﷺ مکہ میں ملے۔ آپ نے مجھے دعوتِ اسلام دی۔ میں نے کہا: اے محمد! تجھ سے تعجب ہے کہ تو چاہتا ہے کہ میں تیری پیروی کروں۔ حالانکہ تو نے اپنی قوم کے دین کی مخالفت کی ہے اور ایک نیا دین لایا ہے۔ ہم جاہلیت میں کعبہ کو دو شنبہ اور بیچ شنبہ کے دن کھولا کرتے تھے ایک دن رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ کعبہ میں داخل ہونے کے ارادے سے آئے میں نے آپ سے درشت کلامی کی اور آپ کو برا بھلا کہا۔ مگر آپ نے درگزر کیا اور فرمایا: ”عثمان تو یقیناً عنقریب ایک دن اس کنجی کو میرے ہاتھ میں دیکھے گا کہ جہاں چاہوں رکھ دوں۔ میں نے کہا اس دن بے شک قریش ہلاک ہو جائیں گے اور ذلیل ہو جائیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ بلکہ زندہ رہیں گے اور عزت پائیں گے۔ اور آپ کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ کے اس ارشاد نے مجھ پر اثر کیا میں نے گمان کیا کہ جیسا آپ نے مجھ سے فرمایا عنقریب ویسا ہی ہو جائے گا۔ اور ارادہ کیا کہ مسلمان ہو جاؤں۔ مگر میری قوم مجھ سے نہایت درشت کلامی کرنے لگی جب فتح مکہ کا دن آیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: عثمان! کنجی لا۔ آپ نے کنجی مجھ سے لے لی پھر وہی کنجی مجھے دے دی اور فرمایا: لو یہ پہلے سے تمہاری ہے اور تمہارے ہی پاس ہمیشہ رہے گی۔ ظالم کے سوا اسے کوئی تم نہ چھینے گا۔ عثمان! اللہ نے تم کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے۔ پس اس گھر کی خدمت کے سبب سے جو کچھ تمہیں ملے۔ اس دستورِ عرشی کے موافق کھاؤ۔ جب میں نے پیٹھ پھیری۔ آپ نے مجھے پکارا میں پھر حاضر ہوا۔ فرمایا: کیا وہ بات نہ ہوئی جو میں نے تجھ سے کہی تھی۔ اس پر مجھے ہجرت سے پہلے مکہ میں آپ کا وہ قول یاد آ گیا۔ میں نے عرض کیا: ’ہاں (وہ بات ہو گئی) میں (۱۷۲) گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں‘۔ (۱۷۳) اس حدیث میں تین پیش گوئیاں ہیں وہ تینوں پوری ہو گئیں۔

اس روز آنحضرت ﷺ دیر تک مسجد میں رونق افروز رہے نماز کا وقت آیا۔ تو آپ کے حکم سے حضرت بلال نے کعبہ کی چھت پر اذان کہی۔ ابوسفیان بن حرب اور عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اذان کی آواز سن کر عتاب بولا کہ خدا نے اسید کو یہ عزت بخشی کہ اس

نے یہ آواز نہ سنی ورنہ اسے رنج پہنچتا۔ حارث بولا۔ خدا کی قسم اگر یہ حق ہوتا تو میں اس کی پیروی کرتا۔ حضرت ابوسفیان نے کہا میں تو کچھ نہیں کہتا۔ اگر کہوں تو یہ کنکریاں ان کو میرے قول کی خبر دیں گی۔ جب آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے پاس ہو کر نکلے۔ تو فرمایا۔ کہ تمہاری باتیں مجھے معلوم ہو گئیں تم نے ایسا ایسا کہا ہے۔ حارث وعتبا یہ سنتے ہی کہنے لگے: ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ ان باتوں کی اطلاع کسی اور کو نہ تھی۔ ورنہ ہم کہہ دیتے کہ اس نے آپ کو بتا دیں۔ (۱۷۴)

مسجد سے آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ وہاں مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کر کے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی مردوں میں حضرت معاویہ اور مستورات میں ان کی والدہ ہند بھی تھی جو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبا گئی تھی۔

عفو عام سے نو یا دس اشخاص مستثنیٰ تھے۔ جن کی نسبت حکم دیا گیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں اس حکم کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی انتقام نہ تھا۔ بلکہ اور مختلف جرم تھے۔ ان میں سے صرف تین یعنی ابن نطل مقیس بن ضبانہ اور ابن نطل کی کنیز قریبہ قتل ہوئے۔ ابن نطل اور مقیس قصاص میں قتل کیے گئے۔ قریبہ اسلام کی ہجو گایا کرتی تھی۔ باقی سب کو امن دیا گیا۔ اور ایمان لائے۔ ایک دشمن اسلام عیسائی مصنف ان دس اشخاص کی تفصیل دے کر یوں لکھتا ہے (۱۷۵):

”اس طرح عفو کے مقابلہ میں حکم قتل کی صورتیں کا عدم تھیں اور سزائے موت جہاں فی الواقع عمل میں آئی (شاید باستثنائے مغنیہ) محض پولیٹیکل مخالفت کے سوا اور جرموں کی وجہ سے غالباً روا تھی جس عالی حوصلگی سے (حضرت) محمد نے اس قوم سے سلوک کیا جس نے اتنی دیر آپ سے دشمنی رکھی اور آپ کا انکار کیا۔ وہ ہر طرح کی تحسین و آفرین کے قابل ہے حقیقت میں گذشتہ کی معافی اور اس کی گستاخیوں اور اذیتوں کی فراموشی آپ ہی کے فائدے کے لیے تھی۔ مگر تاہم اس کے لیے ایک فراخ و فیاض دل کی کچھ کم ضرورت نہ تھی۔“

فتح مکہ کے دوسرے روز خزاعہ نے ہذیل کے ایک شخص کو جو مشرک تھا قتل کر ڈالا اس پر آنحضرت ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد یوں خطاب (۱۷۶) فرمایا:

إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللَّهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ لَا يَحِلُّ لِأَمْرِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا وَلَا يَعْضِدُ بِهَا شَجَرًا فَإِنْ تَرَخَّصَ أَحَدٌ لِقِتَالِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فَقُولُوا لَهُ إِنَّ اللَّهَ آذَنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ
يَأْذَنْ لَكُمْ وَإِنَّمَا آذَنَ فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ
كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ وَلْيَبْلُغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔

”تحقیق مکہ کو اللہ نے حرام کر دیا اور لوگوں نے حرام نہیں کیا۔ جو شخص خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے اور نہ اس کا درخت کاٹے اگر کوئی اس میں رسول اللہ ﷺ کے جنگ کے سبب سے قتال کو رخصت کہے تو اس سے کہہ دو کہ خدا نے اپنے رسول کو اجازت دی تم کو اجازت نہیں دی مجھے بھی دن کی ایک ساعت اجازت دی گئی۔ اور آج پھر اس کی حرمت ایسی ہوگئی جیسا کہ کل (فتح سے پہلے) تھی چاہیے کہ جو یہاں حاضر ہے وہ غائب کو یہ پیغام پہنچا دے۔“

جب مکہ بتوں سے پاک ہو چکا تو مکہ کے گرد جو بت (منات، لات، عزی سواع) تھے وہ سرایا کہ ذریعہ سے منہدم کر دیئے گئے۔

فتح مکہ کا اثر قبائل عرب پر نہایت اچھا پڑا۔ وہ اب تک منتظر تھے اور کہا کرتے تھے کہ غزوہ حنین: (حضرت) محمد (ﷺ) اور ان کی قوم کو آپس میں نیٹ لینے دو۔ اگر وہ قریش پر غالب آگئے تو سچے پیغمبر ہیں۔ اس لیے جب مکہ فتح ہوا تو ہر ایک قوم نے اسلام قبول کرنے میں پیش دستی کی مگر ہوازن کا زبردست قبیلہ جو مکہ و طائف کے درمیان سکونت پذیر تھا اس فتح پر بہت برا فروختہ ہوا۔ وہ اس سے پہلے ہی جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس لیے فتح کی خبر سنتے ہی حملہ کے لیے تیار ہو گئے۔ ہوازن (باستثنائے کعب و کلاب) کے ساتھ ثقیف تمام اور نصر و جشم تمام اور سعد بن ابی بکر اور کچھ بنو ہلال کے شامل ہوئے۔ جشم کا رئیس درید بن صمہ تھا جس کی عمر سو سال سے متجاوز تھی۔ اسے محض مشورے کے لیے ہودج میں بٹھا کر ساتھ لے گئے۔ تمام فوج کا سپہ سالار اعظم مالک بن عوف نصری تھا جس کے حکم سے بچے اور عورتیں اور اموال بھی ساتھ تھے تاکہ لڑائی میں پیچھے نہ ہئیں۔ درید نے اس حکم کو پسند نہ کیا۔ مگر اس کی کچھ پیش نہ گئی۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو بطور جاسوس دریافت حال کے لیے بھیجا۔ وہ دشمن کے لشکر میں آئے اور انہوں نے وہاں کے تمام حالات دربار رسالت میں عرض کیے۔ آنحضرت ﷺ نے تیاری شروع کر دی۔ دس ہزار درہم سے زائد عبداللہ بن ابی ربیعہ سے جو ابو جہل کے بھائی تھے قرض لیے گئے۔ اور صفوان بن امیہ سے جو اب تک ایمان نہ لائے تھے سو زرہیں مع لوازم مستعار لی گئیں۔ غرض شوال ۸ھ میں آنحضرت ﷺ بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے جن میں سے دو ہزار طلقاء (اہل مکہ) تھے۔ لشکر کی کثرت کو دیکھ کر بعض کی زبان سے بے اختیار نکلا: ”آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟“ جب حنین (۱۷۷) میں پہنچے تو صبح کے وقت کہ ابھی اجالا بھی اچھی طرح نہ ہوا تھا حملہ کے لیے آگے بڑھے۔ دشمن نے ان کے پہنچنے سے پہلے ہی اس طرح صف

آرائی کر رکھی تھی کہ سب سے آگے سوار، سواروں کے پیچھے پیادہ۔ پیادوں کے پیچھے عورتیں اور عورتوں کے پیچھے بکریاں اور اونٹ تھے۔ اور کچھ فوج پہاڑ کی گھاٹیوں اور دروں کی کمین گاہوں میں مقرر کر دی تھی اسلامی فوج نے پہلے ایسی شجاعت سے دھاوا کیا کہ کفار (۱۷۸) بھاگ نکلے مسلمان غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے کفار نے ایک دوسرے کو پکارا کہ یہ کیا ذلت و فضیحت ہے اور مڑ کر حملہ کیا۔ اب کثرت پر نازش اپنا رنگ لائی۔ لشکر اسلام کے مقدمہ میں بہت سے ایسے نوجوان تھے جو سلاح و زرہ سے خالی تھے۔ ہوازن و بنو نصر کی جماعت نے جو تیر اندازی میں مشہور تھے تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ ذرا سی دیر میں مقدمتہ الجیش کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس طرح باقی فوج بھی بھاگ نکلی۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چند اصحاب ثابت قدم رہے۔ مگر اکیلے آپ تھے کہ اس حالت میں بھی دشمن کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ اور وہ اصحابہ بمقتضائے شفقت آپ کو روک رہے تھے۔ چنانچہ حضرت عباس آپ کے خچر کی لگام اور حضرت ابوسفیان رکاب تھامے ہوئے تھے کہ آگے نہ بڑھ جائیں۔ اور آپ فرما رہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَلِّبِ

”میں پیغمبر ہوں۔ اس میں جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔“

حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دو چنانچہ وہ یوں پکارنے لگے:

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ يَا أَصْحَابَ السَّمُرَةِ يَا أَصْحَابَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ۔

”او گروہ انصار! او بیعت رضوان والو! اے سورہ بقرہ والو!“

اس آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ لبیک لبیک کہتے ہوئے سب جمع ہو گئے۔ آپ نے صف آرائی کے بعد حملہ کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ نہایت بہادری سے لڑنے لگے شدت جنگ کو دیکھ کر آپ نے فرمایا الان حمی الوطيس (اب تنور خوب گرم ہو گیا) لڑائی کا نقشہ بدل چکا تھا مسلمانوں پر طمانیت کا نزول ہوا۔ کفار کو ملأء اعلیٰ کا لشکر پچھلیاں گھوڑوں پر سواروں کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے خچر سے اتر کر ایک مشت خاک لی۔ اور شاہت الوجوہ پڑھتے ہوئے کفار کی طرف پھینک دی۔ دشمن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں وہ خاک نہ پڑی ہو۔ لشکر کفار کو شکست ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں جنگ حنین کا ذکر اس طرح کیا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ

شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مَّذْيَبِينَ ۗ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ

عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَذَلِكَ

جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

”البتہ تحقیق اللہ نے تم کو مدد دی بہت میدانوں میں اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترائے۔ پس وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بٹے پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔ اور وہ فوجیں اتار دیں جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کو عذاب کیا۔ اور یہی سزا ہے کافروں کی۔ پھر خدا اس کے بعد توبہ قبول کرے گا جس کی چاہے اور اللہ بخشنے والا

مہربان ہے۔“ (سورہ توبہ: ع ۴)

شکست خورہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر کچھ تو اوطاس میں اور کچھ طائف میں جمع ہوئی
جنگِ اوطاس: آنحضرت ﷺ نے کچھ فوج بسر کر دی حضرت ابو عامر اشعری اوطاس بھیجی جو دیار ہوازن میں ایک وادی کا نام ہے۔ درید بن صمہ یہاں مارا گیا۔ قبیلہ جشم کے ایک شخص نے حضرت ابو عامر کی ران میں تیرا مارا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اس جشمی کو قتل کر ڈالا اور حضرت ابو عامر کو اطلاع دی۔ حضرت ابو عامر کچھ دیر کے بعد واصل بحق ہوئے۔ مگر شہادت سے پہلے انہوں نے حضرت ابو موسیٰ سے کہا کہ سلام کے بعد میرا یہ پیغام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دینا کہ آپ میرے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔

حضرت ابو عامر کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری نے علم ہاتھ میں لے لیا۔ اور خوب جنگ کی دشمن کو شکست ہوئی۔ اسیرانِ جنگ میں آنحضرت کی رضاعی بہن شیماء سعدیہ بھی تھیں۔ جب گرفتار ہو کر آئیں، تو آنحضرت ﷺ سے کہنے لگیں۔ کہ میں آپ کی بہن ہوں آپ نے فرمایا کہ اس کی علامت کیا ہے۔ اس پر انہوں نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی۔ کہ ایک دفعہ بچپن میں آپ کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔ آپ نے دانت سے کاٹا تھا یہ اس کا نشان ہے۔ آپ نے وہ نشان پہچان لیا۔ اور اپنی چادر مبارک بچھا کر ان کو اس پر بٹھایا اور مرحبا کہا۔ پھر فرمایا۔ جی چاہے تو میرے ہاں عزت سے رہو اور اپنی قوم میں جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ انہوں نے اپنی قوم میں رہنا پسند کیا۔ اور ایمان لائیں آپ نے ان کو غلام و کنیز اور ایک اونٹ دے کر بڑے احترام سے ان کی قوم میں پہنچا دیا۔

جب حضرت ابو موسیٰ اشعری اوطاس سے واپس آئے۔ تو آنحضرت ﷺ کو حضرت ابو عامر کا پیغام پہنچا دیا۔ آپ نے یوں دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبِيدِ أَبِي عَامِرٍ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَوْقَ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْتَ
وَمِنَ النَّاسِ۔

”اے خدا! ابو عامر کو بخش دے اے خدا سے قیامت کے دن اپنی مخلوق اور اپنے لوگوں میں سے بہتوں کے اوپر رکھنا۔“

یہ دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنے واسطے دعا کی التجاء کی۔ آپ نے یوں دعا فرمائی:
 اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللَّهِ ابْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهُ وَأَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَدْخَلًا كَرِيمًا
 ”اے خدا! عبد اللہ بن قیس کا گناہ بخش دے اور اسے قیامت کے دن عزت کے مقام میں داخل کر۔“

آنحضرت ﷺ نے غنائم و اسیران جنگ کی نسبت حکم دیا کہ سب کو جمع کر کے (۱۷۹) محاصرہ طائف: جعرانہ میں بھیج دیا جائے، بذات اقدس طائف (۱۸۰) کی طرف روانہ ہوئے روانگی روانگی کے وقت طفیل بن عمرو دوسی کو بت ذوالکفین کے منہدم کرنے کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ اپنی قوم سے مدد لے کر ہم سے طائف میں آلو حضرت طفیل اپنی قوم کے رئیس تھے۔ انہوں نے بت کو جلا دیا۔ اور قبیلہ دوس کے چار سو آدمی اور دبابہ و منجنیق لے کر طائف میں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ ثقیف اوطاس سے بھاگ کر طائف میں چلے آئے تھے۔ یہاں ایک قلعہ تھا۔ اس کی مرمت کر کے ایک سال کا سامان رسد لے کر اس میں پناہ گزین تھے۔ لشکر اسلام اس قلعہ کے قریب اترا۔ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات استعمال میں لائے گئے مسلمانوں نے منجنیق (۱۸۱) نصب کیا تو اہل قلعہ نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا بارہ غازی شہید ہو گئے۔ دبابہ (۱۸۲) استعمال کیا گیا تو ثقیف نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں جن سے دبابہ جل گیا اور نقصان جان بھی ہوا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منادی کر دی گئی کہ کفار کا جو غلام قلعہ سے ہمارے پاس آئے گا۔ وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیس غلام قلعہ سے اتر کر حاضر خدمت ہوئے۔ وہ سب آزاد کر دیئے گئے اور ایک ایک کر کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیئے گئے کہ ان کی ضروریات کے متکفل ہوں اور ان کو تعلیم اسلام دیں۔ ان غلاموں میں حضرت نفع بن حارث تھے جو چرخ چاہ پر لٹک کر قلعہ کی دیوار سے اترے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی کنیت ابو بکر رکھ دی۔

دو ہفتہ بلکہ اس سے زیادہ محاصرہ قائم رہا۔ مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت نوفل بن معاویہ دہلی سے مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ”لومڑی بھٹ میں ہے۔ اگر آپ کوشش جاری رکھیں گے۔ تو اسے پکڑ لیں گے اور اگر اسے چھوڑ جائیں تو آپ کو مضرت نہیں۔ غرض محاصرہ اٹھالیا گیا۔ جب واپس آنے لگے۔ تو صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ثقیف کے تیروں نے ہم کو جلا دیا۔ آپ ان پر بد دعا فرمائیں“ اس پر آپ نے یوں دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَأَنْتَ بِهِمْ-

”اے خدا تو ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو (مسلمان بنا کر) لا۔“

اس دعائے رحمتہ العالمین کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۹ھ میں ثقیف کے وفد نے حاضر خدمت اقدس ہو کر

اظہارِ اسلام کیا۔

آنحضرت ﷺ طائف سے جعرانہ میں تشریف لائے۔ یہاں غنائم حنین و اوطاس جمع تھیں۔ جن

کی تفصیل یہ ہے:

اسیرانِ جنگ (زنان و اطفال)

۶۰۰

۲۴۰۰۰

۴۰۰۰۰ سے زائد

۴۰۰۰ اوقیہ

اونٹ

بکریاں

چاندی

آپ نے دس دن سے کچھ زیادہ ہوازن کا انتظار کیا۔ وہ نہ آئے تو آپ نے مالِ غنیمت میں سے طلقاء و مہاجرین کو دیا اور انصار کو کچھ نہ دیا۔ اس پر انصار کو رنج ہوا ان میں سے بعض کہنے لگے ”خدا رسول اللہ کو معاف کر دے۔ وہ قریش کو عطا فرماتے ہیں اور ہم کو محروم رکھتے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔“ اور بعض بولے ”جب مشکل پیش آتی ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور غنیمت اوروں کو دی جاتی ہے۔“

آنحضرت ﷺ نے یہ چرچا سنا۔ تو انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں آپ نے انصار کے سوا کسی اور کو نہ رہنے دیا۔ جب انصار جمع ہو گئے تو آپ نے پوچھا کہ: ”وہ کیا بات ہے جو تمہاری نسبت میرے کان میں پہنچی ہے“ انصار جھوٹ نہ بولا کرتے تھے۔ کہنے لگے کہ سچ ہے جو آپ نے سنا۔ مگر ہم میں سے کسی دانے ایسا نہیں کہا۔ نوخیز جوانوں نے ایسا کہا تھا۔ یہ سن کر آپ نے حمد و ثنا کے بعد یوں خطاب فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضَالًّا فَهَدَاكُمْ اللَّهُ بِي وَ كُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ
فَأَلَّفَكُمْ اللَّهُ بِي وَ كُنْتُمْ عَائِلَةً فَأَغْنَاكُمْ اللَّهُ بِي-

”اے گروہ انصار کیا یہ سچ نہیں کہ تم گمراہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت دی۔ اور تم پر آگندہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو جمع کر دیا۔ اور تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند کر دیا۔“

آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور انصار ہر فقرے پر کہتے جاتے تھے کہ ”خدا اور رسول کا احسان اس

سے بڑھ کر ہے۔“

آپ نے فرمایا: کہ تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے۔ انصار نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کیا جواب دیں۔ خدا اور رسول کا احسان اور فضل ہے۔ آپ نے فرمایا: بخدا اگر تم چاہو تو یہ جواب دو میں ساتھ ساتھ تمہاری تصدیق کرتا جاؤں گا۔

اتینا مگذباً فصدقناک و منخذولاً فنصرناک و طریداً فأویناک و عانلاً فواسیناک۔

”تو ہمارے پاس اس حال میں آیا کہ لوگوں نے تیری تکذیب کی تھی ہم نے تیری تصدیق

کی لوگوں نے تیرا ساتھ چھوڑ دیا تھا ہم نے تیری مدد کی لوگوں نے تجھ کو نکال دیا تھا ہم نے

تجھے پناہ دی تو مفلس تھا ہم نے جان و مال سے تیری ہمدردی کی۔“

پھر فرمایا کہ میں نے تالیف قلوب کیلئے اہل مکہ کیساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ ”اے انصار! کیا تمہیں یہ

پسند نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لیکر جائیں اور تم رسول اللہ کو لیکر گھر جاؤ۔ اللہ کی قسم تم جو کچھ لیجا رہے ہو وہ

اس سے بہتر ہے جو وہ لیجا رہے ہیں۔ اگر لوگ کسی وادی یا درہ میں چلیں تو میں انصار کی وادی یا درہ

چلوں (۱۸۳) گا۔“ یہ سن کر انصار پکاراٹھے ”یا رسول اللہ رضینا“ (یا رسول اللہ ہم راضی ہیں) اور ان پر

اس قدر رقت طاری ہوئی کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں۔

جب جعرانہ میں اسیران جنگ کی تقسیم بھی ہو چکی تو ہوازن کی سفارت (وفد) حاضر خدمت

اقدس ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی رضاعی ماں حلیمہ قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن سے تھیں۔ اس سفارت

میں آپ کا رضاعی چچا ابو ثروان (یا ابو برقان) بن عبدالعزیٰ سعد بھی تھا۔ سفارت کا رئیس زہیر بن عمرو

سعدی بخشی تھا۔ وفد نے پہلے اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے اظہار اسلام کیا اور آپ کے

دست مبارک پر بیعت کی پھر حضرت زہیر بن عمرو نے یوں تقریر کی (۱۸۴):

”یا رسول اللہ! اسیران جنگ میں سے جو عورتیں چھپروں میں ہیں وہ آپ کی پھوپھیاں

اور خالائیں اور دایہ ہیں۔ جو آپ کی پرورش کی کفیل تھیں۔ اگر ہم نے حارث ابن ابی شمر

(امیر شام) یا نعمان بن منذر (شاہ عراق) کو دودھ پلایا ہوتا۔ پھر اس طرح کی مصیبت

ہم پر آ پڑتی تو ہمیں اس سے مہربانی و فائدہ کی توقع ہوتی۔ مگر آپ سے تو زیادہ توقع ہے

کیوں کہ آپ فضل و شرف میں ہر مکفول سے بڑھ کر ہیں۔“

اس کے بعد حضرت ابو ثروان نے یوں عرض کیا (۱۸۵):

”یا رسول اللہ! ان چھپروں میں آپ کی پھوپھیاں خالائیں اور بہنیں ہیں۔ جو آپ کی

پرورش کی کفیل تھیں۔ انہوں نے آپ کو اپنی گودوں میں پالا۔ اور اپنے پستان سے دودھ

پلایا۔ میں نے آپ کو دودھ پیتے دیکھا۔ کوئی دودھ پیتا بچہ آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ میں نے آپ کو دودھ چھڑایا ہوا دیکھا کوئی دودھ چھڑایا بچہ میں نے آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ پھر میں نے آپ کو نو جوان دیکھا۔ کوئی نو جوان آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ آپ میں خصال خیر کامل طور پر موجود ہیں۔ اور باوجود اس کے ہم آپ کے اہل و کنبہ ہیں آپ ہم پر احسان کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا۔“

یہ تقریر سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ میں نے انتظار کے بعد تقسیم کی ہے۔ اب تم اسیران جنگ و غنائم میں ایک اختیار کر لو۔ انہوں نے کہا ہم اسیران جنگ کی رہائی چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کہ مجھے اپنے خاندان کے حصہ کا اختیار ہے۔ باقی کے لیے اوروں کی اجازت درکار ہے۔ تم نماز ظہر کے بعد اپنی درخواست پیش کرنا۔ چنانچہ نماز ظہر کے بعد انہوں نے اظہار مطلب کیا۔ پھر آپ نے حمد و ثناء کے بعد یوں خطاب (۱۸۶) فرمایا:

”تمہارے بھائی مسلمان ہو کر آئے ہیں میری رائے ہے کہ اسیران جنگ ان کو واپس کر دوں تم میں سے جو بغیر عوض واپس کرنا چاہتے ہیں اور جو عوض لینا چاہتے ہیں ہم پہلی غنیمت میں سے جو ہاتھ آئے گی ادا کر دیں گے۔“

قصہ کوتاہ تمام مہاجرین و انصار نے بغیر عوض واپس کر دینا منظور کر لیا۔ اس طرح چھ ہزار رہا کر دیئے گئے۔

ہجرت کا نواں سال

اس سال کے اوائل میں واقعہ ایلاء پیش آیا۔ ازواج مطہرات نے آنحضرت ﷺ سے مقدور سے زیادہ نفقہ و کسوت طلب کیا۔ اس پر آپ نے ایلاء کیا۔ یعنی سو گند کھائی کہ ایک ماہ تک ان کے ساتھ مخالفت نہ کروں گا۔ جب ۲۹ دن گزرنے پر مہینہ پورا ہوا۔ تو آئیہ تخیر (سورہ احزاب) نازل ہوئی۔ مگر سب نے زینت دنیا پر اللہ اور رسول کو اختیار کیا۔

غزوہ طائف اور غزوہ تبوک (۱۸۷) کے درمیانی زمانہ میں حضرت کعب بن زہیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور انہوں نے اپنا مشہور قصیدہ پڑھا۔

یہ غزوہ ماہ رجب میں پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ رومیوں اور غزوہ تبوک: عیسائی عربوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے بڑی فوج تیار کر لی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے اہل مکہ اور قبائل عرب سے جانی و مالی امداد طلب کی۔ اس وقت سخت قحط اور شدت

کی گرمی تھی۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۃ العسرة بھی کہتے ہیں۔ سورہ توبہ میں ہے: الذین اتبعوه فی سَاعَةِ الْعُسْرَةِ جَولشکر اس غزوہ کے لیے تیار کیا گیا اسے جیش العسرة کہتے ہیں۔ اس جیش کی تیاری میں حضرت عثمان غنی نے خصوصیت سے حصہ لیا۔ حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی بڑے ایثار کا ثبوت دیا۔ غرض رسول اللہ ﷺ میں ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں جب سر زمین شمود میں اترے۔ تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا (۱۸۸): کہ یہاں کے کنوؤں کا پانی نہ لینا اور نہ وہ پانی پینا انہوں نے عرض کیا۔ کہ ہم نے پانی لیا ہے اور اس سے آنا گوندھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پانی گرا دو اور آنا اونٹوں کو کھلا دو جب آپ حجر یعنی شمود کے مکانات میں سے گزرے جو پہاڑوں کو تراش کر بنائے ہوئے تھے تو فرمایا (۱۸۹) کہ ان معدن کے مکانات سے روتے ہوئے گزرنا چاہیے۔ کہ مبادا ہم پر بھی وہی عذاب آئے۔ پھر آپ نے اپنی چادر سے منہ چھپا لیا اور اس وادی سے جلدی گزر گئے۔

جب آنحضرت ﷺ حجر سے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ آپ کا ناقہ گم ہو گیا۔ زید بن بصیت قینقاعی منافق کہنے لگا: ”محمد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور تم کو آسمان کی خبر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اتنا بھی نہیں جانتا۔ کہ اس کا ناقہ کہاں ہے؟“ رسول اللہ ﷺ کا باطلاع الہی یہ معلوم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ”ایک منافق ایسا ایسا کہتا ہے۔ خدا کی قسم! میں وہی جانتا ہوں جو اللہ نے مجھے بتا دیا۔ چنانچہ خدا نے مجھے ناقہ کا حال بتا دیا ہے۔ وہ فلاں درہ میں ہے۔ اس کی نکیل ایک درخت میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس سبب سے وہ رکا ہوا ہے۔ تم جا کر لے آؤ۔“ جمعیل ارشاد مبارک ناقہ اس درہ میں سے لایا گیا۔ حضور کے ارشاد مبارک کے وقت حضرت عمارہ موجود تھے۔ منافق مذکور حضرت عمارہ ہی کے ڈیرے میں تھا۔ حضرت عمارہ اپنے ڈیرے میں واپس آ کر کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابھی ہم سے باطلاع الہی عجیب ماجرا بیان فرمایا: کہ ایک شخص ایسا ایسا کہتا ہے۔ عمارہ کے بھائی عمرو بن حزم نے کہا کہ تمہارے آنے سے پہلے زید بن بصیت نے ایسا ہی کہا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمار نے زید کی گردن لکڑی سے ٹھکادی اور کہا: ”اود ثمن خدا! میرے ڈیرے سے نکل جا۔ میرے ساتھ نہ رہے۔“ کہا گیا ہے کہ زید مذکور بعد میں تائب ہو گیا (۱۹۰) تھا۔

حجر سے تبوک چار منزل ہے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ تبوک میں بیس روز آنحضرت ﷺ کا قیام رہا۔ اہل تبوک نے جزیہ پر آپ سے صلح کر لی۔ (۱۹۱) ایلہ کانصرانی سردار یوحنا بن روبہ حاضر خدمت اقدس ہوا۔ اس نے تین سو دینار سالانہ جزیہ پر آپ سے صلح کر لی۔ اور ایک سفید خچر پیش کیا۔ آپ نے ایک چادر اسے عنایت فرمائی۔ جربا ازروح کے یہودیوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔ تبوک ہی سے آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو چار سو سواروں کا دستہ دے کر اکیدر بن عبد الملک کنذنی نصرانی سردار دومتہ الجندل کے زیر کرنے کے لیے بھیجا۔ اور فرمایا کہ تم اکیدر کو نیل گائے

کا شکار کرتے پاؤ گے۔ اکیدر دو متہ الجندل کے قلعہ میں رہا کرتا تھا۔ جب حضرت خالد قلعہ کے پاس پہنچے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ چاندنی رات تھی کہ ایک نیل گائے جنگل سے آکر قلعہ کے دروازے پر سینگ مارنے لگی۔ اکیدر اس کے شکار کے لیے قلعہ سے اتر آیا۔ اثنائے شکار میں حضرت خالد کے دستہ نے اس پر حملہ کیا اور گرفتار کر کے مدینہ میں لے آئے۔ اس نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔

منافق ہمیشہ اس امر کے درپے تھے۔ کہ کسی طرح مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں۔ اس مسجد ضرار: غرض سے انہوں نے اپنی علیحدہ مسجد بنانے کا ارادہ کیا۔ ابو عامر فاسق جو انصار میں سے تھا عیسائی ہو گیا تھا۔ وہ غزوہ خندق تک آنحضرت ﷺ سے لڑتا رہا۔ جب ہوازن بھاگ گئے تو وہ شام میں چلا گیا تھا۔ اس نے وہاں سے ان منافقین کو کہلا بھیجا کہ تم مسجد قباء کے متصل اپنی مسجد بنا لو۔ اور سامان حرب تیار کر لو۔ میں قیصر روم کے پاس جاتا ہوں اور رومیوں کی فوجیں لاتا ہوں تاکہ محمد اور اس کے اصحاب کو ملک سے نکال دیں چنانچہ منافقوں نے مسجد قباء کے پاس ایک مسجد بنائی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لیے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ قدم رنجہ فرما کر اس میں نماز پڑھائیں اور دعائے برکت فرمائیں آپ نے فرمایا کہ میں اب غزوہ تبوک پر جا رہا ہوں۔ واپس آکر ان شاء اللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا۔ چنانچہ جب آپ مہم تبوک سے واپس ہو کر موضع ذوادان میں پہنچے جو مدینہ طیبہ سے ایک گھنٹہ کی راہ ہے۔ تو یہ آیتیں نازل ہوئی:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ
اللَّهُ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۗ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۗ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠﴾
لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۗ لَمَسْجِدٍ أُسَسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۗ فِيهِ
رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ﴿١١﴾

”اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد بنائی ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کیلئے اور کین گاہ بنانے کیلئے اس شخص کے واسطے جو پہلے سے خدا اور رسول سے لڑ رہا ہے۔ اور البتہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی۔ اللہ گواہ ہے کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں۔ تو اس مسجد میں ہرگز کھڑا نہ ہونا البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں ایسے مرد ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“ (توبہ: رکوع ۱۳)

پس آنحضرت ﷺ نے حضرت مالک بن خشم اور معن بن عدی عجلانی کو حکم دیا: کہ جا کر اس مسجد
ضرار کو گرادو اور جلا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اس سال مختلف قبائل کے وفود اس کثرت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے کہ اسے سال وفود
کہا جاتا ہے۔ یہ وفود بالعموم نعمت ایمان سے مالا مال ہو کر واپس گئے۔ اس مختصر میں ان کی تفصیل کی
گنجائش نہیں۔

ہجرت کا دسواں سال

اس سال بھی وفود عرب پے در پے حاضر خدمت اقدس ہوتے رہے اہل یمن و ملوک حمیر ایمان
لائے۔ اسی سال رسول اللہ ﷺ نے آخری حج کیا۔ جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ الیوم اکملت لکم
دینکم الایہ عرفہ میں نازل ہوئی۔

ہجرت کا گیارہواں سال

اس سال کے ماہ ربیع الاول میں آنحضرت ﷺ کا وصال شریف ہو گیا جس کا ذکر آئندہ باب
میں آتا ہے۔



باب: ۵

وفات شریف و حلیہ مبارک کا بیان

ماہ صفر ۱۱ھ کے اخیر عشرہ میں آنحضرت ﷺ بیمار ہو گئے۔ اور ماہ ربیع الاول میں وصال فرما گئے۔ وصال شریف کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وفات شریف ماہ ربیع الاول میں دو شنبہ کے دن ہوئی۔ جمہور کے نزدیک ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی۔ ماہ صفر کی ایک یا دو راتیں باقی تھیں کہ مرض کا آغاز ہوا بعض تاریخ وصال یکم ربیع الاول بتاتے ہیں۔ بنا بر قول حضرت سلیمان تیمی ابتدائے مرض یوم شنبہ ۲۲ ماہ صفر کو ہوئی۔ اور وفات شریف یوم دو شنبہ ۲ ربیع الاول کو ہوئی حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کہ ابو محنف کا قول ہی معتمد ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کر لیا گیا۔ پھر اسی وہم میں بعض نے بعض کی پیروی کی۔ (۱) حضرت زید بن حارثہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے انتقام کے لیے آنحضرت ﷺ نے ایام مرض ہی میں فوج تیار کی اور اپنے دست مبارک سے جھنڈا تیار کیا۔ اور حضرت زید کے صاحب زادے حضرت اسامہ کو اس فوج کا سردار مقرر کر کے حکم دیا کہ مقام ابنی میں پہنچ کر رومیوں سے جہاد کرو۔ حضور ﷺ کے ایام مرض ہی میں حضرت فیروز دیلمی نے اسود غنسی مدعی نبوت کو قتل کر ڈالا۔ حضور نے مدینہ میں اس حال کی خبر دی اور فرمایا فاز فیروز۔ (فیروز کامیاب ہو گیا) وفات شریف سے پہلے جو پنج شنبہ تھا اس میں قصہ قرطاس وقوع میں آیا جس کو فقیر نے ”تحفہ شیعہ“ میں بالتفصیل لکھا ہے۔ اسی روز حضور نے اپنے اصحاب کرام کو تین چیزوں کی وصیت فرمائی۔

۱- مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔

۲- ملوک و امرا کے ایلچی جو تمہارے پاس آیا کریں۔ ان کو جائزہ و انعام دیا کرنا جیسا کہ میں دیا کرتا تھا۔

تیسری چیز کا ذکر حضور نے نہ فرمایا۔ یا راوی (سلیمان احول) بھول گیا (۲) اسی روز حضور نے

حضرت صدیق اکبر کو اپنا خلیفہ نماز مقرر فرمایا۔ اور وہ وفات شریف تک نماز پڑھاتے رہے۔

چھ یا سات دینار جو حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تھے۔ وہ بھی حضور نے ایام مرض میں تقسیم فرما

دیئے اور کچھ باقی نہ چھوڑا (۳)۔ وفات شریف کا وقت عین قریب آ پہنچا تو آپ اکثر یوں وصیت فرماتے تھے:

الصَّلَاةُ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ
”نماز اور غلام“

جب روح پاک نے جسم اطہر سے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کی تو الفاظ اللہم فی الرفیق الا علی زبان مبارک پر تھے۔

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کا وصال شریف دو شنبہ کے دن دوپہر ڈھلے ہوا۔ وصال شریف کے بعد زمین تاریک ہو گئی۔ اس صدمہ سے صحابہ کرام کا جو حال ہوا وہ بیان نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت عباس و فضل بن عباس حضور کے پہلو بد لنے میں حضرت علی المرتضیٰ کی مدد کر رہے تھے۔ اور قثم بن عباس اور اسامہ اور حضور کا غلام شقران پانی ڈال رہے تھے۔ سوائے حضرت علی کے باقی سب آنکھوں پر رومال باندھے ہوئے تھے۔ تاکہ جسد شریف پر نظر نہ پڑے۔ حضور کے کفن میں تین سوتی کپڑے سحول کے بنے ہوئے تھے۔ جن میں قمیص و عمامہ نہ تھا۔

شب چہار شنبہ میں حضور کو دفن کیا گیا۔ تاخیر کی وجہ کئی امور تھے۔ چنانچہ مہاجرین و انصار میں بیعت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس اختلاف کا فیصلہ ہوتے ہی اس امر میں اختلاف آراء ہوا کہ حضور کو کہاں دفن کیا جائے؟ قبر شریف میں لحد چاہیے یا شق۔ آخر کار حضرت ابو طلحہ انصاری نے لحد کھودی۔ نماز جنازہ حجرہ شریف کے اندر ہی بغیر امامت الگ الگ پڑھی گئی۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے، پھر غلاموں نے نماز پڑھی۔ بعد ازاں حضور کو بالاتفاق حجرہ شریف ہی میں جہاں وصال شریف ہوا تھا دفن کر دیا گیا۔ بنا بر قول اصح حضرت عباس و علی و قثم و فضل قبر شریف میں اترے۔ لحد کی اینٹیں کچی تو تھیں ہی حضرت قثم سب سے اخیر میں قبر مبارک سے نکلے۔

حضور نے بطور میراث کچھ نہیں چھوڑا جو کچھ آپ نے چھوڑا وہ صدقہ وقف تھا۔ اور اس کا مصرف وہی تھا۔ جو آپ کی حیات شریف میں تھا۔ چنانچہ آپ کا ارشاد مبارک ہے:

لَا نُورِثُ مَا تَرَكَنَا صَدَقَةٌ

”ہم (انبیاء) کسی کو وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ و وقف ہے۔“

(بخاری شریف کتاب الجہاد)

حضرت عمرو بن حارث سے جو ام المؤمنین جویریہ کے بھائی تھے یوں روایت ہے:

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عِنْدَ مَوْتِهِ دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا عَبْدًا وَلَا أَمَةً وَلَا

شَيْئًا إِلَّا بَغْلَةَ الْبَيْضَاءِ وَ سِلَاحَهُ وَ أَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً۔ (بخاری: کتاب الوصایا)

”رسول اللہ ﷺ نے اپنی موت کے وقت نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم، نہ غلام، نہ لونڈی نہ کچھ اور مگر اپنا سفید خچر اور اپنا ہتھیار اور کچھ زمین جسے آپ نے صدقہ و وقف بنا دیا۔“

ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس طرح ہے:

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا بَعِيرًا وَلَا شَاةً.

”رسول اللہ ﷺ نے کوئی دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری۔“

روایات مذکورہ بالا سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متروکات میں ایک سفید خچر (دل) کچھ ہتھیار اور زمین (اموال بنو نضیر و خیبر و فدک) تھی حضور کے ارشاد مبارک کے مطابق ان میں سے کسی میں قاعدہ ارث جاری نہیں ہوا۔ اسی واسطے دلدل اور ذوالفقار دونوں حضرت علی مرتضیٰ کے پاس تھے۔ ورنہ بجائے علی کے حضرت عباس و فاطمہ زہرا اور ازواج مطہرات حقدار تھیں۔ اموال بنو نضیر وغیرہ پر رسول اللہ ﷺ کا قبضہ مالکانہ نہ تھا بلکہ متولیانہ تھا ابوداؤد میں مالک بن اوس کی روایت میں حضرت عمر بن خطاب کا قول ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں تین صفایا تھیں ایک اموال بنو نضیر۔ دوسرے خیبر۔ تیسرے فدک۔ اموال بنو نضیر آپ کے حوادث و حوائج کے لیے محبوس و موقوف تھے۔ فدک مسافروں کے لیے مخصوص تھا۔ خیبر کی آمدنی کے آپ نے تین حصے کیے تھے۔ دو حصے مسلمانوں کے لیے اور ایک حصہ اپنی ازواج مطہرات کے لیے مقرر کر دیا تھا۔ اپنے اہل کے نفقہ میں سے جو کچھ بچ رہتا۔ وہ آپ فقراء و مہاجرین میں تقسیم فرمادیتے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد یہ جائدادیں بحیثیت وقف حضرت صدیق اکبر کے زیر اہتمام رہیں۔ انہوں نے ان میں رسول اللہ ﷺ کی طرح تصرف کیا۔ حضرت صدیق اکبر کے بعد حضرت عمر فاروق ان پر اسی حیثیت سے دو سال قابض رہے پھر حضرت عباس و علی کے اصرار پر مال بنو نضیر ان دونوں کی تولیت میں کر دیا۔ اور خیبر و فدک کو اپنی تحویل میں رکھا کچھ دنوں کے بعد تولیت و تصرف میں شرکت حضرت عباس پر ناگوار گذری۔ وہ چاہنے لگے کہ تولیت میں تقسیم ہو جائے۔ تاکہ ہر ایک اپنے حصہ کے تصرف میں مستقل بن جائے۔ حضرت علی مرتضیٰ مانع ہوئے۔ اس لیے فیصلہ کے لیے دونوں دربار فاروقی میں حاضر ہوئے۔ مگر حضرت فاروق نے تقسیم تولیت سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں حضرت علی نے حضرت عباس پر غلبہ پا کر مال بنو نضیر کو اپنے تصرف میں کر لیا۔ حضرت علی کے بعد حسن بن علی اور پھر حسین بن علی کے ہاتھ میں رہا۔ امام حسین کے بعد علی بن حسین اور حسن بن حسن دونوں کے ہاتھ میں رہا۔ دونوں نوبت بہ نوبت اس میں تصرف کرتے تھے۔ پھر زید بن حسن کے ہاتھ میں آیا۔ (صحیح بخاری) حضرت عمر فاروق کے بعد خیبر و فدک بحیثیت وقف عام حضرت عثمان غنی و علی المرتضیٰ کے تصرف

میں رہے۔ جب ۴۰ھ میں حضرت معاویہ کی امارت پر اجماع ہو گیا تو آپ نے فدک مروان حاکم مدینہ کو دے دیا۔ شاید بدیں تاویل کے جو امر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہو وہی آپ کے خلیفہ کے لیے ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت معاویہ کو خود تو ضرورت نہ تھی۔ لہذا اپنے بعض اقرباء کے ساتھ سلوک کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ آخر الامر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنی خلافت میں فدک کو اسی حالت پر بحال کر دیا۔ جس پر وہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد میں تھا۔ (طبقات ابن سعد) مزید تفصیل کے لیے تحفہ شیعہ مؤلفہ خاکسار دیکھو۔

متردکات مذکورہ بالا کے سوا اور اشیاء بھی تھیں۔ جو بطور تبرک مختلف اشخاص کے پاس تھیں۔ ان کا ذکر آثار شریفہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ارباب سیر نے آنحضرت ﷺ کے گھوڑوں اور خچروں، دراز گوشوں، اونٹوں اور بکریوں کی جو لمبی فہرست دی ہے۔ وہ آپ کے ہاں مختلف اوقات میں موجود تھے۔ مگر وفات شریف سے پہلے ہی آپ نے ان کو حسب عادت شریف ہبہ یا خیرات کر دیا تھا۔ وفات شریف کے وقت صرف ایک سفید خچر یعنی دلدل باقی تھا جیسا کہ روایات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔

آنحضرت ﷺ کے حلیہ شریف کے بیان میں عرض مدعا سے پیشتر قارئین کرام کی حلیہ شریف: آگاہی کے لیے امور ذیل کا بتا دینا ضروری ہے۔

۱- ہمارا عقیدہ ہے کہ کمال خلق کی طرح کمال خلقت میں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو حضور کا مثل پیدا نہیں کیا اور نہ کرے گا۔

لَمْ يَخْلُقِ الرَّحْمَنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ اَبَدًا وَ عِلْمِيْ اِنَّهُ لَا يَخْلُقُ

”نہیں پیدا کیا اللہ نے مثل محمد کا کبھی اور مجھے یقین ہے کہ وہ نہ پیدا کرے گا۔“

۲- جن بزرگوں نے حضور ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کیا ہے۔ انہوں نے اگرچہ حضور کے اوصاف کے بیان میں حسب طاقت بشری ابلغ انواع و اکمل قوانین فصاحت سے کام لیا ہے۔ مگر غایت جسے وہ پہنچے ہیں یہی ہے کہ انہوں نے حضور کی صفات کی ایک جھلک کا ادراک کیا ہے۔ اور حقیقت وصف کے ادراک سے عاجز رہ گئے خلاصہ یہ ہے کہ وہ صورت وصف کو پیش کر سکتے ہیں نہ حقیقت وصف کو۔

کیوں کہ حقیقت وصف حضور کو خالق بے چوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ امام بوصری قصیدہ ہمزیہ میں فرماتے ہیں۔ (۴)

اِنَّمَا مَثَلُوا صِفَاتِكَ لِلنَّاسِ كَمَا مَثَلَتِ النُّجُومُ الْمَاءَ

”انہوں نے صرف صورت دکھائی ہے تیری صفات کی لوگوں کو جیسا پانی صورت دکھا دیتا ہے ستاروں کی۔“

امام قرظبی (متوفی ۱۰۱۱ھ) نے کتاب الصلوٰۃ میں کسی عارف کا کیا اچھا قول (۵) نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کامل حسن ہمارے لیے ظاہر نہیں ہوا۔ کیوں کہ اگر ظاہر ہو جاتا تو ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی تاب نہ لاسکتیں۔

۳۔ حضور کے اوصاف کے بیان میں جو تشبیہات وارد ہوئی ہیں۔ وہ صرف لوگوں کے سمجھانے کے لیے حسب عرف و عادات شعراء استعمال ہوئی ہیں۔ کیوں کہ حقیقت میں مخلوقات میں سے کوئی شے آپ کی صفات خلقیہ و خلقیہ کے مماثل و معادل نہیں۔

۴۔ اعضاء شریف میں توسط و اعتدال جو حسن و جمال کا مدار اور فضل و کمال کا مبنی ہے۔ بطور کلیہ ہر جگہ ملحوظ ہے۔ اللہم صل وسلم و بارک علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و اصحاب سیدنا محمد بقدر حسنہ و جمالہ و کمالہ کلما ذکرک و ذکرہ الذاکرون و غفل عن ذکرک و ذکرہ الغافلون۔

حضور اقدس ﷺ کا روئے مبارک جو جمال الہی کا آئینہ اور انوار تجلی کا مظہر تھا۔ پر روئے مبارک گوشت اور کسی قدر گول تھا۔ اسی روئے مبارک کو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ دیکھتے ہی پکاراٹھے تھے۔

”ان کا چہرہ دروغ گوہ کا چہرہ نہیں۔“

وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ الْكَذَّابِ۔

اور ایمان لائے تھے۔ (۶)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بڑھ کر خوب رو اور خوش خو تھے (۷) حضرت ہند (۸) بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ آپ کا چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا تھا۔ (۹) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا۔ آپ سرخ دھاری دار (۱۰) حلہ پہنے ہوئے تھے میں کبھی چاند کی طرف دیکھتا اور کبھی آپ کی طرف بے شک میرے نزدیک آپ چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔ (۱۱)

ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے کہ میں سحر کے وقت سی رہی تھی۔ مجھ سے سوئی گر پڑی میں نے ہر چند تلاش کی۔ مگر نہ ملی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ کے روئے مبارک کے نور کی شعاع میں وہ سوئی نظر آئی۔ میں نے یہ ماجرا آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: ”اے حمیرا (۱۲) سختی و عذاب ہے (تین دفعہ فرمایا) اس شخص کے لیے جو

میرے چہرے کی طرف دیکھنے سے محروم کیا گیا۔“

حافظ ابو نعیم (متوفی ۴۳۰ھ) نے بروایت عبادہ بن عبد الصمد نقل کیا ہے کہ اس نے کہا۔ کہ ہم حضرت انس بن مالک کے ہاں آئے۔ آپ نے کثیر سے کہا۔ کہ دسترخوان لا۔ تاکہ ہم چاشت کا کھانا کھائیں۔ وہ لے آئی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ رومال لا۔ وہ ایک میلا رومال لائی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تنور گرم کر۔ اس نے تنور گرم کیا۔ پھر آپ کے حکم سے رومال اس میں ڈال دیا گیا۔ وہ ایسا سفید نکلا گویا کہ دودھ ہے۔ ہم نے حضرت انس سے پوچھا۔ کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: کہ یہ وہ رومال ہے جس سے رسول اللہ ﷺ اپنے روئے مبارک کو مسح فرمایا کرتے تھے جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو اسے ہم یوں صاف کر لیتے ہیں۔ کیوں کہ آگ اس شے پر اثر نہیں کرتی جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے روئے مبارک پر سے گزری (۱۳) ہو کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

ہر چہ اسباب جمال است رخ خوب ترا ہمہ بروجہ کمال است کمالا سخے

آپ کی مبارک آنکھیں (۱۴) بڑی اور قدرت الہی سے سرگیں اور پلکیں دراز تھیں۔ چشم مبارک: آنکھوں کی سفیدی میں باریک سرخ ڈورے تھے۔ کتب سابقہ میں یہ بھی آپ کی علامت نبوت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ نے ۲۵ سال کی عمر شریف میں خدیجہ الکبریٰ کی طرف سے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے لیے ملک شام کا سفر کیا۔ اور بصر میں نسطور راہب کے عبادت خانہ کے قریب ایک درخت کے نیچے اترے تو راہب مذکور نے میسرہ سے حضور کی نسبت یہ سوال کیا: ”کیا (۱۵) ان کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے؟“ میسرہ نے جواب دیا۔ ہاں اور وہ سرخی آپ سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے بصر شریف کا وصف قرآن مجید میں یوں مذکور فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ (۱۶)۔ (سورہ نجم) یعنی شب معراج میں آپ کی آنکھ مبارک نے ان آیات کو دیکھنے سے عدول و تجاوز نہ کیا۔ کہ جن کے دیکھنے کے لیے آپ مامور تھے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ آپ کو ایسی غایت درجہ کی قوت بصارت عطا ہوئی تھی۔ کہ آپ جس شے کو دیکھتے خواہ وہ غایت درجہ خفا میں ہو اسے یوں ادراک فرماتے تھے کہ جس طرح وہ واقع اور نفس الامر میں ہوا کرتی (۱۷)۔

امام بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) نے بروایت (۱۸) ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اندھیری رات میں روشن دن کی طرح دیکھتے تھے۔ حدیث صحیح (۱۹) میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ مجھ سے تمہارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں۔ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے دیکھتا ہوں۔ امام مجاہد (متوفی ۱۰۴ھ) نے الذی (۲۰) یراک حین تقوم و تقلبک فی السجدين (شعراء ع ۱۱) کی تفسیر

میں فرمایا ہے کہ (۲۱) رسول اللہ ﷺ نماز میں پچھلی صفوں کو یوں دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے سامنے والوں کو۔ احادیث مبارک بالا میں روایت سے مراد روایت عینی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو بطور خرق عادت عطا فرمائی تھی۔ جس طرح باری تعالیٰ نے آپ کے قلب شریف کو معقولات کے ادراک میں احاطہ اور وسعت بخشی تھی۔ اسی طرح آپ کے حواس لطیف کو محسوسات کے احساس میں توسیع عنایت فرمائی تھی۔ آپ کا فرشتوں اور شیاطین کو دیکھنا اور شب معراج کی صبح کو مکہ مشرفہ میں قریش کے آگے بیت المقدس کو دیکھ کر اس کا حال بیان فرمانا اور مسجد نبوی کے بننے کے وقت آپ کا مدینہ منورہ سے کعبہ مشرفہ کو دیکھنا زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھ لینا اور حضرت جعفر طیار کو شہادت کے بعد بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھنا۔ یہ تمام امور آپ کی قوت بینائی پر دلالت کرتے ہیں۔

غزوہ احزاب میں خندق کھودتے وقت ایک سخت پتھر حائل ہو گیا تھا جسے حضور نے کدال کی تین ضربوں سے اڑا دیا۔ پہلی ضرب پر فرمایا۔ کہ میں یہاں سے شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔ دوسری ضرب پر فرمایا کہ میں یہاں سے کسریٰ کا سفید محل دیکھ رہا ہوں تیسری ضرب پر فرمایا کہ اس وقت میں یہاں سے ابواب صنعاء کو دیکھ رہا ہوں (۲۲) اسی طرح جب غزوہ موتہ میں حضرات زید بن حارثہ و جعفر بن ابی طالب و عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے بعد دیگرے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ میں ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بیان فرما رہے تھے۔

آپ کی بھویں دراز و باریک تھیں۔ اور درمیان میں دونوں اس قدر متصل ابروئے مبارک: تھیں۔ کہ دور سے ملی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت حرکت میں آجاتی اور خون سے بھر جاتی۔

آپ کی کی ناک مبارک خوبصورت اور دراز تھی اور درمیان میں ابھراؤ اور بنی (۲۳) بنی مبارک: (عرنین) پر ایک نور درخشان تھا جو شخص بغور تامل نہ کرنا اسے معلوم ہوتا کہ بلند ہے۔ حالانکہ بلند نہ تھی۔ بلند تو وہ نور تھا جو اسے گھیرے ہوئے تھا۔

آپ کی پیشانی مبارک کشادہ تھی۔ اور چراغ کی مانند چمکتی تھی۔ چنانچہ حضرت پیشانی مبارک: حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَنْ يَنْدُ فِي اللَّيْلِ الْبَهِيمِ جَبِينُهُ
بَلَجَ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدَّجَى الْمُتَوَقِّدِ

”جب اندھیری رات میں آپ کی پیشانی ظاہر ہوتی تو تاریکی کے روشن چراغ کی مانند چمکتی۔“

آپ کے ہر دو گوش مبارک کامل و تام تھے۔ قوت بصر کی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوش مبارک: قوت سمع بھی بطریق خرق عادت غایت درجہ کی عطا کی تھی۔ اسی واسطے آپ صحابہ

کرام سے فرماتے کہ میں جو دیکھتا ہوں (۲۳) تم نہیں دیکھ سکتے۔ اور میں جو سنتا ہوں تم نہیں سن سکتے میں تو آسمان کی آواز بھی سن لیتا ہوں۔

آواز آسمان کی طرح آنحضرت ﷺ آسمان کے دروازے کے کھلنے کی آواز بھی سن لیتے تھے۔ چنانچہ ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ کہ ناگاہ حضور نے اپنے اوپر کی طرف سے ایک آواز سنی۔ آپ نے سر مبارک اٹھایا۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے۔ جو آج ہی کھلا ہے۔ آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔ الحدیث (۲۵)

منہ مبارک فراخ، رخسار مبارک، ہموار، دندان ہائے پیشین کشادہ اور روشن و تاباں دہان مبارک: جب آپ کلام فرماتے۔ تو دندان ہائے پیشین میں سے نور نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ بزار (متوفی ۲۹۲ھ) و بیہقی نے بروایت ابو ہریرہ نقل کیا ہے کہ جب آپ صبح (۲۶) فرماتے تو دیواریں روشن ہو جاتیں۔ آپ کو کبھی (۲۷) جمائی نہیں آئی۔

حضرت عمیرہ بنت مسعود انصاریہ روایت کرتی ہیں۔ کہ میں اور میری پانچ بہنیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ قدید (خشک کیا ہوا گوشت) کھا رہے تھے۔ آپ نے چبا کر ایک ٹکڑا ان کو دیا۔ انہوں نے بانٹ کر کھا لیا۔ مرتے دم تک ان میں سے کسی کے منہ میں بوئے ناخوش پیدا نہ ہوئی اور نہ کوئی منہ کی بیماری (۲۸) ہوئی۔

غزوہ خیبر (۲۹) کے روز حضرت سلمہ بن الاکوع کی پندلی میں ایسی ضرب شدید لگی۔ کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ شہید ہو گئے حضور نے تین بار اس پر دم کر دیا۔ (۳۰) پھر پندلی میں کبھی درد نہ ہوا۔ ایک روز ایک بد زبان عورت آپ کی خدمت میں آئی۔ آپ قدید تناول فرما رہے تھے۔ اس نے سوال کیا کہ مجھے بھی دیجئے۔ آپ نے جو قدید سامنے پڑا ہوا تھا اس میں سے دیا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ اپنے منہ میں سے دیجئے۔ آپ نے منہ سے نکال کر اسے دیا۔ وہ کھا گئی اس روز سے کھس اور کلام قبیح اس سے سننے میں نہ آیا۔ (۳۱)

مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ بے شمار پیش گوئیاں اور دعوات جو پوری اور قبول ہوئی۔ وہ اسی منہ مبارک سے نکلی ہوئی تھیں۔

یوم حدیبیہ میں چاہ حدیبیہ کا تمام پانی لشکر اسلام نے (جو بقول حضرت براء بن عازب چودہ سو تھے) نکال لیا۔ اس میں ایک قطرہ بھی نہ رہا۔ آنحضرت ﷺ نے پانی کا ایک برتن طلب فرمایا۔ اور وضو کر کے پانی کی ایک کلی کوئیں میں ڈال دی۔ اور فرمایا کہ ذرا ٹھہرو۔ اس کوئیں میں اس قدر پانی جمع ہو گیا کہ حدیبیہ میں قریباً بیس روز قیام رہا۔ تمام فوج اور صحابہ کے اونٹ اسی سے سیراب ہوتے رہے۔ (۳۲)

حضور کے منہ مبارک کا لعاب زخمی اور بیماروں کے لیے شفاء تھا چنانچہ فتح لعاب دہن مبارک: خیر کے دن آپ نے اپنا لعاب دہن حضرت علی المرتضیٰ کی آنکھوں میں ڈال دیا۔ تو وہ فوراً تندرست ہو گئے گویا درد چشم کبھی ہوا ہی نہ تھا۔

غار ثور میں حضرت صدیق اکبر کے پاؤں کو کسی چیز نے کاٹ کھایا۔ حضور نے اپنا لعاب دہن زخم پر لگایا اسی وقت درد جاتا رہا۔

حضرت رفاعہ بن رافع کا بیان ہے کہ بدر کے دن میری آنکھوں میں تیر لگا اور پھوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور دعا فرمائی۔ پس مجھے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی اور آنکھ بالکل درست ہو گئی۔ (۳۳)

حضرت محمد بن حاطب کے ہاتھ پر ہنڈیا گر پڑی اور وہ جل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اس پر ڈالا اور دعا کی۔ وہ ہاتھ پنگا ہو گیا۔

حضرت عمرو بن معاذ بن جموح انصاری کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا۔ وہ اچھا ہو گیا (۳۴) حضرت ابو قتادہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ غزوہ ذی قرد (محرم ۷ھ) میں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے چہرے میں یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک تیر لگا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ نزدیک آؤ میں نزدیک ہوا تو آپ نے اس پر لعاب دہن لگا دیا۔ اس روز سے مجھے کبھی تیر و تلواریں نہیں لگی۔ اور نہ خون نکلا۔ (۳۵)

ایک دفعہ حضور کے پاس پانی کا ڈول لایا گیا۔ آپ نے اس میں سے پیا۔ پس خوردہ کوئیں میں ڈال دیا گیا۔ پس اس میں سے کستوری کی سی خوشبو نکلی۔ آپ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک کنواں تھا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن اس میں ڈال دیا۔ اس کا پانی ایسا شیریں ہو گیا کہ تمام مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر میٹھا کوئی کنواں نہ تھا۔

عاشورہ کے روز حضور بچوں کو بلا کر ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیتے اور ان کی ماؤں سے فرمادیتے کہ شام تک ان کو دودھ نہ دینا۔ پس وہی لعاب دہن ان کو کافی ہوتا۔ (۳۶)

حضرت عامر بن کریم قریشی عجمی اپنے صاحب زادے عبداللہ کو بچپن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے حضور عبداللہ کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالنے لگے اور وہ اسے نکلنے لگے۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ یہ مستی (سیراب) ہے حضرت عبداللہ جب کسی زمین (یا پتھر) میں شگاف کرتے تو پانی نکل آیا کرتا۔ (۳۷)

عقبہ بن فرقد جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں موصل کو فتح کیا ان کی بیوی ام عاصم

بیان کرتی ہے۔ کہ عتبہ کے ہاں ہم چار عورتیں تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک خوشبو لگانے میں کوشش کرتی تھی تاکہ دوسری سے اطمینان ہو۔ اور عتبہ کوئی خوشبو نہ لگاتا تھا۔ مگر اپنے ہاتھ سے تیل مل کر ڈاڑھی کو مل لیتا تھا۔ اور ہم سب سے زیادہ خوشبودار تھا۔ جب وہ باہر نکلتا تو لوگ کہتے کہ ہم نے عتبہ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو نہیں سونگھی ایک دن میں نے اس سے پوچھا۔ کہ ہم استعمال خوشبو میں کوشش کرتی ہیں۔ اور تو ہم سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں میرے بدن پر آبلہ ریزے نمودار ہوئے میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ سے اس بیماری کی شکایت کی آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ کپڑے اتار دو۔ میں نے کپڑے اتار دیئے۔ اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اپنا لعاب مبارک اپنے دست مبارک پر ڈال کر میری پیٹھ اور پیٹ پر مل دیا۔ اس دن سے مجھ میں یہ خوشبو پیدا ہو گئی۔ اس حدیث کو طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ) نے اوسط میں روایت کیا ہے۔

آپ فصیح الخلق تھے۔ اور فصاحت میں خارق عادت حد کو پہنچے ہوئے تھے آپ کے زبان مبارک: جوامع کلم، بدائع حکم، امثال سائرہ، درمنثورہ، قضایائے محکمہ، وصایائے مبرمہ اور مواعظ و مکاتیب و مناشر مشہور آفاق ہیں۔ ان کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام تمہارے کلام کی مانند نہ تھا کہ بوجہ عجلت سامع پر ملتبس ہو۔ بلکہ آپ کا کلام واضح اور بین ایسا تھا۔ کہ پاس بیٹھنے والا اسے یاد کر لیتا (۳۸) حضرت ام معبد نے جو آپ کا حلیہ شریف بیان کیا ہے۔ اس میں یوں ہے (آپ کا کلام (۳۹) شیریں۔ حق و باطل میں فرق کرنے والا، نہ حد سے کم نہ حد سے زیادہ۔ گویا آپ کا کلام لڑی کے موتی ہیں جو گر رہے ہیں۔“

حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت ﷺ کی حیات شریف میں صحابہ کرام میں سے کوئی اصم یعنی بہرا نہ تھا۔ اور یہ آپ کی کرامات میں سے ہے کیوں کہ آپ ان کے لیے احکام الہی کے مبلغ تھے۔ اور بہرا اپن اس کام کے سہولت کے ساتھ ہونے سے مانع ہوتا ہے۔ برعکس نابینائی کے کہ وہ مانع نہیں ہوتی۔ (۴۰)

تمام انبیائے کرام خوب رو اور خوش آواز تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ ان سب سے زیادہ آواز مبارک: خوب رو (۴۱) اور خوش آواز تھے۔ آپ کی آواز میں ذرا گرانی پائی جاتی تھی۔ جو اوصاف حمیدہ میں شمار ہوتی ہے۔ خوش آواز ہونے کے علاوہ آپ بلند آواز اتنے تھے کہ جہاں تک آپ کی آواز شریف پہنچتی اور کسی کی آواز نہ پہنچتی تھی۔ بالخصوص خطبوں میں آپ کی آواز شریف گھروں میں پردہ نشین عورتوں تک پہنچ جاتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا۔ کہ خطبہ سننے کے لیے بیٹھ جاؤ۔ اس آواز کو

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جو شہر مدینہ میں قبیلہ بنی غنم میں تھے سن لیا۔ اور ارشاد نبوی کی تعمیل میں وہیں اپنے مکان میں دو زانو ہو بیٹھے (۴۲) حضرت عبدالرحمن بن معاذ فرماتے ہیں کہ حضور نے منیٰ میں خطبہ پڑھا۔ جس سے ہمارے کان کھل گئے یہاں تک کہ ہم اپنی اپنی جگہ پر آپ کا کلام مبارک سنتے تھے۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں۔ کہ ہم آدھی رات کے وقت حضور کی قرأت سنا کرتے تھے۔ حالانکہ میں مکان کے اندر چار پائی پر ہوا کرتی تھی۔

حضور اقدس ﷺ عموماً تبسم فرمایا کرتے تھے۔ تبسم مبادی ضحک سے ہے اور خندہ و گریہ مبارک: ضحک کے معنی چہرہ کا انبساط ہے۔ یہاں تک کہ خوشی سے دانت ظاہر ہو جائیں۔ اگر آواز کے ساتھ ہو۔ اور دور سے سنا جائے۔ اسے قہقہہ کہتے ہیں۔ اگر آواز تو ہو۔ اور دور سے نہ سنا جائے تو ضحک کہتے ہیں۔ اگر بالکل آواز نہ پائی جائے تو اسے تبسم بولتے ہیں پس یوں سمجھیے کہ حضور اکثر اوقات تبسم کی حد سے تجاوز نہ فرماتے۔ شاذ و نادر ضحک کی حد تک پہنچتے۔ کیوں کہ ضحک دل کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اور قہقہہ کبھی نہ مارتے کیوں کہ یہ مکروہ ہے۔

آپ کا گریہ شریف ضحک کی جنس سے تھا۔ کہ آواز بلند نہ ہوتی تھی۔ مگر آنسو مبارک آنکھوں سے گر پڑتے تھے۔ آپ کے سینہ شریف سے دیگ مسی کے جوش کی سی آواز سنی جاتی تھی۔ آپ کا گریہ مبارک صفت جلال الہی کی تجلی اور امت پر شفقت اور میت پر رحمت کے باعث ہوا کرتا اور اکثر قرآن شریف کے سننے سے اور کبھی کبھی نماز شب میں بھی ہوا کرتا۔ آپ نے انگریزی کبھی نہیں لی۔

سر مبارک بڑا تھا۔ یہ وہی سر مبارک ہے کہ جس پر قبل بعثت بطریق اربا ص و کرامت سر مبارک: گرما میں بادل سایہ کیے رہتا تھا۔ چنانچہ جب آپ مائی حلیمہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے تو وہ آپ کو کسی دور جگہ نہ جانے دیتی تھیں۔ ایک روز وہ غافل ہو گئیں۔ اور حضور اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ دوپہر کے وقت مویشیوں میں تشریف لے گئے۔ مائی حلیمہ تلاش میں نکلیں۔ آپ کو شیماء کے ساتھ پایا۔ کہنے لگیں۔ ایسی تپش میں؟ شیماء بولی ”اماں جان! میرے بھائی نے تپش محسوس نہیں کی۔ میں نے دیکھا۔ کہ بادل آپ پر سایہ کرتا تھا۔ جب آپ ٹھہر جاتے تو بادل بھی ٹھہر جاتا۔ اور جب آپ چلتے تو وہ بھی چلتا۔ یہی حال رہا یہاں تک کہ ہم اس جگہ آ پہنچے ہیں“ مائی حلیمہ نے پوچھا بیٹی! کیا یہ سچ ہے شیماء نے جواب دیا ”ہاں خدا کی قسم (۴۳)“ اس طرح جب آپ بارہ برس کی عمر شریف میں اپنے چچا ابوطالب اور دیگر شیوخ قریش کے ساتھ ملک شام میں تشریف لے گئے تو بحیرا راہب کے عبادت خانے کے قریب اترے۔ اس راہب نے آپ کو پہچان لیا۔ اور کھانا تیار کر کے لایا۔ اور آپ کو بلوایا۔ پس آپ تشریف لائے۔ اور آپ پر بادل سایہ پے۔ لے تھا۔ (۴۴)

گردن مبارک: گردن مبارک کیا تھی گویا بت عاج کی گردن تھی۔ چاندی کی مانند صدف۔

دست مبارک: کف دست اور بازو مبارک پر گوشت تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے کسی ریشم یا دیبا کو آپ کے کف مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ اور نہ کسی خوشبو کو آپ کی خوشبو سے بڑھ کر پایا۔ (۴۵)

جس شخص سے آپ مصافحہ کرتے اور دن بھر اپنے ہاتھ میں خوشبو پاتا۔ اور جس بچہ کے سر پر آپ اپنا دست مبارک رکھ دیتے اور خوشبو میں دوسرے بچوں سے ممتاز ہوتا۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی۔ پھر آپ اپنے اہل خانہ کی طرف نکلے میں بھی آپ کے ساتھ نکلا۔ بچے آپ کے سامنے آئے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخسار کو اپنے ہاتھ مبارک سے مسح فرمانے لگے۔ میرے رخسار کو بھی آپ نے مسح فرمایا۔ پس میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک یا خوشبو ایسی پائی۔ کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ عطار کے صندوقچے سے نکالا تھا۔ (۴۶)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب میں رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کرتا تھا۔ یا میرا بدن آپ کے بدن سے مس کرتا تو میں اس کا اثر بعد ازاں اپنے ہاتھ میں پاتا۔ اور میرا ہاتھ کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا۔ حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک میری طرف بڑھایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برف سے ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔ (۴۷)

حضور کا ہاتھ وہ مبارک ہاتھ تھا۔ کہ ایک مشت خاک کفار پر پھینک دی (۴۸) اور ان کو شکست ہوئی۔ یہ وہی دست کرم تھا کہ کبھی کوئی سائل آپ کے دروازے سے محروم نہیں پھرا۔ یہ وہی دست شفا تھا۔ کہ جس کے محض چھونے سے وہ بیماریاں جاتی رہیں کہ جن کے علاج سے اطباء عاجز ہیں۔ اسی مبارک ہاتھ میں سنگ ریزوں (۴۹) نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اسی مبارک ہاتھ کے اشارے سے فتح مکہ کے روز تین سو ساٹھ بت (۵۰) یکے بعد دیگرے منہ کے بل گر پڑے۔ اسی مبارک ہاتھ کی ایک انگلی کے اشارے سے چاند (۵۱) دو پارہ ہو گیا اسی مبارک ہاتھ کی انگلیوں سے (۵۲) متعدد دفعہ چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا۔

آنحضرت ﷺ کے دست مبارک کی مزید برکات کی تشریح کے لیے ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

۱- حضرت ابیض بن جمال کے چہرے پر داد تھا۔ جس سے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا ایک روز آنحضرت ﷺ نے ان کو بلایا۔ اور ان کے چہرے پر اپنا دست شفا پھیرا شام نہ ہونے پائی۔ کہ

داد کا کوئی نشان نہ رہا۔

۲- حضرت شرجیل جعفی کی ہتھیلی میں ایک گلٹی سی تھی جس کے سبب سے وہ تلوار کا قبضہ اور گھوڑے کی باگ نہیں پکڑ سکتے تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے شکایت کی۔ آپ نے اپنی ہتھیلی سے اس گلٹی کو رگڑا۔ پس اس کا نشان تک نہ رہا۔

۳- ایک عورت اپنے لڑکے کو خدمت اقدس میں لائی اور عرض کیا۔ کہ اس کو جنون ہے حضور نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ لڑکے کو قے ہوئی۔ اور اس میں سے ایک کالے کتے کا پلا نکلا اور فوراً آرام ہو گیا۔

۴- جنگ احد میں حضرت قتادہ کی آنکھ کو صدمہ پہنچا اور ڈیلار خسار پر آڑا تجویز ہوئی کہ کاٹ دیا جائے۔ حضور سے دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو اور انہیں بلا کر اپنے دست مبارک سے ڈیلے کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ آنکھ فوراً ایسی درست ہو گئی۔ کہ کوئی یہ نہ بتا سکتا تھا کہ دونوں میں سے کس آنکھ کو صدمہ پہنچا تھا۔

۵- حضرت عبداللہ بن عیک جب ابورافع یہودی کو قتل کر کے اس کے گھر سے نکلے تو زینے سے گر کر ان کی ساق ٹوٹ گئی۔ انہوں نے اپنے عمامہ سے باندھ لی جب آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ کہ پاؤں پھیلاؤ حضرت عبداللہ نے پاؤں پھیلا یا۔ حضور نے اس پر اپنا دست شفا پھیرا۔ اسی وقت ایسی شدرست ہو گئی۔ کہ گویا کبھی وہ ٹوٹی ہی نہ تھی۔

۶- حضرت عائذ بن سعید جبری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! آپ میرے چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیجئے اور دعائے برکت فرمائیے۔ حضور انور نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت سے حضرت عائذ کا چہرہ تروتازہ اور نورانی رہا کرتا تھا۔

۷- آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمن و عبداللہ پسران عبد کے لیے دعائے برکت فرمائی۔ اور دونوں کے سروں پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ وہ دونوں جب سر منڈایا کرتے۔ تو جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے مبارک ہاتھ رکھا تھا اس پر باقی حصے سے پہلے بال اگ آتے۔

۸- جب حضرت عبدالرحمن بن زید بن خطاب قرشی عدوی پیدا ہوئے تو نہایت ہی کوتاہ قد تھے۔ ان کے نانا حضرت ابولبابہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں لے گئے حضور نے تحسین کے بعد ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت فرمائی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عبدالرحمن جب کسی قسم میں ہوتے تو قد میں سب سے بلند نظر آتے۔

۹- رسول اللہ ﷺ نے حضرت قتادہ بن ملحان قیسی کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ جب وہ عمر

- رسیدہ ہو گئے تو ان کے تمام اعضاء پر کہنگی کے آثار نمایاں تھے۔ مگر چہرہ بدستور تر و تازہ تھا۔
- ۱۰۔ آنحضرت ﷺ نے قیس بن زید بن حباب جزامی کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت فرمائی حضرت قیس نے سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے سر کے بال سفید ہو گئے تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک کی جگہ کے بال سیاہ ہی رہے۔
- ۱۱۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی تو راستے میں ایک غلام چرواہے سے آپ نے دودھ طلب کیا۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میرے پاس کوئی دودھ دینے والی بکری نہیں۔ آپ نے ایک بکری پکڑ لی اور اس کے تھن پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اس کا دودھ دوہا۔ اور دونوں نے پیانا غلام نے حضور سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں۔ یہ سن کر وہ ایمان لایا۔ اسی طرح حضور ﷺ نے معبد کی بکری کے تھن پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور اس نے دودھ دیا۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔
- ۱۲۔ حضرت مالک بن عمیر سلمی شاعر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ میں شاعر ہوں۔ آپ شعر کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے سر سینہ سے کندھے تک پیپ سے بھر جائے۔ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھرا ہوا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری خطا بطریق مسح دور کر دیجئے۔ یہ سن کر حضور نے میرے سر اور چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ پھر میرے جگر پر پھر پیٹ پر پھیرا۔ یہاں تک کہ میں حضور کے دست مبارک کے مبلغ سے شرمندہ ہوتا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت مالک بن عمیر بوڑھے ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کی سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے مگر سر اور ڈاڑھی میں حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک کی جگہ کے بال سفید نہ ہوئے۔
- ۱۳۔ حضرت مدلوک فزاری کا بیان ہے۔ کہ میرا آقا مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ میں اسلام لایا۔ تو حضور نے مجھے دعائے برکت دی۔ اور میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ میرے سر کا وہ حصہ جسے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے مس کیا تھا۔ سیاہ ہی رہا۔ باقی تمام تر سفید ہو گیا۔
- ۱۴۔ حضرت معاویہ بن ثور بن عبادہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے صاحب زادے بشر بن معاویہ ساتھ تھے حضرت معاویہ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! بشر کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیر دیجئے۔ چنانچہ حضور انور نے بشر کے چہرے کو مسح کیا حضور کے مسح کا نشان حضرت بشر کی پیشانی میں غرہ کی مانند تھا۔ اور وہ جس بیمار پر اپنا ہاتھ پھیر دیتے اچھا ہو جاتا۔ حضرت بشر کے صاحب زادے محمد بن بشر اس بات پر فخر کیا کرتے تھے۔ کہ میرے باپ کے سر پر

رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا تھا۔ چنانچہ یوں کہا کرتے تھے۔

وَأَبِي الَّذِي مَسَحَ النَّبِيُّ بِرَأْسِهِ وَ دَعَا لَهُ بِالْخَيْرِ وَالْبَرَكَاتِ

میرا باپ وہ ہے کہ پیغمبر خدا نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور ان کے لیے دعائے خیر و برکت فرمائی۔

۱۵- حضرت یزید بن قنافہ طائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اقرع (گنچے) تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اسی وقت بال آگ آئے۔ اسی واسطے ان کا لقب ہلب (بسیار مو) ہو گیا ابن درید کا قول ہے کہ وہ اقرع تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی برکت سے اقرع (مرد تمام مو) ہو گئے۔

۱۶- یسار بن ازہر جہنی ذکر کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور مجھے دو چادریں پہنا دیں۔ اور ایک تلوار عطا فرمائی حضرت یسار کی صاحب زادی عمرہ کا بیان ہے کہ میرے باپ کے سر میں سفید بال نہ آئے یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی۔

۱۷- حضرت ابو زید بن اخطب انصاری خزرجی کے سر اور چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ سو سال سے زائد ان کی عمر ہو گئی مگر سر اور ڈاڑھی میں کوئی سفید بال نہ تھا۔

۱۸- حضرت ابوسنان عبدی صباحی کے چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا۔ ان کی عمر نوے برس ہو گئی۔ مگر چہرہ بچلی کی طرح چمکتا تھا۔

۱۹- حضرت ابو غزوہ ان حالت کفر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ابو غزوہ ان آپ نے ان کے لیے سات بکریوں کا دودھ دوہا۔ اور وہ سب پی گئے۔ آپ نے ان کو دعوت اسلام دی۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ پھر آپ نے ان کے سینے پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیا۔ دوسرے روز صبح کے وقت ایک بکری دوہی گئی۔ وہ اس کا بھی تمام دودھ نہ پی سکے۔

۲۰- حضرت سہل بن رافع دو صاع کھجوریں بطور زکوٰۃ اور اپنی لڑکی عمیرہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ آپ میرے حق میں اور میری لڑکی کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ اور اس لڑکی کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیں۔ عمیرہ کا قول ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک مجھ پر رکھا۔ میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھ کی ٹھنڈک بعد میں میرے کلیجے پر رہی۔

۲۱- حضرت سائب بن یزید کا آزاد کردہ غلام عطاء بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت سائب کو دیکھا کہ

ان کی ڈاڑھی کے بال سفید تھے۔ مگر سر کے بال سیاہ تھے۔ میں نے پوچھا آقا! آپ کے سر کے بال سفید کیوں نہیں ہوتے؟ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ایک روز میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضور ﷺ نے لڑکوں کو سلام کیا۔ ان میں سے میں نے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے مجھے بلایا اور اپنا مبارک ہاتھ میرے سر پر رکھ کر فرمایا ”اللہ تجھ میں برکت دے“ پس حضور کے دست مبارک کی جگہ پر سفید بال کبھی نہ آئیں گے۔

۲۲- حضرت عبد اللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما تھے۔ آپ نے فرمایا: لڑکے! کیا تیرے پاس دودھ ہے؟ میں نے کہا۔ کہ ہاں۔ لیکن میں امین ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے پس کوئی ایسی بکری ہے۔ جس پر نہ کو دھوا؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ پس میں نے ایک بکری پیش کی جس کا تھن نہ تھا۔ آپ نے تھن کی جگہ پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ ناگاہ ایک دودھ بھرا تھن نمودار ہوا۔ آپ نے دودھ دوہا اور حضرت ابو بکر اور مجھ کو پلایا۔ پھر تھن سے ارشاد فرمایا کہ سکڑ جا۔ پس وہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ پہلے تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے تعلیم دیجئے۔ آپ نے میرے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت دے کر فرمایا کہ تو تعلیم یافتہ لڑکا ہے۔ پس میں اسلام لایا۔

۲۳- حضرت محمد بن انس بن فضالہ انصاری اسی ذکر کرتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں تشریف لائے۔ تو میں دو ہفتے کا تھا۔ مجھے حضور کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے میرے سر پر دست مبارک پھیرا۔ اور دعائے برکت فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ اس کا نام میرے نام پر رکھ مگر میری کنیت نہ رکھوان کے صاحب زادے یونس کا قول ہے کہ میرے والد بوڑھے ہو گئے۔ اور ان کے تمام بال سفید ہو گئے مگر سر کے بال جن پر دست مبارک پھرا تھا سفید نہ ہوئے۔

۲۴- حضرت عبادہ بن سعد بن عثمان زرقی کے سر پر آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی۔ انہوں نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی اور کوئی بال سفید نہ ہوا۔

۲۵- حضرت بشر (یا بشیر) بن عقر بہ جہنی کا بیان ہے کہ میرے والد مجھ کو رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں لے گئے۔ حضور نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ میرا بیٹا بحیر ہے۔ حضور نے مجھ سے فرمایا کہ نزدیک آؤ۔ میں آپ کے دائیں ہاتھ بیٹھ گیا۔ آپ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور مجھ سے پوچھا۔ کہ تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا نام بحیر ہے۔ حضور نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارا نام بشیر ہے میری زبان میں لکنت تھی۔ آپ نے میرے منہ میں اپنا

لعاب دہن ڈال دیا۔ لکنت جاتی رہی۔ میرے سر کے تمام بال سفید ہو گئے مگر جن بالوں پر حضور کا دست مبارک پھرا تھا وہ سیاہ ہی رہے۔

۲۶۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت خزیمہ بن عاصم عکلی کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ ان کے چہرے پر پیری کے آثار نمودار نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وفات پائی۔

۲۷۔ حضرت فراش بن عمرو کنانی لیشی اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور درد سر کی شکایت کی۔ حضور نے فراش کو اپنے سامنے بٹھایا۔ اور ان کی آنکھوں کے درمیانی چمڑے کو پکڑ کر کھینچا۔ آپ کی مبارک انگلیوں کی جگہ بال اگ آئے اور درد جاتا رہا۔ انہوں نے حرواء کے دن خوارج کے ساتھ ٹکنا چاہا۔ ان کے والد نے ان کو ٹھٹھی میں بند کر دیا۔ وہ بال گر گئے۔ جب توبہ کی تو پھر اگ آئے۔

۲۸۔ حضرت عمرو بن تغلب کے چہرے اور سر پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا۔ انہوں نے سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ مگر چہرے اور سر کے وہ بال جن کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک نے چھوا تھا سفید نہ ہوئے۔

۲۹۔ حضرت اسید بن ابی ایاس کنانی دکنی کے سینے پر حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک رکھا۔ اور چہرے پر پھیرا۔ وہ تاریک گھر میں داخل ہوتے تو روشن ہو جاتا۔ (۵۳)

۳۰۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے ہوا۔ تو میری اماں ام سلیم نے خرما اور گھی اور پنیر سے جیس تیار کیا۔ اور اسے ایک تور میں (۵۴) ڈال دیا۔ پھر کہا: انس! اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لے جا وہاں عرض کرنا کہ یہ میری ماں نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ وہ سلام کہتی ہے اور عرض کرتی ہے کہ یا رسول اللہ یہ تھوڑا سا کھانا ہماری طرف سے آپ کے لیے ہے۔ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ماں نے جو کچھ کہا تھا عرض کر دیا حضور نے فرمایا کہ اس کو رکھ دو اور فلاں فلاں فلاں (تین شخصوں) کو بلا لاؤ اور جو اور ملیں ان کو بھی لے آؤ میں نے تمہیں ارشاد کی۔ واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر اہل خانہ سے بھرا ہوا ہے حضور نے اپنا دست مبارک اس جیس پر رکھا اور دعائے برکت فرمائی۔ پھر آپ حاضرین میں سے دس دس کو بلاتے رہے اور فرماتے رہے کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ اور ہر ایک اپنے سامنے سے کھائے۔ اس طرح ایک گروہ ٹکلتا اور دوسرا آ جاتا۔ یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ حضور نے فرمایا: انس! اٹھاؤ میں نے اٹھالیا میں یہ نہیں بتا سکتا کہ جب تو رکھا گیا تو اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب اٹھایا گیا بقول انس حاضرین کی تعداد تین سو تھی۔ (۵۵)

۳۱۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو اس وقت حضرت سلمان فارسی ایک یہودی کے ہاں بطور غلام کام کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے انہوں نے یہودی سے اس امر پر مکاتبت کر لی۔ کہ وہ اس یہودی کو چالیس اوقیہ سونا ادا کریں۔ اور اس کے لیے کھجوروں کے تین سو پودے لگا کر پرورش کریں۔ یہاں تک کہ وہ بار آور ہوں۔ جب حضرت سلمان نے حضور کو یہ خبر دی تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ کہ سلمان کی مدد کرو۔ چنانچہ صحابہ کرام نے پودے دے دیئے۔ اور حضور نے اپنے مبارک ہاتھ سے ان کو لگایا وہ سب لگ گئے۔ اور اسی سال پھل لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ تین سو پودوں میں سے ایک کسی (۵۶) اور نے لگایا۔ وہ پھل نہ لایا تو حضور نے اسے اکھاڑ کر اپنے دست مبارک سے پھر لگا دیا۔ وہ بھی دوسروں کے ساتھ ہی پھل لایا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کسی کان سے مرغی کے انڈے کے برابر سونا آیا تھا۔ وہ آپ نے سلمان کو عطا فرمایا سلمان نے عرض کیا کہ اس کو چالیس اوقیہ کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہی لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اسی کے ساتھ تمہارا قرض ادا کر دے گا۔ چنانچہ وہ لے گئے۔ اور اسی میں سے چالیس اوقیہ تول کر یہودی کو دے دیئے (۵۷) اس طرح حضرت سلمان فارسی آزاد ہو گئے۔

حضور اقدس ﷺ کی بغل شریف سفید تھی۔ اور اسے کسی قسم کی ناخوش بونہ آتی تھی بلکہ کستوری کی مانند خوشبو آیا کرتی تھی۔

آپ کا سینہ مبارک کشادہ تھا۔ آپ کا قلب شریف پہلا قلب سینہ مبارک و قلب شریف: شریف ہے جس میں اسرار الہیہ اور معارف ربانیہ ودیعت رکھے گئے۔ کیوں کہ آپ بوجہ صورت نوری سب سے پہلے پیدا کیے گئے۔ صدر معنوی کی شرح اور قلب اقدس کی وسعت کا بیان طاقت بشری سے خارج ہے۔ چار دفعہ فرشتوں نے آپ کے صدر مبارک کو شق کیا۔ اور قلب شریف کو نکال کر دھویا۔ اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا۔ اسی کی طرف اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے قرآن پاک میں یوں ارشاد فرماتا ہے: **الذی نشرح لک صدک** (کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا) یہی وجہ ہے کہ جو اسرار آپ کے قلب شریف کو عطا ہوئے وہ کسی اور مخلوق کو عطا نہیں ہوئے اور نہ کسی اور مخلوق کا قلب اس کا متحمل ہو سکتا تھا۔ حضور اقدس ﷺ اپنے قلب شریف کی نسبت یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ میری آنکھ سو جاتی ہے۔ مگر میرا دل نہیں سوتا۔ (۵۸)

آپ کے سواء البطن والصدر تھے یعنی آپ کا شکم اور سینہ مبارک ہموار و برابر تھے۔ نہ تو شکم مبارک: شکم سینہ سے اور نہ سینہ شکم سے بلند تھا۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ کے شکم مبارک کو دیکھا۔ گویا کاغذ ہیں ایک دوسرے پر رکھے ہوئے اور تہ کیے ہوئے۔ (۵۹)
 حضور اقدس ﷺ کا بول و براز بلکہ تمام فضلات پاک تھے جیسا کہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ (۶۰)
 آپ کی پشت مبارک ایسی صاف و سفید تھی۔ کہ گویا پگھلائی ہوئی چاندی ہے (۶۱)
پشت مبارک: ہر دو شانہ کے درمیان ایک نورانی گوشت کا ٹکڑا تھا جو بدن شریف کے باقی اجزاء سے
 ابھرا ہوا تھا۔ اسے مہر نبوت یا خاتم نبوت کہتے تھے۔ کتب سابقہ میں آپ کی علامات نبوت میں ایک یہ
 بھی مذکور تھی۔ حلیہ مبارک بیان کرنے والوں نے اس کی ظاہری شکل و صورت کے بیان کرنے میں
 اسے کئی چیزوں (مثلاً بیضہ، کبوتر یا تلمہ چھپر کھٹ یا گرہ گوشت سرخ وغیرہ) سے تشبیہ دی ہے۔ تاکہ لوگ
 سمجھ لیں۔ سچ پوچھو تو یہ ایک عظیم اور نشان عجیب تھا جو آنحضرت ﷺ سے مختص تھا۔ کہ جس کی حقیقت کو
 رب العزت کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

نبوت راتوائی آل نامہ در پشت کہ از تعظیم دارد مہر بر پشت

ہر دو پائے مبارک سطر و پُر گوشت اور خوبصورت ایسے کہ کسی انسان کے نہ تھے
پائے مبارک: اور نرم و صاف ایسے کہ ان پر پانی ذرا بھی نہ ٹھہرتا بلکہ فوراً گر جاتا۔ ایڑیاں کم گوشت ہر
 دو ساق مبارک باریک و سفید و لطیف گویا شم انخل (الف) یعنی کھجور کا گابھا ہیں۔ جب آپ چلتے تو قدم
 مبارک کو قوت و ثبوت اور وقار تو واضح سے اٹھاتے۔ جیسا کہ اہل ہمت و شجاعت کا قاعدہ (ب) ہے۔
 حضرت ابو ہریرہ (ج) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چلنے میں میں نے آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کسی کو نہیں
 دیکھا۔ گویا آپ کے لیے زمین لپٹی جاتی تھی۔ ہم دوڑا کرتے اور تیز چلنے میں مشقت اٹھاتے۔ اور
 آپ باسانی و بے تکلف چلتے۔ مگر پھر بھی سب سے آگے رہتے۔ بعض دفعہ حضور ﷺ اپنے اصحاب جناب جناب
 کے ساتھ چلنے کا قصد فرماتے تو اس صورت میں اصحاب آپ کے آگے ہوتے۔ اور آپ عمدان کے
 پیچھے ہوتے۔ (د) اور فرماتے ہیں کہ میری پیٹھ فرشتوں کے لیے خالی چھوڑ دو۔ (ر)

حضور کے پاؤں مبارک وہ قدم مبارک ہیں کہ جب آپ پتھر پر چلتے تو وہ نرم ہو جاتا (س) تاکہ
 آپ باسانی اس پر گزر جائیں۔ اور جب ریت پر چلتے تو اس میں پائے مبارک کا نشان نہ ہوتا۔ یہ وہی
 قدم مبارک ہیں جن کی محبت میں کوہ احد کوہ شہیر حرکت میں آئے۔ یہ وہی قدم مبارک ہیں کہ قیام شب
 میں ورم کر آتے تھے۔ یہی وہی قدم مبارک ہیں کہ مکہ اور بیت المقدس کو ان سے شرف زائد حاصل ہوا۔
 آپ نہ بہت دراز تھے نہ کوتاہ قد۔ بلکہ میانہ قد مائل بہ درازی تھے۔ حضرت علی کرم اللہ
قدم مبارک: وجہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بہت دراز قد نہ تھے اور مائل بہ درازی ہونے کے سبب
 اوسط قد سے زیادہ تھے۔ مگر جب لوگوں کے ساتھ ہوتے تو سب سے بلند و سرفراز ہوتے (۶۲)۔ حقیقت

میں یہ آپ کا معجزہ تھا کہ جب علیحدہ ہوتے تو میانہ قدمائل بہ درازی ہوتے۔ اور جب اوروں کے ساتھ چلتے یا بیٹھتے سب سے بلند دکھائی دیتے (۶۳)۔ تاکہ باطن کی طرح ظاہر و صورت میں بھی کوئی آپ سے بڑا معلوم نہ ہو۔

آپ کی قامت زیبا کا سایہ نہ تھا۔ اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ آپ کے اسمائے مبارک میں سے ایک اسم شریف نور ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورہ مائدہ میں ہے قد جاءکم من اللہ نور و کتب مبین (البتہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور کتاب واضح آئی) اور ظاہر ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا حکیم ترمذی (متوفی ۲۵۵ھ) نے نوادر الاصول میں بروایت ذکوان (تابعی) نقل کیا ہے۔ کہ دھوپ اور چاندنی میں رسول اللہ ﷺ کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ امام ابن سبع کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ اور آپ نور تھے لہذا جب آپ دھوپ یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا بعض نے کہا ہے کہ اس کی شاہد وہ حدیث ہے کہ جس میں مذکور ہے۔ کہ جب آپ نے یہ دعا مانگی کہ اللہ میرے تمام اعضاء اور جہات میں نور کر دے۔ تو دعا کو اس قول پر ختم فرمایا: واجلعتی نوراً (۶۳) (اور مجھ کو نور بنا دے) (۶۵) زرقانی میں مذکور ہے کہ حدیث ذکوان مرسل ہے۔ مگر ابن مبارک و ابن جوزی نے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے۔ تو آپ کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب آتی۔ اور جب چراغ کے سامنے کھڑے ہوتے تو چراغ کی روشنی پر غالب آتی۔ بعض کا قول ہے کہ آپ کا سایہ نہ ہونے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کے سایہ کو کوئی کافر پامال نہ کرے۔ (۶۶)

ماہ فرو ماند از جمال محمد ﷺ سر و زوید باعتدال محمد ﷺ

رنگ مبارک: روایتوں میں جو آپ کو اسمر اللون یعنی گندم گوں لکھا ہے۔ اس سے بھی یہی مراد ہے۔ رنگ مبارک گورا اور روشن و تاباں مگر اس میں کسی قدر سرخی ملی ہوئی تھی۔ بعض

جلد مبارک و بوئے خوش: لگائے بغیر آپ سے ایسی خوشبو آتی تھی کہ کوئی خوشبو اس کو نہ پہنچ سکتی

تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو میں نے غور سے آپ کی طرف نگاہ کی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند ہیں۔ اور آپ سے تیز بو کستوری کی طرح خوشبو آ رہی (۶۷) ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کستوری (۶۸) یا عنبر کو بوئے رسول اللہ ﷺ سے خوشتر نہ پایا۔ (۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا۔

اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا ہے میں اسے اس کے خاوند کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کوئی خوشبو نہیں آپ کچھ عنایت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس موجود نہیں۔ مگر کل صبح ایک چوڑے منہ والی شیشی اور کسی درخت کی لکڑی میرے پاس لے آنا۔ دوسرے روز وہ شخص شیشی اور لکڑی لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس میں اپنا پسینہ ڈالنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ بھر گئی۔ پھر فرمایا۔ کہ اسے لے جا اپنی بیٹی سے کہہ دینا کہ اس لکڑی کو شیشی میں تر کر کے مل لیا کرے۔ پس جب وہ آپ کے پسینہ مبارک کو لگاتی۔ تمام اہل مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچتی۔ یہاں تک کہ ان کے گھر کا نام بیت المطہین (خوشبو والوں کا گھر) ہو گیا۔ (۷۰)

حضور کے خادم حضرت انس فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ حالت خواب میں آپ کو پسینہ آ گیا۔ میری ماں ام سلیم نے ایک شیشی لی اور آپ کا پسینہ مبارک اس میں ڈالنے لگی۔ آپ جاگ اٹھے اور فرمانے لگے: ام سلیم! تو یہ کیا کرتی ہے؟ اس نے عرض کیا: ”یہ آپ کا پسینہ ہے (۷۱) ہم اس کو اپنی خوشبو میں ڈالتے ہیں اور وہ سب خوشبوؤں سے خوشبودار بن جاتی ہے“ دوسری روایت مسلم میں ہے کہ ام سلیم نے یوں عرض کیا: ”یا رسول اللہ! ہم اپنے بچوں کے لیے آپ کے عرق مبارک کی برکت کے امیدوار ہیں“۔ (۷۲) آپ نے فرمایا ”تو نے سچ کہا“ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے عرق مبارک کو بچوں کے چہرے اور بدن پر مل دیا کرتے تھے اور وہ تمام بلاؤں سے محفوظ رہا کرتے تھے۔

حضرت انس (۷۳) سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کے کسی کوچہ میں سے گزرتے تو گزر جانے کے بعد بھی آنے جانے والوں کو اس کوچہ سے خوشبو آتی اور وہ سمجھ جاتے کہ اس کوچہ میں سے آپ کا گزر ہوا ہے باقی حال لعاب مبارک اور دست مبارک میں آچکا ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اب بھی مدینہ منورہ کے درودیوار سے خوشبو نہیں آرہی ہیں۔ جنہیں محبان و عاشقان جناب رسول اکرم ﷺ شامہ محبت سے محسوس کرتے ہیں۔ ابن بطال (۷۴) کا قول ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں رہتا ہے۔ وہ اس کی خاک اور دیواروں سے خوشبو محسوس کرتا ہے۔ اور اشبیلی نے فرمایا ہے۔ کہ خاک مدینہ میں ایک عجیب مہک ہے۔ جو کسی خوشبو میں نہیں۔ اور یاقوت نے کہا ہے کہ من جملہ خصائص مدینہ اسی کی ہوا کا خوشبودار ہونا ہے اور وہاں کی بارش میں بوئے خوش ہوتی ہے جو کسی اور جگہ کی بارش میں نہیں ہوتی۔ ابو عبد اللہ عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب کہا ہے (۷۵):

بَطِيبِ رَسُولِ اللَّهِ طَابَ نَسِيمُهَا فَمَا الْمِسْكُ مَا الْكَافُورُ مَا الصَّنْدَلُ الرَّطْبُ

”رسول اللہ کی خوشبو سے نسیم مدینہ خوشبودار ہو گئی پس کیا ہے کستوری کیا ہے کافور کیا ہے
عطر صندل تر و تازہ۔“

امام ابن سبع (۷۶) نے آنحضرت ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔ کہ آپ کے کپڑوں پر مکھی نہ
بیٹھتی۔ اور آپ کو جوں ایذا نہ دیتی یعنی آپ کے کپڑوں میں جوں نہ ہوتی کہ آپ کو ایذا دے۔ کیوں
کہ جوں عفونت اور پسینے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضور تو نور اور اطیب الناس تھے۔ اور آپ کا پسینہ
خوشبودار ہوتا تھا۔ اسی طرح بوجہ لطافت آپ کے بدن مبارک پر کپڑا میلانا نہ ہوتا تھا۔

علامہ دمیری نے اپنے منظومہ فی الفقہ میں لکھا ہے۔ کہ جن چوپایوں پر آنحضرت ﷺ سوار
ہوئے آپ کی سواری کی حالت میں انہوں نے کبھی پیشاب نہ کیا۔ اور جس چوپایہ پر آپ سوار ہوئے۔
وہ آپ کی حیات میں کبھی بیمار نہ ہوا۔

سر مبارک کے بال نہ تو بہت گھونگر والے تھے اور نہ بہت سیدھے۔ بلکہ دونوں کے
موئے مبارک: بین بین تھے۔ ان بالوں کی درازی میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ کانوں تک،
کانوں کے نصف تک، کانوں کی لوت تک، شانہ مبارک کے نزدیک تک، شانوں تک۔ ان سب روایتوں
میں تطبیق یوں ہے۔ کہ ان کو مختلف اوقات و احوال پر محمول کیا جائے یعنی جب آپ کٹوا دیتے تو کان تک
رہ جاتے۔ پھر بڑھ کر نصف گوش یا نرم گوش یا شانہ تک پہنچ جاتے۔ اگر موئے مبارک خود بخود پرانگدہ
ہو جاتے تو آپ ان کو دو حصے بطور مانگ کر لیتے۔ اور اگر از خود نہ بکھرتے تو بحال خود رہنے دیتے۔ اور یہ
تکلیف مانگ نہ نکالتے۔

داڑھی مبارک گھنی تھی۔ اسے کنگھی کرتے اور آئینہ دیکھتے۔ اور سونے سے پہلے آنکھوں (۷۷) میں
تین تین بار سرمہ ڈالتے۔ مونچھ مبارک کو کٹوایا کرتے اور فرماتے (۷۸) تھے کہ مشرکین کی مخالفت کرو
یعنی داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو خوب کٹاؤ۔ اخیر عمر شریف میں آپ کی ریش مبارک اور سر مبارک
میں قریباً بیس بال سفید تھے۔ گلے اور ناف کے درمیان بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ اس کے سوا شکم
مبارک اور پستان مبارک پر بال نہ تھے۔ دونوں بازوؤں اور شانوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصہ میں
بال زیادہ تھے۔ موئے مبارک کا باقی حال آثار شریفہ کی تعظیم کے تحت میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

عام لباس (۷۹) چادر قمیص اور تہبند تھا یمن کی دھاری دار چادریں جن کو عربی میں خیرہ کہتے
لباس: ہیں سب سے زیادہ پسند فرماتے تھے بعض اوقات آپ نے اونی جبہ شامیہ استعمال فرمایا ہے
جس کی آستینیں اس قدر تنگ تھیں کہ وضو کے وقت ہاتھ آستینوں سے نکالنے پڑتے تھے۔ جبہ کسروانی
بھی پہن لیتے تھے جس کی جیب اور دونوں چاکوں پر دیبا کی سجاوٹ تھی۔ ایسی اونی چادر بھی آپ نے

پہنی ہے جس پر کجاوہ کی شکل بنی ہوئی تھی۔ سفید لباس پسند اور سرخ ناپسند فرماتے تھے۔ پاجامہ آپ نے کبھی نہیں پہنا۔

عمامہ کا شملہ چھوڑا کرتے اور کبھی نہ چھوڑا کرتے شملہ اکثر دونوں شاخوں کے بیچ میں اور کبھی شانہ مبارک پر پڑا رہتا بعض وقت عمامہ میں تحیک فرماتے یعنی دستار مبارک کا ایک بیچ بائیں جانب سے ٹھوڑی مبارک کے نیچے سے گزار کر سر مبارک پر لپیٹ لیتے عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوا کرتی۔ اونچی ٹوپی آپ نے استعمال نہیں فرمائی۔

نعلین شریف چلی کی شکل کی تھیں۔ ہر ایک کے دو دو تسمے دہرہ تہ والے تھے ایک تسمہ انگوٹھے اور متصل کی انگلی مبارک کے بیچ میں اور دوسرا انگشت میاں اور بنصر کے بیچ میں ہوا کرتا۔ یہ وہی نعلین شریفین ہیں کہ شب معراج میں جب حضور اقدس ﷺ عرش پر تشریف لے گئے۔ تو بقول صوفیاء کرام باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ نعلین سمیت عرش کو شرف بخشے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے (۸۰):

لَدَى الطُّورِ مُوسَى نُودِيَ اخْلَعِ وَأَحْمَدُ عَلَى الْعَرْشِ لَمْ يُؤْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِهِ

”طور کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز آئی کہ پاپوش اتار لیجئے اور حضرت احمد کو عرش پر

پاپوش اتارنے کی اجازت نہ ملی۔“

ہر ایک مسلمان کی یہ آرزو ہوتی ہے اور ہونی چاہیے کہ اس دنیا میں بھی حالت خواب یا حالت بیداری میں آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو۔ لہذا ہم ذیل میں ایک درود شریف درج کرتے ہیں۔ جو شخص اس درود شریف کو ہر روز سونے سے پہلے با وضو با ادب اور حضور قلب سے تین بار پڑھے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ چالیس دن کے اندر حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى نُورِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَنْوَارِ وَصَلِّ عَلَى رُوحِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَرْوَاحِ
وَصَلِّ عَلَى جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَجْسَادِ وَصَلِّ عَلَى رَأْسِ مُحَمَّدٍ فِي الرُّءُوسِ
وَصَلِّ عَلَى وَجْهِ مُحَمَّدٍ فِي الْوُجُوهِ وَصَلِّ عَلَى جَبِينِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَجْبُنِ
وَصَلِّ عَلَى جَبْهَةِ مُحَمَّدٍ فِي الْجَبَاهِ وَصَلِّ عَلَى عَيْنِ مُحَمَّدٍ فِي الْعُيُونِ
وَصَلِّ عَلَى حَاجِبِ مُحَمَّدٍ فِي الْحَوَاجِبِ وَصَلِّ عَلَى جَفْنِ مُحَمَّدٍ فِي
الْأَجْفَانِ وَصَلِّ عَلَى أَنْفِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَنْوْفِ وَصَلِّ عَلَى خَدِ مُحَمَّدٍ فِي
الْخُدُودِ وَصَلِّ عَلَى صُدْغِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَصْدَاغِ وَصَلِّ عَلَى أُذُنِ مُحَمَّدٍ فِي
الْأُذَانِ وَصَلِّ عَلَى فَمِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَفْوَاهِ وَصَلِّ عَلَى شَفَةِ مُحَمَّدٍ فِي الشِّفَاهِ
وَصَلِّ عَلَى سِنِّ مُحَمَّدٍ فِي الْأَسْنَانِ وَصَلِّ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَلْسِنَةِ

وَصَلِّ عَلَى ذَقْنِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَذْقَانِ وَصَلِّ عَلَى عُنُقِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَعْنَاقِ
وَصَلِّ عَلَى صَدْرِ مُحَمَّدٍ فِي الصُّدُورِ وَصَلِّ عَلَى قَلْبِ مُحَمَّدٍ فِي الْقُلُوبِ
وَصَلِّ عَلَى يَدِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَيْدِي وَصَلِّ عَلَى كَفِّ مُحَمَّدٍ فِي الْأَكْفِ وَصَلِّ
عَلَى إِصْبِعِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَصَابِعِ وَصَلِّ عَلَى زُنْدِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَزْنَادِ وَصَلِّ
عَلَى ذِرَاعِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَذْرُعِ وَصَلِّ عَلَى مِرْفَقِ مُحَمَّدٍ فِي الْمِرْفَاقِ وَصَلِّ
عَلَى عَضُدِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَعْضَادِ وَصَلِّ عَلَى إِبْطِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَبَاطِ وَصَلِّ
عَلَى مَنْكَبِ مُحَمَّدٍ فِي الْمَنَاكِبِ وَصَلِّ عَلَى كَتِفِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَكْتَفِ
وَصَلِّ عَلَى تَرْقُوتِهِ مُحَمَّدٍ فِي التَّرَاقِي وَصَلِّ عَلَى كَبِدِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَكْبَادِ
وَصَلِّ عَلَى ظَهْرِ مُحَمَّدٍ فِي الظُّهُورِ وَصَلِّ عَلَى فِخْدِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَفْحَادِ
وَصَلِّ عَلَى رُكْبَةِ مُحَمَّدٍ فِي الرُّكْبِ وَصَلِّ عَلَى عَقَبِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَعْقَابِ
وَصَلِّ عَلَى قَدَمِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَقْدَامِ وَصَلِّ عَلَى شَعْرِ مُحَمَّدٍ فِي الشُّعُورِ
وَصَلِّ عَلَى لَحْمِ مُحَمَّدٍ فِي اللَّحُومِ وَصَلِّ عَلَى عَرْقِ مُحَمَّدٍ فِي الْعُرُوقِ
وَصَلِّ عَلَى دَمِ مُحَمَّدٍ فِي الدِّمَاءِ وَصَلِّ عَلَى عَظْمِ مُحَمَّدٍ فِي الْعِظَامِ وَصَلِّ
عَلَى جِلْدِ مُحَمَّدٍ فِي الْجُلُودِ وَصَلِّ عَلَى لَوْنِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَلْوَانِ وَصَلِّ عَلَى قَامَةِ
مُحَمَّدٍ فِي الْقَامَاتِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ
أَفْضَلَ صَلَوةً وَأَكْمَلَ بَرَكَةً وَأَزْكَى سَلَامٍ بَعْدَ كُلِّ مَعْلُومٍ لَكَ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ كُلَّمَا
ذَكَرَكَ وَذَكَرَهُ الذَّاكِرُونَ وَغَفَلَ عَن ذِكْرِكَ وَذَكَرَهُ الْغَافِلُونَ۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص حضور سید المرسلین
حیات النبی: ﷺ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ بحیات حقیقیہ دنیوی۔ قرآن مجید میں جو آنحضرت
ﷺ کی موت کی خبر ہے وہ موت عادی ہے۔ جس سے مخلوقات میں سے کسی کو چارہ نہیں۔ اسی عادی
موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو حیات بخش دی ہے احادیث صحیحہ سے انبیاء و شہداء کے واسطے اس
حیات کا دائمی ہونا ثابت ہے۔

ابن تیمیہ کے وقت سے ایک فرقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو کہتا ہے کہ انبیاء بھی دوسرے مردہ اشخاص کی
طرح زمین کے نیچے مدفون اور مردہ ہیں۔ اس لیے مدینہ منورہ میں روضہ شریف پر حاضر ہونا اور آنحضرت
ﷺ کے وسیلہ سے طلب حاجات بے کار و بے سود ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ کا بڑا شاگرد ابن القیم اپنی کتاب
عقائد یعنی قصیدہ نونہ (مطبوعہ مصر ص ۱۳۱) میں لکھتا ہے:

من فوقه اطباق ذاك التراب واللبنات
لو كان حيا في الضريح حياته
وما كان تحت الارض بل من فوقه
قد عرضت على الجدران
قبل الممات بغير فرقان
قها والله هذه سنة الرحمان

”حضرت نبی پر ڈھیروں مٹی اور اینٹیں ہیں۔ دیواریں بنی ہوئی ہیں۔ اگر آپ قبر شریف میں ویسے ہی زندہ ہوتے جیسے موت سے پہلے تھے تو زمین کے نیچے نہ ہوتے بلکہ اس کے اوپر ہوتے۔ واللہ عادت اللہ یہی ہے۔“ (انتہی)

توسل اور زیارت روضہ اقدس کی بحث آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں صرف حیات انبیاء کرام بالخصوص حیات حضور سید المرسلین ﷺ کا ثبوت پیش کرنا مقصود ہے۔ قرآن کریم میں شہداء کرام کی آیات کی نص موجود ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام شہداء عظام سے یقیناً افضل ہیں۔ ان میں وصف نبوت کے ساتھ بالعموم وصف شہادت بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات شریف کے وقت یوں فرمایا:

يا عائشة ما ازال اجد الم الطعام الذي اكلت بخير وهذا اوان انقطاع ابهرى من ذلك السم۔

”اے عائشہ! مجھے خیر کے کھانے کی تکلیف برابر رہی ہے۔ اور اب میری رگ جان اسی زہر سے منقطع ہوتی ہے۔“

اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کو نبوت کے ساتھ شہادت کا درجہ بھی حاصل ہے۔ لہذا آپ سید المرسلین ہونے کے ساتھ سید الشہداء بھی ہوئے ہیں پس آپ کی حیات شہداء کی حیات سے اکمل ہے۔ بایں ہمہ آپ کو مردہ کہنا کیسی گستاخی ہے حالانکہ قرآن کریم میں شہداء کی نسبت ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ان کو مردہ نہ کہو۔

علامہ سمودی و فاء الوفاء (جزء ثانی ص ۴۰۵) میں لکھتے ہیں۔ کہ اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں۔ اسی طرح دیگر انبیاء بھی اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں ایسی حیات کے ساتھ جو شہداء (جن کی حیات اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں خبر دی ہے) کی حیات سے اکمل ہے اور ہمارے نبی ﷺ سید الشہداء ہیں اور شہداء کے اعمال آپ کی میزان میں ہیں۔ (انتہی)

احادیث صحیحہ سے بھی حیات انبیاء کا ثبوت ملتا ہے۔ جن میں سے چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱- عن اوس قال رسول الله ﷺ من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق ادم

و فيه قبض و فيه النَّفْحَةُ و فيه الصَّعْقَةُ فَاكثَرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلَاتِكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ كَيْفَ تَعْرُضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَ قَدْ أَرَمْتَ قَالَ يَقُولُونَ بَلَيْتَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيَّ الْأَرْضَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكُبْرَى - (مشکوٰۃ: باب الجمعة)

”حضرت اوس سے روایت ہے کہا، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تمہارے افضل ایام میں سے جمعہ کا دن ہے۔ اس میں آدم پیدا کیے گئے اور اسی میں قبض کیے گئے۔ اس میں نوحؑ ثانیہ اونٹنیؑ اولیٰ ہے پس تم اس دن مجھ پر درود زیادہ بھیجو۔ کیوں کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ بوسیدہ ہڈیاں ہوں گے۔ (قول راوی) صحابہ کی مراد ارمیت سے بلیت (بوسیدہ ہوں گے) ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ اسے ابو داؤد نسائی و ابن ماجہ و دارمی نے اور بیہقی نے دعوت الکبیر میں روایت کیا ہے۔“

اس حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام جسموں کے ساتھ زندہ دفن ہیں کیوں کہ صحابہ کرام نے جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا کہ تمہارا درود مجھ پر عرض کیا جاتا ہے تو ان کو شبہ ہوا کہ آیا یہ عرض بعد وفات شریف صرف روح پر ہوگا۔ یا روح مع الجسد پر کیوں کہ انہوں نے خیال کیا کہ جسد نبی دوسرے اشخاص کے جسد کی مانند ہے پس اس کے جواب میں حضور نے فرمادیا کہ میرا جسد دوسرے اشخاص کے جسد کی مانند نہیں۔ کیوں کہ پیغمبروں کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔ پس وہ سمجھ گئے کہ یہ عرض روح مع الجسد پر ہو گا۔ لہذا حیات انبیاء بعد وفات ثابت ہے۔

۲- عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَشْهُودٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ وَ أَنْ أَحَدٌ لَمْ يَصَلِّ عَلَيَّ الْأَعْرَضَتْ عَلَيَّ صُورَتُهُ حَتَّى يَفْرَغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى حَرَّمَ عَلَيَّ الْأَرْضَ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللَّهِ حَتَّى يَرْزُقَ - رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ -

”حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر جمعہ کے دن درود زیادہ بھیجا کرو کیوں کہ وہ دن حاضر کیا گیا ہے۔ حاضر ہوتے ہیں اس میں فرشتے تحقیق کوئی

مجھ پر درود نہیں بھیجتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ درود سے فارغ ہو جائے۔ کہا ابو درداء نے میں نے عرض کیا: کیا موت کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ پس اللہ کے نبی زندہ ہیں۔ رزق دیئے جاتے ہیں۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔“

اس حدیث سے انبیاء کی حیات حقیقیہ دنیویہ بعد الوفا ثابت ہے اس میں حی کے ساتھ رزق بطور تاکید ہے کیوں کہ رزق کی حاجت جسم کو ہوتی ہے۔

۳- و اخرج ابو یعلیٰ والبیہقی و ابن مندہ عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون۔

”اور ابو یعلیٰ اور بیہقی اور ابن مندہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔“

علامہ سمودی نے وقائع لوفاء میں اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے۔ کہ روایت ابو یعلیٰ کے راوی ثقہ ہیں اور بیہقی نے اسے مع اصحیح نقل کیا ہے۔ اس کے شواہد سے صحیح مسلم میں روایت حضرت انس ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں (شب معراج میں) موسیٰ علیہ السلام پر گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھتے تھے (انتہی) اسی طرح حضور نے شب معراج میں بیت المقدس میں انبیاء کرام کی جماعت کرائی۔ اور آسمانوں میں ان کو دیکھا۔ مسئلہ حیات انبیاء کی تائید صحیح مسلم کی روایت ابن عباس سے بھی ہوتی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ وادی ارزق سے گزرے۔ فرمایا۔ یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا وادی ارزق ہے۔ حضور نے فرمایا میں گویا موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ گھائی سے اترتے ہوئے لبیک کہہ رہے ہیں۔ پھر ہر شا پہنچ کر حضور نے فرمایا۔ یہ کون سی گھائی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یہ وادی ہر شا ہے حضور نے فرمایا۔ گویا میں یونس علیہ السلام کو سرخ بالوں والی اونٹنی پر دیکھتا ہوں کہ صوف کا جبہ پہنے ہوئے ہیں مہار کھجور کی چھال کی رسی کی ہے۔

اولیاء کرام میں بہت سی مثالیں ایسے بزرگوں کی ملتی ہیں جو رسول اکرم ﷺ کو حالت بیداری میں دیکھا کرتے تھے۔ بخوف طوالت یہاں ان کا حال درج نہیں کرتے علامہ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ تنویر الملک میں وہ احادیث و اقوال صلیحاً نقل کرتے ہیں۔ جو حالت خواب اور حالت بیداری ہر دو میں رسول اللہ ﷺ کی رویت کے امکان پر دلالت کرتے ہیں۔ بعد ازاں یوں فرماتے ہیں کہ ان تمام احادیث و اقوال سے ثابت ہو گیا۔ کہ حضور رسول اکرم ﷺ اپنے جسم اقدس اور روح شریف کے ساتھ زندہ ہیں اور وہ تصرف فرماتے ہیں جہاں چاہتے ہیں۔ زمین و آسمان میں اور اسی ہیبت سابقہ شریفہ پر

ہیں کچھ تبدیلی اس میں نہیں ہوئی۔ آنکھوں سے ایسے ہی غائب ہیں جیسے فرشتے نظر نہیں آتے۔ حالانکہ فرشتے زندہ ہیں اور ان کے اجسام بھی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کسی امتی پر کرامت اور احسان کا تو حجاب اٹھا دیتا ہے۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اصلی صورت میں کر لیتا ہے۔ اس میں کوئی مانع نہیں ہے۔ اور صرف مثال ہی کے دیکھنے پر منحصر کر دینے کی کوئی وجہ نہیں اتھی۔ امام بیہقی نے حیات انبیاء پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ جو چاہے اسے مطالعہ کرے۔

خلاصہ کلام یہ کہ سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ وفات شریف کے بعد بھی جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں۔ حیات حقیقیہ دنیویہ اور آپ کے تصرفات بدستور جاری ہیں۔ اسی واسطے آپ کی امت میں تا قیامت قطب، غوث ابدال و اوتاد ہوتے رہیں گے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے رسالہ سلوک اقرب السبل الی سید الرسل ﷺ میں جو خانخاناں کی طرف لکھا ہے یوں فرمایا ہے:

”دباہہ یا چندیں اختلافات و کثرت مذاہب کہ در علماء است۔ یک کس را دریں مسئلہ خلافت نیست کہ آنحضرت ﷺ حقیقت حیات بے شائبہ و توہم تاویل دائم باقی است۔ و بر اعمال امت حاضر و ناظر و مرطبان حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مقیض و مربی است (۸۱)۔“ (اخبار الاخیار مجبائی)

علماء امت میں اس قدر اختلافات اور کثرت مذاہب ہے۔ بایں ہمہ کسی ایک کو اس مسئلہ میں ذرا بھی اختلاف نہیں کہ آنحضرت ﷺ بلا شائبہ و توہم تاویل حیات حقیقیہ کے ساتھ دائم و باقی ہیں۔ اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔ اور طالبان حقیقت کو اور متوسلان بارگاہ نبوت کو فیض پہنچانے والے اور ان کی تربیت فرمانے والے ہیں۔

حضرت شیخ نے بالکل درست لکھا ہے۔ کیوں کہ فتنہ ابن تیمیہ اس تحریر سے سینکڑوں سال پہلے فرو ہو چکا تھا۔ اور شیطان کا سینگ ابھی نجد سے نکلا تھا۔ جس نے تعلیم تیمی کی سوتی بلا کو جگایا۔ اور بات بات پر مسلمانوں کو مشرک بتایا۔



باب: ۶

آنحضرت ﷺ کے خلق عظیم کا بیان

افراد انسان میں سے انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کو مکارم اخلاق کی زیادہ ضرورت ہے کیوں کہ ان کا کام تبلیغ و تزکیہ ہے۔ اسی واسطے باعنایت الہی انہیں اول خلقت و فطرت ہی میں محاسن اخلاق حاصل تھے۔ جن کا ظہور حسب موقع ان کی عمر شریف میں ہوتا رہا۔ مگر دیگر فضائل کی طرح اس کمال میں بھی آنحضرت ﷺ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خلق عظیم کو آپ کی ذات شریف میں حصر فرمایا ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿۱﴾ (سورہ قلم)

”اور تحقیق تو بڑے خلق پر پیدا ہوا ہے۔“

اور خود حضور ﷺ فرماتے ہیں:

بِعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔ (موطا امام مالک)

”میں محاسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔“

انبیائے سابقین علیہم السلام میں سے ہر ایک حسن اخلاق کی ایک نوع سے مختص تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس حسن اخلاق کے تمام انواع کی جامع تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیائے سابقین علیہم الصلوٰت کی سیرت کے اتباع کا حکم دیا۔ فبہدھم اقتدہ (پس تو ان کی روش کی پیروی کر۔ انعام ۱۰۳) لہذا خصال و کمال و صفات شرف و فضائل جو ان میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔ وہ تمام آپ کی ذات شریف میں جمع تھے۔ چنانچہ حلم و سخاوت ابراہیم، صدق و عدۃ اسماعیل، شکر داؤد و سلیمان، صبر ایوب، معجزات قاہرہ موسیٰ، مناجات زکریا، تضرع یحییٰ، دم عیسیٰ وغیرہ سب موجود تھے۔ علی نبینا و علیہم الصلوٰت و التسلیمات۔ (۱)

آنچہ بنا زند زان دلبراں جملہ تراہست و زیادت براں

حضرت سعد بن ہشام بن عامر نے جب حضرت عائشہ صدیقہ سے آنحضرت ﷺ کے خلق کی بابت دریافت کیا تو: رت صدیقہ نے جواب میں فرمایا۔ کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ حضرت سعد نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ سن کر حضرت صدیقہ نے فرمایا: کہ ”نبی ﷺ کا خلق قرآن (۲) تھا“۔ کتب سابقہ

الہامیہ میں جو آداب و فضائل و اوصاف حمیدہ مذکور تھے قرآن مجید ان سب کا جامع ہے۔ ارشاد صدیقہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس قدر محامد اخلاق مذکور ہیں وہ سب آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس میں پائے جاتے تھے۔ غرض دیگر کمالات کی طرح محاسن اخلاق میں بھی آپ کا مرتبہ دیگر انبیائے کرام علیہم التسلیمات سے بڑھا ہوا ہے۔ صاحب قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں۔ (۳)

فَاقَ النَّبِيِّ فِي خَلْقٍ وَفِي خُلُقٍ
وَلَمْ يَدَا نُؤُهُ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ

لے گیا فوق انبیاء پر خلق میں اور خلق میں

کس میں تھا؟ اس کا علم اور کس میں اس کا سا کرم

آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی اور نبی نہ ہوگا۔ اس لیے آپ کے اخلاق و عادات بطریق اسناد نہایت صحت کے ساتھ محفوظ ہیں۔ تاکہ قیامت تک ہر زمانے میں ان کا اقتداء کیا جائے اور ان ہی کو دستور العمل بنایا جائے۔ اس مختصر میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اس لیے ذیل میں چند جزئیات پیش کی جاتی ہیں۔ واللہ الموفق والمعین۔

نبوت کا بوجھ ان اوصاف (۴) کے بغیر برداشت نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں کئی جگہ صبر و حلم و عفو: ان اوصاف کا ذکر آیا ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُّحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (مائدہ: ۳۷)

”پس معاف کر ان سے اور درگزر کر بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔“

وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رَسُولٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبْرًا عَلَىٰ مَا كَذَّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَنَّهُمْ نَصَرْنَا

”اور البتہ بہت سے رسول تجھ سے پہلے جھٹلائے گئے۔ پس وہ جھٹلانے اور ایذا پر صبر

کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو ہماری مدد پہنچی۔“ (انعام: ۳۷)

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝ (اعراف: اخیر رکوع)

”خوپکڑ معاف کرنا۔ اور کہا کر نیک کام کو اور کنارہ کر جاہلوں سے۔“

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أَوْلُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۗ (احقاف: اخیر رکوع)

”پس تو صبر کر جیسے صبر کرتے رہے اولو العزم رسول اور شتابی نہ کر ان کے واسطے۔“

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝ (توبہ: ۱۲۷)

”تحقیق ابراہیم تھا البتہ دردمند حلم والا۔“

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے حق کے لیے کبھی انتقام نہ

لیا۔ ہاں جب آپ کسی حرمت اللہ کی بے حرمتی دیکھتے۔ تو اللہ کے واسطے اس کا انتقام لیتے۔ (۵)

نبوت کے دسویں سال جیسا کہ پہلے آچکا ہے آنحضرت ﷺ قبیلہ ثقیف کو دعوت اسلام دینے کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ مگر بجائے روبراہ ہونے کے انہوں نے آپ کو اس قدر اذیت دی کہ نعلین مبارک خون آلودہ ہو گئے۔ جب آپ وہاں سے واپس ہوئے۔ تو راستے میں پہاڑوں کے فرشتے نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی: یا محمد! آپ جو چاہیں حکم دیں۔ اگر اجازت ہو۔ تو اشہین کو ان پر الٹ دوں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے بندے پیدا کرے گا۔ جو صرف خدا کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ (۶)

ہجرت سے پہلے مکہ میں کفار نے مسلمانوں کو اس قدر اذیت دی کہ ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ چنانچہ حضرت خباب بن الارت بیان کرتے ہیں۔ کہ ہمیں مشرکین سے شدت و سختی پہنچی۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ سر مبارک کے نیچے چادر رکھ کر کعبہ کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کیا: آپ مشرکین پر بددعا کیوں نہیں کرتے؟ یہ سن کر آپ اٹھ بیٹھے۔ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا تھا۔ فرمایا تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں۔ ان پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں۔ جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا۔ اور ان کے سر پر آرے رکھے جاتے اور چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ مگر یہ اذیتیں ان کو دین سے برگشتہ نہ کر سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو کمال تک پہنچائے گا۔ یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈرنہ ہوگا۔ (۷)

جب آنحضرت ﷺ غزوہ بدر (رمضان ۲ھ) سے واپس تشریف لائے تو راستے میں مقام صفراء میں آپ کے حکم سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی کو قتل کر ڈالا۔ نضر مذکور ان امرائے قریش میں سے تھا۔ جن کا شغل آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کرنا تھا۔ اسی نضر کی بیٹی قتیلہ نے جو بعد میں اسلام لائی اپنے باپ کا مرثیہ لکھا جس کے اخیر میں یہ شعر ہیں:

ا محمد و لانت ابن نجیة
ما كان ضرك لو منت و ربما
والنصر اقرب من اسرت قرابة
و احق ان كان عتق يعتق
من قومها والفحل فحل معرق
من الفتى وهو المغيظ المحنق

”اے محمد! بے شک آپ اس ماں کے بیٹے ہیں جو اپنی قوم میں شریف ہے اور آپ شریف اصل والے مرد ہیں۔“

آپ کا کچھ نہ بگڑتا تھا اگر آپ احسان کرتے اور بعض وقت جوان احسان کرتا ہے۔

حالانکہ وہ غضبناک اور نہایت خشم ناک ہوتا ہے۔

اور نضر آپ کے تمام قیدیوں میں قرابت میں سب سے زیادہ قریب تھا اور آزادی کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر ایسی آزادی پائی جائے کہ جس سے آزاد کیا جائے۔

جب یہ شعر حضور سید المرسلین رحمۃ اللعالمین ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ تو ان کو پڑھ کر آپ اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں (۸) سے تر ہو گئی اور فرمایا: کہ اگر یہ اشعار نضر کے قتل سے پہلے میرے پاس پہنچ جاتے۔ تو میں ضرور اسے قتیلہ کے حوالے کر دیتا۔

جنگ بدر کے کچھ دن بعد ایک روز عمیر بن وہب بن خلف قرشی جمحی اور صفوان بن امیہ بن خلف قرشی جمحی خانہ کعبہ میں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عمیر مذکور شیطین قریش میں سے تھا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اذیت دیا کرتا تھا۔ اس کا بیٹا وہب بن عمیر اسیران جنگ میں تھا۔ عمیر و صفوان کے درمیان یوں گفتگو ہوئی:

عمیر: بدر میں ہمارے ساتھیوں نے مسلمانوں سے کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں۔ ظالموں نے کس بے رحمی سے ان کو گڑھے میں پھینک دیا۔

صفوان: اللہ کی قسم ان کے بعد اب زندگی کا لطف نہ رہا۔

عمیر: اللہ کی قسم! تو نے سچ کہا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جسے میں ادا نہیں کر سکتا اور عیال نہ ہوتا جس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو میں سوار ہو کر محمد کو قتل کرنے جاتا۔ کیوں کہ اب تو ایک بہانہ بھی ہے کہ میرا بیٹا ان کے ہاتھ میں گرفتار ہے۔

صفوان: آپ کا قرض میں ادا کر دیتا ہوں۔ آپ کا عیال میرے عیال کے ساتھ رہے گا۔ میں آپ کے بال بچوں کا متکفل ہوں جب تک وہ زندہ ہیں۔

عمیر: بس میرے اور آپ کے درمیان۔

صفوان: بسر و چشم (عمیر کی روانگی کے بعد لوگوں سے) تم شاد ہو کہ چند روز میں تمہارے پاس ایک واقعہ کی خبر آئے گی۔ جس سے تم جنگ بدر میں کی سب مصیبتیں بھول جاؤ گے۔

(عمیر زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مدینہ میں آتا ہے۔ اس وقت حضرت عمر فاروق مسلمانوں کی

ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے جنگ بدر میں مسلمانوں پر خدا کی عنایات کا ذکر کر رہے ہیں۔ عمیر تلوار آڑے لٹکائے ہوئے اپنی اونٹنی کو مسجد کے دروازے میں بٹھا دیتا ہے۔)

عمر فاروق: (عمیر کو دیکھ کر) یہ کتا دشمن خدا عمیر کسی شرارت کے لیے آیا ہے۔

رسول اللہ (ﷺ): اسے میرے پاس لاؤ (عمیر سے) آگے آؤ۔

عمیر: آپ کی صبح بخیر ہو۔

رسول اللہ (ﷺ): عمیر! تو نے جاہلیت کا تھیہ کہا۔ مگر اللہ عزوجل نے ہمیں تیرے تھیہ سے بہتر عطا فرمایا۔ اور وہ سلام ہے جو اہل بہشت کا تھیہ ہے۔

عمیر: یا محمد! اللہ کی قسم! یہ تھیہ آپ کو تھوڑے دنوں سے ملا ہے۔

رسول اللہ (ﷺ): عمیر! کیونکر آنا ہوا؟

عمیر: اپنے بیٹے کے لیے جو آپ کے پاس اسیران جنگ میں ہے۔

رسول اللہ (ﷺ): پھر گلے میں تلوار آڑے کیوں لڑکائی ہے؟

عمیر: خدا ان تلواروں کا برا کرے۔ انہوں نے ہمیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

رسول اللہ (ﷺ): سچ بتاؤ کس لیے آئے ہو؟

عمیر: فقط اپنے بیٹے کے لیے۔

رسول اللہ (ﷺ): نہیں بلکہ تو اور صفوان دونوں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے تو نے مقتولین بدر کا ذکر کیا

جو گڑھے میں پھینکے گئے۔ پھر تو نے کہا کہ اگر مجھ پر قرض اور بارعیال نہ ہوتا تو میں

محمد کو قتل کرنے نکلتا۔ یہ سن کر صفوان نے بار قرض وعیال اپنے ذمہ لیا۔ بدیں غرض

کہ تو مجھے قتل کر دے۔ مگر اللہ تیرے اور اس غرض کے درمیان حائل ہے۔

عمیر: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ یا رسول اللہ! ہم اس آسمانی وحی کو

جو آپ پر نازل ہوئی تھی جھٹلا دیا کرتے تھے۔ آپ نے جو بات بتلائی۔ وہ میرے

اور صفوان کے سوا کسی کو معلوم نہ تھی۔ اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ خدا کے سوا

آپ کو کسی نے نہیں بتائی۔ حمد ہے اللہ کی جس نے مجھے اسلام کی توفیق بخشی۔ اشہد

ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہدان محمداً عبده ورسولہ۔

رسول اللہ (ﷺ): (اپنے اصحاب سے) تم اپنے بھائی عمیر کو مسائل دینی سکھاؤ اور قرآن پڑھاؤ۔ اور

اس کے بیٹے کو بھی چھوڑ دو۔ (۹)

حضرت رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں۔ کہ غزوہ انمار (ربیع الاول ۳ھ) میں ہم رسول اللہ ﷺ

کے ہمراہ تھے۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر اعراب پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔ غطفان نے دشوہ بن

حارث کو جو ان کا سردار تھا کہا: کہ محمد اس وقت اپنے اصحاب سے علیحدہ ہیں۔ تمہیں ایسا موقع نہ ملے گا۔

دشوہ تیز تلوار لے کر اتر آیا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ لیٹے ہوئے ہیں۔ وہ تلوار کھینچ کر آپ کے

سر پر اکھڑا ہوا۔ آپ بیدار ہوئے تو کہنے لگا: ”تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟“ آپ نے فرمایا: اللہ۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے ہٹا دیا اور وہ کر پڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے تلوار لے کر کہا: ”تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟“ وہ بولا: کوئی نہیں۔ غرض رسول اللہ ﷺ نے اس سے کچھ تعرض نہ کیا۔ اور وہ ایمان لے آیا۔ (۱۰)

غزوہ احد (شوال ۳ھ) میں کفار نے آپ کا دانت مبارک شہید کر دیا۔ اور سر اور پیشانی مبارک بھی زخمی کر دی۔ اس حالت میں آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ (۱۱) تھے:

اللهم اغفر لقومی فانہم لا یعلمون۔

”خدا یا میری قوم کا یہ گناہ معاف کر دے کیوں کہ وہ نہیں جانتے۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے۔ کہ غزوہ نجد (غزوات ذات الرقاع جمادی الاولیٰ ۳ھ) میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ واپس آتے ہوئے ایک گھنے جنگل میں آپ کو دوپہر ہو گئی۔ آپ ایک درخت کے سایہ میں اترے۔ اور اپنی تلواریں اس درخت سے لٹادی اور آپ کے اصحاب ایک ایک کر کے درختوں کے سایہ میں اتر پڑے اسی اثناء میں آپ نے ہمیں آواز دی۔ ہم حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدو آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا۔ اس نے آ کر میری تلوار کھینچ لی۔ میں بیدار ہوا تو یہ تلوار کھینچنے میرے سر پر کھڑا تھا۔ کہنے لگا: ”تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟“ میں نے کہا: اللہ۔ یہ سن کر اس نے تلوار نیام میں کر لی۔ آپ نے اس کو کچھ سزا نہ دی (۱۲)۔ اس اعرابی کا نام غورث بن حارث تھا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ راوی ہیں کہ ایک غزوہ (غزوہ مرتسبع شعبان ۵ھ) میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ایک مہاجر نے ایک انصاری کے تھپڑ مارا۔ انصاری نے انصار اور مہاجر نے مہاجرین کو مدد کے لیے پکارا۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا۔ تو پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ جب سارا ماجرا عرض کیا گیا تو فرمایا کہ یہ دعویٰ جاہلیت اچھا نہیں۔ اس طرح رفع فساد ہو گیا۔ اس المنافقین عبد اللہ بن ابی خزر جی نے سنا تو کہنے لگا کہ اگر ہم اس سفر سے مدینہ میں پہنچ گئے تو جس کا اس شہر میں زور ہے وہ بے قدر شخص کو نکال دے گا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر فاروق نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے اجازت دیں۔ کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ مگر حضور رحمتہ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: اسے جانے دو۔ کیوں کہ لوگ یہی کہیں گے کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے (۱۳)۔ جائے غور ہے کہ آپ کا یہ سلوک اس شخص کے ساتھ ہے جو عمر بھر منافق رہا۔ جس نے آپ کو ازل ستایا۔ جو جنگ احد میں عین موقع پر تین سو کی جمعیت لے کر راستہ میں سے واپس آ گیا۔ اور ہمیشہ آپ کی مخالفت و توہین میں سرگرم رہا۔ جب آنحضرت ﷺ غزوہ مرتسبع سے واپس ہوئے تو راستے میں اٹک پیش آیا۔ جس کا بانی یہی

راس المنافقین تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم تھا مگر معاملہ گھر کا تھا اس لیے فیصلہ خدا پر چھوڑا۔ تاکہ منافقین کو چون و چرا کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی تکذیب اپنے کلام پاک میں کر دی۔ باین ہمہ جب یہ منافق مرا تو آپ کو نماز جنازہ کے لیے بلایا گیا۔ جب آپ اس پر نماز پڑھنے لگے تو حضرت عمر فاروق نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ ابن ابی پر نماز پڑھتے ہیں۔ جس نے فلاں فلاں روز ایسا ایسا کہا۔ اس پر آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ عمر! ہٹو۔ جب اصرار کیا۔ تو فرمایا کہ استغفار و عدم استغفار کا مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ستر سے زیادہ بار استغفار سے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے۔ تو میں ویسا ہی کرتا۔ جب آپ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے۔ تو آئندہ کے لیے حکم ممانعت نازل ہوا۔ (۱۴)

فرات بن حیان جو انصار میں سے ایک شخص کا حلیف تھا۔ ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور تھا۔ غزوہ خندق (ذیقعدہ ۵ھ) میں وہ جاسوسی کرتا ہوا پکڑا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ لوگ اس کو پکڑ کر لے چلے۔ راستے میں اس کا گزر انصار کے ایک حلقہ پر ہوا تو کہنے لگا کہ میں مسلمان ہوں۔ ایک انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی۔ کہ فرات کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو ہم ان کے ایمان پر چھوڑتے ہیں۔ ان میں سے ایک فرات ہے۔ حضرت فرات بعد میں صدق دل سے ایمان لائے۔ اور آنحضرت ﷺ نے ان کو یمامہ میں ایک قطعہ زمین عطا فرمائی جس کی آمدنی چار ہزار دو (۱۵) سو تھی۔

ثمامہ بن اثال الیمامی جو اہل یمامہ کا سردار تھا رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے دعا فرمائی تھی کہ خدایا اس کو میرے قابو میں کر دے۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سواروں کا ایک دستہ نجد کی طرف بھیجا۔ وہ بنو حنیفہ میں سے ایک شخص ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے۔ اور اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ آنحضرت ﷺ اس کی طرف نکلے۔ تو پوچھا ثمامہ! کیا کہتے ہو؟ ثمامہ نے کہا: یا محمد! اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک خونی قتل کریں گے۔ اور اگر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے۔ اگر آپ زرفدیہ چاہتے ہیں۔ تو جس قدر مانگیں دے دوں گا۔ آپ نے یہ سن کر کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے روز بھی یہی گفتگو ہوئی۔ تیسرے روز آپ نے اس کا وہی جواب سن کر حکم دیا کہ ثمامہ کو کھول دو۔ یہ عنایت دیکھ کر اس نے مسجد کے قریب ایک درخت کی آڑ میں غسل کیا اور مسجد میں آ کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اور کہنے لگا: ”اے محمد! خدا کی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا اب وہی چہرہ میرے نزدیک سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی دین میرے

نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مغفوض نہ تھا۔ اب وہی شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے (۱۶)۔ وفا الوفاء میں ہے کہ حضرت ثمامہ کی گرفتاری شروع ۶ھ میں ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ (۱۷) روایت کرتے ہیں۔ کہ اہل مکہ میں سے اسی مرد کوہ تعظیم (۱۸) سے رسول اللہ ﷺ پر آپڑے۔ وہ ہتھیار لگائے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو غافل پائیں۔ آپ نے ان کو لڑائی کے بغیر پکڑ لیا اور زندہ رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو چھوڑ دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ - (نح: ۲۷)

”اور خدا وہ ہے۔ جس نے مکہ کے نواح میں ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے باز رکھا۔“

یہ واقعہ قضیہ حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ) میں ہوا تھا۔

جب آنحضرت ﷺ غزوہ خیبر (محرم ۷ھ) سے واپس تشریف لائے تو ایک روز سلام بن مشکم یہودی کی زوجہ زینب بنت حارث نے بکری کا گوشت بھون کر زہر آلود کر کے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا۔ جسے آپ نے اور آپ کے چند اصحاب نے کھایا۔ باوجود اعتراف کے آپ نے اس یہودیہ کو اپنی طرف سے معاف کر دیا۔ مگر جب اس کے سبب سے ایک صحابی نے انتقال فرمایا۔ تو قصاص میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اسی سال ماہ محرم ہی (۱۹) میں لبید بن اعصم یہودی منافق نے آنحضرت ﷺ کو جادو کر دیا۔ معلوم ہو جانے پر آپ نے اس سے بھی کچھ تعرض نہ فرمایا۔ (۲۰)

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میری ماں مشرکہ تھیں۔ میں ان کو دعوت اسلام دیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان کو دعوت اسلام دی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں مجھے مکروہ الفاظ سنائے۔ میں روتا ہوا آپ کی خدمت اقدس میں گیا اور واقعہ عرض کر کے دعائے ہدایت کی درخواست کی۔ آپ نے یوں دعا فرمائی: ”خدا یا ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے“۔ میں اس دعا سے خوش ہو کر گھر آیا تو دیکھا کہ کوڑ بند ہیں۔ میری ماں نے میرے قدم کی آہٹ سن کر کہا۔ ابو ہریرہ! یہیں ٹھہرو۔ میں نے پانی کی آواز سنی۔ انہوں نے غسل کر کے جلدی کپڑے پہنے اور دروازہ کھولتے ہی کلمہ شہادت پڑھا (۲۱)۔

جن دنوں رسول اللہ ﷺ فتح مکہ (رمضان ۸ھ) کے لیے پوشیدہ تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے بغرض اطلاع قریش ایک خط لکھا اور ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا۔ وہ خط

راستے میں پکڑا گیا۔ باوجود ایسے سنگین جرم کے آنحضرت ﷺ نے حضرت حاطب کو معاف کر دیا۔ اور اس عورت سے بھی کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔

ابوسفیان بن حرب جو اسلام لانے سے پہلے غزوہ احزاب میں راس المشرکین تھے۔ غزوہ فتح میں مقام الظہر ان میں مسلمانوں کی جاسوسی کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ حضرت عباس ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ابوسفیان سے مزوت سے پیش آئے اور وہ اسلام لائے۔

قریش آنحضرت ﷺ کو مذمم کہہ کر گالیاں دیا کرتے تھے۔ مگر آپ فرمایا کرتے ”کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ قریش کی دشنام و لعنت کو کس طرح مجھ سے باز رکھتا ہے۔ وہ مذمم کہہ کر گالیاں دیتے اور لعنت کرتے ہیں۔ حالانکہ میں محمد ہوں (۲۲)۔“

اعلان دعوت سے ساڑھے سترہ سال تک قریش نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کو جو اذیتیں دیں ان کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں۔ فتح مکہ کے دن وہی قریش مسجد حرام میں نہایت خوف و بے قراری کی حالت میں آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ آپ ان اذیتوں کا ذکر تک زبان مبارک پر نہیں لاتے۔ اور یہ حکم سناتے ہیں۔ اذہبوا فاتنم الطلقاء (جاؤ تم آزاد ہو) اس عالی حوصلگی کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ اس عفو عام کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جنگ حنین میں دو ہزار طلقاء لشکر اسلام میں شامل تھے۔

ہند بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان بن حرب) جو حضرت امیر حمزہ کا کلیجہ چبا گئی تھیں فتح مکہ کے دن نقاب پوش ہو کر ایمان لائیں۔ تاکہ آنحضرت ﷺ پہچان نہ لیں۔ بیعت کے موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ رہیں۔ ایمان لا کر نقاب اٹھا دیا اور کہنے لگیں کہ میں ہند بنت عتبہ ہوں مگر حضور رحمتہ اللعالمین ﷺ نے کسی امر کا ذکر تک نہ کیا۔ یہ دیکھ کر ہند نے کہا: ”یا رسول اللہ! روئے زمین پر کوئی اہل خیمہ میری نگاہ میں آپ کے اہل خیمہ سے زیادہ مبغوض نہ تھے۔ لیکن آج میری نگاہ میں روئے زمین پر کوئی اہل خیمہ آپ کے اہل خیمہ سے زیادہ محبوب نہیں رہے۔“ (۲۳)۔

عکرمہ بن ابی جہل قرشی مخرومی اپنے باپ کی طرف رسول اللہ ﷺ کے سخت دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن وہ بھاگ کر یمن چلے گئے۔ ان کی بیوی جو مسلمان ہو چکی تھی وہاں پہنچی۔ اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر صلہ رحم اور احسان کرنے والے ہیں۔ غرض وہ عکرمہ کو بارگاہ رسالت میں لائی۔ عکرمہ نے آپ کو سلام کہا۔ رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور ایسی جلدی سے ان کی طرف بڑھے کہ چادر مبارک گر پڑی اور فرمایا (۲۴):

مرحبا بالراكب المهاجر۔

”ہجرت کرنے والے سوار کو آنا مبارک ہو۔“

صفوان بن امیہ جاہلیت میں اشراف قریش میں سے تھے۔ اور اسلام کے سخت دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن بھاگ گئے تھے۔ حضرت عمیر بن وہب نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ صفوان میری قوم کے سردار ہیں۔ وہ بھاگ گئے ہیں تاکہ اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیں۔ احمد واسود کو آپ نے امان دی ہے۔ ان کو بھی امان دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ تو اپنے چچیرے بھائی کو لے آئے امان ہے۔ حضرت عمیر نے عرض کیا کہ امان کی کوئی نشانی چاہیے۔ جو میں اسے دکھا دوں۔ آپ نے اپنا عمامہ جو فتح مکہ کے دن پہنے ہوئے تھے عطا فرمایا۔ صفوان جدہ میں جہاز پر سوار ہونے کو تھے کہ حضرت عمیر جا پہنچے۔ اور ان کو مژدہ امان سنایا۔ صفوان نے کہا مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت عمیر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا حلم و کرم اس سے برتر ہے۔ عرض صفوان حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ اور عرض کیا کہ یہ عمیر کہتا ہے کہ آپ نے مجھے امان دی ہے۔ آپ نے فرمایا عمیر سچ کہتا ہے یہ سن کر صفوان نے کہا: یا رسول اللہ! دو ماہ کی مہلت دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے چار ماہ کی مہلت ہے (۲۵)۔ حضرت صفوان غزوہ طائف کے بعد بر غبت و رضا ایمان لائے۔

جب رسول اللہ ﷺ محاصرہ طائف (شوال ۸ھ) سے واپس آنے لگے۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ ثقیف پر بددعا فرمائیں۔ مگر آپ نے یوں دعا فرمائی: اللھم اھد ثقیفا۔ (خدا یا ثقیف کو ہدایت دے) چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی۔ اور ثقیف ۹ھ میں ایمان لائے۔

جب آنحضرت ﷺ نے جعرانہ میں غنائم حنین تقسیم فرمائیں۔ تو ایک منافق انصاری نے کہا کہ اس تقسیم سے رضائے خدا مطلوب نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ ماجرا آپ سے عرض کیا تو فرمایا:

”خدا موسیٰ پر رحم کرے ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی۔ پس صبر کیا (۲۶)۔“

جب ابو العاص بن ربیع نے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کو مکہ سے مدینہ بھیجا۔ تو راستے میں چند سفہائے قریش نے مزاحمت کی۔ ان میں سے ہبار بن اسود قریشی اسدی نے حضرت زینب کو اونٹ سے گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں۔ پتھر پر گریں۔ حمل ساقط ہو گیا اور ان کو سخت چوٹ آئی۔ اور اسی میں جاں بحق ہوئیں۔ فتح مکہ کے دن ہبار مذکور واجب القتل اشتہاریوں میں تھا۔ وہ مکہ سے بھاگ گیا اور چاہتا تھا کہ ایران چلا جائے۔ جب آنحضرت ﷺ جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور یوں عرض کرنے لگا: ”یا نبی اللہ! میں آپ کے ہاں سے بھاگ کر شہروں میں پھرتا رہا۔ میرا ارادہ تھا کہ ایران چلا جاؤں۔ پھر مجھے آپ کی نفع رسانی، صلہ رحمی اور عفو و کرم یاد آئے۔“

مجھے اپنی خطا و گناہ کا اعتراف ہے۔ آپ درگزر فرمائیں۔“ یہ سن کر آپ نے فرمایا: ”میں نے تجھے معاف کر دیا (۲۷)۔“

کعب بن زہیر اور ان کے بھائی بحیر ابرق عزاف میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ بحیر نے کعب سے کہا: ”تم یہاں ٹھہرو میں اس مدعی نبوت کے پاس جاتا ہوں تاکہ دیکھوں وہ کیا کہتا ہے؟“ بحیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ کا کلام سن کر مسلمان ہو گئے۔ کعب کو یہ خبر لگی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی ہجو اور اسلام کی توہین میں یہ اشعار بحیر کو لکھ کر بھیجے:

الا ابلفا عنی بحیراً رسالۃ	فہل لك فیما قلت ویحك هل لك
سكاك ابو بكر بکاس زویۃ	فانهلك المامون منها وغلکا
ففارقت اسباب الهدی واتبعۃ	علی ای شی ریب غریك دلکا
علی خلق لم تلف اما ولا ابا	علیه ولم تعرف علیہ اخالکا
فان انت لم تفعل فلست باسف	ولا قائل اما عشرت لعا لکا

”آگاہ رہو میری طرف سے بحیر کو یہ پیغام پہنچا دو کہ کیا تو نے دل سے کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے؟ تجھ پر افسوس! کیا تو نے دل سے کلمہ پڑھ لیا ہے ابو بکر نے تجھے سیراب کرنے والا پیالہ پلا دیا۔“

اور امین (حضرت محمد) نے تجھے اس پیالہ سے پہلی بار اور دوسری بار پلا دیا۔
”اس لیے تو اسباب ہدایت چھوڑ کر اس کا پیرو بن گیا اس نے تجھے کیا بتایا۔ تو اوروں کی طرح ہلاک ہو گیا اس نے ایسا مذہب بتایا جس پر تو نے اپنے ماں باپ کو نہ پایا۔
اور نہ اپنے بھائی کو اس پر دیکھا۔

اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا تو میں تجھ پر تاسف نہ کروں گا۔

اور تو ٹھوکر کھا کر گر پڑے تو میں دعا نہ کروں گا کہ تو اٹھ کر کھڑا ہو جائے۔“

حضرت بحیر نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ماجرا عرض کر دیا۔ آپ نے کعب کا خون ہدر فرما دیا۔ پھر حضرت بحیر نے کعب کو اطلاع دی اور ترغیب دی کہ حاضر خدمت ہو کر معافی مانگیں۔ چنانچہ وہ ۹ھ میں غزوہ تبوک سے پہلے حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت مسجد میں اپنے اصحاب میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کعب سے واقف نہ تھے۔ کعب نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عرض کیا: یا رسول اللہ! کعب بن زہیر مسلمان ہو کر امان طلب کرتا ہے۔ اجازت ہو تو میں اسے آپ کے پاس لے آؤں۔ آپ نے اجازت دی۔ پھر کعب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کعب میں ہی ہوں۔ بعد ازاں اسلام لا کر

انہوں نے اپنا قصیدہ پڑھا۔ جس میں ارشاد تو طیبہ کے بعد یہ شعر ہے:

أَنْتُ أَنْ رَسُولَ اللَّهِ أَوْ عَدَنِي وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ مَأْمُولٌ

”مجھے خبر دی گئی ہے کہ بارگاہ رسالت سے میری نسبت وعید قتل صادر ہوئی ہے۔ حالانکہ

رسول اللہ ﷺ سے عفو کی امید کی جاتی ہے۔“

اس قصیدہ سے خوش ہو کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب کو اپنی چادر (بردہ) عطا فرمائی۔ اور ان

کی گزشتہ خطا کا ایک حرف بھی زبان پر نہ لائے (۲۸)۔

آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت امیر حمزہ کا قاتل وحشی حبشی غلام سفیان بن حرب جنگ احد کے

بعد مکہ میں رہا کرتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام پھیلا۔ تو وہ بھاگ کر طائف چلا گیا۔ پھر وفد طائف کے

ساتھ ماہ رمضان ۹ھ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ایمان لایا۔ آپ نے ان

سے صرف اتنا فرمایا کہ مجھے اپنا چہرہ نہ دکھایا کرو (۲۹)۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ فاحش تھے اور نہ متعش اور نہ بازار میں شور کرنے

والے تھے۔ آپ بدی کا بدلہ بدی سے نہ دیا کرتے تھے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر فرماتے (۳۰)۔

اب ہم چند متفرق مثالیں اور پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی

نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اسے مار پیٹ کرنے کے لیے اٹھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اسے جانے دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو۔ کیوں کہ تم نرم گیر بنا کر بھیجے گئے ہو۔

سخت گیر بنا کر نہیں بھیجے گئے (۳۱)۔“

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ سخت حاشیہ والی

نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک بدو آپ کے پاس آیا۔ اس نے آپ کی چادر کے ساتھ آپ کو ایسا

سخت کھینچا کہ چادر پھٹ گئی۔ آپ کی گردن مبارک کو جو میں نے دیکھا۔ اس میں چادر کے حاشیہ نے اثر

کیا ہوا تھا پھر اس بدو نے کہا: ”اے محمد! آپ کے پاس جو خدا کا مال ہے اس میں میرے واسطے حکم

کیجئے۔“ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر ہنس کے اس کے لیے بخشش کا حکم دیا (۳۲)۔

آنحضرت ﷺ کی خطا بخشی کا یہ عالم تھا کہ حسب بیان حضرت عائشہ صدیقہ آپ نے کبھی کسی

عورت یا خادم کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا۔

حضرت زید بن سعہ جو احبار یہود میں سے تھے۔ اپنے اسلام لانے کا قصہ یوں بیان کرتے

ہیں۔ کہ میں نے قورات میں نبی آخر الزمان کی نبوت کی جو علامات پڑھی تھیں۔ وہ سب میں نے روئے

محمد ﷺ کو دیکھتے ہی پہچان لیں۔ صرف دو خصالتیں ایسی تھیں۔ جن کا آزمانا باقی رہا۔ یعنی آپ کا علم آپ

کے غضب پر سبقت لے جاتا ہے۔ اور دوسرے کی شدت جہالت و ایزاء آپ کے حلم کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔ ان دونوں کی آزمائش کے لیے میں موقع کا منتظر تھا اور آپ سے تلافی سے پیش آتا تھا۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے دولت خانہ سے نکلے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب تھے۔ ایک سوار جو بظاہر کوئی بادیہ نشین تھا۔ آپ کی خدمت میں آیا اور یوں عرض کرنے لگا: ”یا رسول اللہ! فلاں قبیلے کے لوگ ایمان لائے ہیں میں ان سے کہا کرتا تھا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ۔ تو تمہیں رزق بکثرت ملے گا۔ اب ان کے ہاں امساک باراں اور قحط ہے۔ یا رسول اللہ! مجھے اندیشہ ہے۔ کہیں وہ طمع کے سبب سے اسلام سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ کیوں کہ طمع کیلئے ہی وہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اگر آپ کی رائے مبارک ہو تو کچھ ان کی دستگیری فرمائیے۔“ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے پہلو میں ایک شخص (جو میرے گمان میں حضرت علی تھے) کی طرف دیکھا۔ اس نے عرض کیا کہ اس میں سے تو کچھ باقی نہیں رہا۔ یہ دیکھ کر میں آگے بڑھا اور آپ سے کھجوروں کی میعاد معین میعاد معلوم پر خرید کی۔ اور اس کی قیمت اسی مثقال سونا اپنی ہمیانی سے نکال کر پیشتر دے دی۔ آپ نے وہ اسی مثقال اس سوار کو دے دیئے اور فرمایا کہ جلدی جاؤ اور اس قبیلے کے لوگوں میں اسے تقسیم کر دو۔ جب میعاد ختم ہونے میں تین دن باقی رہ گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے جنازے کیساتھ نکلے۔ آپ کے ہمراہ من جملہ دیگر اصحاب حضرت ابو بکر و عمر عثمان تھے۔ جب آپ نماز جنازہ سے فارغ ہوئے اور بیٹھنے کیلئے ایک دیوار کے قریب پہنچے۔ تو میں نے آگے برہ کر آپ کی قمیص اور چادر کے دامن پکڑ لیے اور تند نگاہ سے آپ کی طرف دیکھ کر یوں کہا: ”اے محمد! کیا تو میرا حق ادا نہیں کرتا۔ اے عبدالمطلب کے خاندان والو! قسم بخدا تم ادائے حق سے گریز کرنے کیلئے حیلے حوالے کیا کرتے ہو۔“ حضرت عمر نے تیز نگاہ سے میری طرف دیکھ کر کہا: ”اودشمن خدا! کیا تو رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتا ہے جو میں سن رہا ہوں۔ اور آپ کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر مجھے مسلمانوں اور تیری قوم کے درمیان صلح کے فوت ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا۔ تو اپنی تلوار سے تیرا سراڑا دیتا۔“ رسول اللہ ﷺ نے آرام و آہستگی اور تبسم کی حالت میں حضرت عمر کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ ”عمر! مجھے اور ان سے بجائے اس سختی کے اس بات کی زیادہ ضرورت تھی کہ تم مجھے حسن ادائے حق اور اسے حسن تقاضا کا امر کرتے۔ اے عمر! اس کو لے جاؤ۔ اور اس کا حق ادا کر دو۔ اور اسے جو تم نے دھمکایا ہے اس کے عوض بیس صاع کھجوریں اور دے دو۔“ حضرت عمر مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور میرا حق ادا کر دیا۔ اور بیس صاع کھجوریں اور دے دیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ زائد کیسی ہیں؟ حضرت عمر نے اس کا جواب دیا۔ پھر میں نے کہا: عمر! کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ جواب دیا کہ نہیں۔ میں نے کہا: کہ میں زید بن سعہ ہوں۔ فرمایا: وہی زید جو یہودیوں

کا عالم ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ پھر پوچھا کہ تو نے رسول اللہ ﷺ کیساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ میں نے کہا: اے عمر! جس وقت میں نے روئے محمد ﷺ کو دیکھا۔ وہ تمام علامات جو میں تورات میں پڑھا کرتا تھا موجود پائیں۔ ان میں سے صرف دو علامتیں باقی تھیں جو میں نے اب آزمائیں۔ اے عمر! میں تجھ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اللہ کو اپنا پروردگار اور اسلام کو اپنا دین اور محمد کو اپنا پیغمبر ماننے پر راضی ہو گیا۔ اور میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میرا آدھا مال امت محمد ﷺ پر صدقہ ہے پھر حضرت عمرؓ اور زید دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت زید نے بارگاہ رسالت میں اظہار اسلام کیا (۳۳)۔ اسلام لانے کے بعد حضرت زید بن سعنہ بہت سے غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے۔ اور غزوہ تبوک میں دشمن کی طرف بڑھتے ہوئے شہید ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔
شفقت و رحمت: چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿٥١﴾ (ہیاء: ع ۷)

”اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر رحمت بنا کر سارے جہان کے لیے۔“

اس لیے تمام مخلوقات آپ کی رحمت سے بہرہ ور ہے۔ جیسا کہ ذیل کے مختصر بیان سے واضح ہوگا۔

اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی شان میں یوں فرماتا ہے:

امت پر شفقت و رحمت: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٠﴾ (توبہ: اخیر رکوع)

”البتہ تحقیق تمہارے میں کا ایک پیغمبر تمہارے پاس آیا ہے۔ تمہاری تکلیف اس پر شاق

گزر رہی ہے۔ اس کو تمہاری ہدایت و صلاح کی حرص ہے۔ وہ ایمان والوں پر شفقت رکھنے

والا مہربان ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے اوصاف حمیدہ میں ذکر کر دیا کہ امت کی

تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے۔ ان کو شب و روز یہی خواہش دامن گیر ہے کہ امت راہ راست پر آجائے

اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ آپ نے امت کی ہدایت و بہبودی کے لیے کیا کیا مصیبتیں

جھیلیں۔ سخت سے سخت مصیبت میں بھی آپ نے بددعا نہ فرمائی بلکہ ہدایت کی دعا کی۔ ایمان والوں پر

آپ کی شفقت و رحمت ظاہر ہے۔ اسی واسطے آپ نے کسی مقام پر امت کو فراموش نہیں فرمایا۔ بغرض

توضیح چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

جس روز آندھی یا آسمان پر بادل ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک میں غم و فکر کے آثار

نمایاں ہوتے۔ اور آپ کبھی آگے بڑھتے اور کبھی پیچھے ہٹتے۔ جب بارش ہو جاتی تو آپ خوش ہوتے اور حالت غم جاتی رہتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا: کہ میں ڈرتا ہوں کہ مبادا (قوم عاد کی طرح) یہ عذاب ہو جو میری امت پر مسلط کیا گیا ہو۔ (۳۶)

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اللَّهُمَّ مَنْ وُلِيَ مِنْ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وُلِيَ مِنْ أُمَّرِ
أُمَّتِي شَيْئًا فَارْفُقْ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ۔

”خدا یا جو شخص میری امت کے کسی کام کا والی و متصرف بنایا جائے پس وہ ان کو مشقت میں ڈالے تو اس والی کو مشقت میں ڈال اور جو شخص میری امت کے کسی کا والی بنایا جائے۔ پس وہ ان کے ساتھ نرمی کرے۔ تو اس والی کے ساتھ نرمی کر۔“

رسول اللہ ﷺ کو جہاد کا اس قدر شوق تھا کہ آپ چاہتے تھے کہ میں بار بار شہید ہو کر زندہ ہوتا رہوں۔ مگر چونکہ امت میں سے ہر ایک پر واجب تھا کہ جہاد میں آپ کے ساتھ نکلے فجو آئے آئیہ ذیل:

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا
يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ

”نہ چاہے مدینہ کے رہنے والوں کو اور ان اعراب کو جو ان کے گرد ہیں کہ پیچھے رہ جائیں

رسول خدا سے، اور نہ یہ کہ رسول کی جان سے اپنی جان کو زیادہ چاہیں۔“ (توبہ: ۱۵ع)

اس لیے آپ سرایا میں لشکر اسلام کے ساتھ بدیں خیال تشریف نہ لے جایا کرتے تھے کہ اگر میں ہر فوج کے ہمراہ جاؤں تو مسلمانوں کی ایک جماعت پیچھے رہ جائے گی۔ کیوں کہ میرے پاس اس قدر گھوڑے اونٹ نہیں کہ سب کو سوار کر کے ساتھ لے جاؤں اور نہ ان میں استطاعت ہے کہ سوار ہو کر میرے ساتھ چلیں۔ اس طرح پیچھے رہ جانے والے گنہگار اور ناخوش و شکستہ دل ہوں گے (۳۷)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ عزوجل کا قول حضرت ابراہیم کی نسبت رب انہن اضللن کثیراً من الناس۔ الایہ۔ اور حضرت عیسیٰ کا قول ان تعذبہم فانہم عبادک و ان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم تلاوت فرمایا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی:

اللہم امتی امتی۔ (خدا یا میری امت میری امت) اور رو پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو حکم دیا کہ محمد کے پاس جاؤ (حالانکہ تیرا پروردگار خوب جانتا ہے)۔ ان سے رونے کا سبب دریافت کرو۔ حضرت جبرئیل نے حاضر خدمت ہو کر رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے بتا دیا (حالانکہ خدا

کو خوب معلوم ہے) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: اے جبرئیل! محمد کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہم آپ کو امت کے بارے میں راضی کریں گے۔ اور غمگین نہ کریں گے (۳۸)۔

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے۔ کہ جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو مومن مر جائے اور مال چھوڑ جائے۔ تو وہ اس کے وارثوں کو خواہ کوئی ہوں ملنا چاہے۔ اور جو مومن قرض یا (محتاج) عیال چھوڑ جائے تو چاہیے کہ قرض خواہ یا عیال میرے پاس آئے کیوں کہ میں اس کا ولی و متکفل ہوں (۳۹)۔

آنحضرت ﷺ نے تین رات نماز تراویح اپنے اصحاب کرام کو پڑھائی۔ چوتھی رات صحابہ کرام بکثرت مسجد میں جمع ہوئے اور انتظار کرتے رہے۔ مگر حضور ﷺ تشریف نہ لائے صبح کی نماز کے بعد آپ نے یوں تقریر فرمائی (۴۰)۔

أَمَا بَعْدُ فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانَكُمْ لَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَفْرَضَ عَلَيْكُمْ
فَتَعَجِزُوا عَنْهَا۔

”اما بعد تمہارا مسجد میں جمع ہونا مجھ پر پوشیدہ نہ تھا۔ لیکن میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض ہو جائے۔ اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز آ جاؤ۔“

نماز تراویح کی طرح بعض اور افعال کو آپ نے صرف اس ڈر سے ترک کر دیا کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائیں۔ ہر نماز کے لیے مسواک کا ترک کرنا، تاخیر عشاء کا ترک کرنا اور صوم وصال سے منع فرمانا اسی قبیل سے ہیں۔

یہ آپ کی شفقت ہی کا باعث تھا کہ دین و دنیا میں امت کے لیے تخفیف و آسانی ہی مد نظر رہی۔ چنانچہ جب آپ کو دو امور میں اختیار دیا جاتا۔ تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے۔ بشرطیکہ وہ آسان موجب گناہ نہ ہوتا۔ اور اگر ایسا ہوتا تو آپ سب سے برہ کر اس سے دور ہنے والے تھے (۴۱)۔

شب معراج میں پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ بارگاہ رب العزت سے واپس آتے ہوئے جب آپ آسمان ششم میں حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرے۔ تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا۔ کہ کیا حکم ملا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہر روز پچاس نمازوں کا حکم ملا ہے۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا۔ کہ آپ کی امت ہر روز پچاس نمازیں نہ پڑھ سکے گی۔ آپ اپنی امت سے بوجھ ہلکا کرائیں۔ چنانچہ آپ درگاہ رب العزت میں بار بار حاضر ہو کر تخفیف کراتے رہے۔ یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں۔ اور آپ اس پر راضی ہو گئے۔ (صحیحین)

جب شب معراج میں حضور مقام قاب تو سین میں پہنچے۔ تو باری تعالیٰ کی طرف سے آپ پر یوں سلام پیش ہوا۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

”اے نبی! تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں۔“

اس کے جواب میں آپ نے عرض کیا:

السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ۔

”سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔“

اس جواب میں حضور نے عباد صالحین کو الگ ذکر کر کے گنہگار ان امت کو غایت کرم سے سلام

میں اپنے ساتھ شامل رکھا۔ اور اسی واسطے صیغہ جمع (علینا) استعمال فرمایا۔

حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میرا حال اور میری امت کا حال

اس شخص کی مثل ہے۔ جس نے آگ روشن کی۔ پس ٹڈیاں اور پروانے اس میں گرنے لگے۔ اور وہ ان

کو آگ سے ہٹاتا تھا۔ سو میں کمرے سے پکڑ کر آگ سے بچانے والا ہوں۔ اور تم میرے ہاتھ سے

چھوٹے ہو (۴۲)۔ (اور آگ میں گرنا چاہتے ہو)۔

قیامت کے دن لوگ بغرض شفاعت یکے بعد دیگرے انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس جائیں

گے۔ مگر وہ سب عذر پیش کریں گے۔ آخر کار حضور شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوں گے۔ آپ حمد و ثناء کے بعد سجدے میں گر پڑیں گے۔ باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ

سر سجدے سے اٹھائیے۔ جو کچھ مانگیے، دیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے۔ آپ کی شفاعت قبول کی جائے

گی۔ اس وقت آپ یوں عرض کریں گے۔ یارب امتی امتی اے میرے پروردگار! میری امت میری

امت (صحیحین) اب عالم برزخ میں ہر روز آپ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ اچھے عملوں کو

دیکھ کر آپ خدا کا شکر اور برے عملوں کو دیکھ کر مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

پہلی امتوں میں نافرمانی پر عذاب الہی ہوتا تھا مگر حضور ﷺ کے وجود باوجود کی

کافروں پر رحمت: برکت سے کفار عذاب دنیوی سے محفوظ رہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (انفال: ۴۶)

”اور خدا ان کو عذاب نہ کرے گا جب تک تو ان میں ہے۔“

بلکہ عذاب استیصال کفار سے تا قیامت مرفوع ہے۔

ایک دفعہ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ مشرکین پر بددعا کریں آپ نے فرمایا ”میں

لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں (۴۳)۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی کو رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ دوس میں دعوت اسلام کے لیے بھیجا تھا۔

انہوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں عرض کیا: ”قبیلہ دوس ہلاک ہو گیا۔ کیوں کہ انہوں نے نافرمانی کی اور اطاعت سے انکار کر دیا۔ آپ ان پر بددعاء کریں۔“ لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ بددعاء کرنے لگے ہیں۔ مگر آپ نے یوں دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَأَنْتَ بِهِمْ-

”خدا یا! قبیلہ دوس کو ہدایت دے دو اور ان کو مسلمان کر کے لا۔“

جب طائف سے محاصرہ اٹھایا گیا۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! ہم کو قبیلہ ثقیف کے تیروں نے جلا دیا۔ آپ ان پر بددعاء کریں۔ مگر آپ نے یوں دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا-

”خدا یا! ثقیف کو ہدایت دے۔“

جنگ احد میں دانت مبارک شہید ہو گیا تھا اور چہرہ مبارک خون آلود تھا۔ مگر زبان مبارک پر یہ

الفاظ تھے:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ-

”خدا یا! میری قوم کا یہ گناہ معاف کر دے کیوں کہ وہ نہیں جانتے۔“

جب قریش نے ازروئے تعنت و عناد ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے یوں دعا کی: یا اللہ! ان حضرات پر یوسف کے سات سالوں کی طرح سات سال قحط لا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریش نے ہڈیاں اور مردار کھائے۔ اس حالت میں ابوسفیان نے حاضر خدمت ہو کر یوں عرض کیا: ”یا محمد! آپ کی قوم ہلاک ہو گئی۔ اللہ سے دعا کیجئے۔ کہ ان کی مصیبت دور ہو جائے۔“ پس حضور رحمتہ اللعالمین ﷺ نے دعا فرمائی اور وہ مصیبت دور ہو گئی (۴۴)۔

حضرت ثمامہ بن اثال یمامی کے ایمان لانے کا قصہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ وہ اسلام لا کر آنحضرت ﷺ کی اجازت سے عمرہ کے لیے مکہ میں آئے۔ مشرکین میں سے کسی نے ان سے کہا کہ تم ہمارے دین سے برگشتہ ہو گئے۔ ثمامہ نے کہا کہ میں نے دین محمدی جو خیر الادیان ہے اختیار کر لیا ہے۔ ”خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر غلہ کا ایک دانہ تم تک نہ پہنچے گا (۴۵)۔“ مکہ میں غلہ یمامہ سے آیا کرتا تھا۔ جب یمامہ سے غلہ کی آمد بند ہو گئی۔ تو قریش میں کال پڑ گیا۔ انہوں نے تنگ آ کر صلہ رحم کا واسطہ دے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لکھا۔ آپ نے حضرت ثمامہ کو لکھا کہ یہ بندش اٹھا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (۴۶)۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر بیان کرتی ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں میری ماں

میرے پاس آئی۔ وہ مشرکہ تھی۔ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ کچھ مانگتی ہے۔ کیا میں اس سے صلہ رحم کروں؟ حضور نے فرمایا (۴۷):

نَعْمُ صَلَّى اَمْكُ۔
”ہاں۔ تو اپنی ماں سے صلہ رحم کر۔“

آنحضرت ﷺ کا سلوک منافقین کے ساتھ قابل غور ہے۔ یہ لوگ سامنے تو چا پلوسی کیا کرتے تھے۔ مگر پیٹھ پیچھے حضور ﷺ کو اذیت دیا کرتے تھے۔ باوجود علم کے آپ ان کے ساتھ خلق سے پیش آتے۔ ان کے لیے استغفار فرماتے۔ اور ان کے جنازے کی نماز پڑھا کرتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔

اسلام سے پہلے یہ صنف نازک قعر مذلت میں گری ہوئی اور مردوں کے عورتوں پر شفقت و رحمت: استبداد کا تختہ مشق بنی ہوئی تھی۔ عرب میں ازواج کی کوئی حد نہ تھی۔ چنانچہ حضرت غیلان ثقفی ایمان لائے۔ تو ان کے تحت میں دس عورتیں تھیں۔ جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کو وراثت میں پاتا۔ وہ خود اس سے شادی کر لیتا۔ یا اپنے بھائی یا قریبی کو شادی کے لیے دے دیتا۔ ورنہ نکاح ثانی سے منع کرتا۔ اسی طرح اور خرابیاں بھی تھیں۔ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ہندوستان میں کثرت ازدواج اور نیوگ کو جائز سمجھا جاتا تھا۔ شوہر مر جاتا تو بیوہ نکاح ثانی نہ کر سکتی تھی۔ بلکہ اسے دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہ تھا۔ وہ شوہر کی چتا میں زندہ جل کر بھسم ہو جاتی۔ اور سنی کا پوتر لقب حاصل کرتی۔ طرفہ یہ کہ ایسا حکم صرف عورتوں ہی کے لیے تھا۔ شوہر عورت کی چتا میں نہ جلتا۔ بعض ملکوں مثلاً مثبت میں کثرت ازدواج کا عکس پایا جاتا تھا۔ اگر عورت ایک مرد سے شادی کرتی۔ تو وہ اس مرد کے دوسرے بھائیوں کی بھی زوجہ سمجھی جاتی تھی۔ مجوسیوں کے ہاں بیٹی اور ماں سے بھی نکاح جائز سمجھا جاتا تھا۔

مسیحی بیاض تعلیم میں عورت کی عزت و احترام کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ خود حضرت مسیح ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کو اے عورت کہتے ہیں (یوحنا باب ۱۹۔ آیہ ۲۶)۔ اور ستم دیکھیے۔ شوہر عنین ہو۔ خصی ہو۔ محبوب ہو۔ مجنون ہو یا سزا یافتہ جس دوام ہو۔ ان حالات میں انجیل مقدس نے عورت کی خلاصی کی کوئی صورت نہیں بتائی۔ مگر یہ کہ زنا جیسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے (متی باب ۵۔ آیہ ۳۲ باب ۱۹۔ آیہ ۹)۔

جزیرہ پاپوا (نیوگنی) کے قدیم باشندوں کے حالات جو اب معلوم کیے گئے ہیں ان سے پایا جاتا ہے۔ کہ ”ان میں شوہر کو اپنی عورت پر پورا اختیار حاصل تھا وہ اپنے شوہر کا مال تھی۔ کیوں کہ خاوند اس کے لیے ایک رقم ادا کرتا تھا۔ بعض حالات میں شوہر اس کو قتل کر سکتا تھا (۴۸)۔“

دنیا کے کسی مذہب میں والدین یا شوہر کے ترکہ میں عورت کا کوئی حق نہ تھا۔ اور اب تک بھی

اسلام کے سوا کسی مذہب نے عورت کو ترکہ میں کسی کا حقدار نہیں ٹھہرایا۔

آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے اس ذلیل و مظلوم گروہ کی وہ حق رسی ہوئی۔ کہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ حضور ﷺ نے عورت کو عزت و احترام کے دربار میں مردوں کے برابر جگہ دی۔ اور مذکورہ بالا مفاسد کا انسداد فرمادیا۔

اسلام سے پہلے کثرت از دواج کی کوئی حد نہ تھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اسلام نے اسے خوبصورت ضرورت چار تک محدود کر دیا۔ اور چار کو بھی شرط عدل پر معلق رکھا۔ بصورت فقدان عدل صرف ایک پر مقصود کر دیا۔ مرد عورت پر حاکم ہے۔ اس لیے رعیت کا تعدد ایک حد تک جائز رکھا گیا۔ مگر حاکم کا تعدد جائز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ایک عورت کے متعدد شوہر نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید میں محرمات کی تفصیل موجود ہے۔ جن میں ماں اور بیٹی داخل ہیں۔ خودکشی خواہ کسی طرح ہو منع ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ۔ (نساء: ۱۵) ”اور نہ مار ڈالو اپنے آپ کو۔“

باری تعالیٰ عزا سہ کا ارشاد ہے:

حسن معاشرت کی تاکید: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (نساء: ۳۴)

”عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو۔“

اگر عورت سرکشی اختیار کرے تو مرد کو اسے قتل کرنے کا اختیار نہیں۔ بلکہ پہلے اسے سمجھائے۔ نہ سمجھے تو گھر میں اس سے جدا سوئے۔ پھر آخر درجہ مارے تو بھی تو نہ ایسا کہ ضرب شدید پہنچے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَأَضْرِبُوهُنَّ۔

”اور جن عورتوں کی سرکشی کا تم کو ڈر ہو تم ان کو نصیحت کرو۔ اور خواب گاہ میں ان کو جدا کرو۔“

اور ان کو مارو۔“

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَآنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي۔ (ترمذی و دارمی ابن ماجہ)

”تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے سب سے اچھا ہو۔ اور میں اپنے اہل

کے لیے تم سب سے اچھا ہوں۔“

حضور ﷺ مردوں کو عورتوں کی کج خلقی پر صبر کی وصیت یوں فرماتے ہیں:

إِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضَلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي

الصِّلَعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبَتْ تَقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكَتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ
فَأَسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ۔ (بخاری۔ باب خلق آدم وذریۃہ)

”میں جو تمہیں عورتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں۔ تم میری وصیت کو قبول کرو۔ کیوں کہ عورت استخوان پہلو سے پیدا کی گئی ہے۔ اور استخوان پہلو میں سب سے ٹیڑھی چیز اس کا حصہ بالائی ہے۔ اگر تم اس استخوان کو سیدھا کرنے لگو تے تو اسے توڑ دو گے۔ اور اگر اسے چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی رہے گی۔ پس تم عورتوں کے بارے میں میری وصیت کو قبول کرو۔“

عورتوں پر آنحضرت ﷺ کی شفقت اس قدر تھی کہ اگر آپ نماز کی حالت میں کسی بچہ کی آواز سنتے تو اس کی ماں کی مشقت کے خیال سے نماز میں تحفیف فرماتے۔ (بخاری باب الايجاز فی الصلوٰہ واکمالہا)
آنحضرت ﷺ کے ایک سیاہ فام غلام انجشہ نام تھے۔ وہ اونٹوں کے آگے حدی پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہرات کے ساتھ تھیں۔ اونٹ تیز چلنے لگے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا:
وَيُحَكِّ يَا أَنْجَشَةُ رُوَيْدَكَ بِالْقَوَارِيرِ۔ (بخاری: کتاب الادب)
”انجشہ! دیکھنا۔ شیشوں کو آہستہ لے چل۔“

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق مکہ میں حضرت زبیر العوام کے نکاح میں آئیں۔ حضرت زبیر کے پاس ایک گھوڑے اور ایک آبلش اونٹ کے سوا کوئی مال و مملوک نہ تھا۔ اس لیے حضرت اسماء گھر کے کام کے علاوہ گھوڑے کے لیے گھاس لاتیں۔ اور اونٹ کو کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر کھلاتیں۔ چنانچہ آپ بیان فرماتی ہیں کہ میں اس زمین سے جو رسول اللہ ﷺ نے (ہجرت کے بعد اموال بنی نضیر میں سے) حضرت زبیر کو عطاء فرمائی تھی اور جر میرے مکان سے دو میل کے فاصلے پر تھی کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لا کر لایا کرتی تھی۔ ایک روز میں آرہی تھی اور گٹھلیاں میرے سر پر تھیں۔ اس حالت میں میری نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی۔ آپ کے ساتھ انصار کی ایک جماعت تھی۔ آپ نے مجھے آواز دی۔ اور اونٹ کو بٹھا دیا تاکہ مجھے اپنے پیچھے سوار کر لیں۔ میں مردوں کے ساتھ چلنے سے شرمائی۔ آنحضرت ﷺ آگے تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابو بکر نے ایک خادمہ میرے پاس بھیج دی جو گھوڑے کی خدمت کیا کرتی تھی۔ اس طرح صدیق اکبر نے مجھ کو گویا غلامی سے آزاد کر دیا۔ (۴۹)

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں حضرت اسماء کا بیان ہے کہ ”میں حضرت زبیر کے ہاں کام کرتی تھی۔ ان کا ایک گھوڑا تھا۔ جس کی نگہبانی میرے ذمہ تھی۔ گھوڑے کی نگہبانی سے زیادہ سخت اور کوئی خدمت نہ تھی۔ میں اس کے لیے گھاس لاتی، اس کی خدمت و نگہبانی کرتی۔“ کچھ عرصہ کے بعد

آنحضرت ﷺ کے پاس غلام آئے۔ آپ نے ایک خادمہ حضرت اسماء کو عطا فرمائی جو گھوڑے کی خدمت کیا کرتی تھی۔ (۵۰) ہر دور روایت میں وجہ تطبیق یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وہ باندی حضرت ابوبکر کے ہاں بھیج دی۔ تاکہ وہ حضرت اسماء کے پاس بھیج دیں۔

اسلام میں از روئے قرآن و حدیث عورتوں کے حقوق ثابت ہیں۔ چنانچہ عورتوں کے حقوق: باری تعالیٰ عزاسمہ کا ارشاد ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ (بقرہ: ۲۲۸، آیت ۲۲۸)

”اور عورتوں کا (مردوں پر) حق ہے جیسا کہ (مردوں کا) عورتوں پر ہے۔ ساتھ انصاف کے اور مردوں کو ان پر درجہ (فوقیت) ہے۔“

اس آیت سے ظاہر ہے کہ عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے عورتوں پر ہیں۔ ازدواجی زندگی میں نباہ نہ ہونے کی صورت میں اگر مرد کو طلاق کا حق ہے۔ تو دوسری طرف عورت کو خلع کا اختیار دیا گیا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (نساء: ۱۵۷)

”مردوں کے لیے حصہ ہے اس چیز سے کہ چھوڑ گئے ہیں ماں باپ اور قرابتی اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس چیز سے کہ چھوڑ گئے ہیں ماں باپ اور قرابتی تھوڑا ہو اس میں سے یا بہت ہو حصہ ہے مقرر کیا ہوا۔“

اس آیت کی رو سے عورتیں اپنے ماں باپ اور قرابتیوں کی وارث ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یوں (۵۱) ارشاد فرمایا:

فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ فَاخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللَّهِ۔

”پس عورتوں کے معاملہ میں تم خدا سے ڈرو۔ کیوں کہ تم نے ان کو عہد خدا کے ساتھ لیا ہے۔“

ایک روز عورتوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا۔ کہ آپ کے ہاں مردوں کا ہر روز ہجوم رہتا ہے۔ آپ ہمارے واسطے ایک خاص دن مقرر فرمائیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے عورتوں کے لیے ایک دن خاص کر دیا۔ وہ اس دن حاضر خدمت اقدس ہوتیں۔ آپ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے (۵۲)۔ حقوق النساء کی تفصیل کے لیے مطولات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

یتیموں اور غریبوں پر آپ کی بڑی شفقت تھی۔ چنانچہ یتیم کی خبر گیری کرنے والے کا درجہ بتانے

کے لیے آپ نے اپنی انگشت سبابہ و وسطیٰ کے درمیان کچھ کشادگی رکھ کر فرمایا: ”میں اور یتیم کا متکفل خواہ یتیم اس کے رشتہ داروں میں سے ہو یا اجنبیوں میں سے ہو بہشت میں یوں ہوں گے (۵۳)۔“

حضرت ابو امامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص محض رضائے خدا کے لیے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے اس کے لیے ہر بال کے مقابلہ میں جس پر اس کا ہاتھ پھرتا ہے نیکیاں ہیں۔ اور جو کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ (جو اس کی کفالت میں ہو) نیکی کرتا ہے میں اور وہ بہشت میں ان دو انگلیوں (آپ نے سبابہ و وسطیٰ کو ملا کر اشارہ فرمایا) کی مانند ہوں گے (۵۴)۔

ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میرا دل سخت ہے۔ اس کا علاج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

حضرت اسماء بنت عمیس ”زوجہ حضرت جعفر طیار“ بیان کرتی ہیں۔ کہ جس دن حضرت جعفر ”غزوہ موتہ میں“ شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاں قدم رنجہ فرمایا۔ میں اس دن چالیس کھالوں کی دباغت کر چکی تھی اور آٹا پیس کر اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر تیل مل چکی تھی۔ کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ فرمایا اسماء! جعفر کے بچے کہاں ہیں؟ میں نے ان کو حاضر خدمت کیا۔ آپ نے ان کو سینہ سے لگالیا۔ پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ رو پڑے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! شاید آپ کو جعفر کی طرف سے کچھ خبر آئی ہے۔ فرمایا: ہاں وہ آج شہید ہو گئے۔ یہ سن کر میں چلانے لگی۔ عورتیں جمع ہو گئیں۔ فرمانے لگے اسماء لغونہ بول اور سینہ نہ پیٹ۔ پھر آپ حضرت فاطمہ زہرا کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ بولیں۔ ہائے چچا! آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جعفر جیسے پر عورتوں کو رونا چاہیے (۵۵)۔ بیوگان و مساکین کی خبر گیری کا ثواب آپ نے یوں بیان فرمایا: ”بیوگان و مساکین پر خرچ کرنے والا راہ خدا ”جہاد و حج“ میں خرچ کرنے والے کی مانند ہے۔“

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے یوں دعا کی:

اللَّهُمَّ احْنِيْ مِسْكِيْنَ وَاَحْسِرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

”خدا یا! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مجھے مسکین موت دے اور قیامت کے دن غریبوں کے

گروہ میں میرا حشر کر۔“

حضرت عائشہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا یہ دولت مندوں سے چالیس سال پہلے بہشت میں جائیں گے۔ اے عائشہ! کسی مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد نہ پھیرنا۔ گو نصف خرما ہی کیوں نہ ہو۔ اے عائشہ! غریبوں سے محبت رکھ اور ان کو اپنے سے نزدیک کر۔ خدا تجھے

قیامت کے دن اپنے سے نزدیک کرے گا۔

آنحضرت ﷺ بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ بچے آپ کی بچوں پر شفقت و رحمت: خدمت میں بغرض دعا و تحنیک لائے جاتے تھے۔ ایک روز ام قیس بنت محسن اپنے شیر خوار بچہ کو خدمت اقدس میں لائی۔ آپ نے اس بچہ کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے اس پر پانی بہا دیا اور کچھ نہ کہا۔

آپ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے تھے۔ ایک روز آپ حضرت حسن بن علی کو چوم رہے تھے۔ اقرع بن حابس تمیمی آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ دیکھ کر کہنے لگے۔ کہ میرے دس لڑکے ہیں۔ میں نے ان میں سے کسی کو نہیں چوما۔ آپ نے فرمایا ”جو رحم نہیں کرتا۔ اس پر رحم نہیں کیا جاتا“۔ ایک بدو رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا۔ کہ تم بچوں کو چومتے ہو۔ ہم نہیں چومتے۔ آپ نے فرمایا: ”جب اللہ تمہارے دل سے رحمت نکال لے۔ تو میں کیا کر سکتا ہوں“۔

حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز ظہر پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ دولت خانہ کو تشریف لے گئے میں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں بچے ملے۔ آپ نے ہر ایک کے رخساروں پر دست شفقت پھیرا۔ اور میرے رخساروں پر بھی پھیرا۔ میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک یا خوشبو ایسی پائی کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ مبارک عطار کے صندوقچہ میں سے نکالا تھا۔

جب آپ کا گزر بچوں پر ہوتا۔ تو ان کو سلام کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کا بیان ہے۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی سفر سے تشریف لاتے تو آپ کے اہل بیت کے بچے خدمت میں تشریف لائے جاتے۔ ایک دفعہ آپ کسی سفر سے تشریف لائے۔ تو پہلے مجھے خدمت شریف میں لے گئے۔ آپ نے مجھے اپنے آگے سوار کر لیا۔ پھر حضرت فاطمہ زہرا کے دو لڑکوں میں سے ایک لائے گئے۔ آپ نے ان کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ اس طرح تینوں ایک سواری پر داخل مدینہ ہوئے (۵۶)۔

فتح مکہ کے دن جب آپ مکہ میں تشریف لائے۔ تو حضرت عباس کے صاحب زادوں قثم اور فضل کو اپنی سواری پر آگے پیچھے بٹھالیا۔ (۵۷)

حضرت ابورافع بن عمرو غفاری کے چچا بیان کرتے ہیں۔ کہ میں لڑکپن میں انصار کے نخلستان میں جاتا۔ اور درختوں پر ڈھیلے مارتا۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے پوچھا لڑکے! تو درختوں پر ڈھیلے کیوں مارتا ہے؟ میں نے کہا کھجوریں کھانے کے لیے۔ آپ نے فرمایا: ڈھیلے نہ مارا

کرد۔ کھجوریں جو نیچے گری ہوں کھالیا کرو۔ پھر آپ نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور یوں دعا فرمائی: ”خدا یا! اس کا پیٹ بھر دے (۵۸)۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فصل کا کوئی پھل پکتا تو لوگ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا کرتے۔ آپ اس پر یہ دعا پڑھا کرتے: ”خدا یا! ہمیں اپنے مدینہ میں اور اپنے پھل اور اپنے مد میں اور اپنے صاع میں برکت دے۔“ اس دعا کے بعد بچے جو حاضر خدمت ہوا کرتے ان میں سے سب سے چھوٹے کو وہ پھل عنایت فرماتے (۵۹)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت میرے پاس آئی۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں۔ اس نے مجھ سے کچھ مانگا۔ اس وقت میرے پاس صرف ایک کھجور تھی۔ میں نے وہی اسے دے دی۔ اس نے دونوں لڑکیوں میں تقسیم کر دی۔ پھر وہ چلی گئی۔ رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے۔ تو میں نے یہ قصہ آپ سے عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ”جس شخص کے ہاں لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی پرورش اچھی طرح کرے۔ تو وہ آتش دوزخ اور اس کے درمیان حائل ہو جائیں گی۔“ (۶۰)

ام خالد بنت خالد بن سعید بن عاص قرشیہ امویہ کے والدین ہجرت کر کے حبشہ میں چلے گئے تھے۔ یہ وہیں پیدا ہوئیں اور لڑکپن میں وہاں سے مدینہ آ گئیں۔ حضرت زبیر بن العوام کے ساتھ بیاہی گئیں۔ جن سے ایک لڑکا خالد نام پیدا ہوا۔ اس سبب سے ان کی کنیت ام خالد ہوئی۔ ان کا بیان ہے کہ ایک روز میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ زرد رنگ کا کرتہ میرے بدن پر تھا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: ”سنہ سنہ“ حبشی زبان میں ”سنہ کو کہتے ہیں“ میں خاتم نبوت سے کھیلنے لگی۔ میرے باپ نے مجھے جھڑک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھیلنے دو۔ پھر تین بار فرمایا: تو اس کو پہن کر پرانا کرے۔ (۶۱)

ام خالد ہی بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے پاس کپڑے آئے۔ ان میں ایک سیاہ چادر تھی۔ جس میں دونوں طرف آنچل تھے۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ چادر کس کو اوڑھاؤں۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا ام خالد کو لاؤ۔ مجھے لے گئے تو آپ نے اپنے دست مبارک سے وہ چادر مجھے اوڑھائی۔ اور دو دفعہ فرمایا: ”تو اسے پہن کر پرانی کرے“ آپ چادر کی بوٹیاں دیکھ رہے تھے۔ اور ہاتھ مبارک سے میری طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے ”ام خالد! یہ سنہ ہے۔ ام خالد یہ سنہ ہے۔“ سنہ حبشی زبان میں ”حسن“ کو کہتے ہیں۔ (۶۲)

غزوات میں آنحضرت ﷺ کی ہدایت تھی کہ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا۔ آپ کا وجود باوجود لڑکیوں کے لیے خصوصیت سے رحمت تھا زمانہ جاہلیت میں بعض عرب افلاس کے ڈر سے لڑکیوں

کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ کہ ہم اہل جاہلیت و بت پرست تھے۔ اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے۔ میرے ہاں ایک لڑکی تھی۔ میں نے اسے بلایا۔ وہ خوشی خوشی میرے پیچھے ہوئی۔ جب میں نزدیک ہی اپنے اہل کے ایک کنوئیں پر پہنچا۔ تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنوئیں میں گرادیا۔ وہ ابا ابا کہتی تھی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے آپ نے فرمایا کہ یہ قصہ مجھے پھر سناؤ۔ اس شخص نے دہرایا۔ تو آپ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ڈاڑھی مبارک تر ہو گئی۔ (۶۳)

عرب کی طرح ہند میں بھی دختر کشی پائی جاتی تھی۔ رومتہ الکبریٰ میں بچہ کشی کی رسم زمانہ قدیم سے جاری تھی۔ چنانچہ ایڈورڈ گبن صاحب اپنی تاریخ میں یوں رقمطراز ہے:

”اپنے نئے پیدا ہوئے بچوں کے باہر پھینک آنے یا قتل کرنے کی خوفناک رسم جس سے قدماء خوب آشنا تھے۔ رومتہ الکبریٰ کے صوبہ جات بالخصوص اطالیہ میں روز بروز کثیر الوقوع ہوتی جاتی تھی۔ اس کا باعث افلاس تھا۔ اور افلاس کے بڑے اسباب ٹیکسوں کا ناقابل برداشت بوجھ اور مفلس مدیونوں کے خلاف محکمہ مال کے افسروں کے تکلیف دہ اور بے درد مقدمات تھے۔ نوع انسان کے کم مالدار یا کم محنت کش حصہ نے عیال میں اضافہ کی خوشی منانے کی بجائے شفقت پداری کا مقتضایہ سمجھا تھا۔ کہ اپنے بچوں کو ایسی زندگی کی آنے والی تکلیفوں سے چھڑا دیا جائے جسے وہ خود نبانے کے قابل نہ تھے۔ قسطنطنیہ (متوفی ۲۲ مئی ۱۳۳۷ء) کی مروت شاید مایوسی کے بعض تازہ غیر معمولی واقعات سے حرکت میں آئی۔ کہ اس نے پہلے اطالیہ پھر افریقہ کے تمام شہروں کی طرف ایک فرمان بھیجا۔ جس میں یہ ہدایت تھی کہ والدین اپنے ایسے بچے مجسٹریٹوں کی عدالتوں میں پیش کیا کریں جن کو ان کا افلاس تعلیم دلانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ان کو فوری و کافی امداد دی جائے گی۔ لیکن یہ وعدہ ایسا فیاضانہ اور بندوبست ایسا بے سرو پا تھا۔ کہ اس پر کوئی عام یا دائمی فائدہ مترتب نہ ہوا۔ یہ قانون اگرچہ کسی قدر قابل تحسین تھا۔ مگر افلاس عامہ کو کم کرنے کی بجائے یہ افلاس کے اظہار کا ذریعہ بنا۔“ (۶۴)

یہ رسم بد جس کا انسداد کسی دنیوی قوت سے نہ ہو سکا آنحضرت ﷺ کی برکت سے عرب بلکہ آہستہ آہستہ تمام دنیا سے اٹھ گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ عزاسمہ یوں ہوا:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ إِمْلَاقٍ طَمَحْنُ نَزَقْنَاكُمْ وَإِيَّاهُمْ (انعام: ۱۹۷)

”اور تم اپنے بچوں کو مفلسی کے ڈر سے ہلاک نہ کرو۔ ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں۔“

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۖ (تکویر)

”اور جب زندہ درگور لڑکی پوچھی جائیگی کہ تو کس گناہ کے بدلے ہلاک کی گئی۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمادیا:

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَذَادَ الْبَنَاتِ - (مشکوٰۃ: باب المیز والصلہ)

”اللہ نے تم پر حرام فرمادیا ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا۔“

عورتیں جن چیزوں پر آنحضرت ﷺ سے بیعت کیا کرتی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی:

وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ - (متحدہ: ۲۴)

”وہ اپنے بچوں کو ہلاک نہ کیا کریں گی۔“

آنحضرت ﷺ نے غلاموں کے آزاد کرنے کو موجب نجات فرمایا ہے۔

غلاموں پر شفقت: چنانچہ آپ کا ارشاد ہے: ”جو کوئی کسی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے اس غلام کے

ہر عضو کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اس کا ایک عضو دوزخ کی آگے سے آزاد کرتا ہے (۶۵)۔“ علاوہ ازیں

کفارات میں جا بجا غلام آزاد کرنا واجب رکھا گیا ہے۔

اسلام میں غلاموں کے حقوق کا خاص لحاظ ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں تمہارے

غلاموں میں جو تمہارے موافق ہوں۔ اسے کھلاؤ اس میں سے جو تم کھاتے ہو۔ اور پہناؤ اس میں سے

جو تم پہنتے ہو۔ اور ان میں سے جو تمہارے موافق نہ ہو۔ اسے بیچ دو۔ اور خلق خدا کو عذاب نہ دو۔ (۶۶)

حضرت ابو مسعود انصاری بیان کرتے ہیں۔ کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا۔ کہ میں نے اپنے پیچھے

سے یہ آواز سنی: ”ابو مسعود! جان لو کہ تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے۔ اس سے زیادہ خدا کو تم پر

اختیار ہے۔“ میں نے مڑ کر جو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے

اس کو رضائے خدا کے لیے آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ”دیکھو! اگر تم ایسا نہ کرتے۔ تو دوزخ کی آگ تم

کو جلاتی۔ (۶۷)

حضرت ابو ذر کا بیان ہے کہ میں نے ایک عجمی غلام کو برا بھلا کہا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے

شکایت کر دی۔ آپ نے فرمایا: ”ابو ذر! تم میں جاہلیت ہے۔ وہ تمہارے بھائی ہیں۔ خدا نے تم کو ان پر

فضیلت دی ہے۔ ان میں سے جو تمہارے موافق نہ ہو۔ اسے بیچ دو۔ اور خلق خدا کو عذاب نہ دو۔ (۶۸)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ”یا

رسول اللہ! ہم خادم کو کتنی بار معاف کر دیا کریں؟“ آپ خاموش رہے۔ اس نے دوسری بار دریافت

کیا۔ پھر بھی آپ خاموش رہے۔ تیسری بار دریافت کرنے پر فرمایا کہ ہر روز ستر بار معاف کر دیا

کرد۔ (۶۹)

آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے غلام کے منہ پر تھپڑ مارے اس کا کفارہ یہ ہے۔ کہ اسے آزاد کر دے۔ حضرت سوید بن مقرن بیان کرتے ہیں کہ ہم سات بھائی تھے۔ ہمارے ہاں صرف ایک خادمہ تھی۔ ہم میں سے ایک نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا کہ خادمہ کو آزاد کر دو۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں صرف یہی ایک خادمہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ خدمت کرتی رہے۔ یہاں تک کہ بے نیاز ہو جائیں۔ جب ضرورت نہ رہے تو اسے آزاد کر دیں۔ (۷۰)

آنحضرت ﷺ کو غلاموں کی بہبودی کا اس قدر خیال تھا کہ جب وفات شریف کا وقت عین قریب آ پہنچا۔ تو آپ یوں وصیت فرما رہے تھے:

الصَّلَاةُ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ ”نماز اور غلام۔“

انسان تو درکنار چوپایوں پر بھی آنحضرت ﷺ کی شفقت تھی۔ چوپایوں پر شفقت و رحمت: ایک روز آپ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک اونٹ ہے۔ جب اس اونٹ نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو رو پڑا اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپ اس کے پاس آئے۔ اور اس کے پس گوش پر ہاتھ پھیرا۔ وہ چپ ہو گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے عرض کیا۔ کہ یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو اس چوپائے کے بارے میں جس کا اللہ نے تجھ کو مالک بنایا ہے خدا سے نہیں ڈرتا؟ اس نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے۔ اور کثرت سے تکلیف دیتا ہے۔ (۷۱)

ایک روز رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک اونٹ پر ہوا۔ جس کی پیٹھ ”بھوک اور پیاس کے سبب سے“ پیٹ سے لگی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: ”ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ تم ان پر سوار ہو اور آنحالیکہ لائق ”سواری کے“ ہوں۔ اور ان کو چھوڑ دو آنحالیکہ لائق ”پھر سوار ہونے کے“ ہوں۔“ (۷۲)

ایک دفعہ ایک گدھے پر آپ کا گزر ہوا۔ جس کے چہرے پر داغ دیا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”لعنت کرے اللہ اس شخص کو جس نے اسے داغ دیا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنے چوپایوں کی پیٹھوں کو منبر نہ بناؤ۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے تابع کیا ہے تاکہ وہ تم کو ایسے شہروں میں پہنچادیں جہاں تم بغیر مشقت جان نہ پہنچتے اور تمہارے واسطے زمین بنائی۔ پس اس پر اپنی حاجتیں پوری کرو۔“ (۷۳)

رسول اللہ ﷺ نے آداب سفر میں فرمایا ہے: کہ جب فراخ سالی ہو اور گھاس بکثرت ہو تو تم سفر

میں دن کو کسی وقت اونٹوں کو چھوڑ دیا کرو تا کہ وہ چر لیں۔ اور جب قحط سالی ہو تو ان کو تیز چلاؤ تا کہ وہ اچھی حالت میں منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ بصورت تاخیر وہ بھوک کے مارے کمزور ہو کر راستے ہی میں رہ جائیں۔ اور جب تم آخر شب میں کسی جگہ اترو تو راستہ چھوڑ کر ڈیرہ ڈالو کیوں کہ رات کے وقت چوپائے اور حشرات الارض راستوں میں پھرا کرتے ہیں۔ (۷۴) اور کھانے کی گری پڑی چیزیں اور ہڈیاں وغیرہ جو راستے میں ہوں کھایا کرتے ہیں۔

حضرت ابو واقد لیشی روایت کرتے ہیں۔ کہ نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اور لوگ اونٹوں کی کوہان اور بھیڑ بکری کی سرین کا گوشت ”کھانے کے لیے“ کاٹ لیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جو گوشت کسی زندہ چوپائے سے کاٹا جائے وہ مردار ہے۔ کھانا نہ چاہیے۔ (۷۵)

حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت ایک بلی کے سبب سے دوزخ میں گئی جسے اس نے باندھ رکھا اور کھانا کھلایا اور نہ چھوڑا تا کہ حشرات الارض کو کھاتی۔ (۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص راستے میں چل رہا تھا۔ اسے سخت پیاس لگی۔ ایک کنواں نظر پڑا۔ تو اس میں اتر کر اس نے پانی پیا پھر نکل آیا۔ ناگاہ اس نے ایک کتا دیکھا جو پیاس کے مارے زبان نکالے ہوئے تھا اور مٹی کھا رہا تھا۔ اس شخص نے سوچا کہ اس کتے کو پیاس سے ویسی ہی تکلیف ہے جیسی مجھے تھی۔ اس لیے وہ کنوئیں میں اتر آیا۔ اور اپنا موزہ پانی سے بھرا۔ پھر اسے اپنے منہ سے پکڑا۔ یہاں تک کہ اوپر چڑھ آیا۔ اور کتے کو پانی پلایا۔ خدا نے اس کی قدر دانی کی اور اسے بخش دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا چوپایوں میں ہمارے واسطے کچھ اجر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہر ذی روح میں اجر ہے۔ (۷۷)

آنحضرت ﷺ کی شفقت عامہ کا مقتضاء تھا کہ آپ نے چوپایوں کو باہم لڑانے (۷۸)، کسی جانور کو نشانہ بنانے (۷۹)، کسی چوپائے یا جانور کو ہلاک کرنے کے لیے جس (۸۰) کرنے اور اور حیوان کو مثلہ (۸۱) بنانے سے منع فرما دیا۔

حضرت عبدالرحمن کے والد عبداللہ بیان پرندوں اور حشرات الارض پر شفقت و رحمت کرتے ہیں۔ کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ ہم نے ایک پرندہ ”زوک“ کو دیکھا۔ جس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے۔ ہم نے دونوں کو پکڑ لیا۔ زوک آئی اور اترنے کے لیے بازو پھیلانے لگی۔ اتنے میں نبی ﷺ تشریف لے آئے۔ اور آپ نے فرمایا: اس کے بچوں کو پکڑ کر اسے کس نے دکھ دیا ہے؟ اس کے بچے اسے واپس دے دو“ پھر آپ نے ایک چیونٹیوں کا گھر دیکھا جسے ہم نے

جلادیا تھا۔ آپ نے پوچھا اسے کس نے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ ”جائز نہیں کہ خدا کے سوا کوئی کسی کو آگ کا عذاب دے۔“ (۸۲)

ایک روز حضرت عثمان بن حبان نے ایک پسوپکڑ کر آگ میں ڈال دیا۔ اس پر حضرت ام درداء نے کہا میں نے ابوالدرداء سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آگ کے مالک ”خدا“ کے سوا کوئی کسی کو آگ کا عذاب نہ دے۔“ (۸۳)

عامر تیر انداز سے روایت ہے۔ کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں تھے۔ ناگاہ ایک شخص آیا جس پر کمبل تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ جس پر اس نے کمبل لپیٹا ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! درختوں کے جنگل میں میرا گزر ہوا۔ میں نے اس میں ایک پرندے کے بچوں کی آوازیں سنیں۔ میں نے ان کو پکڑ لیا اور اپنے کمبل میں رکھ لیا۔ ان کی ماں آئی اور میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے کمبل کو بچوں پر سے دور کر دیا وہ ان پر گر پڑی۔ میں نے ان سب کو اپنے کمبل میں لپیٹ لیا اور وہ یہ میرے پاس ہیں۔ آپ نے فرمایا: ان کو رکھ دے۔ میں نے ان کو رکھ دیا۔ مگر ان کی ماں نے ان کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم بچوں پر ماں کے رحم کرنے پر تعجب کرتے ہو۔ اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے۔ تحقیق اللہ اپنے بندوں پر ان بچوں کی ماں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو ان کو واپس لے جا اور ان کو ماں سمیت وہیں رکھ دے۔ جہاں سے انہیں پکڑا ہے۔ پس وہ ان کو واپس لے گیا۔ (۸۴)

آنحضرت ﷺ کی رحمت سے جمادات و نباتات کو بھی حصہ ملا نباتات و جمادات پر رحمت: ہے۔ آپ کی بعثت سے زمین شرک و کفر کی نجاست سے پاک ہوئی۔ اور نور ایمان چاروں طرف پھیل گیا۔ مسجدیں تعمیر ہونے لگیں۔ اور اذان میں اللہ اور اس کے رسول کا نام پکارا جانے لگا۔ آپ کے تولد ہونے کے بعد آسمان پر شیاطین کا جانا بند ہو گیا۔ جب امساک باراں ہوتا۔ تو لوگ حضور کا وسیلہ پکڑ کر دعا کیا کرتے۔ اور وہ مستجاب ہو جاتی۔ یا حضور خود دعا فرمایا کرتے اور باران رحمت نازل ہوتا۔ جس سے مردہ زمین پھر سے زندہ ہو جاتی اور نباتات اگتے۔

غرض آنحضرت ﷺ کی رحمت سے دونوں عالم کو حصہ پہنچا ہے۔ انسان کے علاوہ جنات بھی آپ کی دعوت سے دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ فرشتے آپ پر درود بھیجنے کے سبب سے مورد رحمت الہی بنے رہتے ہیں۔ کیوں کہ حدیث مسلم میں ہے کہ حضور نے فرمایا: ”جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔“ (۸۵)

باوجود علم و مرتبت کے آنحضرت ﷺ سب سے بڑھ کر متواضع تھے۔
تواضع و حسن معاشرت: آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ بارگاہِ الہی سے ایک فرشتے نے حاضر
 خدمت ہو کر عرض کیا کہ آپ کا پروردگار ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو پیغمبری کے ساتھ بندگی و فقر
 اختیار کریں۔ اور اگر چاہیں تو نبوت کے ساتھ پادشاہت اور امیری لے لیں۔ آپ نے پیغمبر کے ساتھ
 بندگی کو پسند فرمایا۔ اس کے بعد حضور انور تکیہ لگا کر کھانا نہ کھاتے۔ اور فرماتے ”میں کھانا کھاتا ہوں جیسے
 بندہ کھایا کرتا ہے۔ اور بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھا کرتا ہے۔“ (۸۶)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصا پر ٹیک لگائے نکلے۔ ہم آپ کے لیے
 کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کھڑے مت ہو جیسا کہ عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے
 کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (۸۷)

حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے ایک دوسرے کو دشنام
 دی۔ مسلمانوں نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد کو تمام جہاں والوں پر برگزیدہ کیا۔ یہودی نے
 کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام جہاں والوں پر برگزیدہ کیا۔ اس پر مسلمان نے ہاتھ اٹھا
 کر یہودی کے ایک تھپڑ مارا۔ یہودی جناب پیغمبر خدا ﷺ کے پاس گیا۔ اور اپنا اور مسلمان کا حال بیان
 کیا۔ آپ نے (مسلمان سے) فرمایا۔ کہ تم مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ کیوں کہ لوگ (قیامت کے دن)
 بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا۔ ناگاہ موسیٰ پر عرش کی ایک طرف کو
 پکڑے ہوئے ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ ان میں سے ہوں گے جو بے ہوش ہوئے اور پھر ہوش
 میں آئے۔ یا ان میں سے ہوں گے جو بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رہے۔ (۸۸)

حضرت انس روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہنے لگا:
 اے بہترین خلق۔

يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ

آپ نے فرمایا کہ خیر البریہ تو ابراہیم ہیں۔ (۸۹)

حضرت عبداللہ بن الشخیر بیان کرتے ہیں۔ کہ میں بنو عامر کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت
 اقدس میں حاضر ہوا، ہم نے کہا آپ ہمارے آقا ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ آقا خدا ہے۔ پس ہم نے کہا کہ آپ فضل و کرم میں ہم سب سے افضل و اعظم
 ہیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ کہو یا اس سے بھی کم کہو، دیکھنا! شیطان تمہیں اپنا وکیل نہ بنالے۔ (۹۰)

عدی بن حاتم طائی پہلے عیسائی تھے۔ جو اپنی قوم کے سردار تھے۔ اور غنیمت میں سے حسب قائدہ
 جاہلیت چوتھا حصہ لیا کرتے تھے۔ جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی۔ تو وہ بھاگ کر ملک

شام کو چلے گئے۔ ان کی بہن پیچھے رہ گئی۔ اور گرفتار ہو کر بارگاہ رسالت میں آئی۔ اس نے عرض کیا کہ آپ مجھ پر احسان کیجئے۔ خدا تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسے خوراک و پوشاک اور سواری دے کر اس کی قوم کے ایک قافلہ کے ساتھ روانہ فرما دیا۔ وہ شام میں اپنے بھائی کے پاس پہنچ گئی۔ عدی کو شک تھا کہ رسول اللہ ﷺ بادشاہ ہیں یا پیغمبر۔ بہن نے مشورہ دیا کہ تم خود حاضر خدمت ہو کر دیکھ آؤ۔ چنانچہ عدی یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ جب میں مدینہ پہنچا۔ تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں عدی بن حاتم طائی ہوں۔ یہ سن کر آپ کھڑے ہو گئے اور مجھے اپنے گھر لے چلے۔ ناگاہ ایک مسکین بڑھیا کسی حاجت کے لیے حاضر خدمت ہوئی۔ وہ کہنے لگی۔ ٹھہریئے چنانچہ آپ ٹھہر گئے اور وہ دیر تک کچھ عرض کرتی رہی۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بادشاہ نہیں ہیں۔ پھر آپ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ آپ نے ایک تکیہ جو کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تھا میری طرف پھینکا۔ اور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ آپ اس پر تشریف رکھیے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تم ہی اس پر بیٹھو۔ چنانچہ حسب الارشاد میں اس پر بیٹھ گیا اور آپ زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ بادشاہ کا یہ حال نہیں ہوا کرتا پھر آپ نے فرمایا۔ عدی بن حاتم! کیا تم رکوسی (۹۱) نہیں ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ پھر فرمایا۔ کیا تم غنیمت کا چوتھا حصہ نہیں لیتے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ تمہارے دین میں جائز نہیں میں اس سے پہچان گیا۔ کہ آپ پیغمبر مرسل ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ عدی؟ شاید تم اس لیے دین اسلام میں داخل نہیں ہوتے کہ مسلمان غریب اور تعداد میں تھوڑے ہیں۔ اور ان کے دشمن بہت اور صاحب ملک و سلطنت ہیں۔ مگر عنقریب مسلمانوں میں مال کی وہ کثرت ہوگی کہ کوئی صدقہ لینے والا نہ ملے گا۔ اور تم عنقریب سن لو گے کہ ایک عورت اونٹ پر سوار ہو کر قادیہ سے مکہ میں پہنچ کر بیت اللہ کا حج کیا کرے گی۔ اور اسے کسی کا ڈرنہ ہوگا۔ اور تم عنقریب سر زمین بابل میں سفید محلات پر مسلمانوں کے قبضہ کی خبر سن لو گے۔ یہ سن کر میں اسلام لایا حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ان تین پیش گوئیوں میں سے دوسری اور تیسری پوری ہو چکی ہے۔ اور پہلی پوری ہو کر رہے گی۔ (۹۲)

آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب کو مدح میں مبالغہ کرنے سے روکتے اور فرماتے ”میری مدح میں تم مبالغہ نہ کرو۔ جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کی مدح میں کیا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول کہا کرو (۹۳)۔“

آپ اپنے اہل خانہ و خدام اور اصحاب سے نہایت تواضع سے پیش آیا کرتے اور اپنے دولت خانہ

میں اہل خانہ کے کاروبار کیا کرتے۔ آپ نے کبھی کھانے کو عیب نہ لگایا۔ خواہش ہوتی تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ حضرت انس نے دس سال تک آپ کی خدمت کی۔ اس عرصہ میں آپ نے کبھی ان کو اف نہ کہا۔ اور نہ یوں فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کیوں نہ کیا (۹۳)۔

جب آپ نماز فجر سے (۹۵) فارغ ہوتے۔ تو اہل مدینہ کے خادم پانی کے برتن لے کر حاضر ہوتے۔ آپ ان میں اپنا دست مبارک ڈبو دیتے۔ تاکہ ان کو شفاء اور برکت ہو آپ بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ چلتے۔ اور ان کی حاجت برآری فرماتے۔ اہل (۹۶) مدینہ کی لونڈیاں آپ کا ہاتھ مبارک پکڑتیں اور اپنے کاموں کے لیے جہاں چاہتیں لے جاتیں۔

آپ بیماروں کی عیادت فرماتے۔ جنازے کے پیچھے چلتے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے۔ دراز گوش پر سوار ہوتے۔ اور اپنے پیچھے اوروں کو بٹھا لیتے۔ چنانچہ بنی قریظہ کی لڑائی کے دن آپ دراز گوش پر سوار تھے۔ جس کی مہار اور پالان پوست خرما کا (۹۷) تھا حجۃ الوداع میں جس کجاوے پر آپ سوار تھے (۹۸) جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو از روئے تو اضع سر مبارک کو اس قدر جھکا لیا کہ کجاوے سے الگا (۹۹)۔

غزوہ بدر میں تین تین مجاہدوں کے لیے ایک ایک اونٹ (۱۰۰) تھا۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ و ابولبابہ انصاری رسول اللہ ﷺ کے عدیل تھے جب آنحضرت ﷺ کے اترنے کی باری آتی تو دونوں عرض کرتے کہ آپ نہ اتریں۔ ہم آپ کے بدلے پیدل چلتے ہیں۔ مگر حضور انور ﷺ فرماتے کہ تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو۔ اور میں تمہاری نسبت اجر و ثواب سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں (۱۰۱)۔

آپ اپنے نعل مبارک کو آپ پیوند لگا لیتے۔ اپنے کپڑے آپ سی لیتے۔ اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے۔ جب کوئی آپ سے ملنے آتا تو اس کا اکرام کرتے۔ یہاں تک کہ بعض وقت اپنی چادر مبارک اس کیلئے بچھا دیتے۔ جب آپ کسی سے ملتے تو پہلے سلام کرتے۔ جب مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ نہ ہٹاتے جب تک دوسرا شخص نہ ہٹاتا۔ اور اس سے اپنا روئے مبارک نہ پھیرتے یہاں تک کہ وہ پھیر لیتا۔ آپ اپنے زانو اپنے ہم نشین سے آگے بڑھا کر نہ بیٹھا کرتے۔ (۱۰۲)

حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ ایک شخص اجازت لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس اندر آیا۔ آپ نے اسے دروازے میں دیکھتے ہی فرمایا کہ قبیلے کا یہ شخص برا ہے۔ جب وہ بیٹھ گیا۔ تو آپ نے اس کے سامنے کشادہ روئی اور انبساط ظاہر کیا۔ جب وہ چلا گیا۔ تو حضرت صدیقہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جب آپ نے اس شخص کو دروازے میں دیکھا۔ تو ایسا فرمایا۔ مگر اس کے روبرو تازہ روئی اور انبساط ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا: ”اے عائشہ! تو نے مجھے فاحش کب پایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک

منزلت کے لحاظ سے سب سے برا وہ شخص ہو گا جس سے لوگ اس کے نقش سے بچنے کے لیے کنارہ کرتے ہیں۔ (۱۰۳)

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نقش کہنے والے نہ تھے اور نہ کسی پر لعنت کرنے والے اور نہ گالی دینے والے تھے۔ جب آپ کسی پر عتاب فرماتے تو یوں ارشاد فرماتے ”اسے کیا ہوا۔ اس کی پیشانی خاک آلود ہو“۔ (۱۰۴)

ایک سفر میں آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ کھانے کے لیے ایک بکری درست کر لو۔ ایک نے کہا۔ اس کا ذبح کرنا میرے ذمے ہے۔ دوسرے نے کہا۔ کھال اتارنا میرے ذمے ہے۔ ایک اور بولا۔ پکانا میرے ذمے ہے۔ آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تم کر سکتے ہو۔ لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اپنے تئیں تم سے ممتاز کروں کیوں کہ خدا تعالیٰ اس بندے کو پسند نہیں کرتا۔ جو اپنے ساتھیوں سے ممتاز بنتا ہے۔ اس کے بعد آپ لکڑیاں جمع کر کے لائے۔ (۱۰۵)

آپ اپنے اصحاب کرام کی دلجوئی اور تعہد میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ فرماتے۔ ایک روز ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ اور اپنی حاجت عرض کی۔ وہ آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ مت۔ میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔ (۱۰۶)

ایک دفعہ نجاشی شاہ حبشہ کا وفد آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ بذات خود ان کی خدمت کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ ہم آپ کی طرف سے خدمت کے لیے کافی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے ملک میں ہمارے اصحاب کا اکرام کیا تھا۔ اس لیے مجھے یہی پسند ہے۔ کہ اس اکرام کا بدلہ میں خود دوں۔ (۱۰۷)

حضرت قیس بن سعد بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ میرے والد نے آپ کی خاطر تواضع کی۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد جب آپ واپس آنے لگے۔ تو میرے والد نے آپ کے لیے ایک دراز گوش تیار کیا۔ جس پر کبل کا پالان تھا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے۔ جب چلنے کو ہوئے تو والد نے مجھ سے کہا: قیس! تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا۔ اس لیے میں ساتھ ہو لیا۔ حضور انور نے فرمایا کہ تو میرے ساتھ سوار ہو جا۔ میں نے پاس ادب انکار کر دیا۔ مگر آپ نے فرمایا: ”یا تو سوار ہو جا یا لوٹ جا“۔ اس لیے میں واپس آ گیا۔ (۱۰۸)

آنحضرت ﷺ کی دل جوئی کے لیے کبھی کبھی خوش طبعی بھی فرمایا کرتے تھے۔ مگر وہ متضمن دروغ نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت انس کا ایک چھوٹا اخیانی بھائی تھا۔ وہ جب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں

آتا۔ تو اس کے ہاتھ میں ایک چڑیا (مموالا) ہوتی۔ جس سے وہ کھیلا کرتا تھا۔ اتفاقاً وہ چڑیا مر گئی۔ اس کے بعد جب وہ آپ کی خدمت میں آتا۔ تو آپ خوش طبعی کے طور پر فرماتے یا ابا عمیر ما فعل النعیر۔ یعنی اے ابو عمیر! وہ چڑیا کہاں گئی۔ (۱۰۹)

ایک روز ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے سواری عنایت کیجئے تاکہ میں اس پر سوار ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا۔ وہ بولا: میں اونٹنی کے بچے کو کیا کروں؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ اونٹنیاں ہی اونٹ جتنی ہیں (۱۱۰) یعنی ہر ایک اونٹ اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔ اس میں تعجب کیا ہے: اسی طرح ایک روز ایک عورت نے جو قرآن پڑھا کرتی تھی۔ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ دعا کریں کہ میں بہشت میں داخل ہوں آپ نے اس سے فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت بہشت میں داخل نہ ہوگی۔ اس نے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے جواب دیا۔ کیا تو قرآن نہیں پڑھتی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

إِنَّا أَنشَأْنَهُنَّ إِنشَاءً ۖ فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ۖ (واقعہ: ۱۷)

”ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر پیدا کیا اور ان کو کنواریاں بنایا۔“

ایک بدوی صحابی زاہر نام جو بد شکل تھے۔ جنگل کے پھل سبزی وغیرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ لایا کرتے تھے۔ جب وہ آپ سے رخصت ہوتے تو آپ شہر کی چیزیں کپڑا وغیرہ ان کو دے دیا کرتے تھے۔ آپ کو ان سے محبت تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ زاہر ہمارا دوستائی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔ ایک روز آپ بازار کی طرف نکلے۔ تو دیکھا کہ زاہر اپنی متاع بیچ رہے ہیں۔ آپ نے پیٹھ کی طرف سے جا کر ان کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک رکھا اور ان کو گود میں لے لیا۔ وہ بولے: کون ہے؟ مجھے چھوڑ دو۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ تو آنحضرت ﷺ تھے۔ پس اپنی پیٹھ اور بھی حضور کے سینے سے (بغرض تبرک) لپٹانے لگے حضور نے فرمایا۔ کوئی ہے جو ایسے غلام کو خریدے۔ وہ بولے یا رسول اللہ اگر آپ بیچتے ہیں۔ تو آپ مجھے کم قیمت پائیں گے۔ حضور نے فرمایا ”تو خدا کے نزدیک گراں قدر ہے۔ (۱۱۱)

حضرت محمود بن ربیع انصاری خزرجی جو صغار صحابہ میں سے تھے۔ پانچ سال کے تھے۔ کہ آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے جس میں ایک کنواں تھا آپ نے ایک ڈول سے پانی پیا۔ اور پانی کی کلی (بطریق مزاج) حضرت محمود کے چہرے پر ماری (۱۱۲) اس کی برکت سے ان کو وہ حافظ حاصل ہو گیا۔ کہ اس قصے کو یاد رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے صحابہ میں شمار ہوئے۔ اسی طرح حضرت زینب بنت ام سلمہ مخزومیہ جو آنحضرت ﷺ کی ربیبہ تھیں۔ آپ کے پاس آئیں۔ آپ غسل خانے میں تھے

آپ نے ان کے چہرے پر پانی پھینک دیا۔ اس کی برکت سے ان کے چہرے میں شباب کی رونق قائم رہی۔ یہاں تک کہ نہایت بوڑھی ہو گئیں (۱۱۳)۔

جو حقیقی یہ ہے۔ کہ بغیر غرض و عوض کے ہو۔ اور یہ صفت ہے حق سبحانہ کی۔ جس نے سخاوت و ایثار: بغیر کسی غرض و عوض کے تمام ظاہری و باطنی نعمتیں اور تمام حسی و عقلی کمالات خلائق پر

افاضہ کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اچھا جو دین اس کے حبیب پاک ﷺ ہیں۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ”آپ سے کبھی کسی چیز کا سوال نہ کیا گیا کہ اس کے مقابل آپ نے لا (نہیں) فرمایا ہو (۱۱۴)۔“

یعنی آپ کسی کے سوال کو رد نہ فرماتے۔ اگر موجود ہوتا تو عطا فرماتے اور اگر پاس نہ ہوتا تو قرض لے کر دیتے۔ یا وعدہ عطا فرماتے۔ ایک دفعہ ایک سائل آپ کی خدمت شریف میں آیا۔ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی چیز نہیں مگر یہ کہ تو مجھ پر قرض کرے۔ جب ہمارے پاس کچھ آجائے گا ہم اسے ادا کر دیں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! خدا نے آپ کو اس چیز کی تکلیف نہیں دی جو آپ کی قدرت میں نہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کی یہ بات حضور کو پسند نہ آئی۔ انصار میں سے ایک شخص بولا: یا رسول اللہ ﷺ! عطا کیجئے اور عرش کے مالک سے تقلیل کا خوف نہ کیجئے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور آپ کے روئے مبارک پر تازگی و خوشحالی پائی گئی۔ فرمایا ”اسی کا امر کیا گیا ہے“۔ (۱۱۵)

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بحرین سے مال لایا گیا۔ اور یہ زیادہ سے زیادہ مال تھا جو آپ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو مسجد میں ڈال دو۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو اس مال کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم فرمانے لگے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس آپ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اس مال میں سے

دیتے۔ کیوں کہ جنگ بدد کے دن میں نے فدیہ دے کر اپنے آپ کو اور عقیل بن ابی طالب کو آزاد کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ لے لو حضرت عباس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کپڑے میں ڈال لیا۔ پھر اٹھانے لگے تو نہ اٹھا سکے۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کسی سے فرمادیں کہ اٹھا کر مجھ پر رکھ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ میں کسی سے اٹھانے کو نہیں کہتا۔ حضرت عباس بولے۔ آپ خود اٹھا کر مجھ پر رکھ دیں۔ حضور نے فرمایا میں اسے نہیں اٹھاتا۔ پس حضرت عباس نے اس میں سے کچھ گرا دیا۔ پھر اٹھانے لگے۔ تو تب بھی نہ اٹھا سکے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کسی سے فرمادیں کہ اٹھا کر مجھ پر رکھ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں کسی کو اسے اٹھانے کا نہیں کہتا۔ پس حضرت عباس بولے۔ آپ خود اٹھا کر مجھ پر رکھ دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں اسے نہیں اٹھاتا۔ پس حضرت عباس نے اس میں سے بھی کچھ گرا دیا۔ پھر اسے اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔ اور روانہ ہوئے حضور اقدس ان کی طرف دیکھتے رہے یہاں تک

کہ وہ غائب ہو گئے۔ اور حضور ان کی طمع پر تعجب فرماتے تھے۔ غرض حضور انور وہاں سے اٹھے۔ تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا (۱۱۶)۔ مسند ابن ابی شیبہ میں بروایت حمید بن ہلال بطریق ارسال مروی ہے کہ وہ مال ایک لاکھ درہم تھا۔ اور اسے علاء بن الحضرمی نے بحرین کے اخراج سے بھیجا تھا۔ لہذا یہ پہلا مال تھا جو آنحضرت ﷺ کے پاس لایا گیا۔

غنائم حنین کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ ان میں آپ کی سخاوت حد قیاس سے خارج تھی۔ آپ نے اعراب میں بہتوں کو سو سو اونٹ عطا فرمائے (۱۱۷)۔ مگر اس دن آپ کی سخاوت زیادہ تر مولفۃ القلوب کے لیے تھی۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے حضرت بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص (صفوان بن امیہ) نے اس روز بکریوں کا سوال کیا۔ جن سے دو پہاڑوں کا درمیانی جنگل پر تھا۔ آپ نے وہ سب اس کو دے دیں۔ اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا: ”اے میری قوم! تم اسلام لاؤ۔ اللہ کی قسم! محمد ایسی سخاوت کرتے ہیں کہ فقر سے نہیں ڈرتے (۱۱۸)۔“

حضرت سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ حنین کے دن مجھے مال عطا فرمانے لگے۔ حالانکہ آپ میری نظر میں مبغوض ترین خلق تھے۔ پس آپ مجھے عطا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ میری نظر میں محبوب ترین خلق ہو گئے (۱۱۹)۔

حضرت جبیر بن مطعم بیان کرتے ہیں۔ کہ جب میں اور دیگر لوگ رسول اللہ ﷺ کیساتھ حنین سے (بعد تقسیم غنائم) واپس آ رہے تھے تو بادیہ نشینان عرب حضور سے لپٹ گئے۔ وہ حنین کی غنیمت میں سے مانگتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ آپ کو بحالت اضطراب ایک بول کے درخت کی طرف لے گئے۔ اس درخت میں آپ کی چادر مبارک پھنس گئی۔ آپ ٹھہرے اور فرمایا: ”مجھے میری چادر دے دو۔ اگر میرے پاس اس جنگل کے درختان بول جتنے چوپائے ہوتے تو البتہ میں ان کو تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ پھر تم مجھ کو خیل نہ پاتے۔ اور نہ دروغ گو اور بزدل پاتے“ (۱۲۰)۔

حضرت ابو ذر کا بیان ہے کہ ایک روز میں جناب پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ تھا۔ جب آپ نے کوہ احد کو دیکھا۔ تو فرمایا۔ ”اگر یہ پہاڑ میرے لیے سونا بن جائے میں پسند نہ کروں گا کہ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس تین راتوں سے زیادہ رہ جائے۔ بجز اس دینار کے جسے میں ادائے قرض کے لیے رکھ چھوڑوں“ (۱۲۱)۔

ایک روز نماز عصر کا سلام پھیرتے ہی آپ دولت خانہ میں تشریف لے گئے پھر جلد نکل آئے۔ صحابہ کرام کو تعجب ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نماز میں خیال آ گیا کہ صدقہ کا کچھ سونا گھر میں پڑا ہے مجھے پسند نہ آیا کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہے۔ اس لیے جا کر اسے تقسیم کرنے کے لیے کہہ آیا

ہوں (۱۲۲)۔

حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت چادر لے کر آئی۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ میں نے اپنے ہاتھ سے بنی ہے۔ میں آپ کے پہننے کے لیے لائی ہوں۔ آپ کو ضرورت تھی۔ اس لیے آپ نے چادر لے لی۔ پھر آپ ہماری طرف نکلے۔ اور اسی چادر کو بطور تہ بند باندھے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام میں سے ایک نے دیکھ کر عرض کیا: کیا اچھی چادر ہے۔ یہ مجھے پہنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ کچھ دیر کے بعد آپ مجلس سے اٹھ گئے۔ پھر لوٹ آئے اور وہ چادر لپیٹ کر اس صحابی کے پاس بھیج دی۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ تو نے اچھا نہ کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چادر کا سوال کیا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ کسی سائل کا سوال رد نہیں فرماتے۔ اس صحابی نے کہا۔ اللہ کی قسم! میں نے صرف اس واسطے سوال کیا کہ جس دن میں مر جاؤں یہ چادر میرا کفن ہے۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ وہ چادر اس کا کفن ہی بنی (۱۲۳)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک کافر رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہوا۔ آپ کے حکم سے اس کے لیے ایک بکری دوہی گئی۔ وہ اس کا دودھ پی گیا۔ دوسری دوہی گئی۔ وہ اس کا دودھ بھی پی گیا۔ پھر ایک اور دوہی گئی۔ وہ اس کا دودھ بھی پی گیا۔ اسی طرح اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا۔ صبح جو اٹھا تو اسلام لایا پس رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے لیے ایک بکری دوہی جائے وہ اس کا دودھ پی گیا۔ پھر دوسری دوہی گئی۔ مگر وہ اس کا دودھ تمام نہ پی سکا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ ”مومن ایک انتڑی میں پیتا ہے اور کافر سات انتڑیوں میں پیتا ہے“۔ (۱۲۴)

حضرت بلال مؤذن آنحضرت ﷺ کے خزانچی تھے۔ ایک روز عبد اللہ ہوا زنی نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے خزانہ کا حال پوچھا۔ انہوں نے بیان کیا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ نہ رہتا تھا۔ بعثت سے وفات شریف تک یہ کام میری تحویل میں تھا۔ جب کوئی بھوکا مسلمان آپ کے پاس آتا۔ آپ مجھے حکم دیتے۔ میں کسی سے قرض لیتا۔ اور چادر خرید کر اسے اڑھاتا اور کھانا کھلاتا۔ ایک روز ایک مشرک مجھ سے ملا۔ کہنے لگا: بلال! میرے ہاں گنجائش ہے۔ میرے سوا کسی اور سے قرض نہ لیا کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک روز میں وضو کر کے اذان دینے لگا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مشرک تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ آ رہا ہے۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔ اوجبشی! میں نے کہا۔ بلیک۔ پھر اس نے ترش رو ہو کر میری نسبت سخت الفاظ کہے۔ اور بولا: ”کچھ معلوم ہے۔ وعدے میں کتنے دن باقی ہیں؟“ میں نے کہا۔ وقت وعدہ قریب آ گیا۔ اس نے کہا۔ کہ صرف چار دن باقی ہیں۔ اگر اس مدت میں تو نے قرضہ ادا نہ کیا۔ تو تجھے غلام بنا کر بکریاں چرواؤں گا جیسا کہ تو پہلے چرایا کرتا تھا۔ یہ سن کر مجھے فکر و غم دامن گیر ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نماز عشاء پڑھ کر دولت خانہ میں تشریف لے گئے۔ میں وہیں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ وہ مشرک جس سے میں قرضہ لیا کرتا تھا۔ اس نے مجھ سے ایسا ایسا کہا ہے۔ آپ کے پاس ادائے قرض کے لیے کچھ موجود نہیں اور نہ میرے پاس ہے۔ وہ مجھ کو نصیحت کرے گا آپ اجازت دیں۔ تو میں بھاگ کر مسلمانوں کے کسی قبیلہ میں جا رہا ہوں۔ جب ادائے قرض کے لیے خدا کچھ سامان کر دے گا۔ تو واپس آ جاؤں گا۔ غرض میں اپنے گھر آ گیا۔ اور تلوار، تھیلا، جوتا اور ڈھال اپنے سر ہانے رکھ لیے۔ صبح کاذب ہوتے ہی میں چلنے لگا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک شخص دوڑتا آ رہا ہے اور کہتا ہے۔ بلال! رسول اللہ ﷺ تجھے یاد فرما رہے ہیں۔ وہاں پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ چار لدے ہوئے اونٹ بٹھائے ہوئے ہیں۔ میں اجازت لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے فرمایا مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے ادائے قرض کا سامان کر دیا۔ تم نے چار اونٹ بیٹھے دیکھے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹ جا کم فدک نے بھیجے ہیں۔ یہ اور غلہ اور کپڑے جو ان پر ہیں۔ سب تمہاری تحویل میں ہیں۔ ان کو بیچ کر قرضہ ادا کر دو۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ پھر میں مسجد میں آیا اور رسول اللہ ﷺ سے سلام عرض کیا۔ آپ نے ادائے قرضہ کا حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ قرضہ سب ادا ہو گیا۔ کچھ باقی نہیں رہا۔ آپ نے پوچھا کہ کچھ بیچ تو نہیں رہا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ کچھ بیچ بھی رہا۔ فرمایا ”مجھے اس سے سبکدوش کرو۔ جب تک یہ ٹھکانے نہ لگے گا میں گھر نہ جاؤں گا۔“ آپ نماز عشاء سے فارغ ہوئے تو مجھے بلا کر اس بقیہ کا حال پوچھا میں نے عرض کیا کہ وہ میرے پاس ہے کوئی سائل نہیں ملا۔ رسول اللہ ﷺ رات کو مسجد ہی میں رہے۔ دوسرے روز نماز عشاء کے بعد مجھے پھر بلایا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ یہ سن کر آپ نے تکبیر کہی اور خدا کا شکر کیا۔ کیوں کہ آپ کو ڈرتھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آ جائے اور وہ مال میرے پاس ہو۔ پھر آپ دولت خانہ میں تشریف لے گئے۔

بعض وقت ایسا ہوتا۔ کہ آپ کسی شخص سے ایک چیز خریدتے۔ قیمت چکا دینے کے بعد وہ اسی کو یا کسی دوسرے کو عطا فرماتے۔ چنانچہ آپ نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے ایک اونٹ خریدا۔ پھر وہی اونٹ ان کو بطور عطیہ عنایت فرمایا۔ اسی طرح ایک روز آپ نے حضرت عمر فاروق سے ایک شتر کا بچہ خریدا پھر حضرت عبد اللہ بن عمر کو عطا فرمایا۔ (۱۲۵)

غرض جو کچھ آنحضرت ﷺ کے پاس آتا۔ سب راہ خدا میں دے دیتے۔ پاس نہ ہوتا۔ تو قرضہ لے کر سائل کی حاجت روائی فرماتے۔ اپنی ذات شریف کے لیے دوسرے دن کا نفقہ بھی جمع نہ کرتے (۱۲۶)۔ البتہ بعض وقت اپنے حرم کے لیے ایک سال کا نفقہ ذخیرہ کر لیتے۔ جب آپ کسی محتاج

کو دیکھتے۔ تو باوجود احتیاج کے اپنا کھانا اسے دے دیتے۔ آپ کے دولت خانہ میں بعض دفعہ دو دو مہینے آگ نہ جلتی تھی۔ ایک دفعہ غنیمت میں کنیریں آئی ہوئی تھیں۔ حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے کہا۔ کہ تم اس موقع پر اپنے والد بزرگوار سے خدمت کے لیے ایک کنیر مانگ لو۔ جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تو آپ نے پوچھا کہ کس لیے آئی ہو؟ عرض کیا۔ کہ سلام کرنے آئی ہوں۔ اور پاس حیا اظہار مطلب نہ کیا۔ اور واپس آ کر حضرت علی سے یہی عذر بیان کر دیا۔ پھر دونوں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ حضرت علی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آب کشتی کرتے کرتے میرے سینے پر نیل پڑ گئے ہیں۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا۔ کہ چکی پیٹے پیٹے میری ہتھیلیوں پر آبلے پڑ گئے ہیں۔ آپ خدمت کے لیے ایک کنیر عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! یہ نہیں ہونے کا کہ میں تم کو خادمہ دوں اور اہل صفہ بھوکے مریں۔ ان کے خرچ کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔ میں ان اسیران جنگ کو بیچ کر ان کی قیمت اہل صفہ پر خرچ کروں گا۔“ رات ہوئی تو آپ حضرت علی و فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے۔ دونوں ایسی پرزہ دار چادر میں تھے کہ اگر اس سے سر ڈھانپتے۔ تو پاؤں ننگے ہو جاتے۔ اور پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگے رہتے۔ آپ کو دیکھ کر دونوں اٹھنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ اپنی جگہ پر رہو۔ پھر ارشاد فرمایا۔ کہ میں تمہیں کنیر سے بہتر چیز بتاتا ہوں۔ اور وہ وہ کلمات ہیں جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے سکھائے ہیں۔ یعنی ہر نماز کے بعد سبحان اللہ دس بار، الحمد للہ دس بار اور اللہ اکبر دس بار۔ اور سونے کے وقت سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۳ بار پڑھ لیا کرو (۱۲۷)۔

آنحضرت ﷺ ان اوصاف میں بھی سب پر فائق تھے۔ ایک شجاعت و قوت عزم و استقلال: رات مدینہ منورہ کے لوگ ڈر گئے اور شور و غل برپا ہوا۔ گویا کوئی چور یا دشمن آتا ہے۔ آپ نے حضرت ابو طلحہ کا گھوڑا لیا۔ جو ست رفتار اور سرکش تھا۔ آپ اس کی پیٹھ پر بغیر زین کے سوار ہو گئے۔ اور تلوار آڑے لٹکائے ہوئے جنگل کی طرف اکیلے ہی تشریف لے گئے۔ جب لوگ اس آواز کی طرف گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ ان کو راستے میں واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ نے ان کو تسلی دی۔ کہ ڈرو مت ڈرو مت۔ اور گھوڑے کی نسبت فرمایا۔ کہ ہم نے اسے دریا کی مانند تیز رفتار پایا (۱۲۸)۔

غزوات میں جہاں بڑے بڑے دلاور و بہادر بھاگ جایا کرتے تھے۔ آپ ثابت قدم رہا کرتے تھے۔ چنانچہ جنگ احد میں جب مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی۔ تو یہ کوہ استقامت اپنی جگہ قائم رہے۔ اور دشمنوں پر تیر پھینکتے رہے۔ جب کمان پارہ پارہ ہو گئی۔ تو سنگ اندازی شروع کی۔ جنگ حنین میں صرف چند جانباز آپ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ باقی سب بھاگ گئے تھے۔ اس نازک حالت میں آپ نے اسی

پر اکتفاء نہ کیا کہ اپنی جگہ پر قائم رہ کر مدافعت فرمائیں۔ بلکہ اپنے خچر کو بار بار ایڑی لگا کر دشمن کی طرف بڑھانا چاہتے تھے مگر وہ جاننا بازمائع آرہے تھے۔

جب گھمسان کا معرکہ ہوا کرتا تھا۔ تو صحابہ کرام حضور ﷺ کی آڑ میں پناہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت براء بن عاذب کا قول ہے: ”اللہ کی قسم! جب لڑائی شدت سے ہوا کرتی تھی تو ہم نبی ﷺ کی پناہ ڈھونڈا کرتے تھے۔ اور ہم میں سے بہادر وہ ہوتا تھا۔ جو آپ کے ساتھ دشمن کے مقابل کھڑا ہوتا تھا (۱۲۹)۔ اعلان دعوت پر قریش نے آپ کی سخت مخالفت کی۔ جب ابو طالب نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ تو آپ نے یوں فرمایا: ”چچا جان! اللہ کی قسم اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تاکہ میں اس کام کو چھوڑ دوں۔ تب بھی اس کام کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ خدا سے غالب کر دے یا میں خود اس میں ہلاک ہو جاؤں“۔

ہجرت سے پہلے قریش نے مسلمانوں کو اس قدر ستایا کہ ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تنگ آ کر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ان پر بددعا فرمائیں۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا: ”تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں۔ جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا۔ اور ان کے سروں پر آرے رکھے جاتے اور چیر کو دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ مگر یہ اذیتیں ان کو دین سے برگشتہ نہ کر سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو کمال تک پہنچائے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضرت موت تک سفر کرے گا اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈرنہ ہوگا“۔ (صحیح بخاری)

آنحضرت ﷺ کی قوت بدنی بھی سب سے زیادہ تھی۔ غزوہ احزاب میں جب صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے۔ تو ایک جگہ ایسی سخت زمین ظاہر ہوئی کہ سب عاجز آ گئے۔ آپ سے عرض کیا گیا تو آپ بذات شریف خندق میں اترے۔ اور ایک کدال ایسا مارا کہ وہ سخت زمین ریگ رواں کا ڈھیر بن گئی (۱۳۰)۔

رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم قرشی مطلبی قریش میں سب سے طاقتور تھا۔ وہ ایک روز مکہ کے راستے میں حضور ﷺ سے ملا۔ آپ نے اس سے فرمایا: ”رکانہ! کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ اور میری دعوت اسلام کو قبول نہیں کرتا؟“ اس نے کہا۔ کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ سچ ہے۔ تو میں آپ پر ایمان لے آؤں۔ آپ نے فرمایا: ”اگر میں تجھے کشتی میں پچھاڑ دوں تو کیا مان جائے گا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں سچ ہے؟“ وہ بولا کہ ہاں۔ آپ نے اسے پکڑتے ہی چاروں شانے چت گرا دیا۔ کہنے لگا۔ ”محمد! آپ مجھ سے دوبارہ کشتی لڑیں“۔ آپ نے دوسری دفعہ بھی اسے پچھاڑ دیا۔ اس پر اس نے کہا: ”محمد! خدا کی قسم آپ کا مجھے پچھاڑنا عجیب ہے“۔ آپ نے فرمایا: ”اگر تو خدا سے ڈرے اور مجھ پر ایمان لائے۔ تو میں اس سے بھی عجیب امر تجھ کو دکھاتا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ

درخت جو تو دیکھتا ہے۔ میں اسے بلاتا ہوں۔ اور وہ میرے پاس چلا آئے گا۔ اس نے کہا کہ آپ اسے بلائیے۔ چنانچہ وہ درخت آپ کے بلانے پر پاس آکھڑا ہوا رکانہ نے کہا۔ کہ اسے حکم دیجئے کہ اپنی جگہ پر چلا جائے۔ آپ کے حکم سے وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ رکانہ نے اپنی قوم میں جا کر کہا کہ میں نے محمد (ﷺ) سے برہ کر کسی کو جادو گر نہیں دیکھا۔ پھر بیان کیا جو کچھ دیکھا تھا (۱۳۱)۔ رکانہ مذکور فتح مکہ میں ایمان لائے۔ رضی اللہ عنہ۔

آپ نے ابو الاسود جمحی کو بھی پچھاڑا تھا۔ جو ایسا طاقتور تھا کہ گائے کی کھال پر کھڑا ہو جاتا۔ دس جوان اس کھال کو اس کے پاؤں کے نیچے سے نکال لینے کی کوشش کرتے۔ وہ چمڑا پھٹ جاتا۔ مگر اس کے پاؤں کے نیچے سے نہ نکل سکتا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ”اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا“۔ آپ نے اسے پچھاڑ دیا۔ مگر وہ بد بخت ایمان نہ لایا (۱۳۲)۔ یہ وصف بھی آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک میں کمال درجے کا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک زہد قوم کے پاس سے گزرے۔ جن کے آگے بکری کا بھنا ہوا گوشت رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے آپ کو شریک طعام ہونے کے لیے بلایا مگر آپ نے یہ فرما کر انکار کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی (۱۳۳)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اہل بیت کبھی لگاتار دو روز جو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئے (۱۳۴)۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے کبھی خوان پر کھانا نہ کھایا۔ اور نہ باریک روٹی تناول فرمائی (۱۳۵)۔ حضور اقدس ﷺ کے دولت خانہ میں بعض دفعہ دو دو مہینے آگ روشن نہ ہوا کرتی تھی۔ اور صرف پانی اور چھوڑوں پر گزارہ ہوتا تھا (۱۳۶)۔ بعض وقت آپ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہ انصاری بیان فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور ہم میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھا دکھایا۔ پس آپ نے اپنے پیٹ مبارک پر دو پتھر بندھے دکھائے (۱۳۷)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا۔ تو میرے گھر کے طاق میں سوائے آدھے پیانہ جو کے کچھ کھانے کو نہ تھا (۱۳۸) اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تیس صاع جو کے عوض گروی تھی جو آپ نے اپنے اہل و عیال کے نفقہ کے لیے تھے (۱۳۹)۔

ایلاء کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ ایک مشربہ (بالا خانہ) میں تشریف رکھتے تھے۔ جہاں کھانے پینے کا اسباب رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق کو جب ایلاء کی خبر ملی۔ تو گھبرائے ہوئے اس مشربہ میں

حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جو برگ خرما سے بنی ہوئی ہے اور جس پر کوئی تو شک و غیرہ نہیں۔ بوریائے خرما کے نشان آپ کے پہلوئے مبارک پر پڑے ہوئے ہیں۔ اور بدن مبارک پر ایک تہ بند کے سوا کچھ نہیں۔ سرہانے ایک تکیہ ہے۔ جس میں خرما کی چھال بھری ہوئی ہے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے خزانہ کو دیکھا۔ ایک کونے میں مٹھی بھر جو رکھے ہوئے تھے۔ پاؤں مبارک کے قریب درخت سلم کے کچھ پتے (جو دباغت میں کام آتے ہیں) پڑے ہوئے تھے۔ اور سر مبارک کے پاس ایک کھوٹی پر تین کھالیں لٹک رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے پوچھا۔ ابن خطاب! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہ روؤں۔ بوریائے خرما کے نشان آپ کے پہلوئے مبارک پر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ آپ کا خزانہ ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ نظر آ رہا ہے۔ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور خدا کے رسول و برگزیدہ کے خزانہ کا یہ حال ہو۔ آ رہا ہے فرمایا۔ ابن خطاب! کیا تم پسند نہیں کرتے کہ آخرت ہمارے واسطے اور دنیا ان کے لیے ہو (۱۴۰)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ بوریائے خرما پر سوئے ہوئے تھے۔ اٹھے تو اس کے نشان آپ کے پہلوئے مبارک پر پڑے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کے لیے گدا بنوا دیتے ہیں آپ نے فرمایا ”مجھے دنیا سے کیا غرض؟ دنیا میں میرا حال اس سواری کی مانند ہے جو ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھتا ہے (۱۴۱)۔“

آنحضرت ﷺ اپنے اہل و عیال کے لیے بھی زہد کی زندگی پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے ازواج مطہرات کے حجرے کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے۔ جن کی چھت کہگل کی ہوتی تھی۔ اور وہ قد آدم سے کچھ ہی اونچے تھے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ پہننے کے لیے ان میں سے ہر ایک کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا تھا (۱۴۲)۔

حضرت ثوبان کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کا قصد فرماتے تو اپنے اہل میں سے سب سے اخیر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے مل کر جاتے۔ اور واپس آ کر سب سے پہلے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے ملتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کی غزوہ سے تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دروازہ پر پردہ لٹکایا ہوا تھا۔ اور امام حسن اور حسین کو چاندی کے کنگن پہنائے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ حسب معمول حضرت فاطمہ کے یہاں آئے۔ تو اندر داخل نہ ہوئے اور تشریف لے گئے حضرت فاطمہ زہرا نے خیال کیا کہ زینت دزیور نے ہی آنحضرت ﷺ کو اندر آنے سے روکا ہے۔ اس لیے پردے کو پھاڑ ڈالا۔ اور بچوں کے ہاتھوں سے کنگن نکال دیئے۔ حضرت حسین روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

آئے۔ حضور نے کنگن ان سے لے لیے اور فرمایا: ”توبان! یہ زیور فلاں شخص کی آل کے ہاں لے جا۔ کیوں کہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ میں پسند نہیں کرتا کہ یہ اپنی دنیوی زندگی میں لڈائڈ سے حظ اٹھائیں۔ توبان! فاطمہ کے لیے ایک عصب (۱۴۳) کا ہار اور عاج (ہاتھی دانت) کے دو کنگن خرید لاؤ (۱۴۴)۔

ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنی صاحب زادی حضرت بی بی فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے مگر اندر داخل نہ ہوئے۔ حضرت علی آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے ذکر کر دیا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ کے دروازے پر مخطط پردہ لٹک رہا تھا۔ پھر فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا غرض جب حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے بیان کیا۔ تو وہ بولیں کہ حضور انور اس بارے میں جو چاہیں ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے فلاں حاجت مند اہل بیت کو دے دیں۔ اسی طرح حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھے نبی ﷺ نے ایک حلقہ سیراء (مخطط یاریشمی) بطور ہدیہ عطا فرمایا۔ میں نے اسے پہن لیا۔ یہ دیکھ کر حضور انور کے چہرہ مبارک پر غضب کے آثار نمودار ہوئے۔ میں نے اسے پھاڑ کر اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔ (۱۴۵)

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی دعوت کی۔ اور کھانا تیار ہوا تو حضرت فاطمہ زہراء نے کہا۔ کیا خوب ہوا اگر ہم رسول اللہ ﷺ کو بھی شریک طعام کر لیں۔ چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کو بلایا۔ آپ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے دروازے کے بازوؤں پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا۔ اور گھر کے ایک طرف پردہ لٹکا دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہ نے حضرت علی سے کہا جائے اور دیکھئے کہ آپ ﷺ کس واسطے واپس ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے واپسی کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ یہ پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ زیب وزینت والے گھر میں داخل ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے تھے۔ میں آپ ﷺ کی واپسی کا انتظار کیا کرتی تھی۔ ہمارے ہاں ایک رنگین فرش تھا۔ میں نے اسے چھت کے ایک شہتیر پر لپیٹ دیا۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے۔ تو میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا ”السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سب ستائش خدا کے لیے ہے۔ جس نے آپ ﷺ کو شرف و بزرگی بخشی۔“ آپ ﷺ نے گھر میں بساط رنگین دیکھ کر میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر کراہت کے آثار دیکھے۔ آپ ﷺ نے اس فرش کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ خدا نے جو کچھ ہمیں دیا ہے۔ اس کے بارے میں ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ اینٹ پتھر کو پہنا دیں۔ بس میں نے اس کے دو تکیے بنا

لیے۔ جن میں کھجور کی چھال بھردی۔ آپ ﷺ نے اس پر اعتراض نہ فرمایا (۱۴۶)۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ہمارے ہاں ایک پردہ تھا۔ جس میں پرندوں کی تصویریں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے عائشہ! اس کو بدل ڈالو۔ کیوں کہ جب میں اسے دیکھتا ہوں۔ تو دنیا یاد آتی ہے۔ (۱۴۷)

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ زہد اختیاری تھا۔ خدا تعالیٰ نے تو زمین (۱۴۸) کے خزانوں کی کنجیاں آپ ﷺ پر پیش کیں۔ مگر آپ ﷺ کی ہمت عالی نے عبودیت و زہد کو پسند فرمایا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ میرے پروردگار نے مجھ سے فرمایا ”اگر تو چاہے تو تیرے واسطے وادی مکہ کو سونا بنا دوں۔“ مگر میں نے عرض کیا: ”اے میرے پروردگار میں یہ نہیں چاہتا۔ بلکہ یوں چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور دوسرے روز بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں۔ تو تیرے آگے زاری و عاجزی کروں۔ اور جب سیر ہو جاؤں تو تیری حمد اور تیرا شکر کروں“ (۱۴۹)۔

اس میں شک نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو فتوحات بکثرت ہوئیں۔ مگر جو کچھ آتا راہ خدا میں اٹھا دیتے۔ اور خود زہد کی زندگی بسر کرتے۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کا وصال شریف ہوا۔ تو بدن مبارک پر صرف ایک کملی اور تہبند تھا۔ کملی میں پیوند لگے ہوئے تھے اور نمدہ کی طرح ہو گئی تھی۔ تہبند کا کپڑا بھی پیوندوں کی کثرت سے موٹا ہو گیا تھا (۱۵۰)۔ اور آپ کی زرہ ذات الفضول نام ابواشم یہودی کے پاس بیس صاع جو میں گروی تھی۔ جو آپ ﷺ نے اپنے اہل کے لیے ایک دینار کے لیے تھے۔ (ترمذی) آنحضرت ﷺ کو معرفت الہی اور علم سب سے زیادہ تھا۔ اس لیے آپ ﷺ سب خوف و عبادت: سے زیادہ خدا ترس اور عبادت کرنے والے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تمہیں معلوم ہوتا جو مجھے معلوم ہے۔ تو تم البتہ زیادہ روتے اور تھوڑا ہنستے (۱۵۱)۔

آپ ﷺ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ کثرت قیام شب کے سبب سے آپ ﷺ کے پاؤں مبارک پر ورم آ گیا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ آپ ﷺ یہ تکلیف و محنت کیوں اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سب اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ”کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں“ (۱۵۲)۔ یعنی کیا میں اس بات کا شکر نہ کروں کہ میں بخشا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ تمام رات نماز میں کھڑے رہے۔ اور قرآن کی ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہے (۱۵۳)۔

حضرت خذیفہ بن الیمان کا بیان ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو رات کے ایک حصے میں نماز

پڑھتے دیکھا۔ آپ ﷺ یوں پڑھتے تھے۔ اللہ اکبر (تین بار) ذوالملک والجبروت والکبریاء والعظمتہ۔ پھر دعائے استفتاح پڑھتے تھے بعد ازاں آپ ﷺ نے (سورہ فاتحہ کے بعد) سورہ بقرہ پڑھ کر رکوع کیا۔ آپ ﷺ کا رکوع (طوالت میں) مانند قیام کے تھا۔ اور اس میں سبحان ربی العظیم پڑھتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا۔ آپ ﷺ کا قومہ مانند رکوع کے تھا۔ اور آپ ﷺ اس میں لربی الحمد پڑھتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا۔ آپ ﷺ کا سجدہ مانند قومہ کے تھا۔ آپ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا آپ ﷺ دو سجدوں کے درمیان مانند سجدہ کے بیٹھتے تھے اور رب اغفر لی رب اغفر لی پڑھتے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ نے چار رکعتیں پڑھیں۔ اور ان میں سورہ بقرہ وآل عمران ونساء اور مائدہ یا انعام ختم کیں (۱۵۴)۔

آپ ﷺ کو خوف الہی کمال درجہ کا تھا۔ حضرت عبداللہ بن الشخیر روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور رونے کے سبب سے آپ ﷺ کے شکم مبارک سے تانے کی دیگ (کے جوش) کی مانند آواز آرہی ہے (۱۵۵)۔ رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے تفصیلی حالات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ یہاں بوجہ اختصار ان کے ایراد کی گنجائش نہیں۔ مگر اتنا بتادینا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کا طرز عمل افراط و تفریط سے خالی ہوا کرتا تھا۔ نہ تمام رات نماز پڑھتے اور نہ تمام رات سوتے۔ بلکہ رات کو نماز بھی پڑھتے اور سو بھی لیتے۔ اسی طرح روزوں کا حال تھا۔ ماہ رمضان مبارک کی طرح تمام ماہ شعبان کے روزے رکھتے باقی دس مہینوں میں سے ہر ایک میں آپ ﷺ ہمیشہ روزہ نہ رکھتے کہ افراط لازم آئے اور نہ ہمیشہ افطار فرماتے کہ تفریط لازم آئے۔ بلکہ ہر مہینہ میں کبھی روزہ رکھتے اور کبھی افطار فرماتے (۱۵۶)۔

رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ عادل و امین تھے۔ طفولیت میں جب مائی حلیمہ عدل و انصاف: نے آپ ﷺ کو پہلے پہل گود میں لیا۔ تو آپ ﷺ نے صرف داہنی چھاتی سے دودھ پیا۔ اور دوسری ان کے شیر خوار بچے کے لیے چھوڑ دی (۱۵۷)۔

جب آپ ﷺ غنم حنین تقسیم فرما رہے تھے۔ تو ذوالنحویصرہ (۲۱) الخوارج نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! عدل کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تجھ پر افسوس۔ میں اگر عدل نہ کروں تو اور کون کرے گا؟ اگر میں عادل نہیں تو نا امید و زیاں کار ہے۔“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے جانے دو۔ کیوں کہ اس کے اصحاب ایسے ہیں کہ ان کی نمازوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں

کو حقیر سمجھو گے۔ وہ دین سے یوں نکل جاتے ہیں۔ جیسے تیرشکار میں سے نکل جاتا ہے (۱۵۸)۔
 ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک شخص سے کچھ کھجوریں ادھار لیں۔ جب اس نے تقاضا کیا تو
 آپ ﷺ نے فرمایا: ”آج ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ مہلت دیجئے کہ کچھ آجائے تو ادا کروں“۔ یہ سن
 کر وہ بولا ”آہ بے وفائی“۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو غصہ آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عمر! جانے دو۔
 صاحب حق ایسا ویسا کہا کرتا ہے“۔ پھر آپ نے حضرت خولہ بنت حکیم انصاریہ سے کھجوریں منگوا کر اس
 کے حوالہ کیں (۱۵۹)۔

حضرت ابو حدرہ اسلمی کا بیان ہے کہ مجھ پر ایک یہودی کا چاردرہم قرض تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ
 رسول اللہ ﷺ غزوہ خیبر کا ارادہ فرما رہے تھے۔ اس نے مجھ سے تقاضا کیا۔ میں نے مہلت مانگی۔ تو وہ
 نہ مانا اور مجھے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے دو دفعہ فرمایا کہ اس کا
 حق ادا کر دو میں نے عرج کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ﷺ مہم خیبر کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ شاید ہمیں وہاں
 سے کچھ غنیمت ہاتھ لگے۔ آپ نے پھر فرمایا۔ کہ اس کا حق ادا کر دو۔ یہ قاعدہ تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ
 کسی بات کے لیے تین بار فرمادیتے۔ تو پھر کوئی عذر نہ کیا جاتا۔ میرے پاس بدن پر ایک تہ بند اور سر پر
 عمامہ تھا۔ میں نے اس یہودی سے کہا۔ کہ اس تہ بند کو مجھ سے خرید لو۔ چنانچہ اس نے چاردرہم میں خرید
 لیا۔ میں نے عمامہ سر سے اتار کر کمر سے لپیٹ لیا۔ ایک عورت میرے پاس سے گزری۔ اس نے اپنی
 چادر مجھے اوڑھادی (۱۶۰)۔

سرق ایک صحابی تھے ان سے اس نام کی وجہ تسمیہ دریافت کی گئی۔ تو کہنے لگے کہ ایک بدوی دو
 اونٹ لے کر آیا۔ میں نے خرید لیے۔ پھر میں (قیمت لانے کے بہانہ سے) اپنے گھر میں داخل ہوا اور
 عقب خانہ سے نکل گیا۔ اور ان اونٹوں کو بیچ کر اپنی حاجت پوری کی۔ میں نے خیال کیا کہ بدوی چل گیا
 ہوگا۔ میں واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کھڑا ہے۔ وہ مجھے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے
 گیا۔ اور واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا۔ یا
 رسول اللہ! میں نے اونٹوں کو بیچ کر اپنی حاجت روائی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بدوی کو قیمت ادا
 کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو سرق ہے۔ پھر بدوی
 سے فرمایا کہ تم اس کو بیچ کر اپنی قیمت وصول کر لو۔ چنانچہ لوگ اس سے میری قیمت پوچھنے لگے۔ وہ ان
 سے کہتا تھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہتے تھے کہ ہم خرید کر اس کو آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر بدوی نے کہا
 کہ میں تمہاری نسبت ثواب کا زیادہ مستحق و خواہاں ہوں۔ اور مجھ سے کہا کہ جاؤ۔ میں نے تم کو آزاد کر
 دیا (۱۶۱)۔

ایک دفعہ خاندان مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش نے چاہا کہ وہ حد سے بچ جائے۔ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید سے جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب خاص تھے درخواست کی کہ آپ سفارش کیجئے۔ چنانچہ حضرت اسامہ نے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم حد میں سفارش کرتے ہو؟ تم سے پہلے لوگ (بنی اسرائیل) اسی سبب سے تباہ ہوئے کہ وہ غریبوں پر حد جاری کرتے اور امیروں کو چھوڑ دیتے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی ایسا کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا“ (۱۶۲)۔

ایک روز رسول اللہ ﷺ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص آیا اور آپ ﷺ پر جھک گیا۔ آپ ﷺ نے کھجور کی سوکھی شاخ سے جو آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی اسے ٹھوکا دیا۔ جس سے اس کے منہ پر خراش آگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھ سے قصاص لے لو۔ اس نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ میں نے معاف کروا“ (۱۶۳)۔

آنحضرت ﷺ جنگ بدر کے لیے صف آرانی کر رہے تھے۔ حضرت سواد بن غزیہ انصاری صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک تیر کی لکڑی سے ان کے پیٹ کو ٹھوکا دیا اور فرمایا:

استوایا سواد۔

اے سواد! برابر ہو جاؤ۔

اس پر سواد نے حضور ﷺ سے قصاص طلب کیا۔ آپ ﷺ نے فوراً اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا اور فرمایا کہ قصاص لے لو۔ یہ قصہ بالتفصیل پہلے آچکا ہے۔

آپ ﷺ کی امانت کا یہ عالم تھا۔ کہ نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ عرب میں امین مشہور تھے۔ چنانچہ جب قریش کعبہ کو از سر نو بنانے لگے اور حجرہ اسود کی جگہ تک تیار ہو گیا تو قبائل قریش میں جھگڑا ہوا۔ ہر ایک قبیلہ یہی چاہتا تھا۔ کہ حجر اسود کو اٹھا کر ہم اس کی جگہ پر رکھیں گے۔ آخر یہ قرآن پایا کہ جو شخص کل صبح باب بنی شیبہ سے حرم میں پہلے داخل ہو وہ ثالث بنے۔ اتفاقاً اس دروازے سے جو پہلے داخل ہوئے وہ آنحضرت ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی سب پکار اٹھے۔ (۱۶۴)

هَذَا الْاَمِينُ رَضِينَا هَذَا مُحَمَّدٌ

”یہ امین ہیں۔ ہم راضی ہیں۔ یہ محمد ہیں۔“

جب انہوں نے آپ ﷺ سے یہ معاملہ ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اس میں رکھا۔ پھر فرمایا کہ ہر طرف والے ایک ایک سردار انتخاب کر لیں۔ اور وہ چاروں سردار چادر کے چاروں کونے تمام لیں۔ اور اوپر کو اٹھائیں۔ اس طرح جب وہ چادر مقام نصب کے برابر پہنچ گئی۔ تو آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر دیوار کعبہ میں نصب فرمایا۔ اور وہ سب خوش ہو گئے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے بدن مبارک پر ایک جوڑا قطری موٹے کپڑے کا۔ جب آپ ﷺ بیٹھے۔ تو وہ پسینہ سے بوجھل ہو جاتا۔ ایک یہودی کے ہاں شام سے کپڑے آئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا۔ کہ آپ ﷺ کسی کے ہاتھ اس سے ایک جوڑا قرض منگوا لیں۔ جب آپ ﷺ کا آدمی یہودی کے پاس پہنچا۔ تو اس نے کہا: ”میں سمجھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ میرا مال یا دام یوں ہی اڑا لیں“۔ آپ ﷺ نے سن کر فرمایا۔ ”اس نے جھوٹ کہا۔ اسے معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں“ (۱۶۵)۔

قریش کو اگرچہ آنحضرت ﷺ سے سخت عداوت تھی۔ مگر باوجود اس کے اپنی جوکھم کی چیز آپ ﷺ ہی کے ہاں امانت رکھا کرتے تھے۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے مذکور ہوا۔ اپنے تو درکنار بیگانے بھی آنحضرت ﷺ کی صداقت کے قائل تھے۔ حضرت عبداللہ بن صدق: سلام ابھی ایمان نہ لائے تھے کہ حضور ﷺ کو دیکھتے ہی پکاراٹھے:

رَجْهَةٌ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔
”ان کا چہرہ دروغ گو کا چہرہ نہیں۔“ (۱۶۶)

صلح حدیبیہ کی مدت میں ہرقل روم نے ابوسفیان (جو اب تک ایمان نہ لائے تھے) سے آنحضرت ﷺ کی نسبت پوچھا: ”کیا دعویٰ نبوت سے پہلے تمہیں ان پر جھوٹ بولنے کا گمان ہوا ہے؟“ ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ ابو جہل نے آنحضرت ﷺ سے کہا ”ہم۔ (مشر قریش) تم کو جھوٹے نہیں کہتے۔ لیکن جو کچھ (کتاب و شریعت) تم لائے ہو۔ اس سے ہم انکار کرتے ہیں“۔ اس پر ابو جہل اور اس کے امثال کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَاَلْهَمُوا لَكُمْ ذِكْرًا ۗ لَكِنَّا نَجْعَلُ لِمَن يَشَاءُ آيَاتٍ لِّمَن نَّشَاءُ ۗ لَعَلَّ يَتَذَكَّرُ أَلْفًا مَّا لَمْ يَذَكَّرْ ۗ (انعام: ۳۷)

”وہ تجھ کو جھوٹا نہیں کہتے۔ لیکن ظالم خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔“

عتبہ بن ربیعہ حضرت امیر معاویہ کی والدہ ہندہ کا باپ تھا۔ جو جنگ بدر میں کفر پر مرا۔ ایک روز قریش نے اس کو آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے حضور ﷺ پر چند امور پیش کیے کہ ان میں سے جو چاہیں اختیار کریں۔ اور نئے مذہب سے باز آئیں۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے سورہ حم السجدہ پڑھنی شروع کی۔ جب آپ ﷺ آئے فان اعرضوا پر پہنچے۔ تو عتبہ نے آپ ﷺ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ کر اور قرابت کی قسم دے کر کہا کہ آپ ﷺ آگے نہ پرھیں۔ اس کے بعد عتبہ نے واپس جا کر قریش سے یہ ماجرا بیان کیا اور کہا کہ اس نے مجھے قرآن سنایا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا:

فَانْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَ ثَمُودَ

”اگر وہ منہ پھیریں۔ تو کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں ایک کڑا کے سے ڈرایا ہے جیسا کہ عاد و ثمود پر آیا تھا۔“

تو میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور قرابت قریبہ کی قسم دے کر کہا کہ بس آگے نہ پڑھیے۔ تمہیں معلوم ہے کہ محمد (ﷺ) جب کچھ کہہ دیتا ہے۔ تو جھوٹ نہیں بولتا۔ اس لیے میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر وہ عذاب نازل ہو جائے جس سے اس نے ڈرایا تھا (۱۶۷)۔

جب آنحضرت ﷺ کو اعلان دعوت کا حکم آیا۔ تو آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔ جب لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ”بتاؤ۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ وادی مکہ سے ایک سو اوروں کا لشکر تم پر تاخت و تاراج کرنا چاہتا ہے تو کیا تمہیں یقین آجائے گا۔“ وہ بولے: ”ہاں۔“ کیوں کہ ہم نے تم کو سچ ہی بولتے دیکھا ہے (۱۶۸)۔

جب ہرقل قیصر روم نے ابوسفیان سے پوچھا: ”کیا مدعی نبوت عہد شکنی کرتا ہے؟ تو حسن عہد و وفا: ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔“

ابورافع ایک قبلی غلام تھے۔ جو مکہ میں رہا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے۔ کہ قریش نے مجھے سفیر بنا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا۔ جب میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام کی صداقت جاگزیں ہو گئی۔ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! میں واللہ کبھی ان کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ ”میں عہد شکنی نہیں کرتا اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روکتا ہوں۔ تم اب لوٹ جاؤ۔ اگر وہاں بھی تمہارے دل میں صداقت اسلام رہی۔ تو واپس آ جانا۔“ ابورافع کا قول ہے کہ میں چلا گیا۔ پھر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لایا (۱۶۹)۔

آنحضرت ﷺ عہد شکنی کو بہت برا جانتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا۔

”جو شخص کسی غیر مسلم معاہد (ذمی) کو قتل کرے گا وہ بہشت کی بونہ سونگھے گا۔ حالانکہ اس کی بو چالیس سال کی مسافت سے آئے گی (۱۷۰)۔“

حضرت عبداللہ بن ابی الحساء بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے نبی ﷺ سے کوئی چیز خریدی۔ اس کی قیمت میں سے کچھ میرے ذمہ باقی رہا۔ میں نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا۔ کہ میں باقی قیمت لے کر اسی جگہ آپ ﷺ کے پاس آتا ہوں۔ چنانچہ میں چلا گیا اور اپنا وعدہ بھول گیا۔ تین راتوں کے بعد مجھے یاد آیا۔ میں بقیہ قیمت لے کر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور اسی جگہ بیٹھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ

نے فرمایا: ”اے نوجوان! بے شک تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا۔ میں تین راتوں سے یہاں تیرا انتظار کر رہا ہوں“ (۱۷۱)۔

حضور اقدس ﷺ کی پاک دامنی کا ذکر کس زبان سے کیا جائے صرف اتنا بتا دینا کافی عفت و حیا: ہے کہ آپ نے کبھی کسی عورت کو جس کے آپ مالک نہ ہوں نہیں چھوا۔

حیا وہ خلق ہے جس کے ذریعے انسان قبائح شرعیہ کے ارتکاب سے بچتا ہے۔ حضور ﷺ کی ذات میں غایت درجہ کی حیا تھی۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں۔ کہ ”رسول اللہ ﷺ پردہ دار دوشیزہ سے بڑھ کر حیا دار تھے۔ جب آپ کسی امر کو ناپسند فرماتے۔ تو ہم اسے آپ کے چہرے مبارک میں پہچان (۱۷۲) جاتے۔ یعنی غایت حیا کے سبب سے آپ اپنی کراہت کی تصریح نہ فرماتے تھے۔ بلکہ ہم اس کے آثار چہرہ انور میں پاتے۔

حضرت امام حسین کا بیان ہے۔ کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے دریافت کیا کہ تقسیم اوقات: رسول اللہ ﷺ کا جو وقت اپنے دولت خانہ میں گزرتا تھا۔ آپ اس میں کیا کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو اس میں قیام کے وقت کے تین حصے کر لیتے تھے۔ ایک حصہ اللہ ”کی عبادت“ کے لیے، دوسرا اپنے اہل ”کے ساتھ موانست و معاشرت“ کے لیے۔ تیسرا اپنی ذات اقدس کے لیے۔ پھر اپنے ذاتی حصہ کو اپنے اور عام لوگوں کے درمیان تقسیم کر لیتے۔ خواص صحابہ جو دولت خانہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ ان کی وساطت سے عوام کو جو دولت خانہ میں نہ ہوا کرتے تبلیغ احکام فرماتے۔ اور نصیحت و ہدایت کی کوئی بات عام و خاص سے پوشیدہ نہ رکھتے۔ حصہ امت میں آپ کا طریقہ یوں تھا کہ اہل فضل کو ترجیح دیتے۔ تاکہ حاضر خدمت ہو کر افادہ عام کریں۔ اور اس حصہ امت کو بقدر حاجات دیدیہ تقسیم فرماتے۔ اہل فضل میں سے کسی کو ایک مسئلہ دین دریافت کرنا ہوتا۔ کسی کو دو اور بعض کو بہت سے مسائل کی ضرورت ہوتی۔ پس ان اصحاب حاجات کی طرف توجہ فرماتے اور ان کو وہی امور دریافت کرنے دیتے جن میں ان کی امت کی بہبودی ہو۔ حضور ان کے مناسب حال احکام بیان فرماتے۔ اس کے بعد آپ حاضرین مجلس سے ارشاد فرماتے کہ تمہیں چاہیے کہ بقیہ امت کو جو حاضر نہیں یہ احکام پہنچا دو۔ اور نیز فرماتے کہ جو لوگ (مثلاً عورتیں، بیمار، غائب وغیرہ) اپنی حاجتیں مجھ تک پہنچا نہیں سکتے۔ تم ان کے حوائج مجھ پر پیش کرو۔ کیوں کہ جو شخص ایسے آدمی کی حاجت بادشاہ تک پہنچاتا ہے جسے وہ خود نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قدم (پل صراط پر) ثابت رکھے گا۔ اسی طرح کے ضروری مفید امور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا کرتے۔ اور ایسے امور کی شنوائی نہ ہوتی جن میں کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ طالب وسائل

دولت خانہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ اور آپ سے استفادہ علوم کرتے اور لوگوں کے رہبر بن کر نکلتے۔

حضرت امام حسین فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنے والد بزرگوار سے پوچھا۔ کہ آنحضرت ﷺ کا جو وقت گھر سے خارج گزرتا تھا۔ آپ اس میں کیا کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا۔ کہ آنحضرت ﷺ اکثر خاموش رہتے اور بجز مفید و ضرور امر کے لب کشائی نہ فرماتے۔ آپ لوگوں کو (حسن خلق سے) اپنا گرویدہ بناتے۔ اور ایسی بات نہ کرتے جس سے وہ آپ سے نفرت کرنے لگیں۔ آپ ہر ایک قوم کے بزرگ کی عزت کرتے اور اس کو ان کا سردار بناتے۔ آپ لوگوں کو (عذاب خدا) سے ڈراتے۔ ان سے احتراز کرتے اور بچتے۔ مگر کشادہ روئی اور حسن خلق میں کسی سے دریغ نہ فرماتے۔ اپنے اصحاب کی خبر گیری فرماتے (مثلاً مریض کی عیادت، مسافر کے لیے دعاء اور میت کے لیے استغفار فرماتے) اپنے خاص اصحاب سے لوگوں کے حالات دریافت فرماتے (تا کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیں) آپ اچھی بات کی تحسین فرماتے اور اس کی تائید کرتے۔ اور بری بات کی برائی ظاہر فرماتے اور اس کی تضعیف و تردید کرتے۔ آپ کا حال ہمیشہ معتدل تھا۔ اس میں اختلاف نہ تھا۔ آپ (لوگوں کی تذکیر و تعلیم سے) غافل نہ ہوتے تھے۔ کہ مبادا وہ غافل ہو جائیں یا سستی کی طرف مائل ہو جائیں۔ آپ بہر حال (جمع انواع عبادات کے لیے) مستعد تھے۔ حق سے کوتاہی نہ کرتے۔ اور نہ حق سے تجاوز فرماتے۔ جو لوگ (استفادہ کے لیے) آپ کی خدمت میں حاضر رہتے وہ خیر الناس ہوتے سب سے افضل آپ کے نزدیک وہ ہوتا جو سب مسلمانوں کا خیر خواہ ہوتا اور مرتبہ میں آپ کے نزدیک سب سے بڑا وہ ہوتا جو محتاجوں کی غم خواری کرنے والا اور (مہمات امور میں) اپنے بھائیوں کی مدد کرنے والا ہوتا۔

امام حسین فرماتے ہیں کہ بعد ازاں میں نے اپنے والد بزرگوار سے آنحضرت ﷺ کی مجلس کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور کا مجلس سے اٹھنا اور مجلس میں بیٹھنا بغیر ذکر الہی نہ ہوتا۔ جب آپ کسی مجلس میں رونق افروز ہوتے تو جو جگہ خالی پاتے وہیں بیٹھ جاتے۔ اور دوسروں کو بھی یہی حکم دیتے۔ جو لوگ آپ کے پاس بیٹھتے۔ آپ ان میں سے ہر ایک کو (حسب حال کشادہ روئی اور تعلیم و تفسیم سے) بہرہ ور فرماتے۔ آپ کا ہر ایک جلسہ یہ سمجھتا کہ آپ کے نزدیک مجھ سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں۔ جو شخص آپ کے پاس بیٹھتا یا کسی حاجت کے لیے آپ سے کلام کرتا۔ آپ اس کے ساتھ اسی حالت میں ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ وہ خود واپس ہو جاتا۔ جو شخص آپ سے کسی حاجت کا سوال کرتا۔ آپ اس کی حاجت کو پورا کرتے یا اس سے کوئی نرہم بات فرماتے۔ (یعنی وعدہ فرماتے یا فرماتے کہ

فلاں سے ہمارے ذمہ قرض لے لو) آپ کی کشادہ روئی اور حسن خلق تمام لوگوں کے لیے عام تھا۔ آپ (بلحاظ شفقت) سب کے باپ ہو گئے تھے۔ اور وہ آپ کے نزدیک حق میں برابر تھے (حسب حال و استحقاق ہر ایک کی حق رسانی ہوتی) آپ کی مجلس حلم و حیاء و امانت و صبر کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ ہوا کرتیں۔ اور نہ اس میں کسی کی آبروریزی ہوتی۔ اور نہ اشاعت، ہفوات ہوتی۔ آپ کی مجلس میں سب مساوی تھے۔ ہاں بلحاظ تقویٰ بعض کو بعض پر فضیلت تھی وہ سب متواضع تھے۔ جو مجلس مبارک میں بڑوں کی توقیر چھوٹوں پر رحم کرتے۔ اور صاحب حاجت کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے۔ اور مسافر و اجنبی کے حق کی رعایت کرتے (۱۷۳)۔



حصہ دوم

باب: ۷

آنحضرت ﷺ کے معجزوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ بھیجے۔ اور ان کی رسالت کے ثبوت کے لیے بطور دلائل ان کو معجزات عنایت کیے۔ کوئی پیغمبر ایسا نہیں جسے کوئی نہ کوئی معجزہ عطا نہ ہوا ہو۔ مگر حضور اقدس ﷺ کے معجزات اکثر واقوئی و اظہر و اشہر ہیں۔ کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان کے افراد کا احاطہ انسانی طاقت سے خارج ہے۔ قرآن کریم کو دیکھیے۔ کہنے کو تو ایک معجزہ ہے۔ مگر اس میں ہزار ہا معجزے ہیں۔ کیوں کہ فصحاء قریش سے قرآن کی کسی ایک سورت کا معاوضہ طلب کیا گیا تو وہ عاجز آ گئے۔ اب جائے غور ہے کہ قرآن میں چھوٹی سے چھوٹی سورت کوثر ہے۔ جس میں دس سے کچھ اوپر کلمات ہیں بقول بعض قرآن میں ۷۷۹۳۳ کلمے ہیں۔ پس اگر سورت کوثر کی مقدار کلمات قرآن کے اجزاء بنائے جائیں تو قریباً سات ہزار ہوں گے جن میں سے ہر ایک جزء فی نفسہ معجزہ ہوگا۔ پھر اگر بلاغت و اسلوب و اخبار غیب وغیرہ وجوہ اعجاز پر غور کیا جائے تو سات ہزار کی تضعیف ہوتی جائے گی۔ پس آپ حساب کر لیں کہ ایک قرآن کریم میں کتنے معجزے ہیں۔ ہم اسی مضمون کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ دو فصلوں میں لکھتے ہیں۔

فصل اول

اعجاز القرآن کا بیان

حضور اقدس ﷺ سے پہلے دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اپنے زمانے میں معجزات دکھائے۔ مگر ان معجزات کا وجود صرف ان کی حیات دنیوی تک رہا۔ علاوہ ازیں ان کے معجزات

عموماً حسی تھے۔ جن کو فقط حاضرین وقت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مثلاً عصائے موسوی کو اگر دیکھا تو اس وقت کے حاضرین نے، ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کا اگر مشاہدہ کیا تو اس وقت کے موجودین نے۔ اور ماندہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اگر ملاحظہ کیا تو حاضرین وقت نے۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔ اور ہر زمانے میں ہر صاحب عقل سلیم اس کو بصیرت کی آنکھ سے دیکھ سکے گا۔ چنانچہ جب کفار نے آنحضرت ﷺ سے پہلے نبیوں کے سے حسی معجزے طلب کیے تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۗ (عنکبوت: ۵۷)

”کیا ان کو بس نہیں کہ ہم نے اتاری تجھ پر کتاب جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔“

مطلب یہ کہ اگر کفار واقعی طالب حق ہیں، تو ہم نے تجھے قرآن مجید ایک ایسا معجزہ عطا کیا ہے کہ جس کی موجودگی میں ان معجزوں کی ضرورت نہیں جو از روئے تعنت و عناد تجھ سے طلب کرتے ہیں۔ یہ قرآن ہر مکان و ہر زمان میں منکرین پر پڑھا جاتا ہے اور پڑھا جائے گا۔ لہذا یہ زندہ معجزہ تا قیامت ان کے ساتھ رہے گا اور دوسرے معجزوں کی طرح نہیں کہ وجود میں آئے اور جاتے رہے۔ یا ایک مکان میں ہوئے اور دوسرے میں نہ ہوئے۔ اسی مطلب کو امام بو صیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے قصیدہ بردہ میں یوں ادا کیا ہے۔ (۱)

دَامَتْ لَدَيْنَا فَاقَتْ كُلَّ مُعْجَزَةٍ
مِنَ النَّبِيِّ إِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدْم

”ہیں ہمارے پاس باقی آج تک وہ آیتیں معجزے اور انبیاء کے ہو گئے سب کا عدم۔“

حضور اقدس ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی سب سے اشرف اور سب سے واضح دلیل یہی قرآن مجید ہے۔ وجہ یہ ہے کہ معجزات عموماً اس وحی کے مغائر ہوا کرتے تھے جو کسی نبی پر نازل ہوتی تھی۔ اور وہ نبی اس وحی کی صداقت پر معجزے کو بطور شاہد پیش کرتا تھا۔ مگر قرآن کریم وحی ہے اور معجزہ بھی۔ اس لیے یہ اپنا شاہد خود آپ ہے اور کسی دوسری دلیل کا محتاج نہیں۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلت باید از دے رومتاب

حدیث مامن (۲) الانبیاء کے یہی (۳) معنی ہیں۔ کیوں کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب معجزہ نفس وحی ہو تو بوجہ اتحاد دلیل و مدلول وہ دلالت میں اوضح و اقویٰ ہوتا ہے اور اس پر ایمان لانے والے زیادہ ہوتے ہیں اسی واسطے قرآن پر ایمان لانے والے ہر زمانے میں بکثرت رہے اور رہیں گے۔ خلاصہ کلام یہ کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت قرآن مجید پر مبنی ہے۔ چنانچہ خود قرآن مجید میں وارد ہے:

تَبْرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (فرقان: ۱۷)
 ”بڑی برکت ہے اس کی جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر کہ ہو جہان والوں کے لیے
 ڈرانے والا۔“

اور قرآن کریم کے وحی الہی ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل مغائر کی ضرورت نہیں۔ لہذا ہم قرآن
 ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ وجوہ ذیل سے اس کا معجزہ ثابت ہوتا ہے:

اعجاز القرآن کی پہلی وجہ

وجوہ اعجاز میں سب سے اعلیٰ اور مقدم قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ہے
فصاحت و بلاغت: جو خارق عادت عرب ہے۔ زمانہ جاہلیت میں فصاحت و بلاغت میں
 عرب (۴) کا وہ پایہ تھا کہ کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ ان کا نام ہی بتا رہا ہے کہ اس فن میں ان کو
 کس قدر مزاولت تھی۔ مہمات امور میں وہ اس فن کے عجائبات بداہتہ ظاہر کیا کرتے تھے۔ محافل و
 مجالس میں فی البدیہہ خطبے پڑھ دیا کرتے تھے۔ اور گھمسان کے معرکوں میں طعن و ضرب کے درمیان رجز
 پڑھا کرتے تھے اور مطالب عالیہ کے حصول میں بھی اپنی سحر بیانی سے کام لیتے تھے۔ اس فن سے وہ
 بزدل کو دلیر، بخیل کو خنی، ناقص کو کامل، گننام کو نامور اور مشکل کو آسان کر دیتے تھے۔ جسے چاہتے مدح
 سے شریف اور جہو سے وضع بنا دیتے۔ اور اسی سے کینہ دیرینہ دلوں سے دور کر کے بیگانے کو اپنا بنا لیتے۔
 انہیں یقین تھا کہ اقلیم خن کے مالک اور میدان فصاحت و بلاغت کے شہسوار ہم ہی ہیں اور وہ یہ سمجھے
 ہوئے تھے کہ کوئی کلام ہمارے کلام سے سبقت نہیں لے جاسکتا۔

فصاحت و بلاغت کے اس کمال پر ان کی روحانی حالت نہایت ہی گری ہوئی تھی وہ عموماً بتوں کی
 پوجا کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ خانہ خدا کو انہوں نے بت خانہ بنایا ہوا تھا۔ بعض آگ کی پرستش کرتے تھے۔
 کچھ لوگ ستاروں اور سورج اور چاند کو پوجتے تھے۔ بعض تشبیہ کے قائل تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں
 کہا کرتے تھے۔ اور بعض کو خدا کی ہستی ہی سے انکار تھا۔ اوامر و نواہی کی انہیں مطلق خبر نہ تھی۔ اور نہ ان
 کے پاس کوئی الہامی کتاب تھی۔ دین ابراہیمی بجز چند رسوم کے بالکل مفقود تھا۔ قساوت قلب کا یہ عالم تھا
 کہ بعض لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ وہ شب و روز زنا کاری، شراب خوری، قمار
 بازی اور قتل و غارت گری میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے درمیان جواہل کتاب موجود تھے ان کی حالت
 بھی دگرگوں تھی۔ اور ان کی کتابیں بھی محرف ہو چکی تھیں۔ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔
 اور نصاریٰ تین خدا مانتے تھے اور مسئلہ کفارہ کی آڑ میں اعمال حسنة کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے

تھے۔ غرض ملک عرب میں ساری دنیا کے مذاہب باطلہ اور عقائد قبیحہ موجود تھے۔ مشرکین وہاں تھے، آتش پرست، ستارہ پرست، آفتاب پرست، ماہتاب پرست، اور درخت پرست وہاں تھے، نصاریٰ وہاں تھے، یہود وہاں تھے، مشہدہ و مجسمہ وہاں تھے، تناخہ وہاں تھے دہریہ وہاں تھے۔

نظر بحالات مذکورہ بالا اس امر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ ایسے مرکز میں خدا کی طرف سے ایک کامل طبیب روحانی ساری دنیا کے لیے مبعوث ہو۔ چنانچہ حسب عادت الہی ان کے پاس اللہ کا ایک کامل بندہ آیا۔ اور ایک کامل کتاب لایا۔ جس میں قیامت تک ہر زمانے اور ہر قوم کے تمام روحانی (۵) امراض کا خدائی نسخہ درج تھا اس طبیب روحانی سے وہ پہلے ہی آشنا تھے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا خاتم سلسلہ انبیاء انہیں میں سے تھا۔ انہیں کے درمیان پیدا ہوا اور انہیں کے درمیان پرورش پائی۔ ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے بطن مبارک ہی میں تھا کہ والد ماجد نے انتقال فرمایا۔ جب چھ سال کا ہوا تو والدہ ماجدہ نے بھی اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ بعد ازاں دادا اور چچا یکے بعد دیگرے اس کی پرورش کے متکفل ہوئے۔ اس طرح اس در یتیم کی تعلیم کا کوئی سامان نہ ہوا نہ ہو سکتا تھا۔ کیوں کہ مکہ میں نہ کوئی مدرسہ تھا، نہ کتب خانہ اور نہ وطن سے باہر کسی دوسری جگہ جا کر تعلیم پانے کا اتفاق ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو اہل مکہ سے کب پوشیدہ رہ سکتا تھا غرض چالیس سال کی عمر تک وہ بندہ کامل امیوں میں امی مگر صدق و امانت میں مشہور رہا پھر یکا یک استاد ازل کی تعلیم سے منصب نبوت پر سرفراز ہوا۔

اس امی لقب امین نے جو کتاب اپنی نبوت کے ثبوت میں اپنے ہم وطنوں کے سامنے پیش کی وہ انہی کی زبان میں تھی۔ اور اسی فن میں ان سے معارضہ طلب کیا جس میں وہ نقارہ لمن الملك الیوم بجا رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں افصح الفصحاء ابلغ البلغاء، مصارع الخطباء اور اشعر الشعراء موجود تھے۔ مگر جب معارضہ کے لیے وہ کتاب پیش کی گئی تو ان کی عقلیں چکرا گئیں۔

اس رحمت عالم ﷺ نے باوجود قلت اتباع کے کھلے الفاظ میں یوں فرمایا کہ اگر تمام انس و جن مل کر اس کا معارضہ کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں گے۔ (بنی اسرائیل: رکوع ۱۰) پھر بطور ارضاء عنان کہہ دیا کہ سارا نہیں تو ایسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ (ہود: ع ۲۴) پھر اتمام حجت کے لیے فرما دیا کہ دس نہیں تو ایسی ایک ہی سورت پیش کرو (یونس: ع ۴) اس طرح وہ اللہ کا پیارا دو جہان میں ہم گنہ گاروں کا سہارا مکہ مشرفہ میں لگاتار دس سال کفار سے معارضہ فرماتا رہا۔ پھر جب حکم الہی سے ہجرت فرما کر مدینے میں رونق افروز ہوا تو وہاں بھی دس سال فاتوا بسورة من مثله سے تھدی کرتا رہا۔ اور ساتھ ہی ولن تفعلوا سے انہیں چونکا تا رہا اور اسکا تار رہا۔

اس عرصہ دراز میں اس ختم المرسلین نے اسی تھدی پر اکتفا نہ کیا بلکہ عرب جیسی قوم کو جس کی حمیت

جاہلیہ مشہور ہے مجالس میں علی رؤس الاشہاد یوں پکار کر فرما دیا کہ تم گمراہ ہو۔ تمہارے آباؤ اجداد گمراہ تھے۔ تمہارے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں۔ تمہاری جانیں اور تمہارے مال مسلمانوں کے لیے مباح ہیں۔ بایں ہمہ انہوں نے معارضہ سے پہلو تہی کی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اسلام کی شوکت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ ان کے شہر اسلام کے قبضے میں آرہے تھے۔ ان کی اولاد کو گرفتار کر کے غلام بنایا جا رہا تھا۔ ان کے بت توڑے جا رہے تھے۔ ان کے باپ دادا دوزخی بتائے جا رہے تھے۔ اس حالت میں اگر وہ ذرا سا معارضہ بھی کر سکتے تو اس ذلت کو ہرگز گوارا نہ کرتے۔ کیوں کہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے معارضہ سے یہ تمام خواری و رسوائی دور ہو سکتی تھی۔ اور اسلام کی جمعیت و شوکت کا شیرازہ ہمیشہ کے لیے پراگندہ ہو سکتا تھا۔ جمعیت کے باوجود ان کا بیس سال اس ذلت کو برداشت کرنا اور جلا وطنی اور جزیہ کو گوارا کرنا صاف بتا رہا ہے کہ وہ معارضہ سے عاجز تھے۔ مگر اپنے عجز پر پردہ ڈالنے کے لیے قسم قسم کے عذر اور حیلے بہانے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ کبھی اسے منظوم دیکھ کر شاعر کا قول یا کاہن کا قول بتاتے۔ (حاقہ: ۲۷) کبھی اپنی قدرت سے خارج دیکھ کر حیرت سے کہا کرتے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ (سبا: ۵۷) کبھی اپنی جہالت کے سبب سے کہتے کہ چاہئیں تو ہم بھی ایسا کہہ لیں۔ یہ تو پہلوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ (انفال: ۳۷) کبھی کہتے کہ یہ اضغاث احلام یعنی اڑتے خواب ہیں (انبیاء: ۱۷) کبھی اس کی تاثیر روکنے کے لیے کہتے کہ شور مچاؤ اور سننے نہ دو (حم سجدہ: ۳۷) کبھی کہتے کہ قرآن سے ہمارے دل غلاف میں ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے (حم سجدہ: ۱۷) کبھی کہتے کہ ہم اپنے باپ دادوں میں یہ نہیں سنا۔ یہ تو بنائی ہوئی بات ہے (ص: ۱۷) اور کبھی اس رحمتہ اللعالمین کو ساحر کذاب یعنی بڑا جھوٹا جادوگر (ص: ۷) کبھی مسحور یعنی جادو مارا (فرقان: ۱۷) کبھی معلم مجنون یعنی سکھایا ہوا باؤلا (دخان: ۱۷) کبھی کاہن اور کبھی شاعر کہتے (طور: ۲۷) مگر ایسے حیلوں اور عذروں سے کیا بن سکتا تھا۔

ہر آں کو پف زند ریش بسوزد

چراغے را کہ ایزد بر فرورد

جب عرب کے کمال فصاحت و بلاغت کے زمانے میں فصحاء بلغاء چھوٹی چھوٹی سورت کے

معارضے سے عاجز آ گئے۔ تو ازمنہ مابعد کے عرب و عجم کا عجز خود ثابت ہو گیا۔ سیدنا مولانا محمد مصطفیٰ احمد

مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی رسالت کی یہ کیسی دلیل ساطع اور برہان قاطع ہے کہ ساڑھے تیرہ سو سال سے زائد عرصہ

گزر چکا۔ کوئی شخص اقصر سورت کے معارضہ پر قادر نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔

اگر ہم کسی انسان کے کلام کو خواہ وہ کتنا ہی فصیح و بلیغ ہو مطالعہ کریں تو اختلاف مضامین، اختلاف

اجوال، اور اختلاف اغراض سے ان کی فصاحت و بلاغت میں ظاہر فرق نظر آئے گا۔ مثلاً شعراء و

خطبائے عرب جو فصاحت میں بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں ان میں سے بعض مدح میں بہت بڑھ

چڑھ کر اور ہجو میں معمول سے بہت گرے ہوئے اور بعض اس کے برعکس ہیں۔ بعض مرثیہ گوئی میں فائق اور غزل میں بھدے اور بعض اس کے خلاف ہیں۔ اور بعض رجز میں اچھے اور قصیدے میں خراب اور بعض اس کے برعکس ہیں۔ بعض کسی خاص شے کے وصف میں اوروں سے سبقت لے گئے ہیں۔ چنانچہ امر او القیس گھوڑے اور عورت کے وصف میں۔ اعشیٰ شراب کے وصف میں۔ نابغہ ترہیب اور زہیر ترغیب میں مشہور ہیں۔ ذوالرمہ تشبیب و تشبیہ میں اچھا اور ریت، دوپہر، بیابان، پانی اور سانپ کے وصف میں بڑھ کر ہے مگر مدح و ہجاء میں گرا ہوا ہے اسی سبب سے اسے فحول شعراء میں شمار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اس کے شعر میں ہرنوں کی مینگنیاں اور خال عروس ہیں۔ فرزق اگرچہ صاحب غزل ہے مگر تشبیب میں اچھا نہیں۔ جریر اگرچہ عورتوں سے پرہیز کرنے والا ہے مگر تشبیب میں سب سے اچھا ہے اسی طرح شاعر اگر زہد کو بیان کرنے لگے تو قاصر رہ جائے۔ اگر کوئی لائق ادیب حلال و حرام کو بیان کرے تو اس کا کلام معمول سے گر جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اختلاف احوال سے بھی انسان کا کلام متفاوت ہو جاتا ہے۔ مثلاً خوشی کے وقت کا کلام غصہ کے وقت کے کلام سے بلحاظ فصاحت مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح اختلاف اغراض کے سبب سے انسان کبھی ایک چیز کی مدح کرتا ہے اور کبھی مذمت۔ جس سے اس کے کلام میں ضرور فرق ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں فصحاء و بلغاء کا کلام فصل و وصل، علو و نزول، تقریب و تبعید وغیرہ میں متفاوت ہے۔ مثلاً بہت سے شعراء ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کرنے اور ایک باب سے دوسرے باب کی طرف خروج کرنے میں ناقص ہیں۔ چنانچہ سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نخری جو نظم میں اچھا ہے۔ تشبیب سے مدح کی طرف انتقال کرنے میں قاصر ہے اس تمام کے برعکس قرآن کریم پر غور کیجئے۔ باوجودیکہ اس میں وجوہ خطاب مختلف ہیں۔ کہیں قصص و مواعد ہیں اور کہیں حلال و حرام کا ذکر ہے۔ کہیں اعذار و انذار، کہیں وعدہ و وعید، کہیں تحویف و تبشیر اور کہیں تعلیم اخلاق حسنہ ہے مگر وہ ہر فن میں فصاحت و بلاغت و بلاغت کے خارق عادات اعلیٰ درجے میں ہے۔ اور اس میں کہیں اس منزلت علیا سے انحطاط نہیں پایا جاتا اور اول سے آخر تک مقصد و احد کے لیے ہے۔ اور وہ خلقت کو اللہ کی طرف بلانا اور دنیا سے دین کی طرف پھیرنا ہے۔ چنانچہ آیہ ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ ۗ وَكَوْكَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوْ جَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝

”کیا غور نہیں کرتے قرآن میں۔ اور اگر ایسا ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے۔ تو پاتے اس

میں بہت تفاوت۔“ (نساء: رکوع ۱۱)

مثال کے طور پر دیکھیے:

ترغیب میں:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۷﴾ (سجدہ: ۲۷)
 ”سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔“

أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿۲۸﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصَفَائٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَآكَوَابٍ

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۗ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۹﴾

”چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں کہ بناؤ کر دیئے جاؤ گے۔ لیے پھریں گے ان پر رکابیاں سونے کی اور آنجورے۔ اور وہاں ہے جو دل چاہے اور جس سے آنکھیں آرام پائیں۔ اور تم کو اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔“ (زخرف: ۷)

ترہیب میں:

أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يُخْشِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿۳۰﴾

أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيَغْرِقَكُمْ

بِمَا كَفَرْتُمْ ۗ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿۳۱﴾

”سو کیا تم نڈر ہو اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیج دے تم پر آندھی پھرنے پاؤ تم پنا کوئی کارساز یا نڈر ہو اس سے کہ پھر لے جائے تم کو دریا میں دوسری بار پھر بھیجے تم پر پتھراؤ ہوا کا۔ پھر غرق کرے تم کو بدلے اس ناشکری کے پھرنے پاؤ تم اپنی طرف سے ہم پر اس کا دعویٰ کرنے والا۔“ (بنی اسرائیل: ۷)

ءَأَمِنْتُمْ مَّن فِي السَّمَاءِ أَنْ يُخْشِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورٌ ﴿۳۲﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ مَّن فِي

السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۗ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٍ ﴿۳۳﴾

”کیا نڈر ہو تم اس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں۔ پس ناگاہ وہ جنبش

کرے۔ یا نڈر ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ بھیجے تم پر پتھراؤ ہوا کا سواب جاؤ گے کیسا

ہے ڈرانا میرا۔“ (ملک: ۲۷)

زجر میں:

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ ۗ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۗ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ

وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ۗ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِن

كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٤﴾ (عنکبوت: ۳۴)

”پھر ہر ایک کو پکڑا ہم نے اس کے گناہ پر سوان میں سے کوئی تھا کہ اس پر بھیجا ہم نے پتھر اڑا ہوا کا۔ اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑنے۔ اور کوئی تھا کہ اس کو دھنسا یا ہم نے زمین میں۔ اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبویا ہم نے اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے، پر تھے وہ اپنا آپ برا کرتے۔“

وعظ میں:

أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ۖ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ۗ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَمْتَعُونَ ۗ

”بھلا بتلاؤ۔ اگر ہم فائدہ دیں ان کو کئی برس پھر آئے ان پر (عذاب) جس کا ان سے وعدہ تھا۔ کیا کام آئے گا ان کے تمتع ان کا۔“ (شعراء: ۱۱)

الہیات میں:

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيصُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِإِقْدَارٍ ۗ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ الْمُتَعَالِ ۗ سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسْرَأَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۗ

”اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں۔ اور ہر چیز اس کے نزدیک اندازہ پر ہے۔ وہ جاننے والا چھپے اور کھلے کا۔ عظیم الشان بلند۔ برابر ہے تم میں جو چپکے بات کہے اور جو کہے پکار کر۔ اور جو چھیننے والا ہے رات کو چلنے والا ہے دن کو۔“ (رعد: ۳۴)

اسی طرح قرآن کریم کے فواتح و خواتم۔ مواضع و وصل اور مواقع تحول و و تنقل کو دیکھیے اس کے پڑھنے والوں کو خارق عادت بدیع تالیف کے سبب سے فصاحت و بلاغت کی وصل معلوم دیتا ہے۔ اور ایک قصے سے دوسرے قصے کی طرف اور ایک شے سے دوسری شے کی طرف مثلاً وعدہ سے وعید اور ترغیب سے ترہیب کی طرف انتقال کرنے میں مختلف مؤلف اور مقابن متناسب نظر آتا ہے۔

اس مقام پر بغرض توضیح قرآن کی فصاحت و بلاغت کے متعلق چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔ سبع معلقات جو تمام عرب جاہلیت کا مایہ فخر و ناز تھے اور خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں تھے۔ قرآن شریف کے نازل ہونے پر اتار لیے گئے۔ یہ قصائد اب تک موجود ہیں مگر سبع طوال کی جھلک سے اپنی

آب و تاب سب کھو بیٹھے ہیں۔

حضرت لبید (۶) بن ربیعہ رضی اللہ عنہ جو سبع معلقات کے شعراء میں سے تھے اور اسلام لے آئے تھے اور ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے سوائے ایک بیت کے کوئی شعر نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں ان سے فرمایا کہ مجھے اپنے شعر سناؤ۔ اس پر آپ نے سورہ بقرہ پڑھی اور عرض کیا۔ میں شعر نہیں کہنے کا جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سورہ بقرہ سکھا دی ہے۔

ابو عبید (۷) قاسم بن سلام بغدادی (متوفی ۲۲۳ھ) جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور فقہ و حدیث و لغت میں امام ہیں حکایت کرتے ہیں کہ ایک بادیہ نشین عرب نے کسی کو یہ آیت پڑھتے سنا: **فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ (ج)** ”سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا۔“

اس نے سنتے ہی سجدہ کیا۔ اور کہا کہ میں نے اس کلام کی فصاحت کو سجدہ کیا ہے۔

ایک دفعہ کسی اعرابی نے یہ آیت سنی۔

فَلَمَّا اسْتَيْسَوْا مِئْتَهُ خَلَصُوا نَجِيًّا (يوسف)

”پھر جب ناامید ہوئے اس سے۔ اکیلے بیٹھے مصلحت کو (۸)۔“

کہنے لگے، میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس کلام کی مثل پر قادر نہیں۔

امام اصمعی یعنی عبدالملک بن اصمعی بصری (متوفی ۲۱۰ھ) جو لغت و نحو و ادب و نوادر میں امام ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک پانچ یا چھ سالہ لڑکی کو یہ کہتے سنا کہ میں اپنے تمام گناہوں سے استغفار کرتی ہوں۔ میں نے سن کر کہا: تو کس چیز پر استغفار کرتی ہے۔ تو تو مکلف ہی نہیں۔ وہ بولی:

استغفر الله لذنبی كله قتل انسانا بغير حله

مثل غزال ناعم في دله انتصف الليل و لم اصل له

میں نے کہا، اللہ تجھے مارے! تو کیسی فصیح ہے! وہ کہنے لگی۔ قرآن میں یہ آیت ہے:

وَاَوْحَيْنَا اِلَىٰ اِمْرِ مُوسَىٰ اَنْ اَرْضِعْهُ فَاِذَا حَفَّتْ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَحْزَنْ ۗ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكَ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (قصص: ۱۷)

”اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلا۔ پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس کا۔ تو ڈال

دے اس کو دریا میں۔ اور ڈر مت اور غم مت کھا۔ بے شک ہم لوٹانے والے ہیں اس کو

تیری طرف اور بنانے والے ہیں اس کو رسولوں سے۔“

کیا اس آیت کے مقابل میرا یہ قول فصیح کہا جاسکتا ہے؟ اس ایک آیت میں دو امر دو نئی دو خبریں

اور دو بشارتیں جمع ہیں۔

حکایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ایک روز مسجد نبوی میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہما کے سر ہانے کھڑا ہوا ایک شخص کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہما نے اس سے سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں بطارقہ روم میں سے ہوں۔ مجھے عربی زبانیں آتی ہیں۔ میں نے ایک مسلمان قیدی سے سنا کہ وہ آپ مسلمانوں کی کتاب میں سے ایک آیت پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس آیت پر غور کیا، اس میں وہ احوال دنیا و آخرت جمع ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام پر نازل فرمائے۔ وہ آیت یہ ہے:

وَمَنْ لَطَعَ اللَّهُ رَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٤٠﴾ (نور: ٤٠)

”اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول ﷺ کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بیچ کر چلے اس سے۔ سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے۔“

ابن مقفع نے جو فصاحت و بلاغت میں یگانہ روزگار تھا اور زمانہ تابعین میں تھا۔ قرآن شریف کے معارضہ میں کچھ لکھنا شروع کیا۔ ایک روز ایک مکتب پر سے اس کا گزر ہوا جس میں ایک لڑکا یہ آیت پڑھ رہا تھا:

وَقِيلَ يَا رِضْ اِبْلَعِي مَاءَكَ وَيَسْمَاءُ اَقْلَعِي وَغِيْضُ الْمَاءِ وَقَضَى الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَي الْجُودِي وَقِيلَ بَعْدَ اللَّقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ﴿٣٤﴾ (ہود: ٣٤)

”اور حکم آیا، اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور خشک کیا گیا پانی اور تمام کیا گیا کام اور کشتی ٹھہری جو دی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہوں قوم بے انصاف۔“

وہ سن کر واپس آیا۔ اور جو کچھ لکھا تھا سب مٹا ڈالا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کا معارضہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ انسان کا کلام نہیں۔

یحییٰ بن الحکم الغزال نے جو بقول ذہبی دوسری اور بقول ابن حبان تیسری صدی ہجری میں اندلس میں فحول شعراء میں سے تھا۔ قرآن کے معارضے کا ارادہ کیا۔ ایک روز سورہ اخلاص کا معارضہ کرنے لگا تو اس پر ہیبت طاری ہو گئی جو اس کی توبہ کی باعث ہوئی۔

امام ابن (۹) الجوزی (متوفی ۸۹۷ھ) نے وقاء فی فضائل المصطفیٰ میں ذکر کیا ہے کہ امام بن عقیل نے کہا کہ ابو محمد بن مسلم نخوی نے مجھ سے حکایت کی ہے کہ ہم اعجاز القرآن پر گفتگو کر رہے تھے۔ وہاں ایک فاضل شیخ موجود تھا۔ اس نے کہا کہ قرآن میں ایسی کون سی چیز ہے جس سے فضلاء عاجز آ جائیں۔ پھر وہ کاغذ دوات لے کر بالا خانے پر چڑھ گیا۔ اور وعدہ کیا کہ تین دن کے بعد قرآن کے معارضے میں کچھ لکھ کر لاؤں گا۔ جب تین دن گزر گئے تو ایک شخص بالا خانے پر چڑھا۔ اور اس کو سہارا

لیے ہوئے اس حال میں پایا کہ اس کا ہاتھ قلم پر سوکھ گیا تھا۔

مسلمہ کذاب نے قرآن کی بعض چھوٹی سورتوں کے معارضے میں کچھ لکھا۔ مگر ایسا کہ اطفال مکتب بھی اسے دیکھ کر نہیں۔ سورہ کوثر پر جو اس لعین نے لکھا تھا ہم ان شاء اللہ اسے اس بحث کے اخیر میں لائیں گے۔ اور اس لعین کے کلام کی سخافت ظاہر کرنے کے لیے اس سورت کی وجہ اعجاز پر مفصل بحث کریں گے۔ اور مزید توضیح کے لیے قرآن کے متعلق دو اور مثالیں پیش کریں گے۔

قرآن شریف میں انبیاء کرام کے قصے بار بار لائے گئے ہیں۔ چنانچہ بقول بعض حضرت اعتراض: موسیٰ کا ذکر ایک سو بیس جگہ ہے۔ اور بقول ابن عربی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ پچیس آیتوں میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نوے آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے یہ خلاف فصاحت ہے۔

وہ تکرار خلاف فصاحت ہوتی ہے جس میں کچھ فائدہ نہ ہو۔ مگر قصص قرآنی کی تکرار فوائد جواب: سے خالی نہیں۔ علامہ بدر بن جماعہ نے اس مضمون پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام

”المقتنص فی فوائد تکرار القصص“ ہے۔ اس میں تکریر قصص کے کئی فائدے (۱۰) ذکر کیے ہیں۔

۱- ہر جگہ کچھ نہ کچھ زیادتی ہوتی ہے جو دوسری جگہ نہیں۔ یا کسی نکتہ کے لیے ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ لایا گیا ہے۔ اور یہ بلغاء کی عادت ہے۔

۲- ایک جماعت ایک قصہ سن کر اپنے گھر چلی جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسری جماعت ہجرت کر کے آتی تھی اور جو کچھ پہلی جماعت کے چلے جانے کے بعد نازل ہوتا اسے روایت کرتی۔ اگر تکرار قصص نہ ہوتی تو قصہ موسیٰ کو ایک قوم سنتی۔ اور قصہ عیسیٰ کو دوسری قوم سنتی۔ اس طرح باقی قصوں کا حال ہوتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمام لوگ ان قصوں کے سننے میں مشترک ہوں۔ تاکہ ایک قوم کو افادہ اور دوسری کو زیادہ تاکید حاصل ہو۔

۳- ایک ہی مضمون کو مختلف اسالیب میں بیان کرنے میں جو فصاحت ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

۴- قصص کے نقل کرنے پر اس قدر دوائی نہیں جتنے کہ احکام کے نقل کرنے پر ہیں اس لیے احکام کے برعکس قصص کو بار بار لایا گیا ہے۔

۵- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا۔ اور لوگ اس کی مثل لانے سے عاجز آ گئے پھر ان کے عجز کے معاملہ کو اس طرح واضح کر دیا کہ ایک قصہ کو کوئی جگہ ذکر کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں۔ خواہ کوئی سے الفاظ میں لائیں اور کسی عبارت سے تعبیر کریں۔

۶- جب اللہ تعالیٰ نے منکرین سے تحدی کی کہ اس کی مثل ایک سورت بنا لاؤ تو اگر ایک قصے کو ایک ہی جگہ ذکر کیا جاتا اور اسی پر کفایت کی جاتی۔ اہل عرب کہتے کہ تم ہی اس کی مثل ایک سورت پیش

کرو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے ان کی حجت دور کرنے کے لیے ایک قصے کو کئی سورتوں میں نازل فرمایا۔

۷۔ جب ایک قصے کو بار بار ذکر کیا گیا اور ہر جگہ اس کے الفاظ میں کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر کر دی گئی۔ اور مختلف اسلوب عمل میں لایا گیا تو یہ عجیب بات پیدا ہو گئی کہ ایک ہی معنی مختلف صورتوں میں جلوہ افروز ہوا۔ اور لوگوں کو اس کے سننے کی طرف کشش ہو گئی۔ کیوں کہ ہر نئے امر میں لذت ہوتی ہے۔ اور اس سے قرآن مجید کا ایک خاصہ ظاہر ہو گیا۔ کیوں کہ باوجود تکرار کے لفظ میں کوئی عیب اور سننے کے وقت کوئی ملال پیدا نہیں ہوتا۔ پس کلام الہی بندوں کے کلام سے ممتاز رہا۔

مانا کہ ایک معنی کو مختلف لباس اور مختلف اسلوب میں ظاہر کرنے سے فصاحت میں کوئی اعتراض: خلل نہیں آتا۔ بلکہ یہ ابلیغ ہے۔ مگر بعض جگہ ایک ہی جملہ بار بار لایا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ شعراء میں آٹھ بار لایا گیا ہے اور سورہ قمر میں چار بار سورہ الرحمن میں اکتیس بار اور سورہ مرسلات میں دس بار مذکور ہے۔

ان سورتوں میں بھی تکرار آیت فائدہ سے خالی نہیں۔ کیوں کہ ہر جگہ متعلق بہ مختلف ہے تاکہ جواب: ہر خبر کے سننے کے بعد تجدید نصیحت و عبرت ہو۔ چنانچہ سورہ شعراء میں ہر قصے کے بعد ان فی ذلك الآیۃ۔ الایۃ مذکور ہے۔ اور ہر دفعہ ایک نبی اور اس کی امت کے قصے کی طرف اشارہ ہے کہ اس نبی پر ایمان لانے والے سلامت رہے اور منکرین تباہ ہوئے۔ اور پھر بار بار بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے رحم والا اور منکروں کے لیے عزیز یعنی زبردست ہے۔ تاکہ اس امت کے لوگ نصیحت پکڑیں۔ یہی حال سورہ قمر میں تکرار آیت کا ہے۔ کیوں کہ اس میں قصہ نوح و عاد و ثمود و لوط میں سے ہر ایک کے بعد ولقد یسرنا القرآن۔ الایۃ۔ مذکور ہے۔ تاکہ قرآن پڑھنے والے اس سے عبرت پکڑیں۔ اسی طرح سورہ مرسلات میں ہر دفعہ ایک نشانی کے ذکر کے بعد آیا ہے کہ قیامت کے دن خرابی ہوگی ان لوگوں کے لیے جو اس نشان کو جھٹلانے والے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ سورہ رحمن میں ہر بار مختلف نعمتوں کے ذکر کے بعد فبای آلاء ربکما تکذبن آیا ہے تاکہ لوگ سن کر ہدایت پائیں۔ جیسا کہ ایک ناشکر گزار محسن الیہ کو محسن کہے۔ کیا تو فقیر نہیں تھا۔ میں نے تجھے امیر بنا دیا۔ آیا تجھے اس سے انکار ہے؟ کیا تو ننگانہ تھا۔ میں نے تجھے لباس پہنا دیا۔ آیا تجھے اس سے انکار ہے؟ کیا تو گنہگار نہ تھا۔ میں نے تجھے نامور کر دیا۔ آیا تجھے اس سے انکار ہے؟

کتب عہد عتیق میں مزمور ۱۳۶ میں یہی طرز پایا جاتا ہے جس کا عربی ترجمہ جو قسیس ولیم ہاج مل مدرس مدرسہ اسقفیہ کلکتہ نے کیا ہے وہ اس وقت ہمارے زیر نظر ہے اس میں ہر آیت کے بعد ان رحمۃ

الی الابد اٹھائیس بار آیا ہے۔ بخوف طوالت ہم اس مزموں کو یہاں نقل نہیں کرتے۔

اعجاز القرآن کی دوسری وجہ

نظم قرآن کا اسلوب بدیع: ان کی نظم و نثر میں مستعمل ہیں مگر اس کا اسلوب تمام اسالیب سے جدا ہے اور انواع کلام (قصائد، خطب، رسائل، محاورہ) میں سے کسی سے نہیں ملتا۔ بایں ہمہ سب انواع کے محاسن کا جامع ہے۔ اہل عرب انواع چہارگانہ کے سوا کوئی اور اسلوب و طرز نہ جانتے تھے۔ اور نہ کوئی نئے طرز میں کلام کر سکتے تھے۔ پس ایک عجیب نرالے اسلوب کا آنحضرت ﷺ (جو امی تھے) کی زبان مبارک پر جاری ہونا عین اعجاز ہے۔

اس کتاب میں پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ایک روز ولید بن مغیرہ نے قریش سے کہا کہ ایام حج قریب ہیں۔ عرب کے قبائل تم سے اس مدعی نبوت (حضرت محمد ﷺ) کی نسبت دریافت کریں گے۔ تم اس کی نسبت ایک رائے قائم کر لو اس پر قریش نے مختلف رائیں پیش کیں کہ وہ کاہن ہے، دیوانہ ہے، شاعر ہے، جادوگر ہے۔ ولید نے یکے بعد دیگرے ان تمام کی تردید کر کے کہا:

”اللہ کی قسم! اس کے کلام میں بری حلاوت ہے۔ اس کلام کی اصل مضبوط جزوالا درخت خرما ہے۔ اور اس کی فرع پھل ہے۔ ان باتوں میں سے جو بات تم کہو گے وہ ضرور پہچان لی جائے گی کہ جھوٹ ہے۔ اس کے بارے میں صحت کے قریب تر قول یہ ہے کہ تم کہو وہ جادوگر ہے اور ایسا کلام لایا ہے جو جادو ہے۔ اس کلام سے وہ باپ بیٹے میں بھائی بھائی میں میاں بیوی میں خویش واقارب میں جدائی ڈال دیتا ہے۔“

اسی طرح ایک روز آنحضرت ﷺ مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ قریش نے اپنے سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اور اس نے آپ پر کئی باتیں پیش کر کے کہا ان میں سے ایک پسند کر لیجئے۔ آپ نے اس کے جواب میں سورہ حم السجدہ کی شروع آیتیں تلاوت فرمائیں۔ عتبہ نے قریش سے جا کر کہا:

”اللہ کی قسم میں نے ایسا کلام سنا کہ اس کی مثل کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں۔ نہ جادو ہے نہ کہانت۔ اے گروہ قریش! میرا کہا مانو۔ اس شخص کو کرنے دو جو کرتا ہے۔ اور اس سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں نے جو کلام اس سے سنا ہے اس کی بڑی عظمت و شان ہوگی۔ اگر عرب اس کو مغلوب کر لیں تو تم غیر کے ذریعے سے اس سے بچ گئے اگر وہ

عرب پر غالب آ گیا تو اس کا ملک تمہارا ملک ہے اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے اور تم اس کے سبب سے خوش نصیب ہو جاؤ گے۔“

قریش یہ سن کر کہنے لگے کہ اس نے تو اپنی زبان سے تجھے بھی جادو کر دیا۔ عتبہ بولا کہ ”اس کی نسبت میری یہی رائے ہے۔ تم کرو جو چاہو۔“

صحیح مسلم میں حدیث اسلام ابوذر غفاری میں خود ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی انیس نے مجھ سے کہا کہ مجھ کو مکہ میں ایک کام ہے۔ تو بکریوں کی حفاظت رکھنا۔ یہ کہہ کر انیس چلا گیا اور مکہ پہنچ گیا۔ دیر کے بعد واپس آیا۔ تو میں نے پوچھا، تو نے کیا کیا؟ وہ بولا میں مکہ میں ایک شخص سے ملا۔ جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں نے پوچھا کہ لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ کہ لوگ کہتے ہیں وہ شاعر ہے۔ کاہن ہے۔ جادوگر ہے۔ پھر انیس ہی جو خود بڑا شاعر تھا۔ کہنے لگا:

”اللہ کی قسم! میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہوا ہے۔ اس کا کلام کاہنوں کا کلام نہیں۔ اللہ کی

قسم! میں نے اس کے کلام کو شعر کی تمام قسموں کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ میرے بعد کسی

سے یہ نہ بن پڑے گا کہ کہے وہ کلام شعر ہے۔ اللہ کی قسم! وہ سچے نبی ہیں۔ اور کافر بے

شک جھوٹے ہیں (۱۱)۔“

اس حدیث میں اس کے بعد یہ مذکور ہے کہ یہ سن کر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مکہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور اسلام لائے۔ جب اپنے بھائی انیس کے پاس واپس آئے تو ان کے اسلام کی خبر سن کر حضرت انیس اور ان کی والدہ بھی ایمان لے آئے۔ پھر تینوں اپنی قوم غفار میں آئے۔ آدھی قوم ایمان لے آئی جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو باقی بھی ایمان لے آئے۔ اس طرح قبیلہ اسلم بھی مسلمان ہو گیا۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

غفار غفر اللہ لہا و اسلم سالمہا اللہ۔

”اللہ تعالیٰ قبیلہ غفار کو بخش دے اور اسلم کو سلامت رکھے۔“

ابن سعد نے طبقات میں بروایت یزید بن رومان اور محمد بن کعب اور شععی اور زہیری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ بنی سلیم میں ایک شخص جس کا نام قیس بن نسیبہ تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کا کلام سنا۔ اور آپ سے کئی باتیں دریافت کیں۔ آپ نے ان کا جواب دیا۔ اس نے وہ سب کچھ یاد کر لیا۔ پھر آپ نے اسے دعوت اسلام دی وہ ایمان لے آیا اور اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا:

”بیشک میں نے روم کا ترجمہ، فارس کا زمرہ، عرب کے اشعار، کاہن کی کہانت اور ملوک

حمیر کا کلام سنا ہے۔ مگر محمد (ﷺ) کا کلام ان کے کلام میں سے کسی سے نہیں ملتا۔ اس

لیے میرا کہا مانو۔ اور اس سے بہرہ ور ہو جاؤ۔“

اس طرح بنو سلیم فتح مکہ کے سال مقام قدید میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ وہ سات سو تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ ایک ہزار تھے۔ عباس بن مرداس اور انس بن عباس بن رعل اور راشد بن عبد ربہ انہیں میں تھے۔

قرآن مجید کے اسلوب بدیع کی نسبت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہے:

”قرآن کو متون کتب کی طرف بابوں اور فصلوں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ تاکہ تو ہر مطلب اس میں سے معلوم کر لے۔ یا ایک فصل میں مذکور ہو۔ بلکہ قرآن کو مکتوبات کا مجموعہ فرض کر۔ جس طرح کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو بحسب اقتضائے حال ایک فرمان لکھے۔ اور کچھ مدت کے بعد دوسرا فرمان لکھے۔ اور اسی طرح لکھتا جائے۔ یہاں تک کہ بہت سے فرمان جمع ہو جائیں۔ پھر ایک شخص ان فرمانوں کو جمع کر کے ایک مجموعہ تیار کر دے۔ اسی طرح اس ملک علی الاطلاق نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے آنحضرت ﷺ پر مقتضائے حال کے موافق یکے بعد دیگرے سورتیں نازل فرمائیں اور آپ کے زمانہ مبارک میں ہر سورت الگ الگ محفوظ تھی۔ مگر سورتوں کو ایک جگہ جمع نہ کیا گیا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام سورتوں کو ایک جلد میں خاص ترتیب سے جمع کیا گیا۔ اور اس مجموعہ کا نام مصحف رکھا گیا۔ اصحاب کرام کے درمیان سورتوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک سبع طوال دوسری مبین جن میں سے ہر ایک میں سو یا کچھ زیادہ آیتیں ہیں۔ تیسری مثانی جن میں سے ہر ایک میں سو آیتوں سے کم ہیں۔ چوتھی مفصل اور مصحف کی ترتیب میں دو تین سورتیں جو مثانی میں سے ہیں مبین میں داخل کر دی گئیں کیوں کہ ان کے سیاق کو مبین کے سیاق سے مناسبت ہے۔ اسی طرح بعض دیگر اقسام میں بھی کچھ تصرف ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کی کئی نقلیں کرا کے اطراف میں بھیج دیں۔ تاکہ ان سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ اور کسی دوسری ترتیب کی طرف مائل نہ ہوں۔ چونکہ سورتوں کا اسلوب بادشاہوں کے فرمانوں سے پوری پوری مناسبت رکھتا تھا۔ اس لیے ابتداء و انتہا میں مکتوبات کے طریقہ کی رعایت کی گئی۔ جس طرح بعض مکتوبات کو خدا تعالیٰ کی حمد سے شروع کرتے ہیں۔ اور بعض کو اس کے املاء کی غرض سے اور بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے شروع کرتے ہیں۔ اور بعض رقعے اور خطوط بے عنوان ہوتے ہیں اور بعض مکتوبات طویل اور بعض مختصر ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد و تسبیح سے شروع کیا اور بعض کو اس کے املاء کی غرض کے بیان سے شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (بقرہ شروع) سورۃ انزلنا و فرضنا (نور

شروع) اور قسم مشابہ ہے اس کے ہذا ما صالح فلان و فلان۔ ہذا ما اوصی بہ فلان اور

آنحضرت ﷺ نے واقعہ حدیبیہ میں یوں تحریر فرمایا تھا: ہذا ما قاضی علیہ محمد اور بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے ذکر سے شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا: تنزیل الکتب من اللہ العزیز الحکیم (زمر شروع) کتب احکمت ایہ ثم فصلت من لدون حکیم خبیر (ہود شروع) اور یہ قسم مشابہ ہے اس کے کہ لکھیں۔ ”حضرت خلاف کا حکم صادر ہوا“۔ یا لکھیں۔ فلاں شہر کے باشندوں کو حضرت خلافت کی طرف سے یہ آگاہی ہو۔ اور آنحضرت ﷺ نے تحریر فرمایا من رسول اللہ الی ہرقل عظیم الروم اور بعض سورتوں کو رقعات و خطوط کے طور پر عنوان کے بغیر شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا: اذا جاءك المنافقون (منافقون شروع) قد سمع اللہ قول الی تجاد لك فی زوجھا۔ (مجادلہ شروع) یا یہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لك۔ (تحریم شروع) چونکہ عرب کی سب سے مشہور فصاحت قسیدے تھے۔ اور قسیدوں کے شروع میں تشبیب میں عجیب مواضع اور ہولناک وقائع کا ذکر کرنا ان کی قدیم رسم تھی۔ اس لیے اس اسلوب کو بعض سورتوں میں اختیار کیا۔ چنانچہ فرمایا: والصفۃ صفاۃ فالزجرات زجراۃ (صافات شروع) والذریۃ زرواۃ (ذاریات شروع) اذا اشمس کورت واذا النجوم انکذرت (تکویر شروع) جس طرح مکتوبات کے اواخر کو جوامع کلم اور نوادرو صایا اور احکام کی سابقہ کی تاکید اور مخالفین احکام کی تہدید پر ختم کرتے تھے اسی طرح سورتوں کے اواخر کو جوامع کلم اور منابع حکم اور تاکید بلغ اور تہدید عظیم پر ختم فرمایا۔ اور کبھی سورت کے درمیان بڑے بڑے فائدے والے بدیع الاسلوب بلغ کلام کو ایک طرح کی حمد و تسبیح یا نعمتوں اور عطایائے نعمت کے ایک طرح کے بیان سے شروع کیا ہے۔ چنانچہ خالق و مخلوق کے مراتب میں بتابین کے بیان کو سورہ نمل کے اثناء میں آیہ قل الحمد لله وسلم علی عبادہ الذین اصطفیٰ اللہ خیرا مایشر کون سے شروع کیا اور اس کے بعد پانچ آیتوں میں اس مدعا کو نہایت ہی بلغ وجہ اور نہایت ہی بدیع اسلوب سے بیان فرمایا۔ اور بنی اسرائیل کے مخصوصہ کو سورہ بقرہ کے اثناء میں الفاظ (یبنی اسراء یل اذکروا نعمتی الی) سے شروع فرمایا اور ان ہی الفاظ پر ختم کیا۔ پس اس مخصوصہ کا اس کلام سے شروع کرنا اور اسی کلام پر ختم رکنا کمال درجہ کی بلاغت ہے۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ کے مخصوصہ کو سورہ آل عمران میں آیہ (ان الذین عند اللہ الاسلام) سے شروع فرمایا۔ تاکہ محل نزاع معین ہو جائے۔ اور قیل وقال کا توارد اس مدعا پر واقع ہو۔ واللہ اعلم بحقیقہ الحال۔ انتہی۔

اعجاز القرآن کی تیسری وجہ

قرآن میں پہلے نبیوں اور گذشتہ امتوں اور قرون ماضیہ کے قصے مذکور ہیں۔ مثلاً غیب کی خبریں: حضرت آدم و حوا کا قصہ، حضور نوح و طوفان کا قصہ، حضرت ابراہیم و سارہ کا قصہ، حضرت اسحاق اور حضرت لوط کے حالات، حضرت مریم و تولد مسیح کا قصہ، ابتدائے پیدائش کا حال، ان میں بعض قصے جو علمائے اہل کتاب کو بھی شاذ و نادر ہی معلوم تھے یہود کے سوال کرنے پر بتائے گئے۔ مثلاً اصحاب کہف کا قصہ، ذوالقرنین کا قصہ، حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کا قصہ، حضرت موسیٰ و خضر کا قصہ، یہ تمام قصے قرآن مجید میں کتب سابقہ الہامیہ کے مطابق مذکور ہیں۔

قرآن میں شرائع سابقہ کے احکام مذکور ہیں۔ مثلاً سورہ مائدہ رکوع اول میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ

”حرام ہو تم پر مردہ اور لہو اور گوشت سور کا اور جس چیز پر نام لیا گیا اللہ کے سوا کا اور جو مر گیا گلا گھٹ کر۔“

اعمال باب ۱۵۔ آیہ ۲۹ میں ہے:

”تم بتوں کے چڑھاؤں اور لہو اور گلا گھونٹی ہوئی چیزوں اور حرام کاری سے پرہیز کرو۔“

اس آیت میں جو سور کے گوشت کی جگہ حرام کاری لکھا ہے درست نہیں کیوں کہ اس مقام پر حلال و حرام خوراک کا ذکر ہے حرام کاری سے کیا علاقہ۔

قرآن میں بعض احکام بحوالہ کتب الہامیہ سابقہ مذکور ہوئے ہیں۔ مثلاً سورہ مائدہ رکوع ۷ میں ہے:

وَكَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصًا

”اور لکھ دیا ہم نے ان پر قصاص اس کتاب (تورات) میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخم کا بدلہ برابر۔“

تورات کتاب الخروج باب ۲۱ آیہ ۲۳-۲۵ میں یوں ہے:

”جان کے بدلے جان، اور آنکھ بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے کے بدلے جلانا، زخم کے بدلے زخم، چوٹ کے بدلے چوٹ۔“

بعض احکام یہود کے طعن کے جواب یا ان کی تردید میں وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ سورہ آل عمران

رکوع: ۱۰ میں ہے:

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ
التَّوْرَةُ قُلْ فَأَتُوا بِالتَّوْرَةِ فَإِن لَّوْهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝

”سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو۔ مگر جو حرام کر لی تھی اسرائیل (یعقوب) نے اپنی جان پر تورات نازل ہونے سے پہلے۔ تو کہہ لاؤ تورات اور پڑھو اسے گرجے ہو۔“

اس آیت کا شان نزول موضح قرآن میں یوں لکھا ہے:

”یہود آنحضرت ﷺ سے کہتے کہ تم کہتے ہو۔ ہم ابراہیم کے دین پر ہیں اور ابراہیم کے گھرانے میں جو چیزیں حرام ہیں سو کھاتے ہو۔ جیسا کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ اللہ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں سب ابراہیم کے وقت میں حلال تھیں۔ یہاں تک کہ تورات نازل ہوئی۔ تورات میں خاص بنی اسرائیل پر حرام ہوئی ہیں۔ مگر ایک اونٹ کہ تورات سے پہلے حضرت یعقوب نے اس کے کھانے سے قسم کھائی تھی۔ ان کی تبعیت سے ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا۔ اور قسم کا سبب یہ تھا کہ ان کو ایک مرض (عرق النساء) ہوا تھا۔ انہوں نے نذر کی کہ اگر میں صحت پاؤں تو جو میری بہت بھاؤ کی چیز ہے وہ چھوڑ دوں گا۔ ان کو یہی بہت بھاتا تھا۔ سو نذر کے سبب چھوڑ دیا۔“

اسی طرح خود یہود پر جو چیزیں حرام تھیں ان کی نسبت وہ کہتے کہ یہ ہم ہی پر حرام نہیں ہوئیں۔ بلکہ حضور نوح و حضرت ابراہیم اور پہلی امتوں پر بھی حرام تھیں۔ ان کے اس خیال کی تردید آیہ ذیل میں مذکور ہے:

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوْ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝ (انعام: ۱۱۷)

”اور ان پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا اور گائے اور بکری میں سے ہم نے حرام کی ان پر ان دونوں کی چربی مگر جو لگی ہو پشت پر یا آنت میں ملی ہو ہڈی کے ساتھ۔ یہ ہم نے ان کو سزا دی تھی ان کی شرارت (۱۱) پر اور ہم سچ کہتے ہیں۔“

جانوروں کے حلال و حرام کے احکام کی طرح جب وحائض و نساء بھی قرآن میں کتب سابقہ کے مطابق بیان ہوئے ہیں۔

ناظرین کرام! موافق و مخالف سب کو معلوم ہے کہ حضور اقدس ﷺ امی تھے۔ نہ کبھی کسی استاد

کے آگے زانو شاگردی تہ کیا۔ اور نہ کبھی علمائے اہل کتاب میں سے کسی عالم کی صحبت سے استفادہ فرمایا۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ پس تعلیم و مجالست علماء کے بغیر قصص مذکورہ بالا اور احکام ملل سابقہ کی خبر اس طرح دینا کہ مصدق کتب الہامیہ سابقہ ہو۔ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ نے حضور کو وحی کے ذریعے بتایا۔ اسی واسطے یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت آپ پر ایمان الائی۔ اور باقی جو اس نعمت سے محروم رہے اس کا سبب محض حسد و عناد تھا۔

قصص و احکام کے علاوہ قرآن میں کتب سابقہ کے بعض اور مضامین صراحتہ یا اشارہ بصورت اعمال کتاب مذکور ہیں دیکھو آیات ذیل:

۱- قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۖ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ۗ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۗ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۗ إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۗ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۗ (سورہ اعلیٰ)

۲- وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَسَأَلَ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يُمُوسَىٰ مَسْحُورًا ۗ (بنی اسرائیل: ۱۲ع)

”بے شک بھلا ہوا اس کا جو سنورا اور پڑھانا نام اپنے رب کا۔ پھر نماز پڑھی۔ بلکہ تم آگے رکھتے ہو دنیا کا جینا اور آخرت بہتر ہے اور رہنے والی۔ یہ لکھا ہے پہلے صحیفوں میں۔ صحیفوں میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے۔“

”اور ہم نے دیں موسیٰ کو نو نشانیاں صاف، سو پوچھ بنی اسرائیل سے جب آیا وہ ان کے پاس سو کہا اس کو فرعون نے میری انکل میں اے موسیٰ تجھ پر جادو ہوا ہے۔“

اس آیت میں نو نشانوں سے وہ نو معجزے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کو فرعون کے مقابلے میں عطا کیے۔ ان نشانوں کا ذکر تورات (کتاب الخروج باب ۷ تا ۱۰) میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔

۳- ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۗ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۗ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَازْرَعَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ (نوح: ۲۴ع)

”یہ صفت ہے ان کی تورات میں اور صفت ہے ان کی انجیل میں جیسا کہ تھی نے نکالا اپنا پٹھا۔ پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر پٹھا موٹا ہوا۔ پھر کھڑا ہوا اپنی نال پر خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو تا جلاوے ان سے جی کافروں کا۔“

تورات موجودہ (کتاب پیدائش باب ۲۶-۲۷-۱۲-۱۳) میں یہ تفصیل یوں پائی جاتی ہے:

”اور اٹھنے نے اس زمین میں کھیتی کی۔ اور اسی سال سو گنا حاصل کیا۔ اور خداوند نے اسے

برکت بخشی اور وہ مرد بڑھ گیا۔ اور کی ترقی چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بہت بڑا آدمی ہو گیا۔“

اور انجیل متی باب ۱۳۔ آیہ ۳۱-۳۲ میں یوں ہے:

”وہ ان کے واسطے ایک اور تمثیل لایا۔ کہ آسمان کی بادشاہت خردل کے دانے کی مانند ہے جسے ایک شخص نے لے کر اپنے کھیت میں بویا۔ وہ سب بچوں میں چھوٹا۔ پر جب اگا۔ سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا۔ اور ایسا پیڑ ہوتا کہ ہوا کی چڑیاں آ کے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتیں۔“

۳- **إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ط (توبہ۔ ۱۱۷ع)**

”اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور مال اس قیمت پر کہ ان کے لیے بہشت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔ وعدہ ہو چکا اس کے ذمے پر تورات اور انجیل اور قرآن میں۔“

موجودہ کتب عہد عتیق و جدید میں بہت جگہ جہاد کا ذکر ہے۔ تفصیل کے لیے مصابیح الظلام اردو اور فارسی مولفہ خاکسار دیکھو۔ پولوس عبرانیوں کو اپنے نامہ (باب ۱۱۔ آیہ ۳۲-۳۳) میں یوں لکھتا ہے:

”اب میں کیا کہوں فرصت نہیں کہ جدعون اور برق اور سمسون اور فتح اور داؤد اور سموئیل اور نبیوں کا حال بیان کروں۔ انہوں نے ایمان سے بادشاہوں کو مغلوب کیا۔ اور راستی کے کام کیے اور وعدوں کو حاصل کیا۔ اور شیر ببر کے منہ بند کیے۔“

۵- **وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (انبیاء۔ ۷۷ع)**

”اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں بعد ذکر (تورات) کے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔“

زبور ۳۷۔ آیہ ۲۹ میں ہے:

”صادق زمین کے وارث ہوں گے“

۶- **لُعْنَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ (مائدہ۔ ۱۱ع)**

”لعنت کھائی منکروں نے بنی اسرائیل میں سے داؤد اور مریم کے بیٹی عیسیٰ کی زبان پر۔ یہ اس سبب سے کہ گنہگار تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔“

حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ السلام فرماتے ہیں:

”وے جو میری برائی سے خوش ہوتے ہیں شرمندہ اور رسوا ہوویں۔ اور جو میری دشمنی پر

پھولتے ہیں شرمندگی اور رسوائی کا لباس پہنیں۔“ (زبور ۲۵-آیہ ۲۵)

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام فرماتے ہیں:

”اے ریاکار فقہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو باہر

سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں پر بھیتر مردوں کی ہڈیوں کی طرح کی ناپاکی سے بھری

ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو۔ پر باطن میں ریاکار

اور شرارت سے بھرے ہو۔“ (انجیل متی باب ۲۳-آیہ ۲۸)

۷- وَاذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ

مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا

سِحْرٌ قَمِينٌ ﴿١٤﴾ (صف - ۱۴)

”جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے۔ اے بنی اسرائیل! میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری

طرف سچا کرتا اس کو جو مجھ سے آگے ہے تورات سے اور خوشخبری سنا تا ایک رسول کی جو

آئے گا مجھ سے پیچھے اس کا نام احمد ہے۔ پھر جب آیا ان کے پاس وہ رسول کھلے نشان

لے کر بولے یہ جادو ہے صریح۔“

اس آیت کا پہلا حصہ متی باب ۵ آیہ ۱۷-۱۸ اور پچھلا حصہ یوحنا باب ۱۲ آیہ ۱۶ میں ہے۔ مگر یوحنا کے موجودہ

یونانی نسخوں میں آیہ زیر استدلال میں بجائے لفظ احمد کے لفظ پاراقلیطوس (PARACLETOS) ہے۔

جس کے معنی انگریزی میں کمفرٹر اور اردو میں تسلی دینے والا درج کر دیئے گئے ہیں۔ مگر یہ صاف تحریف

لفظی ہے۔ اصل میں یونانی لفظ پر یقلیطوس (PARICLYTOS) تھا۔ جس کے معنی ہیں بہت سراہا

ہوا۔ یعنی احمد۔ اہل کتاب جو اپنی کتابوں میں تحریف کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے لفظ پر یقلیطوس کو

بدل کر پاراقلیطوس بنا دیا۔ جروم جس نے چوتھی صدی مسیحی میں انجیل کا لاطینی ترجمہ کیا۔ اس کے لفظ زیر

بحث کو لاطینی میں پیرقلی طاس لکھا ہے۔ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اصلی نسخہ یونانی جو جروم کے پاس

تھا۔ اس میں پر یقلیطوس تھا نہ کہ پاراقلیطوس اسی طرح انجیل بر بناس میں بھی پر یقلیطوس موجد ہے۔

علاوہ ازیں اگر انجیل میں بشارت احمد نہ ہوتی تو علمائے اہل کتاب کبھی قرآن کی صداقت پر ایمان نہ

لاتے۔ بلکہ اس کے برعکس قرآن مجید کی تکذیب کرتے۔

۸- مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي

الْأَرْضِ فَكَانَمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَانَمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (مائدہ: ۵۴)

”اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی مار ڈالے ایک جان بغیر بدلے جان کے فساد کے بیچ زمین کے۔ تو گویا مار ڈالا اس نے سب لوگوں کو۔ اور جس نے جلایا ایک جان کو۔ تو گویا جلایا اس نے سب لوگوں کو۔“

اس آیت کے متعلق تفسیر موضع قرآن میں یوں لکھا ہے:

”یعنی اول روئے زمین میں بڑا گناہ یہی ہوا اور اس سے آگے رسم پڑی۔ اسی سبب سے تورات میں اس طرح فرمایا کہ ایک جو مارا جیسے سب کو مارا۔ یعنی ایک کے کرنے سے اور دلیر ہوتے ہیں۔ تو سب کے گناہ میں اول بھی شریک تھے اور جیسا ایک کو جلایا سب کو جلایا۔ یعنی ظالم کے ہاتھ سے بچا دیا۔“

آیت مذکورہ بالا کا مضمون اب تورات میں موجود نہیں ملتا۔ مگر ظلمو د یعنی احادیث یہود سے پایا جاتا ہے کہ اس میں تھا۔ چنانچہ کتاب پیدائش باب ۴۔ آیت ہذا میں لفظ خون اصل عبرانی میں بصیغہ جمع ہے۔ اس کی تفسیر میں شاہ سنہد رین میں مفسر یہودی ۹ نے جو کچھ عبرانی میں لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ ولیم سینٹ کلر نزل واعظ مشن جلفہ واقع ایران فارس میں یوں کرتا ہے:

”نسبت بقاین کہ برادر خود را کشت۔ یافته ایم کہ در بارہ دے گفتہ۔ آواز خوں ہائے برادرت فریاد برے آورد۔ نئے گوید خون برادرت بلکہ خونہائے برادرت یعنی خون دے و خون اولادش بنا بریں انسان بہ تنہائی آفریدہ شد۔ برائے آزمودن تو کہ ہر کہ ہلاک کر دیکے نفسے از اسرائیل را۔ کتاب بردے حسابش را مے نماید کہ گویا ہمہ عالم راہ ہلاک کردہ باشد و ہر کہ یک نفسے از اسرائیل را زندہ کرد کتاب بروے حسابش را مے نماید کہ گویا ہمہ عالم را زندہ کردہ باشد۔“ (ینایع السلام صفحہ ۳۹-۴۰)

اس ترجمہ میں کتاب سے مراد بظاہر تورات ہے۔ فائیم۔

9- وَأَخَذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ۔ (نساء: ۲۴)

”اور ان کے سود لینے پر حالانکہ وہ اس سے منع کیے گئے۔“

تفسیر حسینی میں ہے:

”حالانکہ نبی کریم ﷺ انداز اخذ ربوہ تورات میں یہ ممانعت۔“ (احبار باب ۲۵)

آیہ ۳۶ میں ہے:

آیات مذکورہ بالا کا اس نبی امی (بابی ہود امی) کی زبان مبارک سے نکلنا بجز وحی الہی ناممکن تھا۔

لہذا یہ سب اخبار بالمغیبات کی قسم سے ہیں۔ اور ان کی صحت میں کسی مخالف نے چون و چرا نہیں کی۔ حضور اقدس ﷺ نے اہل کتاب کو وہ باتیں بتادیں جنہیں وہ چھپاتے تھے (مائدہ: ۳۷) حالانکہ وہ ان کی کتابوں میں موجود تھیں۔ مثلاً نبی آخر الزمان کی نسبت پیشین گوئیاں۔ آپ ﷺ کے اوصاف حکم رجم وغیرہ مگر ان میں سے کوئی بھی اپنی کتاب پیش کر کے آپ کی تکذیب نہ کر سکا۔ اس سے بڑھ کر آپ کی صداقت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

کتب الہامیہ کا محاورہ بھی قابل غور ہے۔ دیکھیے آیات ذیل:

۱- فَإِنَّهُمْ لَا يَكْتُمُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بآيَاتِ اللَّهِ يَحْجِدُونَ ﴿١٤﴾ (انعام: ۱۴)

”سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے۔ لیکن بے انصاف اللہ کے حکموں سے منکر ہوئے جاتے ہیں۔“

اول سوسیل باب ۸ آیہ ۷ میں ہے:

”وہ تجھ سے منکر نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ مجھ سے منکر ہوئے ہیں۔“

۲- نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٢٤﴾ (بقرہ- ۱۲۴)

”پھینک دی ایک جماعت نے کتاب پانے والوں میں سے اللہ کی کتاب اپنی پیٹھوں کے

پیچھے گویا کہ ان کو معلوم نہیں۔“

نحمیاہ باب ۹- آیہ ۲۶ میں ہے:

۳- وَإِنَّا يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَالْفِ سَنَةِ مِمَّا تَعْدُونَ ﴿١٤٠﴾ (حج- ۱۴۰)

”اور ایک دن تیرے رب کے ہاں ہزار برس کے برابر ہے جو تم گنتے ہو۔“

زبور: ۹ آیہ ۴ میں ہے:

”ہزار برس تیرے آگے ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گزر گیا۔“

۴- تَسْمِعُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۗ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا أَيْسَّرُهُ مِحْمَدًا ۗ وَلَكِنَّ لَّا

تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ (بنی اسرائیل: ۵۷)

”اس کی سہرائی بولتے ہیں آسمان ساتواں اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے۔ اور کوئی چیز

نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا۔“

(یعنی ہزار برس کا کام ایک دن میں کر سکتا ہے۔ (موضح القرآن)

زبور ۱۹- آیہ ۲- ۳ میں ہے:

”آسمان خدا کا جلال بیان کرتے ہیں۔ اور فضا اس کی دستکاری دکھاتی ہے۔ ایک دن

دوسرے دن سے باتیں کرتا ہے۔ اور ایک رات دوسری رات کو معرفت بخشتی ہے ان کی

کوئی لغت اور زبان نہیں۔ ان کی آواز سنی نہیں جاتی۔“

۵- كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهَيِّجُ قَتْرَهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُمْطًا ۗ (حدید: ۲۷)

”جیسے کہاوت ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو اس کا سبزہ اگنا۔ پھر زور پر آتا ہے۔ پھر تو دیکھے اس کو زرد ہو گیا پھر ہو جاتا ہے روندن۔“

زبور۔ آیہ ۶ میں ہے:

”وے فجر کو اس گھاس کی مانند ہیں جو اگی ہو۔ وہ صبح کو لہلہاتی ہے اور تر و تازہ ہوتی ہے شام کو کاٹی جاتی ہے اور سوکھ جاتی ہے۔“

۶- إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّرُ لَهُمُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَكْبِتَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۗ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۝ (اعراف: ۵۷)

”بیشک جنہوں نے جھٹلائی ہماری آیتیں اور ان کے سامنے تکبر کیا۔ نہ کھلیں گے ان کو دروازے آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں۔ یہاں تک کہ داخل ہوا اونٹ سوئی کے ناکے میں اور ہم پوں بدلہ دیتے ہیں گنہگاروں کو۔“

اس آیت کا اخیر حصہ الجمل لوقا (باب ۱۸۔ آیہ ۲۵) میں یوں ہے:

”اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزر جانا اس سے آسان ہے۔ کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔“

۷- وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ (یونس: ۱۱)

”اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا کرے تیرا۔“

یرمیاہ۔ باب ۱۰۔ آیہ ۵ میں ہے:

”ان کے معبودوں سے مت ڈرو۔ کہ ان میں ضرر پہچانے کی سکت نہیں اور نہ ان میں قوت ہے کہ فائدہ بخشے۔“

۸- يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِّيلِ لِلْكُتُبِ ۗ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۗ وَعَدُّا عَلَيْنَا ۗ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ۝ (انبیاء: ۷۷)

”جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان کو جیسے لپیٹتا ہے طور مار رقعوں کو جیسے سرے سے بنایا ہم نے پہلی بار۔ پھر اس کو دہرا دیں گے۔ وعدہ ہو چکا ہے ہم پر ہم کو کرنا ہے۔“

یسعیاہ: باب ۳۳، آیہ ۳۴ میں ہے:

”اور آسمان کاغذ کے تار کے مانند لپیٹے جائیں گے۔“

مکاشفات باب ۶، آیت ۱۴ میں ہے:

”اور آسمان طور مار کی طرح جب آپ سے لپٹا جائے دو حصے ہو گیا۔“

۹- الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ (بقرہ: ۲۵۵)

”جیتا ہے سب کا تھامنے والا۔ نہیں پکڑتی ہے اس کو اونگھ اور نہ نیند۔“

زبور ۲۱، آیت ۴ میں ہے:

”دیکھ وہ جو اسرائیل کا محافظ ہے ہرگز نہ اونگھے گا اور نہ سوئے گا۔“

۱۰- اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ (بقرہ: ۲۵۵)

”اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے۔ اور بڑھاتا ہے ان کو ان کی شرارت میں بہکے ہوئے۔“

زبور ۲۱، آیت ۴ میں ہے:

”وہ جو آسمان پہ تخت نشین ہے ہنسے گا۔ اور خداوند انہیں ٹھٹھوں میں اڑا دے گا۔“

اسی طرح زبور ۵۹، آیت ۸ میں ہے:

”پر تو اے خداوندان پر ہنسے گا۔ تو ساری قوم کو مسخرہ بنا دے گا۔“

ناظرین! آپ امثلہ بالا سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قرآن و دیگر کتب الہامیہ میں بلحاظ

محاورہ کس قدر مطابقت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ نزول قرآن اور نزول کتب سابقہ میں کتنا عرصہ دراز

گزر رہا ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کتب سابقہ میں تحریف معنوی اور تحریف لفظی اس کثرت سے ہوئی

ہے کہ کتابوں تک کا پتہ نہیں چلتا۔ بایں ہمہ قرآن و کتب سابقہ موجودہ میں محاورہ کی ایسی مطابقت کا پایا

جانا صاف بتا رہا ہے کہ دونوں صورتوں میں متکلم ایک ہی ہے۔ وہ خدائے علیم جس نے تورات حضرت

موسیٰ پر، زبور حضرت داؤد پر، انجیل حضرت عیسیٰ پر اور دیگر صحیفے دوسرے نبیوں پر بھیجے۔ اسی نے قرآن

مجید اپنے پیارے نبی امی (بابی ہووامی) پر نازل فرمایا۔ جو بخلاف دیگر کتب عبارت میں بھی معجز ہے اور

مکمل ایسا کہ اس کی موجودگی میں کتب سابقہ جو اپنے اپنے وقت میں مکمل و کافی تھیں نامکمل و منسوخ ہو گئیں۔

قرآن و کتب الہامیہ سابقہ میں مطابقت مذکورہ بالا کو دیکھ کر آج کل کے عیسائی بھی کفار قریش کی

طرح کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ باتیں اہل کتاب میں سے کسی عالم کی مدد سے لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ کبھی یہ

گپ اڑاتے ہیں کہ بحیرا راہب نے حضور ﷺ کو یہ سب کچھ سکھایا تھا۔ اور کبھی بڑبڑاتے ہیں کہ آپ

نے دین مسیحی کا کچھ علم صہیب رومی سے حاصل کیا تھا (۱۲) اور کبھی یہ بڑبڑاتے ہیں کہ ظن غالب تو ان

راہبوں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو اس وقت ملک عرب میں عزیز الوجود نہ تھے۔ اور

قرآن اکثر جگہوں میں ان کا ذکر تحسین و مدح کے الفاظ میں کرتا ہے (۱۳)۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اس

تمام ہرزہ سرائی کا کیا ثبوت ہے۔ ایسے عناد سے اپنی عاقبت کیوں خراب کر رہے ہو۔ پامر عیسائی جس نے قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، یوں لکھتا ہے:

”عیسائی مصنفین (حضرت) محمد (ﷺ) پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ان کی وحی کا بڑا حصہ ایک نصرانی راہب کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ مگر اس الزام کی تائید میں کوئی شہادت موجود نہیں۔“ (۱۳)

ہم عیسائیوں سے کھلے الفاظ میں پکار کر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو پہلے ثابت کرو کہ آنحضرت ﷺ نے کسی یہودی یا عیسائی سے تعلیم پائی۔ اور پھو جو اب دو کہ مضامین زیر بحث کو ایسے معجز نظام کلام میں کس نے ادا کیا۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے اور سچا دعویٰ ہے کہ قرآن افتراء نہیں۔ اور ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا قرآن بنائے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو ہو گا وہ مخلوق ہو گا اور مخلوق ایسا قرآن بنانے پر قادر نہیں۔ مگر یہ اصول دین اور بعض دیگر مضامین میں کتب سابقہ کے مطابق ہے اور بتاتا ہے کہ وہ کتابیں منجانب اللہ اور اپنے اپنے وقتوں میں معمول بہا تھیں۔ اس لحاظ سے یہ ان کتابوں کا مصدق اور ان کی صحت کی دلیل ہے۔ کیوں کہ یہ معجزہ ہے اور وہ معجزہ نہیں۔ اس لیے وہ اپنے مضامین کی صحت کے لیے اس کی شہادت کی محتاج ہیں نہ کہ یہ۔ پس جب قرآن کتب سابقہ کا مصدق ٹھہرا تو یہ نتیجہ نکلا کہ یہ افتراء نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کیوں کہ یہ ایک ایسے بندہ کامل کے ہاتھ پر ظاہر ہوا جو نہ کوئی علم پڑھا اور نہ علمائے اہل کتاب میں سے کسی کی صحبت میں بیٹھا۔ پھر جو اس کی پیش کردہ کتاب کے مضامین کتب سابقہ کے مطابق پائے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب وحی الہی ہے وہ کتاب جو کتب الہامیہ سابقہ کا مصدق ثابت کرے خود افتراء کیسے بن سکتی ہے۔ بلکہ وہ تو اولیٰ بالصدق ہے یہ تقریر آئیہ ذیل کی تفسیر ہے:

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ نَصَدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۷﴾ (یونس: ۴۷)

”اور نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنا لے اللہ کے سوا اور لیکن سچا کرتا ہے اگلے کلام کو اور تفصیل ہے کتاب کی اس میں شبہ نہیں جہاں کے پروردگار سے ہے۔“

قرآن میں مومنوں کے دل کی بعض ایسی باتیں مذکور ہیں۔ جہاں علام الغیوب کے سوا اور کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ دیکھو مثلہ ذیل:

۱- وَاذْءَبْكُمْ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنهَآ لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَيِّقَ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۷﴾ (انفال: ۱۷)

”اور جس وقت وعدہ دیتا تھا اللہ تم کو ایک ان دو جماعت میں سے کہ تم کو ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ بن شوکت والا ملے تم کو۔ اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کرے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کانٹے پیچھا کافروں کا۔“

اس آیت میں ایک ایسے امر کی خبر ہے جو مومنوں کے دل میں آیا تھا اور جسے وہ پسند کرتے تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ سے وہ امر پوشیدہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آپ ﷺ کو اطلاع بخشی۔ اس کا بیان یوں ہے کہ جب مسلمانوں کو خبر لگی کہ ابوسفیان لدے ہوئے اونٹوں کا قافلہ ملک شام سے لا رہا ہے تو آنحضرت ﷺ تین سو آٹھ کی جمعیت کے ساتھ نکلے اور وادی ذفران میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے دو امروں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا۔ قافلہ کا ہاتھ آنا یا گروہ قریش کا مغلوب ہونا جو مکہ سے اس قافلہ کے چھڑانے کے لیے نکلا تھا۔ صحابہ کرام اپنے دلوں میں قافلہ کی گرفتاری پسند کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ دشمنوں سے مقابلہ کریں تاکہ کفر کا زور ٹوٹ جائے اور دین حق کو تقویت پہنچے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ کیوں کہ بدر کی لڑائی میں ستر کافر مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ اور مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے۔

۲- اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٌ مِّنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَاۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّهَاۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ (آل عمران: ۱۳۷)

”جب قصد کیا دو فرقوں نے تم سے کہ نامردی کریں۔ اور اللہ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی پر بھروسہ کریں مسلمان۔“

اس آیت میں مومنوں کے ایک خطرہ قلبی کا اظہار ہے۔ جس کا بیان یوں ہے کہ جنگ بدر سے اگلے سال (غزوہ احد) کا فر جمع ہو کر مدینہ پر چڑھ آئے۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ اکثر کہنے لگے کہ ہم شہر میں لڑیں گے۔ اور حضور ﷺ کی مرضی بھی یہی تھی۔ بعض کہنے لگے کہ یہ عار ہے۔ بلکہ ہم میدان میں مقابل ہوں گے۔ آخر اسی مشورہ پر عمل کیا گیا۔ جب حضور ﷺ شہر سے باہر چلے۔ عبد اللہ بن ابی منافق مدینے کا رہنے والا تھا۔ وہ بھی شریک جنگ تھا۔ مگر وہ ناخوش ہو کر پھر گیا کہ ہمارے کہنے پر عمل نہ کیا۔ اس کے بہکانے سے انصار کے دو قبیلے (خزرج سے بنو سلمہ اور اوس سے بنی حارثہ) بھی پھر چلے۔ آخر ان کے سردار عوام کو سمجھا کر لے آئے۔ اس آیت میں انہی دو قبیلوں کے خطرہ قلبی کا ذکر ہے۔ حالانکہ ان سے نہ کوئی قول ظہور میں آیا اور نہ کوئی بزدلی (موضح قرآن)۔

قرآن مجید میں منافقین کے راز کھول کر بتائے گئے ہیں جن کو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے یا اپنی ہی جماعت سے کہتے تھے۔ دیکھو آیات ذیل:

۱- يُخْفُونَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۗ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَاتَلْنَا هٰٓهُنَاۗ

(آل عمران: ۱۶۷)

”اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے ہیں کہ اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ تو ہم مارے نہ جاتے۔“

اس آیت سے ظاہر ہے کہ جنگ احد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو منافقین خلوت میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ اگر لڑائی کے لیے نکلنا ہمارے اختیار میں ہوتا تو ابن ابی کی رائے پر عمل کرتے۔ اور شہر مدینے سے باہر قدم نہ دھرتے۔ اور نہ مارے جاتے۔ اس قول کو وہ آنحضرت ﷺ سے چھپاتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی خبر دے دی۔

۲- وَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ اِثْمَهُمْ لِيَنْكُرَهُمْ وَمَا هُمْ بِمِنكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْقَهُونَ ۝ (توبہ: ۷۷)

”اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بے شک تم میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں۔“

اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ منافقین جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں۔ جھوٹ ہے۔

۳- وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۚ فَاِنْ اَعْطَوْا مِنْهَا رِضْوَانًا لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا اِذَا هُمْ يَسْتَخْطُونَ ۝ (توبہ: ۷۷)

”اور بعض ان میں سے ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں۔ زکوٰۃ بانٹتے ہیں۔ سوا اگر ان کو ملے

اس میں سے تو راضی ہوں۔ اور اگر نہ ملے اس میں سے تب ہی وہ ناخوش ہو جائیں۔“

یہ آیت ذوالخویصرہ منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیوں کہ اس نے کہا تھا کہ تم اپنے صاحب کو نہیں دیکھتے کہ تمہارے صدقات ریوڑ چرانے والے گڈریوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اور پھر سمجھتا ہے کہ میں عادل ہوں۔ (تفسیر روح البیان)

۴- وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤَدُّونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ اَذْنَبَ ۙ (توبہ: ۸۷)

”اور بعض ان میں سے بدگوئی کرتے ہیں نبی کی اور کہتے ہیں یہ شخص کان ہے۔“

بعض منافقین مثلاً جلاس اور اس کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کی شان میں ایسی باتیں ہا کرتے تھے کہ جن سے انسان کو اذیت پہنچے اور جب انہیں منع کیا جاتا تو کہتے کہ آنحضرت ﷺ کے تو کان ہی کان ہیں۔ ہم ان کے سامنے قسم کھالیں گے اور انکار کر دیں گے۔ وہ مان لیں گے۔ کیوں کہ وہ جو سنتے ہیں مان لیتے ہیں۔ ان میں ذکا و وفطانت نام کو نہیں۔ (تفسیر روح البیان)

۵- وَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَتُوا بِهَا لَمْتًا لَّوْا ۙ

(توبہ: ۱۰۷)

”قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی۔ ہم نے نہیں کہا بے شک کہا ہے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے ہیں مسلمان ہو کر اور فکر کیا تھا انہوں نے جو نہ ملا۔“

غزوہ تبوک میں ان منافقین کی فضیحت میں آیات نازل ہوئیں جو اس غزوہ میں مدینہ منورہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ اس لیے جلاس بن سوید نے کہا: اللہ کی قسم! جو کچھ حضرت ہمارے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں، اگر وہ سچ ہے تو ہم گدھوں سے بدترین ہیں جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے جلاس کو بلا کر پوچھا۔ وہ قسم کھا گیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا اس پر یحلفون باللہ ما قالوا: الآیہ اتری۔ اگرچہ اس قصے میں قائل ایک ہے۔ مگر چونکہ باقی منافق جلاس کے قول پر راضی تھے۔ اس لیے وہ بھی بمنزلہ جلاس ہو گئے۔ اور صیغہ جمع لایا گیا۔ مطلب یہ کہ وہ قسم کھا گئے کہ ہم نے کوئی کلمہ ایسا نہیں کہا۔ جس سے آنحضرت ﷺ یا آپ ﷺ کے دین کی توہین ہوتی ہو۔ حالانکہ بے شک انہوں نے کلمہ کفر کہا۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اپنے افعال سے بھی کفر باطنی ظاہر کر دیا چنانچہ من جملہ ان افعال کے ایک یہ ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت ان میں سے پندرہ نے اتفاق کر لیا کہ حضرت جب تبوک اور مدینہ کے درمیان عقبہ (گھاٹی) پر ہوں گے تو ہم ان کو سواری سے وادی میں دھکیل کر مار ڈالیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کے اس ارادے سے آگاہ کر دیا۔ اس لیے جب لشکر عقبہ پہنچا تو آپ ﷺ تو عقبہ میں چلے اور باقی سب آپ ﷺ کے ارشاد سے وادی میں چلنے لگے۔ مگر ان منافقین نے منہ پر دہاں بند ڈال کر عقبہ میں چلنا شروع کیا۔ حضرت عمار بن یاسر آپ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ اور حضرت خذیفہ بن الیمان پیچھے سے ہانک رہے تھے اتنے میں خذیفہ نے اونٹوں کے پیروں کی آہٹ اور ہتھیاروں کی آواز سنی۔ اس لیے خذیفہ اندھیری رات میں ان کی طرف بڑھے۔ اور للکار کر کہا: اے اللہ کے دشمنو! رسول اللہ ﷺ سے دور ہو جاؤ۔ یہ سن کر وہ وادی کی طرف بھاگ گئے۔ اور لوگوں میں مل گئے۔ (روح البیان العانی)

۶- وَإِذَا مَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ أَيْكُمُ زَادَتْهُ هَذِهِ آيَاتُنَا (توبہ: ۱۶)

”اور جب نازل ہوئی ایک سورت تو بعض ان میں کہتے ہیں کس کو تم میں زیادہ کیا اس سورت نے ایمان۔“

یعنی جب منافق لوگ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں نہ ہوتے اور کوئی سورت نازل نہ ہوتی جس میں دلائل قاطعہ ہوں تو وہ ایک دوسرے سے بطور استہزاء کہتے کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا۔

۷- وَإِذَا مَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ ثُمَّ

انصُرْفُوا۔ (توبہ: ۱۶۴)

”اور جب نازل ہوئی ایک سورت۔ دیکھنے لگے ایک دوسرے کی طرف کہ کوئی بھی دیکھتا ہے تم کو پھر چلے گئے۔“

یعنی جب منافقین حضور اقدس ﷺ کے حضور ہوتے اور کوئی سورت اترتی جس میں ان کے چھپے عیبوں کا بیان ہوتا تو وہ مومنوں سے آنکھ بچا کر مجلس سے کھسک جاتے۔ اور اگر جانتے کہ کوئی مومن ان کو دیکھ رہا ہے تو وہیں بیٹھے رہتے اور اختتام مجلس پر چلے جاتے۔

۸- وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَارْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۳۴﴾ (توبہ: ۱۳۴)

”اور جنہوں نے بنائی ایک مسجد ضرر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور گھات اس شخص کے لیے جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور رسول ﷺ سے پہلے سے۔ اور اب قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی چاہی تھی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجد ضرر والے سب منافق تھے۔ منافقین کے مزید حال کے لیے سورہ منافقون دیکھیے۔

قرآن مجید میں منافقین کی طرح یہودیوں کے چھ عیب بھی ظاہر کر دیئے گئے ہیں دیکھو آیات ذیل:

۱- أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ التَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَجَّوْنَ بِالْآثِمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۗ حَسْبُكُمْ جَهَنَّمُ يَصَلُّونَهَا ۗ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۲۴﴾ (مجادلہ: ۲۴)

”کیا تو نے نہ دیکھے جن کو منع ہوئی کانا پھوسی پھر وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے۔ اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی اور تعدی کی۔ اور رسول کی نافرمانی کی اور جب آئیں تیرے پاس تجھ کو دعائیں جو دعائیں دی تجھ کو اللہ نے۔ اور کہتے ہیں اپنے دلوں میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اس پر جو ہم دیکھتے ہیں۔ بس ہے ان کو دوزخ داخل ہوں گے اس میں سویری ہے جگہ پھر جانے کی۔“

موضح قرآن میں ہے ”حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر منافق کان میں باتیں کرتے مجلس کے لوگوں پر ٹھٹھے کرتے اور عیب پکڑتے۔ اور حضرت کی بات سن کر کہتے۔ یہ مشکل کام ہم سے کب ہو سکے گا۔ پہلے سورہ نساء میں اس کا منع آچکا تھا۔ مگر پھر وہی کرتے تھے اور دعا یہ کہ یہود آتے اور السلام علیک کے

بدلے السام علیک کہتے۔ یہ بددعا ہے کہ تجھ پر پڑے مرگ۔ پھر آپس میں کہتے کہ اگر یہ رسول ہے تو اس کہنے سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ اور کوئی منافق بھی کہتا ہوگا۔“

۲- يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزَنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ

تُؤْمِنُ قُلُوبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۚ سَمَّعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ ۚ لَمْ يَأْتُوكَ

بِحَرْفٍ مِنَ الْكَلِمِ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۚ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِينَا هَذَا فَخُدُوعَةٌ وَإِنْ لَمْ تُؤْتُوهُ

فَأَحْزَرُوا ۚ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ

أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا حِزْبٌ ۚ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٤﴾ (مائدہ: ۶۴)

”اے رسول ﷺ تم غم نہ کھا ان پر جو جلدی منکر ہونے لگتے ہیں۔ ان لوگوں سے جو کہتے

ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے اور ان کے دل مسلمان نہیں۔ اور ان لوگوں میں سے جو

یہودی ہیں سننے والے ہیں واسطے جھوٹ کے اور سننے والے ہیں واسطے دوسری جماعت

کے جو تجھ تک نہیں آئے۔ بدل ڈالتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانا چھوڑ کر کہتے ہیں۔ اگر تم کو

یہ ملے تو لو اور اگر نہ ملے تو بیچتے رہو۔ اور جس کو اللہ نے بچانا چاہا سو تو اس کا کچھ نہیں کر سکتا

اللہ کے یہاں وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے چاہا کہ ان کے دل پاک کرے ان کو دنیا میں

ذلت ہے اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے۔“

موضح قرآن میں اس آیت کے متعلق یوں لکھا ہے: ”بعض منافق تھے کہ دل میں یہود سے ملتے

تھے۔ اور بعض یہود تھے کہ حضرت کے پاس آمد و رفت کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا یہ لوگ جاسوسی کو آتے

ہیں کہ تمہارے دین میں سے کچھ عیب چن کر لے جائیں اپنے سرداروں کے پاس جو یہاں نہیں آتے۔

اور فی الحقیقت عیب کہاں ہے۔ لیکن بات کو غلط تقریر کر کے ہنر کا عیب کرتے ہیں۔ یہود میں کئی قصے

ہوئے کہ اپنے قضایا لائے، آنحضرت ﷺ کے پاس فیصلے کو۔ وہ سردار یہود آپ نہ آتے بیچ والوں کے

ہاتھ بھجتے۔ اور کہہ دیتے کہ ہمارے معمول کے موافق حکم کریں تو قبول رکھو۔ نہیں تو نہ رکھو غرض یہ تھی کہ

حکم تورات کے خلاف معمول باندھے تھے کہ ایک بھی اگر اس کے موافق حکم کر دے تو ہم کو اللہ کے

یہاں سند ہو جائے۔ اور جانتے تھے ان کو تورات کی خبر نہیں۔ جو ہمارا معمول سنیں گے سو حکم کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ کو خبردار کیا موافق تورات ہی کے حکم فرمایا۔ اور تورات میں سے ثابت کر کے

ان کو قائل کیا۔ ایک قصہ رجم کا تھا کہ وہ منکر ہوئے تھے۔ پھر تورات سے قائل کیا۔ اور ایک قصاص کا تھا

کہ وہ اشراف اور کم ذات کا فرق کرتے تھے اور تورات میں فرق نہیں رکھا۔“

۳- مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يَحْرَفُونَ الْكَلِمَةَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعُ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لِيَّأِيَّ بِالسِّنِّهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ ۗ (نساء: ۷۷)

”وہ جو یہودی ہیں بدل ڈالتے ہیں بات کو اس کی جگہ سے اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نہ مانا اور سن نہ سنایا جائیو اور راعنا موڑ دے کر اپنی زبان کو۔ اور طعن کر کے دین میں۔“
 موضح قرآن میں ہے کہ ”یہود حضرت ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کلام فرماتے۔ بعض بات جو نہ سنی ہوتی چاہتے کہ پھر تحقیق کریں تو کہتے۔ راعنا یعنی ہماری طرف توجہ ہو۔ یہود کو اس لفظ کہنے میں دعائھی۔ اس کو زبان دبا کر کہتے ہیں تو راعنا ہو جاتا یعنی ہمارا چرواہا۔ اور ان کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہتے تھے۔ اس طرح حضرت ﷺ فرماتے تو جواب میں کہتے۔ سنا ہم نے اس کے معنی یہ ہیں کہ قبول کیا۔ لیکن آہستہ کہتے کہ نہ مانا۔ یعنی فقط کان سے سنا۔ اور دل سے نہ سنا۔ اور حضرت ﷺ سے خطاب کرتے تو کہتے۔ سن، نہ سنایا جائیو۔ ظاہر میں یہ دعائیک ہے۔ کہ تو ہمیشہ غالب رہے۔ کوئی تجھ کو بری بات نہ سنا سکے اور دل میں نیت رکھتے کہ بہرا ہو جائیو۔ ایسی شرارت کرتے۔ پھر دین میں عیب دیتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہمارا فریب معلوم کر لیتا۔ وہی اللہ صاحب نے واضح کر دیا۔“

ناظرین کرام مومنوں کے دلوں کو راز ظاہر کرنا، منافقوں کا بھانڈا پھوڑنا اور یہودیوں کے فریبوں کی قلعی کھولنا یہ تمام از قبیل اخبار بالمغیبات ہے۔ جس سے قرآن کا اعجاز ثابت ہے کیوں کہ انسان اس سے عاجز ہے۔

بیان بالا سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن میں صرف غیوب ماضیہ کی خبریں ہیں۔ کیوں کہ غیوب مستقبلہ کی خبریں بھی اس میں کثرت سے ہیں۔ جن میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

پیشین گوئی-۱: وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّمَّنْ مِثْلِهِ
وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَإِنْ لَّمْ
تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝

(بقرہ: ۲۴)

”اور اگر ہوشک میں اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس قسم کی۔ اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ کرو اور البتہ نہ کر سکو گے تو بچو آگے سے جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پھر تیار ہے منکروں کے واسطے۔“
 ان آیتوں میں یہ پیشین گوئی ہے کہ قرآن مجید کی ایک سورت کی مثل بنانے پر کوئی قادر نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ حضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں اور اس وقت سے اب تک کہ تیرہ سو چھپن

ہجری مقدس ہے کثرت سے مخالفین و معاندین اسلام رہے مگر کوئی بھی قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بنا کر پیش نہ کر سکا اور نہ آئندہ کر سکے گا۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ
پیشین گوئی - ۲: فَتَمَنُّوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ (بقرہ: ۱۱۷)

”تو کہہ اگر تم کو ملنا ہے گھر آخرت کا اللہ کے ہاں الگ سوائے اور لوگوں کے تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر سچ کہتے ہو۔“

اس آیت میں اخبار عن الغیب ہے کہ یہود میں سے کوئی موت کی تمنا کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ کسی یہودی نے باوجود قدرت کے موت کی تمنا کی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کہ اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو البتہ مر جاتے۔ اور دوزخ میں اپنی جگہ ضرور دیکھ لیتے (۱۳)۔

وَمَنْ أَظْلَمَ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي
پیشین گوئی - ۳: خَرَابِهَا أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي

الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (بقرہ: ۱۲۴)

”اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ ذکر کیا جائے وہاں نام اس کا۔ اور دوزخ ان کے اجاڑنے کو۔ ایسوں کو نہیں لائق تھا کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے ان کو دنیا میں ذلت ہے اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے۔“

اس آیت میں اُولَئِكَ سے مراد نصاریٰ (طیطوس رومی اور اس کے اتباع) ہیں جنہوں نے یہود پر غلبہ پا کر مسجد بیت المقدس کو ویران کیا۔ اور ان کی مسجد اجاڑیں۔ یہ پیشین گوئی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پوری ہوئی، جب کہ یروشلم مع ملک شام عیسائیوں سے لے لیا گیا۔ اور ہیکل یروشلم کی خاص بنیاد پر اسلامی مسجد تعمیر کی گئی۔

بعض کے نزدیک اولئک سے مراد مشرکین عرب ہیں جنہوں نے حدیبیہ کے سال آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیت الحرام میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ اس صورت میں یہ پیشین گوئی ہجرت کے نویں سال پوری ہوئی جب کہ حضور اقدس ﷺ کے ارشاد سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے موسم حج میں منادی کرادی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔ اور نہ کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف کرے (۱۵)۔

لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُكُونُوا لَكُمْ
پیشین گوئی - ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹: الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ۝ ضَرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ

اِنَّ مَا تُقِفُوْا اِلَّا بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وِبَأ وُّ بَغَضِبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۝ (آل عمران - ۱۲۷)

”وہ ہرگز ہرگز ضرر نہ پہنچائیں گے تم کو مگر ستانا تھوڑا اور اگر تم سے لڑیں گے تو تم سے پیٹھ پھیر دیں گے۔ پھر وہ مدد نہ دیئے جائیں گے ماری گئی ان پر ذلت جہاں پائے جائیں سوائے دستاویز لوگوں کے اور کمالات غصہ اللہ کا اور ماری گئی ان پر محتاجی۔“
ان آیات میں یہود کی نسبت کئی پیشین گوئیاں ہیں:

- ۱- یہود مسلمانوں کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔
- ۲- اگر یہود مسلمانوں سے لڑیں گے تو شکست کھائیں گے۔
- ۳- شکست کھانے کے بعد یہود میں قوت و شوکت نہ رہے گی۔
- ۴- یہود ہمیشہ ذلیل رہیں گے۔ مگر یہ کہ دوسروں کی پناہ میں ہوں۔
- ۵- یہود مغضوب رہیں گے۔
- ۶- یہود کی سلطنت کہیں نہ ہوگی۔ بلکہ مسکت میں رہیں گے۔

یہ تمام پیشین گوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ چنانچہ یہود زبانی طعن اور سب و شتم کے سوا مومنین کو کوئی بڑا ضرر نہ پہنچا سکے۔ یہودی بنی قینقاع و بنی قریظہ و بنی نضیر و یہود خیبر نے مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور مغلوب ہوئے۔ پھر ان کے کہیں پاؤں نہ جمے اور ان کی شان و شوکت جاتی رہی۔ یہود ہمیشہ ہر ملک میں قتل و غارت و قید سے پامال ہوتے رہے ہیں روئے زمین پر کہیں ان کی سلطنت نہیں۔ دوسرے ملکوں میں پناہ گزین ہیں تو وہاں کے بادشاہ یا لوگوں کی عنایت سے ایسا ہوتا رہا ہے۔ ان کا مغضوب ہونا ظاہر ہے۔

سَنَلْقٰی فِی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الرَّعْبَ بِمَا اَشْرٰكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنزَلْ
بِهِ سُلْطٰنًا وَّمَا وَّهُمُ النَّارُ وَاَبْسَ مَثْوٰی الظّٰلِمِیْنَ ۝ (آل عمران: ۱۶۷)

”اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا
لہذا اس چیز کو جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بری ہے
جگہ ظالموں کے رہنے کی۔“

یہ پیشین گوئی یوم احد کی نسبت تھی اور اسی دن پوری ہو گئی۔ کیوں کہ کفار باوجود غلبہ و ظفر کے
مسلمانوں کے خوف سے لڑائی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ

پیشین گوئی - ۱۱:

(آل عمران: ۲۷)

”کہہ دے کافروں کو کہ تم جلد ہی مغلوب ہو گے اور اکٹھے کیے جاؤ گے دوزخ کی طرف

اور برا ہے بچھونا۔“

جب حضور اقدس ﷺ جنگ بدر سے مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ نے یہود کو بازار بنی قینقاع میں جمع کیا۔ اور ان سے فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ۔ ورنہ تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو قریش کا ہوا۔ وہ بولے کہ نازاں نہ ہو تیرا ایسی قوم سے مقابلہ ہو جن فن جنگ سے ناواقف تھی۔ اگر ہم سے پالا پڑے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم بہادر ہیں تو ہماری مانند نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں یہ خبر دی گئی کہ یہود عنقریب مغلوب ہو جائیں (۱۶) گے۔ یہ پیشین گوئی بنی قریظہ کے قتل اور بنی نضیر کی جلا وطنی اور فتح خیبر اور باقی یہود پر جزیہ لگانے سے پوری ہوئی۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ

پیشین گوئی - ۱۲: لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا (مائدہ: ۱۷)

”آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا اور پوری کی میں نے تم پر اپنی نعمت۔ اور پسند کیا

میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔“

یہ آیت ۱۰ھ میں عرفہ کی شام کو جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ اصحاب آثار کا قول ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اکاسی یا بیاسی دن زندہ رہے اور شریعت میں کوئی زیادتی یا نسخ یا تبدیلی وقوع میں نہ آئی۔ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی وفات شریف کی خبر ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس سے یہی سمجھتے تھے جو ان کے علم الصحابہ ہونے کی دلیل ہے۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا

پیشین گوئی - ۱۳: ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ

سَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (مائدہ: ۳۷)

”ان لوگوں سے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں۔ لیا ہم نے عہد ان کا۔ پھر وہ بھول گئے فائدہ

لینا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی۔ پھر ہم نے لگا دی ان کے درمیان دشمنی اور کینہ

قیامت کے دن تک اور آخر بتادے گا ان کو اللہ جو کچھ وہ کرتے تھے۔“

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ قیامت تک نصاریٰ کے مختلف فرقے رہیں گے جو ایک دوسرے

کی تکذیب و تکفیر کرتے رہیں گے۔ یہ بھی پوری ہو چکی ہے۔ کیوں کہ اب تک ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اور آئندہ

بھی ہوتا رہے گا۔ نصاریٰ کے مختلف سینکڑوں فرقے ہیں جن کا ذکر ہم نے بخوف طوالت نہیں کیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ
بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكٰفِرِينَ

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (مائدہ: ۸۴)

”اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے پھرے گا اپنے دین سے اللہ آگے لائے گا ایک قوم کو

کہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ نرم دل ہیں مسلمانوں پر اور سخت

ہیں کافروں پر جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی

ملامت سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے۔ خبردار۔“

اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ کچھ عرب دین سے پھر جائیں گے۔ اس لیے فرما دیا کہ انکی گوشمالی کیلئے

ایک ایسی قوم ہوگی جس کے اوصاف یہ ہونگے۔ یہ پیشین گوئی حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد

پوری ہوئی جب کہ عرب کے کئی قبیلے دین اسلام سے منحرف ہو گئے اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر

دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باوجود (۱۷) اختلاف آراء ان کے ساتھ جہاد کیا اور ان کو مغلوب کیا

یہ آیت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیقت پر دلیل واضح ہے۔

وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا

نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

الْمُفْسِدِينَ (مائدہ: ۹۴)

”اور ہم نے ڈال دی ان میں دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔ جب ایک آگ

سلاگتے ہیں لڑائی کے واسطے۔ اللہ اس کو بجھاتا ہے۔ اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد

کرتے۔ اور اللہ دوست نہیں رکھتا فساد کرنے والوں کو۔“

اس میں پیشین گوئی ہے کہ یہود کے مختلف فرقے ہوں گے۔ جن میں عداوت و بغض قیامت تک

رہے گا۔ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے میں کلام نہیں کیوں کہ یہود کے مختلف فرقوں میں اب تک

عداوت ہے اور آئندہ رہے گی۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا

بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

الْكٰفِرِينَ (مائدہ: ۱۰۴)

”اے رسول! پہنچا جو کچھ اتارا گیا ہے تیری طرف تیرے رب سے۔ اور اگر تو نے نہ کیا۔ پس تو نے نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچائے گا لوگوں سے۔ اللہ ہدایت نہیں کرتا منکر قوم کو۔“

یہ آیت بقول حضرت جابر رضی اللہ عنہ وہ ذات الرقاع (۴ھ) میں نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول سے پہلے صحابہ کرام حضور اقدس ﷺ کی پاسبانی کیا کرتے تھے۔ مگر جب یہ آیت اتری تو حراست موقوف کر دی گئی۔ کیوں کہ اس میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضور کی زندگی میں اس پیشین گوئی کا پورا ہونا ظاہر ہے۔ کیوں کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین باوجود کینہ و عداوت کے آپ کے قتل پر قادر نہ ہوئے۔ چونکہ حضور وفات شریف کے بعد جسد مبارک کے ساتھ مرقد منور میں حقیقتہً زندہ ہیں۔ اس لیے یہ وعدہ قیامت تک پورا ہوتا رہے گا۔ ذیل میں ہم علامہ سمہودی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ ﷺ سے صرف ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس سے ناظرین اندازہ لگا سکیں گے کہ وفات شریف کے بعد اعدائے اسلام نے ہمارے آقا ہمارے مالک حضور شہنشاہِ دو عالم ﷺ کو کس طرح اذیت پہنچانی چاہی۔ اور کس طرح یہ وعدہ پورا ہوا۔ واقعہ مذکورہ کو علامہ سمہودی یوں بیان فرماتے ہیں:

جان لے کہ مجھے علامہ جمال الدین (۱۸) سنوی کی تصنیف سے ایک رسالہ معلوم ہوا ہے جس میں نصاریٰ کو حاکم بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ بعض نے اس رسالے کا نام انتصارات اسلامیہ رکھا ہے۔ میں نے اس پر علامہ موصوف کے شاگرد شیخ زین الدین مراغی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے اور وہ یہ ہے۔ نصیحت اولیٰ الباب فی منع استخدا ام النصاریٰ کتاب لشیخنا العلامة جمال الدین سنوی۔ استاد نے اس رسالے کا نم نہ رکھا تھا۔ میں نے آپ کے سامنے یہ نام عرض کیا جسے آپ نے برقرار رکھا، اتنی۔ پس میں نے اس میں یہ عبارت دیکھی۔

سلطان عادل نور الدین شہید کے عہد سلطنت میں نصاریٰ کے نفوس نے انہیں ایک بڑے امر پر آمادہ کیا۔ ان کا گمان تھا کہ وہ پورا ہو جائے گا۔ اور اللہ اپنی روشنی پورا کیے بغیر نہیں رہتا۔ خواہ منکر برا مانیں۔ وہ امر یہ ہے کہ سلطان مذکور رات کو تہجد اور وظائف پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز تہجد کے بعد سو گیا۔ خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ دوسرے رنگ شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں۔ میری مدد کر اور مجھے ان دو سے بچا۔ وہ ڈر کر جاگ اٹھا۔ پھر وضو کیا نماز پڑھی اور سو گیا۔ پھر اس نے وہی خواب دیکھا۔ جاگ اٹھا اور نماز پڑھ کر سو گیا۔ پھر تیسری بار وہی خواب دیکھا۔ پس جاگ اٹھا اور کہنے لگا۔ نیند باقی نہیں رہی۔ اس کا وزیر ایک صالح شخص تھا۔ جس نام جمال الدین موصلی تھارات کو اسے بلایا۔ اور

تمام ماجرا اسے کہہ سنایا۔ اس نے کہا تم کیسے بیٹھے ہو۔ اسی وقت مدینہ النبی کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اور اپنے خواب کو پوشیدہ رکھو۔ یہ سن کر اس نے بقیہ شب میں تیاری کر لی۔ اور سبکسار سوار یوں پر بیس آدمیوں کے ساتھ نکلا۔ وزیر مذکور اور بہت سامال بھی اس کے ساتھ تھا۔ سولہ دن میں وہ مدینے پہنچا۔ شہر سے باہر غسل کیا۔ اور داخل ہوا۔ روضہ منورہ میں نماز پڑھی اور زیارت کی۔ پھر بیٹھ گیا حیران تھا کہ کیا کرے۔ جب اہل مدینہ مسجد میں جمع تھے تو وزیر نے کہا۔ سلطان نبی ﷺ کی زیارت کے ارادے سے آیا ہے۔ اور خیرات کے لیے اپنے ساتھ بہت سامال لایا ہے۔ جو یہاں کے رہنے والے ہیں ان کے نام لکھو۔ اس طرح تمام اہل مدینہ کے نام لکھے۔ سلطان نے سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔

جو صدقہ لینے آتا سلطان اسے بغور دیکھتا کہ وہ وصف و شکل جو نبی ﷺ نے اسے دکھائی تھی معلوم کرے۔ جس میں وہ حلیہ نہ پاتا اسے صدقہ دے کر کہتا کہ چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ سب لوگ آچکے۔ سلطان نے پوچھا کہ کیا کوئی باقی رہ گیا ہے۔ جس نے صدقہ نہ لیا ہو۔ انہوں نے عرض کی نہیں۔ سلطان نے کہا غور و فکر کرو۔ اس پر انہوں نے کہا: اور تو کوئی باقی نہیں مگر دو مغربی شخص جو کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ وہ پارسا اور دولت مند ہیں اور محتاجوں کو اکثر صدقہ دیتے رہتے ہیں۔ یہ سن کر سلطان خوش ہو گیا اور حکم دیا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ لائے گئے۔ سلطان نے انہیں وہی دو شخص پایا جن کی طرف نبی ﷺ نے اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ میری مدد کرو۔ اور مجھے ان سے بچا۔ پس ان سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم دیار مغرب سے حج کرنے کے لیے آئے ہیں اس لیے اس سال ہم نے نبی ﷺ کی مجاورت اختیار کی ہے۔ سلطان نے کہا سچ بتاؤ۔ مگر وہ اپنی بات پر قائم رہے۔ پھر لوگوں سے پوچھا۔ یہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ حجرہ شریف کے قریب رباط میں رہتے ہیں۔ یہ سن کر سلطان نے دونوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے مکان میں آیا۔ وہاں بہت سامال، دو قرآن مجید اور وعظ و نصیحت کی کتابیں پائیں۔ ان کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔ اہل مدینہ نے ان کی بڑی تعریف کی کہ یہ بڑے سخی اور فیاض ہیں۔ صائم الدہر ہیں اور روضہ شریف میں صلوات اور نبی ﷺ کی زیارت کے پابند ہیں۔ ہر صبح جنت البقیع کی زیارت کو جاتے ہیں۔ اور ہر شنبہ قباء کی زیارت کرتے ہیں۔ کسی سائل کا سوال رد نہیں کرتے۔ ان کی فیاضی سے اس قحط سالی میں مدینہ میں کوئی محتاج نہیں رہا۔ یہ سن کر سلطان نے کہا: سبحان اللہ! اور اپنے خواب کو ظاہر نہ کیا۔ سلطان بذات خود اس مکان میں پھرتا رہا اس میں ایک چٹائی جو اٹھائی تو اس کے نیچے خانہ دیکھا جو حجرہ شریف کی طرف کھود رکھا تھا۔ لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے۔ اس وقت سلطان نے کہا۔ تم اپنا حال سچ سچ بتاؤ۔ اور انہیں بہت مارا۔ پس انہوں نے اقرار کیا کہ ہم عیسائی ہیں۔ ہم کو نصاریٰ نے مغربی حاجیوں کے بھیس میں بھیجا ہے۔ اور ہمیں بہت سامال دیا ہے اور کہا

ہے کہ اسے حجرہ شریف تک پہنچنے اور جسد مبارک نکالنے کا حیلہ و وسیلہ ٹھہراؤ۔ بھینچنے والے عیسائیوں کا یہ وہم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس بات پر قادر کر دے گا۔ اور وہ کریں گے جو شیطان نے انہیں سمجھایا تھا۔ اس لیے وہ دونوں حجرہ شریف کے سب سے قریب رباط میں اترے تھے۔ اور انہوں نے وہ کیا جو اوپر ذکر ہوا۔ وہ رات کو کھودا کرتے تھے۔ اور ہر ایک کے پاس مغربیوں کے لباس کے مطابق ایک چمڑے کی تھیلی تھی جو مٹی جمع ہوتی۔ ہر ایک اپنی تھیلی میں ڈال لیتا۔ اور دونوں زیارت بقیع کے بہانے سے نکل جاتے اور قبروں میں پھینک آتے۔ کچھ مدت وہ اسی طرح کرتے رہے جب کھودتے کھودتے حجرہ شریف کے قریب پہنچ گئے تو آسمان میں گرج پیدا ہوئی، بجلی چمکی۔ اور ایسا زلزلہ عظیم پیدا ہوا کہ گویا پہاڑ جڑ سے اکھڑ گئے ہیں۔ اسی رات کی صبح کو سلطان نور الدین آ پہنچا۔ اور دونوں کی گرفتاری اور اعتراف وقوع میں آیا۔ جب دونوں نے اعتراف کر لیا۔ اور اس کے ہاتھ پر ان کا حال ظاہر ہو گیا۔ اور اس نے اللہ کی یہ عنایت دیکھی کہ یہ کام اس سے لیا تو وہ بہت رویا۔ اور ان کی گردن زنی کا حکم دیا۔ پس وہ اس جالی کے نیچے قتل کیے گئے جو حجرہ شریف کے قریب بقیع سے متصل ہے۔ پھر اس نے بہت سی رائگ منگوائی۔ اور تمام حجرہ شریف کے گرد پانی کی تہ تک ایک بڑی خندق کھدوائی وہ رائگ پگھلائی گئی اور اس سے خندق بھردی گئی۔ اس طرح حجرہ شریف کے گرد پانی کی تہ تک رائگ کی دیوار تیار ہو گئی۔ پھر سلطان مذکور اپنے ملک کو چلا آیا۔ اور حکم دیا کہ نصاریٰ کمزور کر دیئے جائیں۔ اور کوئی کافر عامل نہ بنایا جائے۔ بایں ہمہ حکم دیا کہ محاصل چوکی تمام معاف کر دیئے جائیں۔

علامہ جمال الدین محمد مطری (متوفی ۷۴۱ھ) نے اس واقعہ کی طرف بطریق اختصار اشارہ کیا ہے اور حجرہ شریف کے گرد خندق کھودنا۔ اور اس میں رائگ کا پگھلا کر ڈالا جانا ذکر نہیں کیا ہے مگر وہ سال بتا دیا ہے جس میں یہ حادثہ وقوع میں آیا۔ اور بیان بالا سے بعض تفصیل میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ جو فصیل اب مدینہ کے گرد ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سلطان نور الدین محمود بن زنگی بن اسفند ۵۵۵ء میں مدینہ منورہ میں پہنچا اس کے آنے کا سبب ایک خواب تھا۔ جو اس نے دیکھا تھا۔ اس خواب کو بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے اور میں نے اسے فقیہ علم الدین یعقوب بن ابی بکر (جس کا باپ مسجد نبوی کی آتش زدگی کی رات کو جل گیا تھا) سے سنا۔ اور علم الدین نے روایت کی ان اکابر سے کہ جن سے وہ ملا۔ کہ سلطان محمود مذکور نے ایک رات تین بار نبی ﷺ خواب میں دیکھا۔ ہر بار آپ فرماتے، اے محمود! مجھے ان دوسرے شخصوں سے بچا۔ اس لیے اس نے صبح ہونے سے پہلے اپنے وزیر کو بلایا۔ اور اسے یہ ماجرا سنایا۔ وزیر نے کہا کہ مدینہ النبی ﷺ میں کوئی امر حادث ہوا ہے جس کے لیے تیرے سوا کوئی اور نہیں۔ پس وہ تیار ہو گیا اور قریباً ایک ہزار اونٹ اور گھوڑے وغیرہ لے کر جلدی روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ

اپنے وزیر کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا۔ اور اہل مدینہ کو خبر نہ ہوئی۔ زیارت کے بعد مسجد میں بیٹھ گیا۔ اور حیران تھا کہ کیا کرے۔ وزیر نے کہا کہ آپ دو شخصوں کو دیکھ کر پہچان لیں گے؟ سلطان نے کہا ہاں پس تمام لوگوں کو خیرات کے لیے بلایا۔ اور بہت ساز و سیم ان میں تقسیم کیا۔ اور کہا کہ مدینہ میں کوئی باقی نہ رہ جائے اس طرح کوئی باقی نہ رہا مگر اہل اندلس میں سے دو مجاور جو اس جانب میں اترے ہوئے تھے جو نبی ﷺ کے حجرے کے آگے مسجد سے باہر آل عمر بن الخطاب کے گھر (جواب دار العشرۃ کے نام سے مشہور ہے) کے پاس ہے سلطان نے ان کو خیرات کے لیے بلایا۔ وہ نہ آئے اور کہنے لگے ہمیں ضرورت نہیں۔ ہم کچھ نہیں لیتے۔ سلطان نے ان کے بلانے میں اصرار کیا۔ پس وہ لائے گئے۔ جب سلطان نے ان کو دیکھا تو اپنے وزیر سے کہا یہی وہ دو ہیں۔ پھر ان کا حال اور ان کے آنے کا باعث دریافت کیا انہوں نے کہا ہم نبی ﷺ کی مجاورت کے لیے آئے ہیں۔ سلطان نے کہا مجھ سے سچ سچ کہو۔ اور کئی دفعہ یہی سوال کیا یہاں تک کہ مار پیٹ کی نوبت پہنچی۔ پس انہوں نے اقرار کیا کہ ہم عیسائی ہیں اور عیسائی بادشاہوں کے اتفاق سے ہم یہاں آئے ہیں۔ تاکہ حجرہ شریف سے جسد مبارک کو نکال کر لے جائیں۔ سلطان نے دیکھا کہ انہوں نے مسجد کی قبلہ رو دیوار کے نیچے سے زمین دوز نقب لگائی ہوئی ہے اور حجرہ شریف کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اور جس مکان میں وہ رہا کرتے تھے اس میں ایک گڑھا تھا۔ جس میں وہ مٹی ڈال دیا کرتے تھے۔ اس طرح علم الدین یعقوب نے بالاسناد میرے پاس بیان کیا۔ پس اس جالی کے پاس جو مسجد سے باہر حجرہ نبی ﷺ کے مشرق میں ہے ان کو قتل کر دیا گیا۔ پھر شام کو آگ سے جلادیئے گئے۔ اور سلطان مذکور سوار ہو کر شام کی طرف روانہ ہوا۔

پیشین گوئی۔ ۷۱: قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَ يَذْهَبُ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَ يَتُوبُ

اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (توبہ: ۲۷)

”لڑوان سے تا عذاب کرے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں کے ساتھ اور رسوا کرے ان کو اور غالب کرے تم کو ان پر ٹھنڈے کرے دل کتنے مسلمان لوگوں کے اور دور کرے دل کتنے مسلمان لوگوں کے اور دور کرے ان کے دلوں کا غصہ اور اللہ توبہ دے گا جس کو چاہے گا اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

بنو خزاعہ میں سے کچھ لوگ ایمان لائے تھے اور ہجرت کے بعد مکہ مشرفہ میں باقی رہ گئے تھے۔ ان کو مشرکین سے تکلیف پہنچی۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ اور قریش کے درمیان جو عہد و پیمان ہوئے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ ایک دوسرے کے حلیفوں کو ایذا نہ پہنچائیں گے، اور اگر

ایک کے حلیف دوسرے حلیفوں سے جنگ کریں تو ان کی مدد نہ کریں گے۔ اس عہد کے خلاف کفار قریش نے آنحضرت ﷺ کے حلیف خزاعہ کے خلاف اپنے حلیف بنو بکر کو ہتھیار وغیرہ سے مدد دی جس سے خزاعہ کا سخت نقصان جان ہوا۔ اس لیے خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پس یہ آیتیں اتریں جن میں مسلمانوں کی نصرت اور بعض کفار کے تائب ہونے کی پیشین گوئی ہے۔ یہ پیشین گوئی فتح مکہ سے پوری ہو گئی، اور کفار میں سے بعض مثلاً ابوسفیان اور عکرمہ بن ابی جہل اور سہل بن عمرو وغیرہ ایمان لائے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اَنْذَنْ لِيْ وَلَا تَفْتِنِيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنْ جَهِنَّمُ لَمَحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ ۝ (توبہ: ۷)

پیشین گوئی- ۱۸:

”اور ان میں سے بعض کہتا ہے مجھ کو رخصت دے اور فتنہ میں نہ ڈال۔ خبردار رہو وہ فتنہ

میں گر پڑے ہیں اور روزِ گھیر رہی ہے کافروں کو۔“

ایک منافق جد بن قیس بہانہ لایا کہ روم کی عورتیں خوبصورت ہیں۔ میں اس ملک میں جا کر بدی میں گرفتار ہوں گا۔ رخصت دو کہ سفر (غزوہ تبوک) میں نہ جاؤں۔ لیکن مدد، خرچ کروں گا مال سے (موضح القرآن) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ اخبار بالغیب ہے کہ جد بن قیس کافر ہی مرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِّنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَّلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ تَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمٍ یَّلْقَوْنَہٗ بِمَا اَخْلَقُوْا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝ (توبہ: ۱۰)

پیشین گوئی- ۱۹:

”اور ان میں سے بعض وہ ہے کہ عہد کیا اللہ سے۔ اگر دے ہم کو اپنے فضل سے تو البتہ ہم خیرات دے گے۔ اور البتہ ہوں گے ہم صالحین میں سے۔ پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے اس میں بخل کیا انہوں نے اور پھر گئے منہ پھیر کر پھر اس کا اثر دکھا خدا نے نفاق ان کے دلوں میں اس دن تک کہ ملیں گے اس سے بسبب اس کے خلاف کیا انہوں نے جو وعدہ کیا اس سے اور بسبب اس کے کہ بولتے تھے جھوٹ۔“

ایک منافق تھا ثعلبہ بن حاطب، اس نے آنحضرت ﷺ سے دعا چاہی کہ مجھ کو کشائش ہو۔ فرمایا کہ تھوڑا جس کا شکر ہو سکے بہتر ہے بہت سے کہ غفلت لائے۔ پھر آیا لگا عہد کرنے کہ اگر مجھ کو مال ہو، میں بہت خیرات کروں۔ اور غفلت میں نہ پڑوں۔ حضور نے دعا کی۔ اس کو بکریوں میں برکت ملی۔

یہاں تک کہ مدینے کے جنگل سے کفایت نہ ہوتی۔ نکل کر گاؤں میں جا رہا تھا۔ جمعہ اور جماعت سے محروم ہوا۔ حضور نے پوچھا کہ ثعلبہ کیا ہوا؟ لوگوں نے حال بیان کیا۔ فرمایا ثعلبہ خراب ہوا۔ پھر زکوٰۃ کا وقت آیا۔ سب دینے لگے اس نے کہا یہ تو مال بھرنا گویا جزیہ دینا ہے۔ بہانہ کر کر ٹال دیا۔ پھر حضرت کے پاس مال لایا زکوٰۃ میں۔ آپ نے قبول نہ کیا۔ حضرت کے بعد ابو بکر و عمر بھی اپنی خلافت میں اس کی زکوٰۃ نہ لیتے۔ خلاف عثمان میں مرگیا (موضح قرآن) اسی ثعلبہ کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اخیر آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ ثعلبہ منافق ہی مرے گا۔ اسے توبہ نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ
قَدْ نَبَأْنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَ سَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُولُهُ ثُمَّ

تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ سَيُحْلِفُونَ بِاللَّهِ
لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَتُعَرِّضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَا لَهُمْ
جَهَنَّمَ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (توبہ: ۱۶۷)

”عذر لائیں گے تمہارے پاس جب بھی پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تو کہہ عذر مت لاؤ ہم نہ مانیں گے ہرگز تمہاری بات ہم کو بتا دیا ہے اللہ نے تمہارا بعض احوال۔ اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارا عمل اور اس کا رسول۔ پھر جاؤ گے تم طرف اس جاننے والے چھپے اور کھلے کے سو وہ بتا دے گا تم کو جو کر رہے تھے اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی جب پھر کر جاؤ گے تم ان کی طرف تاکہ ان سے درگزر کرو تم سو درگزر کرو ان سے۔ وہ لوگ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے بدلہ ان کی کمائی کا۔“

منافقین (جد بن قیس و معتب بن قشیر اور ان دونوں کے اصحاب) جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کی نسبت ان آیتوں میں یہ پیشین گوئی ہے کہ وہ عدم شرکت کا یوں عذر کریں گے اور یوں قسم کھائیں گے۔ یہ پیشین گوئی غزوہ تبوک سے واپسی پر پوری ہوئی۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ
دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ (رعد: ۴۷)

”اور پہنچتا رہے گا کافروں کو ان کے کیے پر کھڑ کا یا ترے گا نزدیک ان کے گھر سے یہاں

تک کہ آئے وعدہ اللہ کا بے شک اللہ خلاف نہیں کرتا وعدہ۔“

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ جب سارے عرب ایمان نہ لائیں گے مسلمان ان کے ساتھ

جہاد کرتے رہیں گے۔ اور انہیں قتل و قید کرتے رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۱۰﴾ (حجر: ۱۰)

پیشین گوئی - ۲۲: اس آیت میں خبر دی گئی کہ قرآن کریم تحریف و تبدیل سے محفوظ رہے گا۔ اس

پیشین گوئی کے پورا ہونے کا مخالف و اعدائے اسلام کو بھی اعتراف ہے۔ ملاحظہ و معطلہ بالخصوص قرامطہ نے تحریف قرآن کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر ایک حرف بھی ادل بدل نہ کر سکے۔ کتب سماویہ سابقہ اگرچہ سب کی سب کلام الہی تھیں۔ مگر تحریف سے کوئی خالی نہ رہی فقط ایک قرآن مجید ہے جو تحریف و تبدیل سے محفوظ رہا اور رہے گا۔ کیوں کہ اس کا حافظ خود خدا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر کتب سابقہ میں تحریف ہو جاتی تھی تو دوسرا نبی آ کر اسے بیان فرما دیتا تھا۔ مگر قرآن چونکہ خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوا جن کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا جو بصورت وقوع تحریف اسے بیان فرما دیتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ اور اس طرح اپنے حبیب پاک کی شان محبوبیت کو بھی ظاہر فرما دیا۔ اللھم صلی وسلم و بارک علی حبیبک سیدنا و مولنا محمد و علی آلہ و اصحابہ و علینا معهم بعدد کل معلوم لك۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا طرفہ سامان کیا ہے۔ علمائے اسلام قراء و محدثین ہر دور میں اسے بطریق تواتر روایت کرتے رہے ہیں۔ جن پر کذب کا وہم تک نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر ہر زمانے میں کثرت سے اس کتاب کے حافظ رہے ہیں اور آئندہ رہیں گے اس طرح امت کے سینوں میں محفوظ ہونا اس کتاب الہی کا خاصہ ہے۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿۵﴾ (عنکبوت: ۵)

”بلکہ یہ قرآن آیتیں ہیں صاف۔ سینے میں ان کے جن کو ملا ہے علم۔ منکر نہیں ہماری

آیتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں۔“

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں اپنے حبیب پاک ﷺ سے مقام قاب قوسین او ادنیٰ میں من جملہ دیگر انعامات کے یہ بھی ارشاد فرمایا: ”میں (۲۰) نے تیری امت میں سے ایسی جماعتیں بنائی ہیں کہ جن کے دل ان کی انجیلیں ہیں۔“ یعنی ان کے دل کتابوں کی طرح ہیں۔ جس طرح انسان کتاب سے پڑھتا ہے۔ وہ دل سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔

امام بیہقی نے روایت کی کہ یحییٰ بن اکثم (متوفی ۲۴۲ھ) نے کہا۔ کہ ایک یہودی خلیفہ مامون کی خدمت میں آیا۔ اس نے کلام کیا اور اچھا کلام کیا۔ خلیفہ نے اسے دعوت اسلام دی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ جب ایک سال گذرا تو مسلمان ہو کر ہمارے پس آیا اور اس نے علم و فقہ میں اچھی گفتگو کی۔ مامون

نے اس سے پوچھا کہ تیرے اسلام لانے کا کیا باعث ہے؟ اس نے کہا۔ میں نے آپ کے ہاں سے جا کر مذاہب کا امتحان کیا۔ میں نے تورات کے تین (۲۱) نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی اور گرجا میں بھیج دیئے وہ تینوں فروخت ہو گئے۔ پھر میں نے انجیل کے تین نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی اور گرجا میں بھیج دیئے وہ تینوں بھی فروخت ہو گئے پھر میں نے قرآن مجید کے تین نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی۔ اور ان کو وراقین کے ہاں بھیج دیا۔ انہوں نے نسخوں کی ورق گردانی کی (۲۲)۔ جب ان میں کمی بیشی پائی تو ان کو پھینک دیا۔ اور ان کو مول نہ لیا۔

اس سے میں نے جان لیا کہ یہ کتاب تحریف سے محفوظ ہے اسی لیے میں مسلمان ہو گیا۔ یحییٰ نے کہا میں نے اسی سال حج کیا۔ اور سفیان بن عیینہ سے ملا میں نے یہ قصہ ان سے بیان کیا۔ حضرت سفیان نے فرمایا کہ اس کا مصداق قرآن مجید میں موجود ہے۔ میں نے پوچھا کس مقام پر۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کی نسبت بما استخفظوا من کتب اللہ۔ فرمایا ہے۔ پس ان کی حفاظت ان پر چھوڑ دی گئی تھی اور قرآن کی نسبت فرمایا۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے تحریف و تبدیل سے محفوظ رکھا۔

پیشین گوئی۔ ۲۳: اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (حجر: ۶۷)

”ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کو جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے سوا اور معبود۔ سو وہ آگے معلوم کریں گے۔“

اشراف قریش میں سے پانچ شخص جہاں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تھے ٹھٹھا کرتے تھے۔ جب ان کی شرارت حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں ان کے بارے میں نازل فرمائیں۔ پس وہ ایک دن رات میں ہلاک ہو گئے۔ ان میں سے ایک عاص بن وائل سہمی تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ سیر کرنے نکلا اور ایک درہ کوہ میں اترا۔ جونہی اس نے پاؤں زمین پر رکھا کہنے لگا مجھے کچھ کاٹ گیا۔ ہر چند لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا مگر کچھ نہ پایا۔ اس کے پاؤں میں ورم ہو گیا۔ یہاں تک کہ اونٹ کی گردن کی مانند ہو گیا۔ اور وہیں مر گیا۔ دوسرا حارث بن قیس سہمی تھا۔ اس نے نمکین مچھلی کھالی سخت پیاس جو لگی۔ وہ پانی پیتا رہا یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور مر گیا۔ مرتے وقت کہتا تھا کہ مجھے محمد ﷺ کے رب نے مار ڈالا۔ تیسرا اسود بن المطلب بن الحارث تھا۔ وہ اپنے غلام کے ساتھ نکلا۔ ایک درخت کی جڑ میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور اس کے سر کو درخت پر مارنے لگے۔ وہ اپنے غلام سے فریاد کرنے لگا۔ غلام نے کہا، مجھے تو کوئی نظر نہیں آتا آپ ہی ایسا کر رہے ہیں۔ پس وہ وہیں مر گیا۔ چوتھا ولید بن مغیرہ

تھا۔ وہ بنی خزاعہ میں سے ایک تیم تر اش کی دکان سے گزرا۔ ایک پریکان اس کی چادر کے دامن سے چمٹ گیا۔ وہ چادر کا دامن اپنے کندھے پر ڈالنے لگا تو پریکان سے اس کی رگ ہفت اندام کٹ گئی۔ پھر خون بند نہ ہوا یہاں تک وہ مر گیا۔ پانچواں اسود بن عبد یغوث تھا۔ وہ اپنے گھر سے نکلا اسے لو لگی۔ پس وہ حبشی کی طرح سیاہ ہو گیا۔ جب وہ گھر آیا گھر والوں نے اسے نہ پہچانا (۲۳)۔ آخر اس لو کے اثر سے مر گیا۔

وَأَنَّ كَادُوا لَيَسْتَفِرُّوَنَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا يَلْبَتُونَ خَلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا (بنی اسرائیل: ۸۷)

”اور تحقیق وہ قریب تھے کہ بچا دیں تجھ کو زمین سے تاکہ نکالیں تجھ کو اس میں سے اور اس وقت وہ نہ رہیں گے تیرے پیچھے مگر تھوڑا زمانہ۔“

کفار قریش چاہتے تھے کہ ایذا سے رسول اللہ ﷺ کو بے آرام کر دیں۔ تاکہ گھبرا کر مکہ سے نکل جائیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اگر وہ آپ کو نکال دیں گے تو آپ کے بعد وہ دیر تک زندہ رہیں گے۔ بدر کے دن یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اس دن آپ کو ایذا دینے والے قتل ہو گئے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ

الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (نور: ۷)

”وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور کیے ہیں نیک کام البتہ پیچھے حاکم کرے گا ان کو ملک میں جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے انگوں کو اور ثابت کر دے گا ان کے واسطے دین ان کو جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور بدل دے گا ان کو ڈر کے بعد امن۔ میری بندگی کریں گے شریک نہ ٹھہرائیں گے میرا کوئی۔ اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس پیچھے سو وہی لوگ ہیں فاسق۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کے صحابہ کرام سے جو موجود تھے خلافت اور تمکین دین اور کفار سے امن کا وعدہ فرمایا۔ اور صاف کہہ دیا یہ خلاف اس طرح ہوگی جیسے بنی اسرائیل میں قائم ہوئی تھی۔ یہ وعدہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں لفظ بلفظ پورا ہوا۔ جس کی تفصیل کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔ لہذا جو شخص ان کی خلافت سے منکر ہو اس کا حکم وہی ہے جو اس آیت کے اخیر حصے میں مذکور ہے۔

پیشین گوئی-۲۶: **إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ** (نقص-۹۷)

”جس نے حکم بھیجا تم پر قرآن کا۔ وہ پھر لانے والا ہے۔ تجھ کو پہلی جگہ۔“

جب حضور اقدس ﷺ نے بحکم الہی مدینہ کو ہجرت فرمائی تو راستے میں مقام جحفہ میں آپ ﷺ کو وطن کا خیال آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی۔ اور اس میں پھر مکہ واپس آنے کی خوشخبری دی۔ یہ پیشین گوئی ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے دن پوری ہوئی۔

پیشین گوئی-۲۷: **الْمَوَدَّةُ غَلِبَتِ الرُّومَ ۝ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ سِيغْلِبُونَ ۝ فِي بَضْعِ سِنِينَ ۝ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدِ وَيَوْمَئِذٍ**

يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ بِنَصْرِ اللَّهِ ۝ يَنْصُرُ مَن يَشَاءُ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ (روم-شروع)

”مغلوب ہو گئے ہیں رومی لگتے ملک میں۔ اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد اب غالب ہوں گے کئی برس میں۔ اللہ کے ہاتھ میں ہے کام پہلے اور پچھلے اور اس دن میں خوش ہوں گے مسلمان اللہ کی مدد سے۔ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی ہے غالب مہربان۔“

جب کسریٰ پرویز نے رومیوں پر حملہ کیا تو عرب سے لگتی زمین (اذرعات و بصرے یا اردن و فلسطین) میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور فارس روم پر غالب آئے۔ جب یہ خبر مکہ مشرفہ میں پہنچی تو مشرکین خوش ہوئے اور مسلمانوں سے کہنے لگے۔ تم اور نصاریٰ اہل کتاب ہو۔ اور ہم اور فارس بے کتاب ہیں۔ جس طرح ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آ گئے ہم بھی تم پر غالب آ جائیں گے۔ مسلمانوں کو یہ امر نہایت ناگوار گزرا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مذکور ہے کہ چند سال کے اندر روم فارس پر غالب آ جائیں گے چنانچہ نو سال کے بعد بدر کے دن یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی (۲۳)۔

پیشین گوئی-۲۸: **إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَنٍ أَتَّهُمْ لَا إِن فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرًا مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝**

(مومن: ۶۷)

”جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کچھ سند کے جو پہنچی ہو ان کو۔ اور کچھ نہیں ان کے سینوں میں مگر تکبر وہ نہیں پہنچنے والے اس تک۔ سو تو پناہ مانگ اللہ کی بے شک وہ ہے ستنا دیکھتا۔“

اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ منکرین کے دلوں میں یہ غرور ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اوپر ہیں گے۔ مگر یہ نہیں ہونے کا۔ چنانچہ کفار کو بھی حضور اقدس ﷺ پر تعظیم و تقدیم حاصل نہ ہوا۔

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتَرَكُكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۝ (محمد: ۴۷)

پیشین گوئی - ۲۹:

”سو تم سستی نہ کرو۔ اور نہ بلاؤ ان کو صلح کی طرف۔ اور تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا تمہارے اعمال۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کفار کے مقابلہ میں سستی نہ کرو۔ اور ان سے صلح طلب نہ کرو۔ تم ہی غالب آؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ

پیشین گوئی - ۳۰:

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ (فتح: ۴۷)

”بیشک اللہ نے سچ دکھایا اپنے رسول ﷺ کو خواب۔ تحقیق تم داخل ہو جاؤ گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن سے بال موٹہ تے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے بے خطرہ پس جانا اللہ نے جو نہ جانا تم نے پس ٹھہرا دی اس سے ورے ایک فتح (خیبر) نزدیک۔“

حدیبیہ کی طرف جانے سے پہلے حضور اقدس ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ ﷺ مع صحابہ کرام سرمنڈائے ہوئے کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے ہیں آپ ﷺ نے یہ خواب صحابہ کرام سے بتا دیا۔ وہ سمجھے کہ داخلہ اسی سال ہوگا۔ حالانکہ خواب میں داخلہ کے وقت کی تعیین نہ تھی۔ جب مسلمان کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے بغیر حدیبیہ ہی سے صلح کر کے مدینے واپس آنے لگے تو منافقین تمسخر سے کہنے لگے۔ اب وہ خواب کہاں ہے جو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تھا؟ صحابہ کرام کو یہ امر ناگوار گزرا اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور دوسرے سال فتح خیبر کے بعد یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ
كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ (فتح: ۴۷)

پیشین گوئی - ۳۱:

”وہ ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ﷺ ساتھ ہدایت اور سچے دین کے تاکہ غالب کرے

اس کو ہر دین پر اور کافی ہے اللہ شہادت دینے والا۔“

اس آیت میں دین اسلام کے تمام دینوں پر غالب آنے کی پیشین گوئی ہے جس کے پورا ہونے میں کلام نہیں۔ موضح قرآن میں ہے ”اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سب سے غالب کر دیا ایک مدت۔ اور دلیل سے غالب ہے ہمیشہ۔“

پیشین گوئی - ۳۲: "أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ" (طور - ۲۷)

کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا۔ سو جو کافر ہیں وہی داؤ میں آنے والے ہیں۔

اس آیت کی میں یہ اخبار بالغیب ہے کہ جن مشرکین نے بعثت کے تیرھویں سال دارالندوہ میں جناب رسالت مآب ﷺ کے قتل کرنے پر اتفاق کیا تھا وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ یوم بدر میں ایسا ہی وقوع میں آیا۔

پیشین گوئی - ۳۳: "أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُنْتَصِرُونَ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ" (قمر: ۲۷)

”کیا کہتے ہیں ہم سب جماعت بدلہ لینے والے ہیں۔ اب شکست دی جائے گی وہ جماعت اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر۔“

یہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئیں۔ جب بدر کا دن آیا اور قریش کو ہزیمت ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے زرہ پہنے اور تلوار کھینچے ہوئے ان کا تعاقب کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس دن مجھے اس پیشین گوئی کا مطلب سمجھ میں آیا کہ کفار قریش ہزیمت اٹھائیں گے اور مسلمان تلوار و نیزہ سے ان کا تعاقب کریں گے۔ صحیح بخاری کتاب المغازی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بدر کے دن نبی ﷺ نے یوں دعا مانگی۔ اور آپ عریش تھے۔

اللَّهُمَّ اِنِّى اَنْشَدَكَ عَهْدَكَ وَوَعَدَكَ اللّٰهُمَّ اِنْ شئتَ لَمْ تَعْبُدْ۔

”یا اللہ میں تجھ سے تیرا عہد اور تیرا وعدہ طلب کرتا ہوں۔ یا اللہ تو اگر (ہم پر کافروں کو غالب کرنا) چاہے تو تیری عبادت نہ کی جائے گی۔“

یہ سن کر سیدنا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا: ”آپ کو یہ کافی ہے۔“ پس حضور ﷺ عریش سے نکلے اور آپ ﷺ یوں فرما رہے تھے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔

پیشین گوئی - ۳۴: "هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ۔ (حشر: ۱۷)

”وہ ہے جس نے نکال دیئے جو کافر ہیں کتاب والوں میں سے ان کے گھروں سے پہلی جلا وطنی کے وقت۔“

اس کتاب میں پہلے آچکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنی نضیر کو ہجرت کے چوتھے سال جلا وطن کر دیا۔ اور وہ ملک شام میں چلے گئے۔ یہ یہود کی پہلی جلا وطنی تھی جیسا کہ آیت بالا سے ظاہر ہے۔ اس میں

ارشاد تھا کہ یہود کی دوسری جلا وطنی بھی ہوگی۔ چنانچہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں وقوع میں آئی۔ جب کہ یہود تمام جزیرہ عرب سے نکال دیئے گئے۔ مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے مالوں کی قیمت دی (۲۵)۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَه لَنْسَفَعَا بِالنَّاصِيَةِ ۝ (علق، پ ۳۰)

پیشین گوئی - ۳۵: ”ہرگز نہیں۔ یوں اگر باز نہ آئے گا ہم گھسیٹیں گے پیشانی کے بال پکڑ کر۔“

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ ابو جہل ذلیل موت مرے گا۔ اور اس کو گھسیٹ کر لائیں گے یہ پیشین گوئی جنگ بدر کے دن پوری ہوئی۔ چنانچہ اس دن جب وہ لعین مر رہا تھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو دبلے پتلے تھے اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھے اور اس کا سر کاٹ دیا۔ جب (۲۶) کمزوری کے سبب اس کے سر کو نہ اٹھا سکے تو اس کے کان میں سوراخ کر کے اس میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لائے۔

إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكُوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ

پیشین گوئی - ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹: شَانِكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (کوثر، پ ۳۰)

”ہم نے دی تجھ کو کوثر۔ سو نماز پڑھا اپنے رب کے آگے اور قربانی پیش کر بے شک دشمن

تیرا وہی ہے پیچھا کٹا۔“

یہ قرآن کی چھوٹی سی سورت ہے۔ اس کی تین آیتوں میں چار (۲۷) پیشین گوئیاں ہیں۔ ایک تو پہلی آیت میں ہے۔ جب کہ کوثر سے مراد کثرت اتباع ہو۔ جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے دوسری پیشین گوئی دوسری آیت میں ہے۔ کیوں کہ وانحر اور قربانی کر صیغہ امر ہے۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ کو اور آپ کی امت کو تو نگری عطا کرے گا جس سے قربانی پر اقدام ہو سکے۔ اسی طرح تیسری آیت میں دو پیشین گوئیاں ہیں۔ یعنی حضور ﷺ نہیں بلکہ حضور ﷺ کا دشمن بے اولاد مرے گا کہ اس کے پیچھے کوئی اس کا نام نہ لے گا یہ چاروں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ آپ کے اتباع کی کثرت ظاہر ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن آپ ﷺ بلحاظ امت تمام نبیوں سے بڑھ کر ہوں گے۔ اللہ نے حضور ﷺ کو تو نگری اس قدر عطا فرمائی کہ ایک دفعہ سوانٹ بطور ہدی بھیجے۔ عاص بن وائل جو حضور ﷺ کو پیچھا کٹا ہونے کا طعن دیا کرتا تھا۔ بے اولاد مرا۔ اس کی نسل منقطع ہو گئی۔ کوئی اس کا نام بھی نہیں لیتا۔ حالانکہ حضور ﷺ کی ذریت قیامت تک رہے گی۔ آپ ﷺ کا نام قیامت تک روشن ہے۔ علاوہ ازیں سب مومنین آپ ﷺ کی اولاد ہیں جو قیامت تک رہیں گے (۲۸)۔

آثار اقدار تو تا حشر متصل!!
نصیم سیاہ روئے تو بے حاصل و نخل

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ
أَقْوَابًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (نمر)

”جب آئے مدد اللہ کی اور فتح اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے ہیں اللہ کے دین میں فوج
در فوج۔ پس پاکی بیان کر اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اور بخشش مانگ اس سے وہ بے
شک معاف کرنے والا ہے۔“

یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں فتح مکہ کی بشارت ہے جو ہجرت کے آٹھویں
سال پوری ہوئی۔ اور پیشین گوئی کے مطابق اہل مکہ و حائف و یمن و ہوازن اور باقی قبائل عرب دین
اسلام میں گروہ ہا گروہ داخل ہوئے۔ حالانکہ اس سے پہلے اکادکا اسلام میں داخل ہوا کرتے تھے۔

مندرجہ بالا پیشین گوئیاں جو سب کی سب پوری ہوئیں فقط بطور مثال بیان کی گئی ہیں اور اس
کتاب میں زیادہ کی گنجائش بھی نہیں۔ ورنہ قرآن مجید میں تو کثرت سے پیشین گوئیاں ہیں کہ کوئی زمانہ
ایسا نہیں جس میں قرآن مجید کی کوئی نہ کوئی پیشین گوئی پوری نہ ہوتی ہو۔ اور کتنی پیشین گوئیاں ہیں کہ
قرب قیامت اور یوم قیامت کو پوری ہوں گی۔ مثلاً یا جوج و ماجوج کا آنا، دابۃ الارض کا ظاہر ہونا،
حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کا تشریف لانا، آسمانوں کا پھٹنا، پہاڑوں کا غبار ہونا، زمین کا چکنا چور ہونا،
صور کا پھونکا جانا، مردوں کا زندہ ہونا، ہاتھ پاؤں کا گواہی دینا، اعمال کا وزن کیا جانا وغیرہ وغیرہ پس
معلوم ہوا کہ قرآن کریم بے شک معجزہ ہے۔

اعجاز القرآن کی چوتھی وجہ

علوم کے لحاظ سے بھی قرآن کریم معجزہ ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
علوم القرآن: فرماتے ہیں کہ معانی منظومہ قرآن پانچ علموں سے خارج نہیں۔ اول علم احکام یعنی
واجب و مندوب و مباح و مکروہ و حرام خواہ از قسم عبادت ہوں یا معاملات یا تدبیر منزل یا سیاست
مدن۔ دوسرے چار گمراہ فرقوں یعنی یہود نصاریٰ و مشرکین و منافقین کے ساتھ مخصوصہ کا علم۔ تیسرے اللہ
تعالیٰ کی نعمتوں (آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر اور بندوں کی ضروریات کا الہام اور اللہ کی صفات کاملہ
کا بیان) کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ چوتھے ایام اللہ یعنی اہم ماضیہ میں دشمنان خدا کے ساتھ وقائع
بیان کرنے کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ پانچویں موت اور مابعد موت (حشر و نشر و حساب و میزان و
بہشت و دوزخ) کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ قرآن میں ان علوم ہر جگہ کا ہونا اس بات کی دلیل ہے
کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی ہدایت کے لیے نازل فرمائی ہے۔ جس طرح عالم طب جب قانون

شیخ کا مطالعہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ یہ کتاب بیماریوں کے اسباب و علامات اور ادویہ کے بیان میں غایت درجہ کو پینچی ہوئی ہے تو اسے ذرا شک نہیں رہتا کہ اس کا مؤلف علم طب میں کامل ہے۔ اسی طرح شریعتوں کے اسرار کا علم جب جان لیتا ہے کہ تہذیب نفوس میں افراد انسان کے لیے کن کن چیزوں کے بتانے کی ضرورت ہے۔ اور بعد ازاں فنون و ہنر گانہ میں تامل کرتا ہے تو بے شک اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ فنون اپنے مانی میں اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ اس سے (۲۹) بہتر ممکن نہیں۔ قرآن کریم چونکہ تزکیہ نفوس میں معجز کتاب ہے اسی واسطے اس کی تلاوت کے وقت دلوں میں خشیت و ہیبت پیدا ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيًّا ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۖ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۗ (زمر: ۲۹)

”اللہ نے اتاری بہتر کتاب۔ کتاب ہے آپس (۳۰) میں دوہرائی ہوئی۔ بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھالوں پر ان لوگوں کی جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے چمڑے اور دل ان کے اللہ کی یاد کی طرف۔“

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (حشر- ۳۷)

”اگر ہم اتارتے اس قرآن کو ایک پہاڑ پر البتہ دیکھتا اس کو دب جانے والا پھٹ جانے والا اللہ کے ڈر سے اور یہ مثالیں بیان کرتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے تاکہ وہ فکر کریں۔“

قرآن کریم کی اس خارق عادت تاثیر سے بچنے کے لیے کفار قریش ایک دوسرے سے کہہ دیا کرتے تھے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم شور مچا دیا کرو (حم سجدہ ع ۳۷) اور اسی واسطے مکذبین پر اس کا سننا نہایت دشوار گزرتا تھا۔ اور بوجہ خبث طبع نفرت سے پیٹھ دے کر بھاگ جاتے تھے (بنی اسرائیل۔

ع ۵) ذیل میں تاثیر قرآن مجید کی توضیح کے لیے ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں:

ابن (۳۱) اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی کیفیت مجھے یہ معلوم ہوئی ہے کہ آپکی بہن فاطمہ اور فاطمہ کے خاوند سعید بن زید بن عمرو بن نفیل مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر اپنے اسلام کو اپنی قوم کے ڈر سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت نعیم بن عبد اللہ النخام (۳۲) بھی جو مکہ کے رہنے والے اور آپ ہی کی قوم بنی عدی بن کعب میں سے تھے اسلام لے آئے تھے اور اپنے اسلام کو اپنی قوم کے ڈر سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ حضرت خباب بن الارت حضرت فاطمہ کے پاس قرآن پڑھانے

آیا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت عمر کو جو خبر لگی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب و مردوزن قریبا چالیس کوہ صفا کے قریب ایک گھر میں جمع ہو رہے ہیں تو تلوار آڑے لٹکائے ہوئے حضور اقدس ﷺ اور حضور کے اصحاب کے قصد سے نکلے۔ ان اصحاب میں حضرت ابو بکر اور حضرت علی، حمزہ رضی اللہ عنہم بھی تھے جو ان مسلمانوں میں سے تھے جنہوں نے ملک حبشہ کی طرف ہجرت نہ فرمائی تھی۔ راستے میں حضرت نعیم ملے۔ جن سے یوں گفتگو ہوئی۔

عمر: میں اس صابی (دین سے برگشتہ) محمد کا فیصلہ کرنے چلا ہوں۔ جس نے قریش کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ اور جو ان کے داناؤں کو نادان اور ان کے دین کو معیوب بتاتا ہے اور ان کے معبودوں کو برا کہتا ہے۔

نعیم: عمر! اللہ کی قسم۔ تجھے تیرے نفس نے دھوکا دیا ہے۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ اگر تو حضرت محمد کو قتل کر دے گا تو عبد مناف کی اولاد تجھے زمین پر زندہ چھوڑ دے گی؟ تو اپنے اہل بیت میں جا اور انہیں سیدھا کر۔

عمر: کون سے اہل بیت؟

نعیم: اللہ کی قسم! تیرا بہنوئی سعید بن زید اور تیری بہن فاطمہ دونوں مسلمان ہو گئے ہیں اور دین محمدی کے پیرو بن گئے ہیں۔ تو ان سے سلجھ لے۔

(یہ سن کر عمر اپنی بہن کے گھر پہنچتے ہیں۔ وہاں حضرت خباب آپ کی بہن اور بہنوئی کو قرآن کی سورہ طہ پڑھا رہے ہیں۔ جن کی آواز عمر کے کان میں پڑ جاتی ہے عمر کی آہٹ سے حضرت خباب تو کوٹھری میں جا چھپتے ہیں اور فاطمہ وہ صحیفہ قرآن لے کر اپنی ران کے نیچے چھپا لیتی ہیں)۔

عمر: (اندر داخل ہو کر) یہ آواز جو میں نے سنی کیسی تھی؟

سعید و فاطمہ: تو نے کچھ نہیں سنا۔

عمر: کیوں نہیں۔ اللہ کی قسم مجھے خبر لگی ہے کہ تم دونوں دین محمدی کے پیرو بن گئے ہو۔ (یہ کہہ کر عمر سعید کو پکڑ لیتے ہیں۔ بہن جو چھڑانے اٹھتی ہے اسے بھی لہو لہان کر دیتے ہیں)۔

سعید و فاطمہ: ہاں ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور اللہ و رسول ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں تو کر جو کر سکتا ہے۔

عمر: (بہن کو لہو لہان دیکھ کر ندامت سے) بہن! وہ کتاب تو دکھاؤ جو ابھی تم پڑھ رہے تھے۔

فاطمہ: مجھے ڈر ہے تو واپس نہ دے گا۔

عمر: تو نہ ڈر (اپنے معبودوں کی قسم کھا کر) میں پڑھ کر واپس کر دوں گا۔

فاطمہ: (بھائی کے اسلام کے لالچ میں آ کر) بھائی! تو مشرک ہونے کے سبب سے، ناپاک ہے۔

اسے تو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہوں۔

عمر: (غسل کے بعد سورۃ ط کی شروع کی آیتیں تلاوت کر کے) یہ کلام کیسا اچھا اور پیارا ہے۔

صحاب: (کوثری سے نکل کر) عمر! مجھے امید ہے کہ آپ نبی ﷺ کی دعا کے مصداق ہوں گے۔

کیوں کہ میں نے کلاسنا کہ آپ یوں دعا فرما رہے تھے: ”یا اللہ تو ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن

الخطاب کے ساتھ اسلام کو تقویت دے۔“ اے عمر! تو اللہ سے ڈر۔

عمر: مجھے حضرت محمد ﷺ کے پاس لے چلو تا کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

صحاب: آپ ﷺ مع اصحاب کے کوہ صفا کے قریب تشریف رکھتے ہیں۔ (عمر تلوار اڑے لڑکائے در

دولت پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ اہل خانہ میں سے ایک صحابی آپ کو اس ہیئت میں

دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔

صحابی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ عمر بن الخطاب ہے جو تلوار حماکل کیے ہوئے ہے۔

حمزہ: اسے آنے کی اجازت دو۔ اگر وہ کار خیر کے لیے آیا تو ہمیں دریغ نہیں۔ اور اگر وہ شرارت کا

ارادہ رکھتا ہے تو ہم اسے اسی کی تلوار سے قتل کر دیں گے۔

رسول اللہ (ﷺ): اسے اندر آنے دو۔

صحابی: اندر آئیے۔ (عمر داخل ہوتے ہیں)۔

رسول اللہ (ﷺ): (عمر کی کمریا چادر کا دامن کھینچ کر) خطاب کے بیٹے! کیوں کر آنا ہوا۔ اللہ کی قسم!

میں نہیں دیکھتا کہ تو باز آئے۔ یہاں تک کہ اللہ تجھ پر کھڑا نازل کرے۔

عمر: یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ کی خدمت میں آیا ہوں تاکہ اللہ پر اور اللہ کے رسول ﷺ پر اور

اس پر جو وہ اللہ کے ہاں سے اے ایمان والوں۔

(اس طرح عمر اسلام لاتے ہیں اور حضور اقدس ﷺ تکبیر پڑھتے ہیں۔ جس سے تمام حاضرین

خانہ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے)۔

ایک (۳۲) روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر سوار ایک کوچے میں سے گزر رہے تھے۔

ایک قاری نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ۝ (طور۔ ۱۴)

ترجمہ: بیشک عذاب تیرے رب کا ہونے والا ہے۔ اس کو کوئی نہیں ہٹانے والا۔

اسے سن کر آپ بے ہوش ہو گئے اور بے ہوشی کی حالت میں زمین پر گر پڑے وہاں سے اٹھا کر آپ

کو گھر لائے۔ مدت تک اس درد سے بیمار رہے۔ یہاں تک کہ لوگ آپ کی بیمار پرسی کے لیے آتے تھے۔

دشمنان اسلام بھی قرآن کریم کی فوق العادت تاثیر کے قائل تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے نبوت میں حضرت ابو بکر صدیق ہجرت کے ارادے سے حبشہ کی طرف نکلے تو ابن الدغنے ان کو برک النماست اپنی جوار میں مکہ واپس لے آیا۔ قریش نے ابن الدغنے کی جوار کو رد نہ کیا۔ مگر اس سے کہا کہ ابو بکر سے کہہ دو کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے اور نماز میں چپکے جو چاہے پڑھے۔ مگر ہمیں اذیت نہ دے۔ اور آواز سے قرآن نہ پڑھے۔ کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ مبادا ہماری عورتوں اور بچوں پر قرآن کا اثر پڑ جائے۔ ابن الدغنے نے یہی آپ سے ذکر کر دیا۔ کچھ مدت آپ نے اسی پر عمل کیا۔ بعد ازاں اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی جس میں آپ نماز پڑھتے اور قرآن با آواز پڑھتے۔ رقیق القلب تھے۔ قرآن پڑھتے تو بے اختیار رو پڑتے۔ آپ کی قرأت و رقت سے سرداران قریش ڈر گئے۔ انہوں نے ابن الدغنے کو بلا کر کہا کہ ابو بکر نے خلاف شرط اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی ہے۔ جس میں وہ با آواز نماز و قرآن پڑھتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ مبادا ہماری عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑے۔ تم اس کو روک دو۔ ہاں اگر وہ اپنے گھر کے اندر چپکے عبادت کرنا چاہے تو کیا کرے۔ اور اگر با آواز قرآن پڑھنے پر اصرار کرے تو تم اس کی حفاظت کی ذمہ داری واپس لے لو۔ کیونکہ ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہم تمہارے عہد کی حفاظت کو توڑ دیں۔ ہم ابو بکر کو قراءت کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ سن کر ابن الدغنے آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو میری جوار کی شرط معلوم ہے آپ اس کی پابندی کریں ورنہ میری ذمہ داری واپس کر دیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ عرب یہ سنیں کہ ایک شخص کی حفاظت کا عہد جو میں نے کیا تھا وہ توڑ ڈالا گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں تمہاری جوار کو واپس کرتا ہوں اور خدا کی جوار پر راضی ہوں۔ (۳۳)

حضرت جبیر بن مطعم (۳۳) جو اسلام لانے سے پہلے اسیران بدر کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سورہ طور پڑھتے پایا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے:

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿۲۷﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ ﴿۲۸﴾
 أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُضْطَرُونَ ﴿۲۹﴾ (طور: ۲۷)

”کیا وہ پیدا ہوئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں پیدا کرنے والے۔ یا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو بلکہ یقین نہیں کرتے۔ کیا ان کے پاس خزانے ہیں تیرے رب کے یا وہی داروغے ہیں۔“

تو قریب تھا کہ (خوف سے) میرا دل پھٹ جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ پہلی دفعہ تھی کہ ایمان نے میرے دل میں قرار پکڑا۔

حضرت طفیل بن عمرو الدوسی (۳۵) جو ایک شریف و دانا شاعر تھے۔ اپنے اسلام لانے کا قصہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ میں مکہ میں آیا۔ رسول اللہ ﷺ وہیں تھے قبیلہ قریش کے لوگوں نے مجھ سے کہا۔ اے طفیل! تو ہمارے شہروں میں آیا ہے۔ یہ شخص (حضرت محمد) جو ہمارے درمیان ہے اس نے ہمیں تنگ کر دیا ہے اور ہماری جماعت کو پراگندہ کر دیا۔ اس کا قول جادو گروں کا سا ہے۔ جس سے وہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں اور میاں بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہماری طرح تجھ پر اور تیری قوم پر بھی جادو کر دے۔ اس لیے تو اس سے کلام نہ کرنا۔ اور نہ اس سے کچھ سننا۔ وہ مجھے یہی کہتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ میں اس سے کچھ نہ سنوں گا اور نہ کلام کروں گا نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب میں مسجد کی طرف جاتا تو اس ڈر سے کہ کہیں بے ارادہ آپ کی آواز میرے کان میں پڑ جائے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ ایک روز صبح کو میں مسجد کی طرف گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں آپ کے قریب کھڑا ہو گیا پس اللہ نے مجھے آپ کا بعض قول سنا ہی دیا۔ مگر میں نے ایک عمدہ کلام سنا۔ اور اپنے جی میں کہا۔ وائے بے فرزندی مادر من۔ میں دانا شاعر ہوں۔ برے بھلے میں تمیز کر سکتا ہوں۔ پھر اس کا قول سننے سے مجھے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ جو کچھ وہ بیان کرے گا اگر اچھا ہوا تو میں قبول کر لوں گا۔ اگر برا ہوا تو رد کر دوں گا۔ اس لیے میں ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دولت خانے کی طرف واپس ہوئے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ جب آپ اپنے دولت خانے میں داخل ہونے لگے تو میں نے عرض کیا۔ اے محمد! آپ کی قوم نے مجھے ایسا ایسا کہا ہے اللہ کی قسم! وہ مجھے آپ کے قول سے ڈاتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ تاکہ آپ کا قول نہ سنوں مگر اللہ نے سنا ہی دیا۔ میں نے ایک اچھا قول سنا۔ پھر میں نے التجا کی کہ اپنا دین آپ مجھ پر پیش کریں۔ اس لیے آپ نے مجھ پر اسلام پیش کیا۔ اور مجھے قرآن پڑھ کر سنایا۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی اس کی بہ نسبت نہ کوئی اچھا قول اور نہ کوئی راست امر سنا۔ پس میں مسلمان ہو گیا۔ اور میں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میری قوم میرے کہنے میں ہے۔ میں ان کی طرف جاتا ہوں۔ اور انہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں آپ میرے لیے دعا کیجئے کہ خدا مجھے ایک نشانی دے۔ جو مجھے دعوت اسلام میں ان کے مقابلہ میں میری مدد گار ہو۔ یہ سن کر آپ نے یوں دعا فرمائی: ”اے اللہ! اسے ایک نشانی عطا کر“۔ پھر میں اپنی قوم کی طرف روانہ ہوا۔ چلتے چلتے جب میں گھاٹی میں پہنچا جہاں سے میرا قبیلہ مجھے دیکھ سکتا تھا تو میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہوا۔ میں نے کہا۔ یا اللہ میری پیشانی کے سوا کسی اور جگہ نور پیدا کر دے۔

کیوں کہ میں ڈرتا ہوں۔ وہ یوں گمان کریں گے کہ یہ عبرتناک سزا ہے جو ان کا دین چھوڑنے کے سبب میری پیشانی میں ظاہر ہوئی ہے۔ پس وہ نور بجائے پیشانی کے میرے کوڑے کے سرے پر نمودار ہوا۔ جب میں گھائی سے اپنے قبیلے کی طرف اتر رہا تھا تو وہ نور ان کو میرے کوڑے میں معلق قندیل کی طرف نظر آتا تھا۔ یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ پھر صبح ہو گئی۔ جب میں مکان میں اتر تو میرا باپ جو بہت بوڑھا تھا۔ میرے پاس آیا۔ میں نے کہا۔ ابا! مجھ سے دور رہو۔ میں تیرا نہیں اور نہ تو میرا ہے۔ وہ بولا۔ بیٹا! کیوں؟ میں نے کہا۔ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور حضرت محمد ﷺ کے دین کا پیرو بن گیا ہوں۔ یہ سن کر میرے باپ نے کہا۔ میرا دین تیرا دین ہے۔ پس اس نے غسل کیا اور اپنے کپڑے پاک کیے۔ پھر میرے پاس آیا۔ میں نے اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر میری بیوی میرے پاس آئی۔ میں نے اس سے کہا مجھ سے دور رہو۔ میں تیرا نہیں، اور تو میری نہیں۔ وہ بولی، میرے ماں باپ تجھ پر قربان کیوں؟ میں نے کہا اسلام میرے اور تیرے درمیان فارق ہے۔ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور حضرت محمد ﷺ کے دین کا پیرو بن گیا ہوں۔ وہ کہنے لگی میرا دین تیرا دین ہے۔ اور وہ مسلمان ہو گئی۔ پھر میں نے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے اس میں تاخیر کی۔ پھر میں مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! دوس مجھ پر غالب آ گئے۔ آپ ان پر بددعا کیجئے۔ اس پر آپ نے یوں دعا کی: ”یا اللہ! دوس کو ہدایت دے۔“ اور مجھ سے فرمایا کہ تو اپنی قوم میں لوٹ جا۔ اور انہیں نرمی سے دعوت اسلام دے۔ اس لیے میں لوٹ آیا۔ اور دوس کو نرمی سے اسلام کی طرف بلاتا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی۔ اور غزوہ بدر واحد و خندق ہو چکے۔ پھر میں اپنی قوم کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اور آپ خیبر میں تھے۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں دوس کے ستر یا اسی گھرانے اترے۔

پادری راڈیل صاحب لکھتے ہیں کہ عرب کے سیدھے سادھے بھیڑ بکریاں چرانے والے خانہ بدوش بدو لوگ ایسے بدل گئے جیسے کسی نے جادو کر دیا ہو۔ وہ لوگ مملکتوں کے بانی مہانی اور شہروں کے بنانے والے اور جتنے کتب خانے انہوں نے خراب کیے تھے ان سے زیادہ کتب خانوں کے جمع کرنے والے ہو گئے اور فسطاط بغداد، قرطبہ اور دلی کے شہروں کو وہ قوت ہوئی کہ عیسائی یورپ کو کپکپا دیا۔ اور قرآن کی قدر ہمیشہ ان تبدیلیوں کے اندازہ سے ہونی چاہیے۔ جو اس نے اپنے بطیب خاطر ماننے والوں کی عادات اور اعتقادات میں داخل کیں۔ بت پرستی کے مٹانے، بنات اور مادیات کے شرک کے عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے اطفال کشی کی رسم کو نیست، بنانے، بہت کو تو ہما

کے لیے نہیں۔ بلکہ اس واسطے ہے کہ ایسی تقدیم اثبات خبر کے واسطے زیادہ تاکید والی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اسم محدث عنہ پہلے ذکر کیا جائے تو سامع کو خبر سننے کا شوق پیدا ہوتا ہے اس لیے جب وہ خبر سنتا ہے تو اس کا ذہن اس کو یوں قبول کرتا ہے جیسا عاشق معشوق کو۔ پس وہ خبر اس کے ذہن میں باحسن وجوہ متکمن ہو جاتی ہے۔

۳- ضمیر متکلم بصیغہ جمع لایا گیا۔ جس سے ربوبیت کی عظمت پائی جاتی ہے۔

۴- جملے کے شروع میں حرف تاکید لایا گیا ہے۔ جو قسم کے قائم مقام ہے۔

۵- فعل کو بصیغہ ماضی لایا گیا ہے تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ کریم کی عطاء آجلہ واقع کے حکم میں ہے۔

۶- کوثر کے موصوف کو محذوف کر دیا گیا۔ اس لیے مذکور میں وہ فرط ابہام و شیاع نہیں جو محذوف ہے۔

۷- وہ صفت اختیار کی گئی جس کے معنی میں کثرت ہے۔ پھر اس کو اس کے صیغہ سے معدول کر کے لایا گیا۔

۸- اس صیغہ پر لام تعریف لایا گیا تاکہ یہ اپنے موصوف کو شامل اور کثرت کے معنی دینے میں کامل ہو۔ چونکہ یہ لام عہد کا نہیں اس لیے واجب ہے کہ حقیقت کا ہو۔ اور حقیقت کے بعض افراد بعض

سے اولیٰ نہیں۔ پس وہ کاملہ ہوگی۔ اس میں اس طعن کا جواب بھی آگیا کہ حضور اقدس ﷺ کا آپ

کے بعد کوئی بیٹا نہیں۔ کیوں کہ آپ کے بعد بیٹے کا باقی رہنا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ بیٹا نبی

بنایا جائے۔ اور یہ محال ہے کیوں کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ یا نبی نہ بنایا جائے۔ اور یہ امر وہم میں

ڈالتا ہے کہ وہ ناخلف ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیر کثیر عطا فرما کر اس عیب سے محفوظ رکھا۔

اولاد کے ہونے سے یہی غرض ہوا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ عیب بھی لازم نہ آیا جو بیٹوں کے نبی

نہ ہونے کی صورت میں تھا۔

فصل لربك وانحر۔ اس میں بھی آٹھ فائدے ہیں۔

۱- فاء تعقیب۔ یہاں دو باتوں کا سبب بنانے کے معنی کے لیے مستعار ہے۔ اول انعام کثیر کو منعم کے

شکر و عبادت میں قیام کا سبب بنانا۔ دوسرے انعام کثیر کو دشمن کے قول کی پروا نہ کرنے کا سبب

بنانا۔ کیوں کہ اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ عاص بن وائل نے کہا۔ ان محمداً صنبر

(۳۷) یہ قول جناب رسول اللہ ﷺ پر ناگوار گزرا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

۲- دو لاموں سے مقصود تعریض ہے عاص اور اس جیسے دوسروں کے دین سے جن کی عبادت و قربانی

غیر اللہ کے واسطے تھی۔ اور نیز یہ مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے قدم صراط مستقیم پر جمادیں۔ اور

اپنی عبادت کو اللہ کی ذات کریم کے لیے خالص کر دیں۔

۳- ان دونوں عبادتوں سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت کے دونوع ہیں۔ ایک اعمال بدنیہ

جن میں مقدم نماز ہے۔ دوسرے اعمال مالیہ جن میں اعلیٰ اونٹوں کی قربانی ہے۔

۴۔ اس آیت میں اس بات پر تشبیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو نماز اور اونٹوں کی قربانی سے بڑا اختصاص تھا۔ کیوں کہ نماز آپ کی مبارک آنکھوں کے لیے ٹھنڈک بنائی گئی۔ اور اونٹوں کی قربانی میں آپ کی ہمت قوی تھی چنانچہ روایت ہے کہ آپ نے سواونٹ قربانی دیئے۔ جن میں ابو جہل کا ایک اونٹ تھا جس کے ناک میں سونے کی نیکیل تھی۔

۵۔ دوسرے لام کو اس لیے حذف کیا گیا کہ پہلا لام اس پر دلالت کر رہا ہے۔

۶۔ جمع کے حق کی رعایت کی گئی۔ اور یہ من جملہ بدائع ہے۔ جب قائل اسے طبعی طور پر لائے اور تکلف سے کام نہ لے۔

۷۔ لربک میں دو خوبیاں ہیں۔ ایک تو اس میں التفات ہے۔ دوسرے مضمم کی جگہ لفظ مظہر لایا گیا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی اور اس کے غلبہ قدرت کا اظہار ہے۔ اسی سے خلفاء نے یہ قول لیا۔ یاء مړك امیر المؤمنین بکذا۔

۸۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق عبادت یہ ہے کہ بندے اس کے ساتھ اپنے رب اور اپنے مالک کو خاص کریں۔ اور اس اس شخص کی خطا سے تعریض (۳۸) ہوگئی۔ جو اپنے رب کی عبادت چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کرے۔

ان شانك هو الابر۔ اس میں پانچ فائدے ہیں:

۱۔ امر (فصل وانحر) کی علت میں حضور اقدس ﷺ کے شانی (دشمن) کے حال اور اس کے قول کی طرف ترک توجہ کو بر سبیل استیناف بیان کیا گیا اور استیناف کا یہ اچھا عمل ہے۔ قرآن شریف میں مواقع استیناف بکثرت ہیں۔

۲۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس جملہ کو معترضہ قرار دیا جائے جو خاتمہ اغراض کے لیے حکمت کے سیاق پر لایا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ ان خیر من استاجرت القوی الامین (نقص)۔ (۳۷) اور شانی سے مراد عاص بن وائل ہے۔

۳۔ عاص کو اس صفت کے ساتھ ذکر کیا اور نام کے ساتھ ذکر نہ کیا۔ تاکہ یہ متبادل و شامل ہو اس شخص کو جو دین حق کی مخالفت میں عاص کی مانند ہو۔

۴۔ اس جملے کے شروع میں حرف تاکید لایا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھ عاص نے کہا جھوٹ ہے۔ اور محض تعنت و عناد کا نتیجہ ہے۔ اسی واسطے اس کو شافی کہا گیا۔

۵- خبر معرفہ لائی گئی ہے تاکہ عدوشانی کے لیے تتر بدرجہ کمال ثابت ہو۔ گویا کہ وہ جہود ہے۔ جس کو صنوبر کہا جائے۔ پھر یہ سورت باوجود علوم مطلع و تمام مقطع کے اور باوجود نکات جلیلہ سے پُر ہونے اور محاسن کثیرہ کے جامع ہونے کے اس تصنع سے خالی ہے۔ جس سے انسان اپنے خصم کو سہاکت و مغلوب کر لیتا ہے۔ انتہی۔

ان تمام امور کے علاوہ اس سورت میں کی تین آیتوں میں چار پیشین گوئیاں ہیں جو پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔

آیہ یارض ابلعی مآنک کی خارق عادت فصاحت کی طرف پہلے اشارہ آچکا ہے۔ علامہ کرمانی (۳۹) کی کتاب عجائب میں ہے کہ معاندین نے عرب و عجم کے تمام کلام ڈھونڈ مارے، مگر کوئی کلام فصاحت الفاظ، حسن نظم، جودت معانی اور ایجاز میں اس کی مثل نہ پایا۔ اور اس امر پر متفق ہو گئے کہ انسانی طاقت اس آیت کی مثل لانے سے قاصر ہے۔ ابن ابی الاصبیح (۴۰) کا قول ہے کہ میں نے کلام انسانی میں اس آیت کی مثل نہیں دیکھا۔ اس میں سترہ لفظ ہیں اور بیس بدائع ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

۱-۲ ابلعی اقلعی میں مناسبت تامہ ہے۔

۳-۳ ابلعی اقلعی میں استعارہ ہے۔

۵- ارض و سما میں طباق (۴۱) ہے۔

۶- یسماء میں مجاز ہے کیوں کہ حقیقت یا مطر السماء ہے۔

۷- وغیض السماء میں اشارہ (۴۲) ہے۔ کیونکہ اس کی کئی معانی سے تعبیر کی گئی ہے۔ اس لیے کہ پانی خشک نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں تک کہ آسمان کا مینہ تھم جائے۔ اور زمین پانی کے ان چشموں کو نگل جائے جو اس سے نکلتے ہیں۔ تب سطح زمین کا پانی کم ہو جائے۔

۸- واستوت میں صنعت ارداف ہے کیونکہ اس کی حقیقت جلست ہے۔ پس اس لفظ سے اس کے مرادف کی طرف عدول کیا گیا۔ اس واسطے کہ استواء میں اشعار ہے جلوس متمکن کا جس میں کوئی کجی نہ ہو۔ یہ معنی لفظ جلوس سے ادا نہیں ہوتے۔

۹- وقعی الامر میں تمثیل (۴۳) ہے۔

۱۰- اس آیت میں تعلیل (۴۴) ہے۔ کیوں کہ غیض السماء استواء کی علت ہے۔

۱۱- اس میں صحت تقسیم ہے۔ نقص کی حالت میں جو پانی کے اقسام ہیں وہ سب اس میں مذکور ہیں۔ کیوں کہ اس کی صرف یہی قسمیں ہیں۔ آسمان کے پانی کا تھم جانا، زمین سے نکلنے والے پانی کا بند ہو جانا اور سطح زمین کے پانی کا خشک ہو جانا۔

۱۲- اس میں احتراس (۴۵) فی الدعاء ہے۔ تاکہ یہ وہم نہ گزرے کہ غرق اپنے عموم کے سبب سے اس کو شامل ہے۔ جو مستحق ہلاک نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا عدل اس سے مانع ہے کہ غیر مستحق پر دعائے بد کرے۔

۱۳- اس میں حسن (۴۶) النسق ہے۔ کیوں کہ اس میں بعض جملے پر واو عطف کے ساتھ اس ترتیب سے معطوف ہیں جو بلاغت کا مقتضاء ہے۔ چنانچہ پہلے زمین پر سے پانی کا ناپید ہونا ذکر کیا گیا۔ جس پر کشتی والوں کا غایت مقصود (کشتی کی قید سے نجات) موقوف ہے پھر آسمان پر پانی کا کھم جانا بیان ہوا کہ جس پر یہ سب یعنی کشتی سے نکلنے کے بعد کی اذیت کا دور کرنا اور زمین پر کے پانی کا پراگندہ ہو جانا موقوف ہے پھر ان ہر دو مادوں کے بند ہونے کے بعد پانی کے دور ہو جانے کی خبر دی۔ جو یقیناً ان سے متاخر ہے۔ پھر قضائے امر کی خبر دی۔ یعنی جس کا ہلاک ہونا مقدر تھا اس کے ہلاک ہونے کی اور جس کا بچنا مقدر تھا اس کے نجات پانے کی خبر دی۔ یہ امر ما قبل سے متاخر کیا گیا۔ کیوں کہ کشتی والوں کو یہ کشتی سے نکلنے کے بعد معلوم ہوا اور ان کا نکلنا ما قبل پر موقوف تھا پھر کشتی کے استقرار کی خبر دی جو اضطراب و خوف دور ہونے کا افادہ کرتی ہے۔ پھر ظالموں پر بددعا کرنے پر ختم کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ طوفان تو روئے زمین پر تھا مگر غرق ہونا صرف مستحقین عذاب پر شامل تھا۔

۱۴- اس میں اختلاف اللفظ مع المعنی ہے یعنی الفاظ معنی مقصود کے مناسب لائے گئے ہیں۔

۱۵- اس میں ایجاز (۴۷) ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام قصہ نہایت ہی مختصر عبارت میں بیان فرما دیا۔

۱۶- اس میں تسہیم (۴۸) ہے۔ کیوں کہ آیت کا اول اس کے آخر پر دلالت کرتا ہے۔

۱۷- اس میں تہذیب (۴۹) ہے۔ کیوں کہ اس کے مفردات صفات حسن سے متصف ہیں۔ ہر لفظ کے حروف مخارج سہل ہیں۔ اور ان پر فصاحت کی رونق ہے۔ اور بشاعت و عقارت سے خالی ہیں۔

۱۸- اس میں حسن بیان ہے۔ کیوں کہ سامع کو اس کے معنی سمجھنے میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں اسی سے وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

۱۹- اس میں تمکین (۵۰) ہے۔

۲۰- اس میں انسجام (۵۱) ہے۔

علامہ سیوطی اتقان میں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اعتراض (۵۲) بھی ہے یعنی تین

جملے معترضہ لائے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ وغیض الماء وقضی الامر۔ واستوف علی الجودی۔ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ امر دونوں کے درمیان واقع ہوا۔ علاوہ ازیں اس میں اعتراض ہے کیوں کہ قحی الامر۔ غیض اور استوف کے درمیان واقع ہے۔ اس لیے کہ استواء غیض کے بعد حاصل ہوا۔

ایجاز کی مثال ولکم فی القصاص حیوة ہے اس سے پہلے یہ مقولہ ضرب المثل تھا۔ اقتل انفی للقتل۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس مثل کا استعمال متروک ہو گیا۔ اس آیت کی ترجیح مثل مذکور پر بوجہ ذیل ظاہر ہے۔

۱- آیت میں مثل کی نسبت ایجاز ہے۔ جو مدوح ہے۔ کیوں کہ القصاص حیوة کے حروف دس ہیں۔ اور اقتل انفی للقتل کے چودہ (۵۳) ہیں۔

۲- قتل کی نفی حیات کو مستلزم نہیں۔ اور آیت حیات کے ثبوت پر نص ہے۔ جو مطلب اصلی ہے۔

۳- حیات کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے۔ جیسا کہ ولتجدانہم احرص الناس علی حیوة الایہ میں ہے۔ اور اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قصاص میں حیات متطاوہ ہے۔ مگر مثل میں یہ بات نہیں۔ کیوں کہ اس میں لام جنس کے لیے ہے۔ اسی واسطے مفسرین نے وہاں حیوة کی تفسیر بقاء سے کی ہے۔

۴- آیت میں تعظیم ہے اور مثل میں نہیں۔ کیوں کہ ہر قتل انفی للقتل نہیں۔ بلکہ بعض قتل (اور وہ قتل ظلما ہے) موجب قتل ہوتا ہے۔ اس کا (یعنی قتل ظلما کا) نافی ایک خاص قتل ہے۔ اور وہ قصاص ہے۔ جس میں ہمیشہ حیات رہے۔

۵- مثل میں لفظ قتل دو بار آیا ہے۔ اور آیت اس تکرار سے خالی ہے۔ اور تکرار سے خالی افضل ہے اس سے جس میں تکرار پائی جائے خواہ وہ تکرار نخل فصاحت نہ ہو۔

۶- آیت میں مخذوف نکالنے کی حاجت نہیں۔ مگر مثل میں ہے۔ کیوں کہ اس میں فعل تفصیل کے بعد من اور اس کا ما بعد مخذوف ہے۔ اور قتل اول کے ساتھ قصاصاً اور قتل ثانی کے ساتھ ظلماً مخذوف ہیں اور تقدیر یوں ہے۔ اقتل قصاصاً انفی للقتل ظلماً من ترک۔

۷- آیت میں صنعت طباق ہے کیوں کہ قصاص کا حیات کی ضد ہونا شعر ہے مگر مثل میں ایسا نہیں۔

۸- آیت ایک فن بدیع پر مشتمل ہے۔ اور وہ دو ضدوں میں ہے ایک کا جو فنا و موت ہے دوسری کے لیے جو حیات ہے محل و مکان بنانا ہے۔ اور حیات کا موت میں پکڑنا بڑا مبالغہ ہے۔ جیسا کہ کشاف میں مذکور ہے۔ اور صاحب ایضاح نے اسے یوں تعبیر کیا ہے کہ فی کو قصاص پر داخل کر کے قصاص کو حیات کے لیے گویا منبع و معدن قرار دیا گیا ہے۔

- ۹- مثل میں پے در پے اسباب خفیہ (سکون بعد التحریک) ہیں۔ اور یہ امر کلمہ کی سلامت اور اس کے زبان پر جریان میں نقص ڈال دیتا ہے۔ جیسا کہ سواری جب ذرا سی حرکت کرے اور رک جائے۔ پھر حرکت کرے۔ پھر رک جائے تو ایسی سواری کی سواری اپنی مرضی کے موافق نہیں چلا سکتا۔ مگر آیت اس نقص سے پاک ہے۔
- ۱۰- مثل میں ظاہر تاقص ہے۔ کیوں کہ ایک شئی اپنی ہی ذات کے لیے منافی قرار دی گئی۔
- ۱۱- مثل میں قلقلہ قاف کا تکرار ہے۔ جو تنگی و شدت کا موجب ہے اور نون کا غنہ بھی ہے۔
- ۱۲- آیت حروف متلائمہ پر مشتمل ہے۔ کیوں کہ اس میں قاف سے صاد کی طرف خروج ہے۔ اور قاف حروف استعلاء سے ہے اور صاد حروف استعلاء و اطباق سے ہے۔ مگر مثل میں قاف سے تاء کی طرف خروج ہے۔ جو حرف منخفض ہے۔ اور وہ قاف کے ملائم نہیں۔ اسی طرح صاد سے حاء کی طرف خروج احسن ہے لام سے ہمزہ کی طرف خروج سے کیوں کہ کنارہ زبان اور اقصیٰ حلق میں بعد ہے۔
- ۱۳- صاد اور حاء اور تاء کے تلفظ میں حسن صوت۔ مگر قاف اور تاء کی تکرار میں یہ خوبی نہیں۔
- ۱۴- آیت لفظ قتل سے خالی ہے۔ جو مشعر وحشت ہے بخلاف لفظ حیات کے جو طبائع کو زیادہ مقبول و مرغوب ہے۔
- ۱۵- آیت میں لفظ قصاص کے ذکر سے جو مشعر مساوات ہے۔ عدل ظاہر ہوتا ہے۔ مگر مطلق قتل میں ایسا نہیں۔
- ۱۶- آیت اثبات پر مبنی ہے۔ اور مثل نفی پر مبنی ہے۔ اور اثبات اشرف ہے۔ کیوں کہ اثبات اول ہے۔ اور نفی اس سے دوسرے درجے پر ہے۔
- ۱۷- آیت کے معنی سنتے ہی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ مگر مثل کے معنی سمجھنے کے لیے پہلے القصاص صوالحیوۃ کے معنی سمجھنے درکار ہیں۔
- ۱۸- مثل میں فعل متعدی سے فعل تفضیل ہے۔ اور آیت اس سے خالی ہے۔
- ۱۹- صیغہ فعل اکثر اشتراک کا مقتضی ہوتا ہے۔ پس ترک قصاص قتل کا نافی نہ ہوگا۔ اور قصاص قتل کا زیادہ نافی ہوگا اور یہ درست نہیں۔ آیت اس نقص سے خالی ہے۔
- ۲۰- آیت قتل اور جرح دونوں سے روکنے والی ہے۔ کیوں کہ قصاص دونوں کے لیے ہوتا ہے۔ اور قصاص اعضاء میں بھی حیات ہے۔ کیوں کہ عضو کا قطع کرنا مصلحت حیات کو ناقص یا منقض کر دیتا ہے۔ اور بعض وقت جان تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مگر مثل میں یہ خوبی نہیں۔ کذافی الاتقان للسیوطی۔
- امثلہ مذکورہ بالا سے جو بطور مشتملہ نمونہ از خروارے بیان کی گئی ہیں۔ ناظرین قرآن مجید کی حارق

عادت فصاحت و بلاغت کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ ولی الذین امنوا یخرجہم من الظلمت الی النور۔ الآیہ کی فصاحت و بلاغت کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔ اور اس میں ایک سو بیس بدائع بیان کیے ہیں۔ بخوف تطویل اسے یہاں درج نہیں کیا گیا۔

دیگر معجزات کا بیان

اس فصل میں جو معجزات بطریق اختصار بیان ہوتے ہیں ان سے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی وسعت کا اندازہ بخوبی لگ سکتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخص خصائص اور اظہر معجزات میں سے یہ ہے۔
اسراء و معراج شریف: کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسراء و معراج کی فضیلت سے خاص کیا اور کسی دوسرے نبی کو اس فضیلت سے مشرف و مکرم نہیں فرمایا۔ اور جہاں تک آپ کو پہنچایا کسی کو نہیں پہنچایا۔ اور جو آیات و عجائبات آپ کو دکھائے۔ وہ کسی کو نہیں دکھائے (۵۵)۔

بدیدہ آنچہ از دیدن بروں بود!

میرس از ما ز کیفیت کہ چوں بود

بلکہ اگر تمام انبیاء کرام کے تمام فضائل یکجا جمع کیے جائیں تو ان کا مجموعہ ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایک فضیلت (یعنی معراج اور اس میں جو انوار و اسرار اور حب و قرب آپ کو حاصل ہوا) کے برابر نہ ہوگا۔

اسراء سے مراد خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک رات کو جانا ہے۔ اور معراج بیت المقدس سے آسمان کے اوپر تشریف لے جانے کا نام ہے۔ اسراء قرآن کریم سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرُکْنَا حَوْلَہٗ
 لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بنی اسرائیل: ۱۴)

”پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرد ہم نے برکتیں دی ہیں۔ تا کہ ہم اس کو اپنے چند عجائبات اور نشانیاں دکھلائیں۔ بے شک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا۔“

یہ آیت شریف اسراء کے ثبوت پر نص ہے۔ اور اس کا اخیر حصہ لنریہ من ایتنا معراج شریف

کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ تاکہ وہاں سے آسمانوں پر لے جا کر عجائب ملکوت و ربوبیت دکھلائے۔ کیوں کہ آیات کا دکھانا اور غایت کرامات و معجزات کا ظہور آسمانوں پر ہے صرف ان امور پر مقصود نہیں۔ جو مسجد اقصیٰ میں ظاہر ہوئے۔ مسجد اقصیٰ تک لے جانا تو اس کا مبداء ہے اور فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحی (سورہ نجم) میں بنا بر تحقیق منہائے معراج کا ذکر ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اسراء و معراج شریف ہر دو جسد مبارک کے ساتھ حالت بیداری میں ایک ہی رات وقوع میں آئے۔ جمہور صحابہ و تابعین و محدثین و فقہاء و متکلمین و صوفیائے کرام کا یہی مذہب ہے۔ اور یہی قرآن مجید سے ثابت ہے کیوں کہ آیہ کریمہ بحن الذی اسری بعبدہ میں لفظ عبد موجود ہے۔ اور عبد مجموعہ جسم و روح کو کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں جہاں کہیں کسی انسان کو کلمہ عبد سے تعبیر کیا ہے وہاں روح اور جسم دونوں مراد ہیں۔ مثلاً سورہ مریم میں:

ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدًا زَكِرِيَّا ۝

”یہ ذکر اس رحمت کا ہے جو پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔“

یہاں عبد سے یقیناً حضرت زکریا مع جسم و روح کے مراد ہیں۔ سورہ جن میں ہے:

وَ اِنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝

”جب اللہ کے بندے (محمد ﷺ) عبادت کے واسطے کھڑے ہوئے تو جن ان پر ٹوٹے

پڑتے ہیں (تاکہ قرآن شریف سنیں)۔“

اس طرح آیت زیر بحث میں عبد سے مراد جسم اقدس مع روح انور ہے۔ پس معراج جسمانی کا ثبوت اس آیت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ اور احادیث صحیحہ کثیرہ سے بھی جو حد تو اتر کو پہنچنے والی ہیں۔ یہی ثابت ہوتا ہے۔ فی الواقع اگر خواب میں ہوتا تو کفار انکار نہ کرتے۔ اور بعض ضعیف مومن فتنہ میں نہ پڑتے۔ کیوں کہ خواب میں تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ہم ایک لحظہ میں مشرقی میں ہیں۔ دوسرے لحظہ میں ہزاروں کوسوں پر مغرب میں ہیں۔ فلا سفہ اور دیگر عقل کے مقلد جو اعتراضات اس پر کرتے ہیں ان تمام کا جواب اسری بعبدہ (اپنے بندے کو رات کے وقت لے گیا) سے ملتا ہے۔ کیوں کہ لے جانے والا تو خدا ہے جو قادر مطلق اور جمیع نقائص سے پاک ہے۔ پس اگر وہ اپنے کامل بندے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سید ولد آدم ﷺ کو جسم اطہر کے ساتھ حالت بیداری میں رات کے ایک حصے میں خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک اور بیت المقدس سے آسمانوں کے اوپر جہاں تک چاہا لے گیا۔ تو اس میں کون سا استحالہ لازم آتا ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز (۵۶)۔

معجزہ شق القمر قرآن کریم کی آیت ذیل سے ثابت ہے:

شق القمر: اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۚ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (قمر: شروع)

”پاس آگئی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔ اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ڈال دیں اور کہیں۔ یہ جادو ہے چلا آتا۔“

پہلی آیت کا یہ مطلب ہے کہ قیامت قریب آگئی، اور دنیا کی عمر کا قلیل حصہ باقی رہ گیا۔ کیوں کہ شق القمر جو من جملہ علامات قیامت تھا وقوع میں آگیا۔ وانشق القمر سے مراد یہ ہے کہ شق القمر کا وقوع بالفعل حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں ہو چکا۔ اس معنی کی تائید حضرت حذیفہ کی قرأت سے ہوتی ہے۔ وقد انشق القمر۔ (اور حال یہ کہ چاند پھٹ چکا) کیوں کہ اس صورت میں یہ جملہ حال ہوگا۔ اور قیامت سے پہلے اقتراب ساعت اور وقوع انشقان میں مقارنت کا مقتضی ہوگا۔ اور اس معنی کی تائید ما بعد سے ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس کا مقتضایہ ہے کہ شق القمر ایک معجزہ ہے جسے کفار قریش نے دیکھا اور مال دیا۔ اور اس سے پہلے بھی وہ پے درپے معجزات دیکھ چکے تھے کہ اسے دیکھ کر سحر مستمر بتانے لگی۔ اسی معنی پر مفسرین کا اجماع ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں بصراحت تام یہ قصہ مذکور ہے کہ رات کے وقت کفار قریش نے حضور اقدس ﷺ سے کوئی نشان طلب کیا جو آپ ﷺ کی نبوت پر شاہد ہو۔ آپ ﷺ نے ان کو یہ معجزہ دکھلایا۔ اس معجزے کے راوی حضرت علی، ابن مسعود، حذیفہ، ابن عمر، ابن عباس، اور انس وغیرہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں سے پہلے چار صحابہ کرام نے تو پچشم خود دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے (۵۷) ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر تھا۔ یہ وہ معجزہ ہے کہ کسی دوسرے پیغمبر کے لیے وقوع میں نہیں آیا۔ اور بطریق تواتر ثابت ہے۔

سوال: کیا اہل مکہ کے سوا اور لوگوں نے بھی شق القمر دیکھا؟

جواب: اہل مکہ کے علاوہ اطراف سے آنے والے مسافروں نے بھی شق القمر کی شہادت دی۔

چنانچہ مسند (۵۸) ابوداؤد طیالسی (متوفی ۲۰۴ھ) میں بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند پھٹ گیا۔ کفار قریش نے دیکھ کر کہا کہ یہ ابو

کبشہ (۵۹) کے بیٹے کا جادو ہے۔ پھر وہ کہتے لگے کہ مسافر جو آئیں گے ان سے پوچھیں

گے۔ دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔ کیوں کہ (حضرت) محمد ﷺ کا جادو تمام لوگوں پر نہیں چل

سکتا۔ چنانچہ مسافر آئے اور انہوں نے کہا ”ہم نے بھی شق القمر دیکھا ہے“۔ اگر بالفرض

بعض جگہ چاند نظر نہ آیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اختلاف مطالع کے سبب بعض مقامات میں چاند کا طلوع ہونا ہی نہیں۔ اسی لیے چاند گرہن سب جگہ نظر نہیں آتا۔ اور بعض دفعہ دوسری جگہوں میں ابریا پہاڑ وغیرہ چاند کے آگے حائل ہو جاتا ہے۔

سوال: شق القمر حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں وقوع میں آیا۔ جسے اب تیرہ سو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں تو یہ کس طرح قرب قیامت کا نشان ہو سکتا ہے۔ جواب تک نہیں آئی؟

جواب: حضور اقدس ﷺ کا وجود مبارک اور آپ کی نبوت قرب قیامت کی علامات میں سے ہے۔ یعنی اس امر کا ایک نشان ہے کہ دنیا کی عمر کا اکثر حصہ گزر چکا ہے، اور بہت تھوڑا باقی رہ گیا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ آپ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”یعنی میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی مانند ہیں کہ جس قدر وسطی (درمیانی انگلی) سبابہ (شہادت کی انگلی) سے آگے ہے۔ قیامت سے پہلے میرا مبعوث ہونا بھی اسی کی مانند ہے کہ میں پہلے آ گیا ہوں اور قیامت میرے پیچھے آرہی ہے۔ جب آپ ﷺ کی نبوت قرب قیامت کی علامت ہوئی تو شق القمر کا بالفعل وقوع بھی جو آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ قرب قیامت کا نشان ٹھہرا۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ صہباء (۶۰) میں نبی ﷺ کی طرف رد الشمس: وحی آرہی تھی۔ اور آپ ﷺ کا سر مبارک حضرت علی کی گود میں تھا اس وجہ سے حضرت علی نے نماز عصر نہ پڑھی، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اور نبی ﷺ نے نماز عصر پڑھ لی تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا، کیا تم نے نماز عصر پڑھ لی؟ حضرت علی نے عرض کیا، نہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (۶۱)۔ یا اللہ یہ تیری اطاعت میں اور تیرے رسول ﷺ کی طاعت میں تھا تو اس کے لیے آفتاب کو واپس لا۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے آفتاب کو دیکھا کہ غروب ہو گیا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ غروب ہونے کے بعد نکل آیا۔ اور اس کی شعاع پہاڑوں اور زمین پر پڑی۔

رد الشمس کی طرح جس الشمس بھی آنحضرت ﷺ کے لیے وقوع میں آیا ہے۔ چنانچہ شب معراج کی صبح کو جب کفار قریش نے حضور ﷺ سے اپنے قافلوں کے حالات پوچھے تو آپ ﷺ نے ایک قافلہ کی نسبت فرمایا کہ وہ چار شنبہ کے دن آئے گا۔ قریش نے اس دن انتظار کیا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا اور وہ قافلہ نہ آیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ٹھہرا رکھا اور دن میں اضافہ کر دیا یہاں تک کہ وہ قافلہ آ پہنچا۔ (۶۲)

امام (۶۳) بیہتی نے دلائل البتوت میں روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مردوں کو زندہ کرنا: شخص کو دعوت اسلام دی۔ اس نے جواب دیا کہ میں آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتا۔ ہاں تک کہ میری بیٹی زندہ کی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اسکی قبر دکھا۔ اس نے آپکو ﷺ اپنی بیٹی کی قبر دکھائی تو آپ ﷺ نے اس لڑکی کا نام لیکر پکارا۔ لڑکی نے قبر سے نکل کر کہا، لبیک (۶۴) و حدیک۔ نبی ﷺ نے فرمایا کیا تو پسند کرتی ہے کہ دنیا میں تو پھر آجائے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! تم ہے اللہ کی، میں نے اللہ کو اپنے والدین سے بہتر پایا اور اپنے لیے آخرت کو دنیا سے اچھا پایا۔

حافظ ابو نعیم (۶۵) نے کعب بن مالک کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، اور آپ کا چہرہ متغیر پایا۔ اس لیے وہ اپنی بیوی کے پاس واپس آئے اور کہنے لگے۔ میں نے نبی ﷺ کا چہرہ متغیر دیکھا ہے۔ میرا گمان ہے کہ بھوک کے سبب سے ایسا ہے۔ کیا بے پاس کچھ موجود ہے؟ بیوی نے کہا، اللہ کی قسم! ہمارے پاس یہ بکری اور کچھ بچا ہوا توشہ ہے۔ پس میں نے بکری کو ذبح کیا اور اس نے دانے پیس کر روٹی اور گوشت پکایا۔ پھر ہم نے ایک پیالہ میں پید (۶۶) بنایا۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے جابر! قوم کو جمع کر۔ میں ان کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ان کو میرے پاس جدا جدا ماعتیں بنا کر بھیجتے رہو۔ اس طرح وہ کھانے لگے۔ جب ایک جماعت سیر ہو جاتی تو وہ نکل جاتی اور سری آتی۔ یہاں تک کہ سب کھا چکے۔ اور پیالے میں جتنا پہلے تھا اتنا ہی بچ رہا۔ رسول اللہ ﷺ راتے تھے۔ کھاؤ اور ہڈی نہ توڑو۔ پھر آپ ﷺ نے پیالے کے وسط میں ہڈیوں کو جمع کیا، ان پر اپنا بارک ہاتھ رکھا۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ کلام پڑھا۔ جسے میں نے نہیں سنا۔ ناگاہ وہ بکری کان جھاڑتی سی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ اپنی بکری لے جا۔ پس میں اپنی بیوی کے پاس آیا وہ بولی یہ کیا ہے؟ میں نے کہا، اللہ کی قسم یہ ہماری بکری ہے۔ جسے ہم نے ذبح کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے دعا لگی۔ پس اللہ نے اسے زندہ کر دیا۔ یہ سن کر میری بیوی نے کہا۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

غزوہ خیبر کے بعد سلام بن مشکم یہودی کی زوجہ نے بکری کا زہر آلود گوشت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا۔ آپ اس میں سے بازو اٹھا کر کھانے لگے وہ بازو بولا مجھ میں زہر ڈالا گیا ہے۔ وہ یہودیہ طلب کی گئی۔ تو اس نے اعتراف کیا کہ میں نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے۔ یہ معجزہ مردے کے زندہ کرنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیوں کہ یہ میت کے ایک جزو کا زندہ کرنا ہے۔ حالانکہ اس کا بقیہ جو اس سے منفصل تھا مردہ ہی تھا۔

آنحضرت ﷺ کے والدین کا آپ کی خاطر زندہ کیا جانا اور ان کا آپ پر ایمان لانا بھی بعض احادیث میں وارد ہے۔ علامہ سیوطی نے اس بارے میں کئی رسالے تصنیف کیے ہیں۔ اور دلائل سے اسے ثابت کیا ہے۔ جزاہ اللہ عننا خیر الجزاء۔

حضور اللہ ﷺ کے توسل سے بھی مردے زندہ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت انس (ؓ) (۶۷) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک جوان نے وفات پائی۔ اس کی ماں اندھی بڑھیا تھی۔ ہم نے اس جوان کو کفن دیا۔ اور اس کی ماں کو پرسہ دیا۔ ماں نے کہا، کیا میرا بیٹا مر گیا ہے۔ ہم نے کہا۔ ہاں۔ یہ سن کر اس نے یوں دعا مانگی۔ یا اللہ اگر تجھے معلوم ہے کہ میں نے تیری طرف اور تیرے نبی کی طرف اس امید پر ہجرت کی ہے کہ تو ہر مشکل میں میری مدد کرے گا۔ تو اس مصیبت کی مجھے تکلیف نہ دے۔ ہم وہیں بیٹھے تھے کہ اس جوان نے اپنے چہرے سے کپڑا اٹھا دیا اور کھانا کھایا۔ اور ہم نے بھی اس کے ساتھ کھایا۔ جن چیزوں کو رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک لگا، یا حضور کے استعمال میں آئیں، ان

انقلاب اعمیان: کی حقیقت و ماہیت بدل گئی۔ بغرض توضیح ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

ایک رات مدینہ منورہ کے لوگ ڈر گئے (گویا کوئی چور یا دشمن آتا ہے) آنحضرت ﷺ نے ابو طلحہ کا گھوڑا لیا جو ست رفتار تھا۔ اور اس پر بغیر زین کے سوار ہو کر اکیلے جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے بعد لوگ بھی سوار ہو کر اس کی طرف نکلے۔ آنحضرت ﷺ ان کو واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ڈرو نہیں، ڈرو نہیں“ اور گھوڑے کی نسبت فرمایا کہ ہم نے اسے دریا کی مانند تیز رفتار پایا۔ اس دن سے وہ گھوڑا ایسا چالاک بن گیا کہ کوئی دوسرا گھوڑا اس سے آگے نہ بڑھ سکتا تھا (۶۸)۔

حضرت ام مالک کے پاس ایک چمڑے کی کچی تھی۔ جس میں وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گھی بطور ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو نہ نچوڑنا۔ یہ فرما کر آپ ﷺ نے کچی ام مالک کو دے دی۔ وہ کیا دیکھتی ہیں کہ کچی گھی سے بھری ہوئی ہے ام مالک کے لڑکے آ کر نان خورش مانگتے تو وہ کچی میں گھی بدستور پاتیں۔ غرض وہ گھی اس طرح خرچ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک روز ام مالک نے کچی کو نچوڑا تو خالی ہو گئی۔ (۶۹)

ام اوس بہر یہ نے کچی میں گھی ڈال کر بطور ہدیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور کچی میں سے گھی نکالا لیا۔ اور ام اوس کے لیے دعائے برکت فرما کر کچی واپس کر دی۔ جب ام اوس نے دیکھا تو گھی سے بھری ہوئی پائی اسے خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ اس لیے وہ فریاد کرتی ہوئی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ حضور ﷺ کے ارشاد سے صحابہ کرام نے اس سے حقیقت حال بیان کر دی۔ ام اوس اس کچی میں سے آنحضرت ﷺ کی بقیہ عمر شریف اور

خلافت صدیقی و فاروقی و عثمانی میں گھی کھاتی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت علی و امیر معاویہ کے درمیان جنگ وقوع میں آئی۔ (۷۰)

حضرت عبدالرحمن بن زید بن خطاب قرشی بھی کوتاہ قد پیدا ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی اس کا یہ اثر ہوا کہ عبدالرحمن جب کسی قوم میں ہوتے تو قد میں سب سے بلند نظر آتے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

ایک روز آنحضرت ﷺ نماز عشاء کے لیے نکلے۔ رات اندھیری تھی اور بارش ہو رہی تھی۔ آپ نے حضرت قتادہ بن نعمان انصاری کو دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا، میں نے خیال کیا کہ نمازی کم ہوں گے اس لیے میں نے چاہا کہ جماعت میرے شامل ہو جاؤں آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر حضرت قتادہ کو کھجور کی ایک ڈالی دی۔ اور فرمایا کہ یہ ڈالی دس ہاتھ تمہارے آگے اور دس ہاتھ پیچھے روشنی کرے گی۔ جب تم گھر پہنچو تو اس میں ایک سایہ شکل دیکھو گے۔ اس کو مار کر نکال دینا۔ کیوں کہ وہ شیطان ہے۔ جس طرح حضور نے فرمایا، ویسا ہی ظہور میں آیا۔ (۷۲)

جنگ بدر میں حضرت عکاشہ بن نجح کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے۔ حضور نے ان کو ایک لکڑی عنایت فرمائی۔ جب عکاشہ نے ہاتھ میں لے کر ہلائی تو وہ ایک سفید مضبوط تلوار بن گئی جس سے وہ جنگ کرتے رہے۔ اس تلوار کا نام عون تھا۔ حضرت عکاشہ اسی کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبر کے عہد میں ایام الردۃ میں شہید ہو گئے۔ (۷۳)

جنگ احد میں حضرت عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک کھجور کی شاخ عنایت فرمائی۔ وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ جس کے ساتھ وہ جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اس تلوار کو عرجون کہتے تھے۔ (۷۴)

آنحضرت ﷺ نے ایک پانی مشکیزہ لیا۔ اس کا منہ باندھ کر دعا فرمائی اور صحابہ کرام کو عطا فرمایا۔ جب نماز کا وقت آیا، تو انہوں نے اسے کھولا، کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں بجائے پانی کے تازہ دودھ ہے۔ اور اس کے منہ پر جھاگ آرہی ہے۔ (۷۵)

حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کے لیے جو کھجور کے پیڑ اپنے دست مبارک سے لگائے تھے وہ ایک ہی سال میں پھل لائے۔ بانجھ بکری کے تھنوں پر آپ کا دست مبارک پھر گیا، وہ دودھ دینے لگی۔ گنجه کے سر پر دست شفا پھیرا تو اسی وقت بال اُگ آئے۔ اس قسم کی برکات کا ذکر حضور کے حلیہ شریف کے بیان میں آچکا ہے۔

معرض بن معقیب یمانی سے روایت ہے کہ میں نے حجۃ الوداع بچوں کی شہادت (گواہی): کیا۔ اور مکہ میں ایک گھر میں داخل ہوا۔ میں نے اس میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ آپ سے ایک عجیب امر دیکھنے میں آیا۔ اہل یمامہ میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں بچہ لایا جو اسی دن پیدا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا اے بچے! میں کون ہوں؟ وہ بولا، آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا۔ اللہ تجھے برکت دے۔ پھر اس کے بعد اس بچے نے کلام نہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہو گیا۔ ہم اسے مبارک الیمامہ (۷۵) کہا کرتے تھے۔

حضرت شمر بن عطیہ نے اپنے بعض شیوخ سے روایت کی ہے (۷۶) کہ ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں ایک لڑکائی جو جوان ہو گیا تھا۔ اس نے کہا، میرے اس بیٹے نے جب سے پیدا ہوا کلام نہیں کیا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکے سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت فدیک بن عمرو السلامانی رضی اللہ عنہ کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئی تھیں۔ اور وہ بیماروں کو شفا دینا: کچھ نہ دیکھ سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دم کر دیا۔ وہ ایسے بیٹا ہو گئے کہ اسی برس کی عمر میں سوئی میں دھاگہ ڈال سکتے تھے۔ (۷۶)

امام رازی رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاذ بن عفراء کی بیوی کو برص کی بیماری تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اپنا عصا مبارک اس کے بدن پر پھیر دیا۔ اسی وقت مرض جاتا رہا۔

حضرت ابو سبرہ کے ہاتھ میں ایک ایسی گلٹی تھی کہ اونٹ کی مہار نہ پکڑ سکتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ایک تیر منگوایا اور گلٹی پر پھیر دیا۔ وہ فوراً جاتی رہی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے سر پر اور چہرے پر ورم ہو گیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست شفاء کپڑے پر سے ان کے چہرے اور سر پر رکھا اور دعا فرمائی۔ اسی وقت ورم جاتا رہا (۷۷) حضرت حبیب بن یساف ذکر کرتے ہیں کہ میں ایک غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ میری گردن پر ایک ضرب شدید ایسی لگی کہ میرا بازو ٹلک پڑا۔ میں حضور کے پاس آیا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا اور بازو کو اس کی جگہ پر چسپاں کر دیا، وہ فوراً اچھا ہو گیا۔ پھر میں نے اسے قتل کر دیا۔ جس نے مجھے ضرب شدید لگائی تھی (۷۸)۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر داڑھ کے درد کی شکایت کی آپ نے اپنا مبارک ہاتھ ان کے رخسار کی جگہ پر رکھا جہاں درد تھا اور دعا فرمائی۔ ابھی آپ

نے دست شفا وہاں سے نہ اٹھایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔

حضرت جبرہد بانیس ہاتھ سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ انہوں نے عرض کیا دائیں ہاتھ میں کچھ شکایت ہے جس کے سبب سے نہیں کھایا جاتا۔ حضور نے اس ہاتھ پر دم کر دیا۔ حضرت جبرہد کو پھر عمر بھر یہ شکایت نہ ہوئی (۷۹)۔

عنوان بالا کے متعلق اور مثالیں حلیہ شریف میں دہان مبارک اور لعاب مبارک اور دست مبارک کے تحت میں مذکور ہو چکی ہیں۔ جن کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے دن ہم خندق کھود رہے طعام قلیل کو کثیر بنا دیا: تھے۔ ایک سخت زمین ظاہر ہوئی۔ صحابہ کرام نبی ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی کہ خندق میں سخت زمین پیش آگئی ہے۔ آپ نے فرمایا میں خندق میں اترتا ہوں۔ پھر آپ کھڑے ہوئے (حالانکہ بھوک کی شدت سے آپ کے شکم پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ اور ہم نے بھی تین دن سے کچھ نہ چکھا تھا) حضور ﷺ نے کدال لی اور ماری۔ وہ سخت زمین ریگ رداں کا ایک ڈھیر بن گئی۔

میں نبی ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر اپنی بیوی کے پاس آیا اور اس سے کہا۔ کیا تیرے پاس کھانے کوئی چیز ہے۔ میں نے نبی ﷺ میں سخت بھوک کی علامت دیکھی ہے۔ میری بیوی نے ایک تھیلی نکالی۔ جس میں ایک صاع جو تھے۔ ہمارے ہاں گھر میں پلا ہوا ایک بکری کا بچہ تھا۔ میں نے اسے ذبح کیا۔ میری بیوی نے جو پیس لیے۔ ہم نے گوشت دیگ میں ڈال دیا۔ پھر میں نبی ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اور چپکے سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے۔ اور میری بیوی نے ایک صاع جو پیسے ہیں۔ آپ مع چند صحابہ کے تشریف لائیں۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے آواز دی، اے اہل خندق! جابر نے ضیافت تیار کی ہے، جلدی آؤ۔ پھر نبی ﷺ نے مجھے فرمایا۔ تم میرے آنے تک دیگ نہ اتارنا۔ اور خمیر کونہ پکانا جب آپ تشریف لائے تو میری بیوی نے آپ کے سامنے خمیر نکالا۔ آپ نے اس میں اپنے دہن مبارک کا لعاب ڈال دیا اور دعائے برکت فرمائی۔ پھر ہماری دیگ کی طرف آئے اس میں بھی لعاب مبارک ڈال دیا اور دعائے برکت فرمائی پھر میری بیوی سے فرمایا۔ روٹی پکانے والی کو بلا کہ تیرے ساتھ روٹی پکائے اور تو اپنی دیگ میں سے کفگیر سے گوشت نکالنا۔ اور دیگ کو چولھے پر سے نہ اتارنا۔ راوی کا بیان ہے کہ اہل خندق جو ایک ہزار تھے۔ اللہ کی قسم! سب کھا چکے۔ یہاں تک کہ اسے باقی چھوڑ گئے۔ مگر دیگ اسی طرح جوش مار رہی تھی۔ اور خمیر اسی طرح پکایا جا رہا تھا (۸۰)۔

قصہ مذکورہ بالا میں روایت احمد و نسائی میں ہے کہ جب حضرت نے اس سخت پتھر پر بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو اس کی ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئیں۔ اللہ

کی قسم! میں اس وقت شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے دوسری کدال ماری تو دوسری تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں۔ خدا کی قسم! میں اس وقت مدائن کسریٰ کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری بال کدال ماری تو باقی تہائی بھی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں۔ خدا کی قسم! میں اس وقت یہاں سے ابواب صنعاء کو دیکھ رہا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے دن لوگوں کو بھوک لگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ان کو حکم دیں کہ جس کے پاس بچا ہو تو شہ ہے لے آئے۔ پھر آپ اس پر دعائے برکت فرمائیں آپ نے منظور فرمایا۔ اور چمڑے کا فرش طلب کیا وہ بچھا دیا گیا تو آپ نے صحابہ کرام کا بچا ہو تو شہ طلب فرمایا۔ کوئی چنے کی مٹھی لا رہا تھا۔ کوئی چھوڑا ہوا مٹھی بھرے آ رہا تھا۔ کوئی روٹی کا ٹکڑا لا رہا تھا۔ یہاں تک کہ فرش پر تھوڑا سا تو شہ جمع ہو گیا۔ پس رسول اکرم ﷺ نے دعائے برکت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ اپنے برتنوں میں ڈال کر لے جاؤ۔ چنانچہ لوگ اپنے برتنوں میں لے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے لشکر میں کوئی برتن نہ چھوڑا جسے بھرانہ ہو (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ تمام لشکر (۸۱) نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اور بیچ بھی رہا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں اس امر کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور اس امر کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دو شہادتوں میں شک نہ کرنے والا کوئی بندہ اللہ سے نہ ملے گا کہ وہ بہشت سے روک دیا جائے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم ایک سو تیس شخص تھے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس طعام ہے۔ ایک شخص کے پاس ایک صاع طعام نکلا۔ وہ گوندھا گیا۔ پھر ایک مشرک دراز قد ژولیدہ مو بکریاں ہانکتا آیا۔ آپ نے اس سے ایک بکری خریدی (۸۲)۔ اسے ذبح کیا گیا۔ اور آپ کے حکم سے اس کا کلیجہ بھونا گیا۔ آپ نے اس کلیجہ کی ایک ایک بوٹی سب کو دی۔ پھر گوشت دو پیالوں میں ڈال دیا۔ سب نے سیر ہو کر کھایا اور دونوں پیالے بھرے کے بھرے بیچ رہے ہم نے بچے ہوئے کھانے کو اونٹ پر رکھ لیا۔ واضح رہے کہ اس قصہ میں دو معجزے ہیں ایک تکثیر کلیجہ دوسرے تکثیر صاع و گوشت۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھوک کی شدت سے کبھی اپنے پیٹ کو زمین سے لگایا کرتا تھا۔ اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔ ایک دن میں اس راستے میں بیٹھ گیا۔ جہاں سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام گزرا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پاس سے گزرے میں نے ان سے قرآن کی آیت پوچھی تاکہ آپ میرا پیٹ بھر دیں۔ مگر انہوں نے کچھ توجہ نہ کی اور گزر گئے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ میں نے ان سے بھی ایک آیت پوچھی۔ مگر انہوں نے بھی کچھ توجہ نہ کی اور گزر

گئے۔ اس کے بعد حضرت ابو القاسم ﷺ پاس سے گزرے۔ تو میری حالت کو دیکھ مسکرائے اور فرمایا کہ میری پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ آپ دولت خانہ میں تشریف لے گئے تو ایک پیالہ میں کچھ دودھ دیکھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ دودھ کیسا ہے؟ جواب ملا کہ ہدیہ ہے۔ مجھ سے فرمایا کہ اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ کے پاس صدقہ آتا تو اسے اہل صفہ کے لیے بھیج دیتے اور اس میں سے خود کچھ نہ کھاتے۔ اگر ہدیہ آتا تو اہل صفہ کو بلا کر اس میں شریک کر لیتے۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ اتنے دودھ سے اہل صفہ کو کیا ہوگا۔ اس کا تو میں ہی زیادہ مستحق تھا۔ مگر ارشاد تعمیل سے چارہ نہ تھا۔ میں ان سب کو بلا لایا۔ آپ نے مجھے وہ پیالہ دیا اور فرمایا کہ ان کو پلاؤ۔ میں ایک ایک کو پلاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ سب سیر ہو گئے۔ آپ نے پیالہ لے کر اپنے دست مبارک پر رکھا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ پھر فرمایا، ابو ہریرہ میں اور تم دونوں باقی ہیں۔ میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ آپ نے سچ فرمایا۔ آپ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ اور پیو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر فرمایا اور پیو۔ میں نے پھر پیا۔ اسی طرح آپ فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے عرض کیا کہ اب پیٹ میں گنجائش نہیں۔ بعد ازاں باقی آپ نے پی لیا (۸۳)۔

حضرت (۸۴) جابر ذکر کرتے ہیں کہ ایک بدوی نے آنحضرت ﷺ سے طعام کا سوال کیا۔ حضور نے اسے آدھا سبق جو عنایت فرمائے۔ وہ اور اس کی بیوی اور اس کے مہمان ان کو کھاتے رہے (اور وہ کم نہ ہوئے) یہاں تک کہ ایک روز اس نے ان کو ماپ لیا (تو وہ کم ہونے لگے) اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ان کو نہ ماپتا تو عمر بھر کھاتے رہتے۔ اور وہ کم نہ ہوتے۔

حضرت (۸۵) انس بن مالک کا بیان ہے کہ ابو طلحہ (والد انس) نے ام سلیم (والدہ انس) سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ میں بھوک کی شدت سے ضعف کے آثار دیکھے ہیں۔ کیا گھر میں کچھ ہے۔ ام سلیم نے جوئی چند روٹیاں کپڑے میں لپیٹ کر میرے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجیں۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ مع اصحاب مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ام سلیم کے گھر چلو۔ میں گھر میں پہلے پہنچ گیا۔ اور ابو طلحہ سے صورت حال بیان کر دی۔ ابو طلحہ نے راستے میں رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا۔ جب حضور گھر میں داخل ہوئے تو ام سلیم سے فرمایا کہ ما حاضر لے آؤ۔ آپ ﷺ کے ارشاد سے روٹیوں کے ٹکڑے کر کے ان میں کچھ گھی ڈال دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور اصحاب میں سے دس کو طلب کیا۔ وہ سیر ہو گئے تو پھر اور دس کو طلب کیا۔ اسی طرح ستر یا اسی اصحاب نے سیر ہو کر کھایا۔

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میں چند کھجوریں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا۔ میں نے

عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ان میں دعائے برکت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے دست مبارک میں لے کر دعائے برکت فرمائی۔ اور فرمایا کہ لو۔ ان کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو۔ جس وقت ان میں سے کچھ لینا چاہو تو ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرنا اور توشہ دان کو نہ جھاڑنا۔ ہم نے ان میں سے اتنے اتنے وقت (۸۶) راہ خدا میں دے دیئے۔ خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے رہے۔ وہ توشہ دان میری کمر سے جدا نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمان کی شہادت کا دن آیا تو وہ گم ہو گیا (۸۷)۔

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَ لِي هَمٌّ بَيْنَهُمْ هَمُّ الْجَرَابِ وَ هَمُّ الشَّيْخِ عُثْمَانَ۔
 ”لوگوں کو ایک غم ہے اور مجھے دو غم ہیں توشہ دان کے گم ہونے کا غم اور حضرت عثمان کے شہید ہونے کا غم۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کا بیان ہے کہ میرے والد احد کے دن شہید ہو گئے۔ اور چھ لڑکیاں اور بہت سا قرض چھوڑ گئے۔ جب کھجوروں کے توڑنے کا وقت آیا میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے۔ میرے باپ احد کے دن شہید ہو گئے اور بہت سے قرض چھوڑ گئے میں چاہتا ہوں کہ قرض خواہ آپ کی زیارت کریں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جاؤ اور ہر ایک قسم کی کھجوروں کا الگ الگ ڈھیر لگا دو۔ میں نے تعمیل ارشاد کی اور آپ کو بلانے آیا جب قرض خواہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو مجھے اور تنگ کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین بار پھرے پھر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ قرض خواہوں کو بلاؤ۔ آپ ﷺ ماپ کر ان کو دیتے رہے یہاں تک کہ میرے باپ کی امانت اللہ نے ادا کر دی۔ میں اسی پر راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کی امانت ادا کر دے۔ خواہ میری بہنوں کے لیے ایک کھجور بھی نہ بچے۔ مگر اللہ کی قسم وہ تمام ڈھیر سالم رہے۔ میں نے اس ڈھیر کو دیکھا جس پر رسول اللہ ﷺ تشریف رکھتے تھے۔ اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی تھی (۸۸)۔

تکثیر طعام کی طرح حضور ﷺ کی دعا و برکت سے قلیل پانی کا کثیر ہو جانا بھی بہت سی احادیث میں آیا ہے۔ اس قسم کا تکثیر طعام اور تکثیر آب جناب سید کائنات علیہ الوفا والصلوٰۃ کے مربی اور ولی نعم ہونے کا اثر ہے۔ کیوں کہ جس طرح حضور انور ﷺ بحسب روحانیت قلوب و ارواح کے مربی و مکمل ہیں۔ عالم جسمانیت میں ابدان و اشباہ کے پرورش فرمانے والے بھی ہیں (۸۹)۔

شکر فیض تو چمن چوں کدائے ابر بہار کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردہ تست
 شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ الملمعات میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز میں صفا و مروہ کے درمیان بازار میں سے گزر رہا تھا۔ وہاں میں نے ایک سبزی بیچنے والے کو دیکھا کہ سبزی پر پانی چھڑک

رہا ہے اور یوں کہہ رہا ہے۔

يَا بَرَكَةَ النَّبِيِّ تَعَالَى وَ أَنْزِلِي نُمَّ لَا تَرْتَحِلِيْ-

”اے نبی کی برکت آ اور میرے مکان میں اتر۔ پھر کوچ نہ کر۔“

حضور اقدس ﷺ کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ جو دعا فرماتے وہ اجابت دعا: بارگاہ رب العزت میں قبول ہوتی۔ یہ باب نہایت وسیع ہے۔ نظر بر اختصار صرف چند مثالیں درج کی جاتی ہیں (۹۰)۔

حضرت انس بن مالک کی ماں نے حضور کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! انس آپ ﷺ کا ادنیٰ خادم ہے۔ اس کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ پس آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی ”یا اللہ! تو اس کا مال و اولاد زیادہ کر۔ اور جو نعمت تو نے اسے دی ہے اس میں برکت دے۔“ ایک روایت یہ بھی ہے کہ تو اس کی عمر زیادہ کر اور بہشت میں میرا رفیق بنا۔ یہ دعا ایسی مقبول ہوئی کہ حضرت انس کے باغ میں کھجوروں کے درخت سال میں دو دفعہ پھل دیتے۔ ان کی اولاد سو سے زیادہ تھی۔ ایک کم سو برس کی عمر پائی۔ اخیر عمر میں فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ حسب دعائے جناب مصطفیٰ ﷺ میں بہشت میں آپ کا رفیق بھی ہوں گا۔

اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ اللہ تجھے برکت دے۔ اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمن کو تجارت میں اس قدر نفع دیا کہ جب ۳۱ھ میں انہوں نے وفات پائی تو ان کے ترکہ کا سونا کلہاڑیوں سے کھودا گیا۔ یہاں تک کہ کثرت کار سے ہاتھ زخمی ہو گئے اور ان کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو اسی ہزار دینار ملے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ایک ہزار گھوڑے اور پچاس ہزار دینار فی سبیل اللہ خیرات کر دیئے جائیں۔ یہ تمام علاوہ ان صدقات کے تھا جو انہوں نے اپنی زندگی میں کیے۔ چنانچہ ایک روز تیس غلام آزاد کیے۔ ایک مرتبہ سات سو اونٹوں کا رواں مع مال و اسباب تصدق کر دیا۔ ایک دفعہ اپنا آدھا مال راہِ خدا میں دے دیا۔ پھر چالیس ہزار دینار، پھر پانچ سو گھوڑے، پھر پانچ سو اونٹ تصدق کیے۔

جنگ احد میں حضرت سعد بن ابی وقاص جناب رسول اکرم ﷺ کے آگے بیٹھے ہوئے تیر چلا رہے تھے۔ اور یوں کہہ رہے تھے۔ ”یا اللہ! یہ تیرا تیر ہے۔ اس سے تو اپنے دشمن کو ہلاک کر۔“ اور حضور فرما رہے تھے۔ ”یا اللہ اس کا نشانہ درست کر دے اور اس کی دعا قبول کر لے۔“ آپ ﷺ کی دعا سے حضرت سعد مستجاب الدعوات بن گئے جو دعا کرتے قبول ہوتی اور جو تیر پھینکتے وہ کبھی خطانہ جاتا۔

اسی طرح حضور ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ! اسلام کو عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام (ابو

جبل) کے ساتھ عزت دے۔ یہ دعا حضرت عمر کے حق میں قبول ہوئی۔ وہ ایمان لائے اور اس دن سے اسلام کو عزت و غلبہ حاصل ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس کے حق میں حضور ﷺ نے دعا کی تھی کہ ”یا اللہ اس کو دین میں فقیہ بنا دے“۔ اس دعا کی برکت سے حضرت ابن عباس رئیس المفسرین اور حیر الامت بن گئے۔

ایک روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری اس دعا کے تمام ہونے تک اپنا کپڑا بچھائے رکھے گا، وہ میری احادیث میں سے کبھی کچھ نہ بھولے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک کملی کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا۔ میں نے کملی ہی بچھادی۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی دعا تمام کی۔ پھر میں نے اپنی کملی لپیٹ کر اپنے سینے سے لگا دی۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے کہ میں آپ کی احادیث کو آج تک نہیں بھولا۔ (۹۱)

جب حضرت طفیل بن عمرو دوسی آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر اسلام لائے تو انہوں نے یوں عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ ﷺ! میری قوم اطاعت کرتی ہے۔ میں اس کے پاس جاتا ہوں اور اس کو دعوت اسلام دیتا ہوں آپ ﷺ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی نشانی عطا کرے۔ جو ان کے برخلاف میری معاون ہو“۔ حضور نے دعا فرمائی کہ ”یا اللہ! اس کے لیے ایک نشانی پیدا کر دے“۔ یہ سن کر میں اپنی قوم کی طرف آیا۔ جب میں گھاٹی کدار میں پہنچا تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان ایک چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہوا۔ میں نے دعا کی۔ یا اللہ! اس نور کو میری پیشانی کے سوا کسی اور جگہ پیدا کر دے۔ کیوں میں ڈرتا ہوں کہ میری قوم اس کو میری پیشانی میں مثلہ خیال کرے گی۔ پس وہ نور میرے چابک کے سرے پر لگتی ہوئی قندیل کی طرح ہو گیا۔ پھر میں نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی مگر وہ ایمان نہ لائے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قبیلہ دوس نے میری اطاعت سے انکار کر دیا ہے۔ آپ ان پر بددعا فرمائیں۔ آپ نے بجائے بددعا کے دعائے ہدایت فرمائی۔ اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو نرمی سے دعوت اسلام دو۔ میں تعمیل ارشاد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لے آئے۔ پھر میں اپنی قوم کے ستر یا اسی اشخاص کے ساتھ جو ایمان لائے تھے خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مگر وہ قبول نہیں کرتیں۔ آپ ﷺ دعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر دعا فرمائی۔ اور وہ ایمان لائی۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔

حضرت نابغہ (نابغہ بنی جعدہ) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعر سنایا۔ آپ نے

پسند فرمایا اور میرے حق میں یوں دعا فرمائی۔ ”اللہ تیرا دانت نہ گرائے“ حضرت نابغہ کی عمر سو سال سے زائد ہو گئی۔ مگر آپ کا کوئی دانت نہ گرا۔

حضرت ثابت بن زید نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرا ایک پاؤں لنگڑا ہے۔ زمین پر نہیں لگتا۔ حضور ﷺ نے میرے حق میں دعا فرمائی۔ وہ پاؤں اچھا ہو گیا۔ اور دوسرے کی طرح زمین پر برابر لگنے لگا۔ حضرت عروہ البارقی کے لیے حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! اس کے سودے میں برکت دے۔ اس کے بعد حضرت عروہ جو چیز خریدتے خواہ وہ مٹی ہو اس میں نفع ہی ہوتا۔

ہجرت کے وقت جب حضور ﷺ غارِ ثور سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو سراقہ بن مالک گھوڑے پر سوار آپ ﷺ کے تعاقب میں بالکل قریب آ گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں تو آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غم نہ کر۔ کیوں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے جب دو تین نیزے کا فاصلہ رہ گیا تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! تو جس طرح چاہے ہم کو بچا۔ اس پر سراقہ کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ یہ دیکھ کر سراقہ نے عرض کیا۔ یا محمد ﷺ! میں جانتا ہوں کہ یہ آپ ﷺ کا کام ہے۔ آپ ﷺ اس مصیبت سے میری نجات کے لیے دعا فرمائیں۔ اللہ کی قسم! میں کسی کو تعاقب میں آپ ﷺ تک نہ آنے دوں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی دعا سے سراقہ نے نجات پائی۔ اور وہ واپس چلا گیا۔ راستے میں جس سے ملتا یہ کہہ کر موڑ دیتا کہ میں نے بہت ڈھونڈا حضرت ادھر نہیں ہیں۔

حضور کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ میں طاعون و وباء سب سے زیادہ رہا کرتی تھی۔ آپ ﷺ کی دعا سے ایسی دور ہوئی کہ آج تک وہ مبارک شہر و بقاء و طاعون سے محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا۔ آنحضرت ﷺ نے ابولہب کے بیٹے عتیبہ پر بد دعا فرمائی۔ چنانچہ اس کو ایک شیر نے پھاڑ ڈالا جیسا کہ آگے مفصل بیان ہوگا۔

جب قریش نے ایمان لانے سے انکار کر دیا تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔ یا اللہ! ان پر حضرت یوسف کے سات سالوں کی طرح سات سال قحط لا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ قریش نے مردار اور ہڈیاں کھائیں۔ ابوسفیان نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ یا محمد! آپ کی قوم ہلاک ہو گئی۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ قحط دور ہو جائے۔ پس آپ نے دعا فرمائی اور وہ مصیبت دور ہو گئی۔ (۹۲)

حضور ﷺ نے کسریٰ پرویز کو جو دعوت اسلام کا خط لکھا تھا۔ اس نے اسے پڑھ کر پھاڑ دیا۔ جب آپ نے یہ سنا تو فرمایا کہ اس کا ملک پارہ پارہ ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ فارس سے اکاسرہ کی

سلطنت ہمیشہ کے لیے جاتی رہی۔

حکیم بن ابی العاص نے حضور کے ساتھ استہزاء کرنے کے لیے اپنا منہ ٹیڑھا کر لیا۔ حضور نے فرمایا اسی طرح رہے۔ چنانچہ وہ کج دہان ہی رہا۔ یہاں تک کہ مر گیا۔

جناب سرور کائنات علیہ الوفا والصلوة نے محکم بن جثمہ کو ایک سریہ میں بھیجا تھا۔ جس پر عامر بن الاضبط کو امیر بنایا تھا۔ جب وہ ایک وادی کے درمیان پہنچے تو محکم نے عامر کو ایک معاملے کے سبب جو دونوں میں تھا دھوکے سے قتل کر دیا۔ جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ محکم کو زمین قبول نہ کرے۔ اس دعا کے سات دن بعد محکم مر گیا۔ جب اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے اس کو پھینک دیا۔ اسی طرح کئی دفعہ کیا گیا۔ مگر زمین نے قبول نہ کیا۔ آخر کار اس کو ایک غار میں پھینک دیا گیا۔ اور پتھروں کی ایک دیوار اس پر بنا دی گئی۔

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قحط پڑا۔ جمعہ کے دن حضور ﷺ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے ایک بادیہ نشین عرب آپ ﷺ کے پاس آیا۔ اور یوں عرض کرنے لگا۔ ”یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے مال ضائع ہو گئے اور بال بچے بھوکے مر رہے ہیں۔ آپ ﷺ ہمارے حق میں دعا فرمائیں“۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اس وقت آسمان پر کوئی بادل نظر نہ آتا تھا (۹۳)۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آپ ﷺ نے ہاتھ نہ چھوڑے تھے کہ پہاڑوں کی مثل بادل اٹھا۔ پھر آپ ﷺ منبر سے نہ اترے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ بارش کا پانی آپ ﷺ کی ریش مبارک پر سے نیچے گر رہا ہے۔ اس طرح جمعہ آئندہ تک بارش ہوتی رہی۔ پھر وہی بادیہ نشین عرب آیا اور عرض کرنے لگا ”یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے مکانات گر گئے“۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ ”یا اللہ! ہمارے گردینہ برس اور ہمارے مکانات سے دور رکھ“۔ پس جس طرف آپ ﷺ اشارہ فرماتے بادل دور ہو جاتا۔ یہاں تک کہ مدینہ گول گڑھے کی مانند ہو گیا اور وادی قنات (۹۴) میں ایک مہینہ تک پانی جاری رہا۔ جس طرف سے کوئی آتا باران کثیر کی خبر لاتا۔

جب مسلمان غزوہ تبوک (۹۵) کے لیے نکلے تو گرمی کی شدت تھی۔ ایک پڑاؤ پر پیاس کی شدت سے یہ نوبت پہنچی کہ اونٹ ذبح کرتے۔ اس کی لید نچوڑ کر پانی پی لیتے اور بقیہ اپنے جگر پر باندھتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ دعا فرمائیے۔ چنانچہ حضور انور ﷺ کی دعا سے پانی برسا۔ اور مسلمانوں نے اپنے برتن بھر لیے۔ پھر جو دیکھا تو یہ بارش حدود لشکر سے متجاوز نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ایک نابینا کو اپنی ذات شریف سے توسل کا طریق بتایا اس نے ایسا ہی کیا اور بینا ہو گیا۔ جیسا کہ آگے بالتفصیل آئے گا۔ ہم اس عنون کو ایک مشہور واقعہ پر ختم کرتے ہیں جس کی

کیفیت ذیل میں درج ہے۔

نجران مکہ مشرف سے جانب یمن سات منزل کے فاصلہ پر
نجران کے نصاریٰ کے ساتھ مباہلہ: ایک بڑا شہر ہے۔ جو نجران بن زید بن یثرب بن یثرب
 کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر ملک عرب میں عیسائی مذہب کا مرکز تھا۔ اور ۳۷۷ء گاؤں اس سے متعلق
 تھے۔ جناب سروردو عالم ﷺ کے وصال سے ایک سال پیشتر یہاں کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ
 منورہ میں آیا۔ جب وہ عصر کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو ان کی نماز کا وقت آپہنچا۔ مسجد میں
 انہوں نے شوق رو ہو کر نماز ادا کی۔ صحابہ کرام منع کرنے لگے۔ مگر حضور اقدس ﷺ نے تالیف قلوب اور
 توقع اسلام کو مد نظر رکھ کر ان سے تعرض کرنے سے منع فرمایا۔ اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے جن میں سے
 چوبیس ان کے اشراف میں سے تھے اور ان چوبیس میں سے تین مرجع کل تھے۔ عبدالمسح جن کا لقب
 عاقب تھا۔ اور سید جس کا نام ابہم اور بقول بعض شرجیل تھا۔ اور ابو حارثہ بن علقمہ جو ان کا اسقف (بڑا
 پادری) تھا۔ حضور ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دی۔ مگر وہ روبرو نہ ہوئے (۱)۔ بلکہ مباحثہ کرنے لگے۔
 اور آخر کار کہنے لگے کہ اگر عیسیٰ خدا کا بیٹا نہیں تو بتاؤ ان کا باپ کون تھا؟ اس کے جواب میں یہ
 آیتیں نازل ہوئیں:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ
 مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ
 تَعَالَوْا نَدْعُ آبَاءَنَا وَآبَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ۗ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ
 لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ۝ (آل عمران: ۶۴)

”بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک جیسی مثال آدم کی۔ بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا ہو جا۔
 وہ ہو گیا۔ حق بات ہے تیرے رب کی طرف سے۔ پس تو مت رہ شک میں پھر جو جھگڑا
 کرے تجھ سے اس بات میں بعد اس کے کہ پہنچ چکا تجھ کو علم تو کہہ آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹوں
 کو اور تمہارے بیٹوں کو اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری
 جانوں کو۔ پھر دعا کریں اور لعنت ڈالیں اللہ کی جھوٹوں پر۔“

ان آیات کا خلاصہ و مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم کا نہ باپ نہ تھا نہ ماں۔ اگر حضرت عیسیٰ کا باپ
 نہ ہو تو کیا عجب ہے۔ اگر نصاریٰ اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہ ہوں تو ان کے ساتھ قسم کرو کہ یہ بھی ایک
 صورت فیصلہ کی ہے۔ کہ دونوں اپنی جان سے اور اولاد سے حاضر ہوں، اور دعا کریں کہ جو کوئی ہم میں
 سے جھوٹا ہے اس پر لعنت اور عذاب پڑے۔

اہل اسلام اس طرح کے فیصلے کو مباہلہ کہتے ہیں۔ اور یہ کیا خوب فیصلے کا ڈھنگ ہے کہ صرف عادل حقیقی جو بے رو رعایت اور بغیر بھول چوک کے فیصلہ کرنے والا ہے فیصلہ کر دے۔ اس ارشاد الہی کے مطابق حضور اقدس ﷺ نے ان علمائے نصاریٰ سے مباہلہ کے لیے کہا۔ انہوں نے مہلت مانگی۔ دوسرے روز صبح کو حضور اقدس ﷺ نے حضرت امام حسن اور امام حسین کو جو خورد سال تھے۔ ہاتھ میں پکڑا۔ آپ ﷺ کے پیچھے حضرت فاطمہ الزہرا اور ان کے پیچھے حضرت علی المرتضیٰ مقام مباہلہ کو روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تم آمین کہنا۔ پختن پاک کو دیکھ کر ابو حارثہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

”میں (۹۶) وہ صورتیں دیکھتا ہوں کہ اگر وہ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو بے شک ان کی دعا سے ٹل جائے گا۔ اس لیے تم مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور روئے زمین پر قیامت تک کوئی عیسائی نہ رہے گا۔ اللہ کی قسم! تمہیں اس کی نبوت معلوم ہو چکی ہے۔ اور وہ تمہارے صاحب (عیسیٰ) کے بارے میں قول فیصل لایا ہے۔ اللہ کی قسم! جس قوم نے پیغمبر سے مباہلہ کیا وہ ہلاک ہو گئی۔“ یہ سن کر عیسائی ڈر گئے اور مباہلہ کی جرأت نہ کر سکے۔ بلکہ صلح کر لی اور جزیہ دینا قبول کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندر اور سور بن جاتے۔ اور یہ جنگل ان پر آگ برساتا۔ اللہ نجران اور اس کے باشندوں کو تباہ کر دیتا۔ یہاں تک کہ کوئی پرندہ بھی درخت پر باقی نہ رہتا (۹۷)۔

نصاریٰ کا اس طرح مباہلہ سے گریز صاف بتا رہا ہے کہ اعدائے اسلام بھی حضور اقدس ﷺ کی دعا کی اجابت کے قائل تھے۔ اس مباہلہ سے ایک اور بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر دین اسلام خدا کی طرف سے نہ ہوتا، اور حضور نبی ﷺ برحق نہ ہوتے تو ہرگز اپنے دعویٰ پر خدا کے حضور جھوٹے پر لعنت اور غضب الہی نازل ہونے کی بددعا کرنے کا حوصلہ اور جرأت نہ کر سکتے۔ کیا کوئی اپنی چالاکی سے خدا کو بھی دھوکا دے سکتا ہے؟ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو پھر عیسائی علماء کیوں دعا مانگنے کی جرأت نہ کر سکے۔

حضرت سالم بن (۹۸) الجعد حضرت جابر سے

انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری ہونا: روایت کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو

پیاں لگی۔ نبی ﷺ کے پاس ایک چھاگل تھی آپ ﷺ نے اس سے وضو فرمایا تو لوگ پانی کے لیے آپ ﷺ کی طرف دوڑے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی چھاگل کے پانی کے سوا ہمارے پاس نہ وضو کرنے کو پانی ہے نہ پینے کو۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک چھاگل پر رکھا۔ پس آپ ﷺ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی نکلتے لگا۔ ہم نے لیا اور وضو کیا۔ میں نے حضرت جابر سے پوچھا تم اس دن کتنے تھے۔ حضرت جابر نے جواب دیا کہ ہم ڈیڑھ ہزار تھے۔ اگر

ایک لاکھ ہوتے تو تب بھی وہ پانی کفایت کرتا۔

یہ معجزہ حضور ﷺ سے متعدد دفعہ مختلف جگہوں میں ایک جماعت کثیرہ کے سامنے ظہور میں آیا۔ اور اس کے راوی حضرت جابر بن عبد اللہ ہیں۔ انس بن مالک، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، ابو یعلیٰ انصاری، زید بن الحارث الصدائی، اور ابو عمرہ انصاری رضی اللہ عنہم ہیں۔ پس یہ قطعی الثبوت ہے۔ نظر بر اختصار یہاں صرف ایک روایت پر کفایت کی گئی ہے۔ یہ معجزہ بھی شق القمر کی طرح حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

جس طرح وہ انسان جس کے نام پر قرعہ سعادت پڑا ہوا ہے۔ حیوانات کی اطاعت اور کلام: حضور اقدس ﷺ کی شریعت کے مطیع و مسخر ہیں۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے حیوانات کو بطریق اعجاز و خرق عادت حضور ﷺ کا مطیع و مسخر بنایا۔ ازاں جملہ چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

حضرت انس (۹۹) بن مالک سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک اونٹ کی شکایت اور سجدہ: کے ہاں ایک اونٹ تھا۔ جس سے آب کشی کیا کرتے تھے۔ وہ سرکش ہو گیا۔ اور اپنی پیٹھ پر پانی نہ اٹھاتا تھا۔ اونٹ کے مالک حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کرنے لگے کہ ہمارے ہاں ایک اونٹ ہے۔ جس سے ہم آب کشی کیا کرتے تھے۔ وہ سرکش ہو گیا ہے اپنی پیٹھ پر پانی نہیں اٹھاتا۔ ہماری کھجوریں اور کھیتی سوکھ رہی ہے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اٹھو! وہ اٹھے اور آپ ﷺ ان کے ساتھ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ وہ اونٹ اس باغ کے ایک گوشہ میں تھا۔ آپ ﷺ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ اصحاب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! یہ اونٹ کاٹنے والے کتے کی مانند ہو گیا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہیں آپ ﷺ کو تکلیف پہنچے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مجھے اس سے کچھ ڈر نہیں۔ جب اونٹ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ کی طرف آیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے آگے سجدہ میں گر پڑا۔ آپ نے اس کی پیشانی کے بال پکڑ لیے۔ اور وہ ایسا مطیع ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے اس کو کام پورا گا دیا۔ آپ ﷺ کے اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ حیوان لا یعقل آپ ﷺ کو سجدہ کرتا ہے، اور ہم عقل والے ہیں۔ اس لیے ہم اس کی نسبت آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کو سزاوار نہیں کہ دوسرے انسان کو سجدہ کرے۔ اگر ایک انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیوں کہ خاوند کا عورت پر بڑا حق ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ سب سے پسندیدہ شے جس کو رسول اللہ ﷺ قضائے

حاجت کے لیے اونٹ بنایا کرتے تھے۔ کوئی بلند چیز یا درختان خرما کا مجمع تھا۔ ایک دفعہ آپ انصار میں سے ایک شخص کے باغ میں داخل ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس باغ میں ایک اونٹ ہے۔ اس اونٹ نے جب نبی ﷺ کو دیکھا تو رو پڑا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آئے اور اس کے پس گوش پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا وہ چپ ہو گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ انصار میں سے ایک ناجوان نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تو اس چوپایہ کے بارے میں جس کا اللہ نے تجھے مالک بنایا ہے، اللہ سے نہیں ڈرتا۔ اس نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے۔ اور کثرت استعمال سے اسے تکلیف دیتا ہے۔

حضرت انس (۱۰۰) بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ انصار کے باغ بکری کی اطاعت اور سجدہ: میں داخل ہوئے۔ اور آپ کے ہمراہ حضرت ابو بکر و عمر اور انصار کے چند اشخاص تھے۔ اس باغ میں ایک بکری تھی، اس نے رسول اللہ ﷺ کے آگے سجدہ کیا۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس بکری کی نسبت ہم آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت کو جائز نہیں کہ ایک دوسرے کو سجدہ کرے۔ اگر ایک کا دوسرے کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

ام معبد کی بکری (۱۰۱) حالات ہجرت میں آچکا ہے۔ دودھ نہ دیتی تھی۔ حضور ﷺ کی دعا سے اس نے دودھ دیا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ

بھیڑیے کی شہادت اور طاعت: کی طرف آیا۔ اس نے بکریوں میں سے ایک بکری پکڑ لی۔

چرواہے نے بھیڑیے کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ بکری اس سے چھڑالی۔ پس بھیڑیا ایک ریت کے ٹیلے

پر چڑھ گیا۔ اور کتے کی طرح اپنے چوڑوں پر بیٹھ گیا اور اپنی دم کو اپنے پیروں کے درمیان کر لیا۔ اور بولا

میں نے رزق کا قصد کیا۔ جو اللہ نے مجھے دیا۔ اور میں نے اسے لے لیا۔ پھر تو نے اسے مجھ سے چھین

لیا۔ چرواہے نے کہا خدا کی قسم! میں نے آج کی طرح کسی دن بھیڑیے کو کلام کرتے نہیں دیکھا۔

بھیڑیے نے کہا اس سے عجیب تر ایک شخص (حضرت محمد ﷺ) کا حال ہے جو نخلستان میں ذوحرہ کے

درمیان یعنی مدینہ میں ہے تمہیں خبر دیتا ہے اس کی جو گزر چکا اور جو تمہارے بعد ہونے والا ہے۔ (اور

لوگ اس امی لقب نبی کا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے) حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے کہ چرواہا یہودی

تھا اس نے جناب پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی خبر دی اور مسلمان ہو گیا۔ اور

رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس طرح کے امور قیامت کی نشانیوں میں

سے ہیں قریب ہے کہ ایک شخص اپنے گھر سے نکلے گا اور واپس نہ آئے گا۔ یہاں تک کہ اس کے ہر دو نعل اور اس کا تازیانہ بتائے گا۔ کہ اس کی غیر حاضری میں اس کے اہل خانہ نے کیا عمل کیا ہے (۱۰۲)۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک چرواہا (۱۰۳) حرہ میں بکریاں چرا رہا تھا۔ ناگاہ ایک بھیڑیا اس کی بکریوں میں سے ایک بکری کو پکڑنے آیا۔ چرواہا بکری اور بھیڑیے کے درمیان حائل ہو گیا۔ بھیڑیا اپنی دم پرکتے کی طرح بیٹھ گیا۔ پھر چرواہے سے بولا کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا کہ میرے رزق کے درمیان جو اللہ نے میرے قابو میں کر دیا ہے حائل ہوتا ہے۔ چرواہے نے کہا تعجب ہے کہ بھیڑیا انسان کی طرح کلام کرتا ہے۔ بھیڑیے نے کہا۔ دیکھ! میں تجھے اس سے بھی عجیب بات بتاتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ ذحرہ (۱۰۴) (سنگلاخ زمینوں) کے درمیان (مدینہ میں) لوگوں سے گذشتہ امتوں کے حال بیان فرما رہے ہیں۔ (اور وہ اس امی لقب نبی کا یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے) پس چرواہے نے بکریاں ہانک لیں۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں آیا۔ اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھیڑیے کا قصہ بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سچ ہے۔ دیکھو! درندوں سے انسان کا کلام کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ درندے انسان سے کلام کریں گے۔ اور انسان سے اس کے جوتے کا تسمہ اور اس کے کوڑے کا سرا کلام کرے گا۔ اور انسان کو اس کی ران خبر دے گی۔ جو اس کی بیوی نے اس کی غیر حاضری میں کیا (۱۰۵)۔

حضرت حمزہ بن اسید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے جنازے میں نکلے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بھیڑیا راستے میں پاؤں پھیلانے بیٹھا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ تم سے اپنا حصہ طلب کرتا ہے اس کے لیے کچھ مقرر کرو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا ہر اونٹ پر ہر سال ایک بکری۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ یہ تو بہت ہے۔ آپ نے بھیڑیے کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہاں سے جلدی چل دو۔ بھیڑیا یہ سن کر چلا گیا (۱۰۶)۔

حضور اقدس ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے کہ میں سمندر میں شیر کی اطاعت: ایک کشتی پر سوار ہوا۔ وہ کشتی ٹوٹ گئی پس میں اس کے ایک تختے پر چڑھ بیٹھا اور ایک بن میں جا نکلا جس میں شیر تھے۔ ناگاہ ایک شیر آیا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو میں نے کہا۔ اے ابو الجارث (۱۰۷)! میں رسول اللہ ﷺ کا آزاد کردہ غلام سفینہ ہوں۔ یہ سن کر شیر دم ہلاتا ہا آیا۔ یہاں تک کہ میرے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پھر میرے ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ مجھے راستے پر ڈال دیا۔ پھر اس نے کچھ دیر ہلکی آواز نکالی۔ میں سمجھا کہ یہ مجھے وداع کر رہا ہے۔ (۱۰۸)

جب ہجرت کے وقت حضور اقدس ﷺ کوہ ثور کے غار میں تھے۔ اس غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تانا ہوا تھا۔ اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ کفار تعاقب میں وہاں پہنچے۔ اس عجیب دربانی و پاسبانی کو دیکھ کر واپس ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر حضرت اس میں داخل ہوتے تو مکڑی جالانہ بنتی اور کبوتری انڈے نہ دیتی! مثلاً مذکورہ بالا کے علاوہ ہر نی کا قصہ اور سو سمار کی حدیث مشہور ہے۔

جس طرح حیوانات حضور اقدس ﷺ کے امر نباتات کا کلام و طاعت اور سلام و شہادت: کے مطیع تھے۔ اسی طرح نباتات بھی آپ کے

فرمانبردار تھے۔ چنانچہ درختوں کا آپ کی خدمت اقدس میں آنا اور سلام کرنا، اور آپ کی رسالت پر شہادت دینا احادیث کثیرہ سے ثابت ہے جن میں سے صرف دو تین مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ ﷺ سے روایت (۱۰۹) ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میری طرف وحی بھیجی گئی تو جس پتھر اور درخت پر میرا گزر ہوتا تھا وہ کہتا تھا۔ ”السلام علیک یا رسول اللہ“۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ایک باد یہ نشین عرب آپ کے سامنے آیا۔ جب وہ نزدیک ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو خدا کی وحدانیت اور محمد کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے کہا، آپ جو کچھ فرماتے ہیں اس پر کون شہادت دیتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، یہ درخت! پس آپ نے اسے بلایا حالانکہ وہ وادی کے کنارے پر تھا۔ وہ زمین کو چیرتا ہوا سامنے آکھڑا ہوا۔ آپ نے تین بار اس سے شہادت طلب کی۔ اور اس نے تینوں بار شہادت دی۔ کہ واقع میں ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ پھر درخت اپنی جگہ پر چلا گیا (۱۱۰)۔

حضرت ابن عباس سے روایت (۱۱۱) ہے کہ بنی عامر بن صعصعہ میں سے ایک بادہ نشین عرب نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا اور کہنے لگا۔ میں کس چیز سے پہچانوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا بتا! اگر میں اس درخت خرما کی شاخ کو بلالوں تو کیا تو میری رسالت کی گواہی دے گا؟ اس نے عرض کی ہاں۔ پس آپ نے اس شاخ کو بلایا۔ وہ درخت سے اترنے لگی یہاں تک کہ زمین پر گری اور پھد کئے لگی۔ حافظ ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ وہ آپ کی طرف اس حال میں آئی کہ سجدہ کر رہی تھی، اور اپنا سراٹھا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ آپ کے پاس پہنچ گئی۔ اور آپ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنی جگہ پر واپس چلی جا۔ پس وہ اپنی جگہ واپس چلی گئی۔ یہ دیکھ کر اس اعرابی نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور ایمان لے آیا۔

حضرت جابر (۱۱۲) فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیر کی۔ یہاں تک کہ ہم ایک فراخ وادی میں اترے۔ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے کوئی چیز

نہ دیکھی۔ جس کے ساتھ پردہ کر لیں۔ ناگاہ آپ نے اس وادی کے ایک کنارے دو درخت دیکھے۔ آپ نے ان دو میں سے ایک کے پاس قدم رنجہ فرمایا۔ اور اس کی ایک شاخ کو پکڑ کر یوں ارشاد فرمایا۔ اللہ کے اذن سے میری فرمانبرداری کر۔ اس درخت نے آپ کی اس طرح فرمانبرداری کی، جیسے کہ نکیل والا اونٹ شتر بان کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ دوسرے درخت کے پاس آئے اور اس کی شاخ کو پکڑ کر فرمایا۔ اللہ کے اذن سے تم مجھ پر مل جاؤ۔ پس وہ درخت باہم مل گئے۔ (حضرت جابر کہتے ہیں) میں اپنے دل میں اس امر عجیب کی نسبت حیرت سے سوچنے لگا۔ میں نے جو نظر اٹھائی، کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ میری طرف آرہے ہیں۔ اور وہ درخت جدا جدا ہو گئے اور ہر ایک اپنی اصلی حالت میں اپنے تئیں پر قائم ہے۔

جس طرح نباتات حضور اقدس ﷺ کے زیر فرمان تھے جمادات کی اطاعت اور تسبیح و سلام: اسی طرح جمادات بھی آپ کے مطیع تھے۔ چنانچہ شجر کا آپ کو سلام کرنا، اور آپ کی رسالت پر شہادت دینا پہلے آچکا ہے۔ سخت پتھروں کا آپ کے لیے نرم ہو جانا اور ضحروہ بیت المقدس کا خمیر کی مانند ہونا اس کتاب میں آگے آئے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھا ایک روز ہم اس کے بعض نواح میں نکلے۔ جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا تھا وہ کہتا تھا۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔

حضرت ابو ذر (۱۱۳) کا بیان ہے کہ ایک روز میں دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ نبی ﷺ تشریف فرمانہ تھے۔ میں نے خادم سے دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ حضرت عائشہ کے گھر میں ہیں۔ میں وہاں آپ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کوئی آدمی آپ کے پاس نہ تھا۔ مجھے اس وقت یہ گمان ہوتا تھا کہ آپ وحی کی حالت میں ہیں۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا، تجھے کیا چیز یہاں لائی؟ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول کی محبت۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹھ جا۔ میں آپ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ نہ میں آپ سے کچھ پوچھتا تھا۔ اور نہ آپ مجھ سے کچھ فرماتے تھے۔ میں تھوڑی دیر ٹھہرا کہ اتنے میں حضرت ابو بکر جلدی جلدی چلتے ہوئے آئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا تجھے کیا چیز یہاں لائی؟ حضرت ابو بکر نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول کی محبت۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جا۔ وہ ایک بلند جگہ پر نبی ﷺ کے مقابل بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عمر آئے۔ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ویسا ہی فرمایا۔ حضرت عمر حضرت ابو بکر کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ پھر اسی طرح حضرت عثمان آئے اور حضرت عمر کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سات یا نو یا اس کے

قریب سنگریزے لیے۔ ان سنگریزوں نے آپ کے مبارک ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ میں ان میں شہد کی مکھی کی مانند آواز سنی (پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا اور وہ چپ ہو گئے) پھر آپ نے وہ سنگریزے مجھے چھوڑ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیئے۔ ان سنگریزوں نے حضرت ابو بکر کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند ان کی آواز سنی) پھر آپ نے وہ کنکر حضرت ابو بکر سے لے کر زمین پر رکھ دیئے۔ وہ چپ ہو گئے، اور ویسے ہی سنگریزے بن گئے۔ پھر آپ نے حضرت عمر کو دیئے۔ ان کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح پڑھی جیسا کہ حضرت ابو بکر کے ہاتھ میں پڑھی تھی (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند ان کی آواز سنی) پھر آپ نے زمین پر رکھ دیئے۔ وہ چپ ہو گئے۔ پھر آپ نے حضرت عثمان کو دیئے۔ ان کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح پڑھی۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے ہاتھ میں پڑھی تھی (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند آواز سنی) پھر آپ (۱۱۴) نے لے کر ان کو زمین پر رکھ دیا۔ وہ چپ ہو گئے۔ (پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نبوت (۱۱۵) کی خلافت ہے)۔

حضرت امام محمد (۱۱۶) باقر فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ بیمار ہوئے۔ حضرت جبریل ایک خوان لائے۔ جس میں (بہشت کے) انار اور انگور تھے۔ جب آپ نے تناول فرمانے کے لیے ان میں سے کچھ اٹھایا تو اس میں سے سبحان اللہ کی آواز آئی۔

یہ خارق عادت (تسبیح الطعام) بہت دفعہ آپ کے اصحاب کرام سے بھی ظہور میں آیا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ”ہم البتہ بے شک طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے جس حال میں کہ وہ کھایا جاتا تھا۔“

حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے روایت (۱۱۷) ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا۔ اے ابوالفضل! کل تم اور تمہارے (۱۱۸) بیٹے اپنے مکان سے نہ جائیں۔ یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آؤں۔ کیوں کہ مجھے تم سے ایک کام ہے انہوں نے آپ کا انتظار کیا۔ یہاں تک کہ آپ چاشت کے بعد تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا السلام علیکم انہوں نے جواب دیا۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ نے فرمایا۔ تم نے کیوں کر صبح کی۔ انہوں نے عرض کی۔ محمد اللہ ہم نے بخیریت صبح کی۔ پس آپ نے ان سے فرمایا، نزدیک ہو جاؤ۔ وہ ایک دوسرے کے نزدیک ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب وہ آپ کے متصل ہو گئے تو آپ نے اپنی چادر مبارک سے ان کو ڈھانپ لیا اور یوں دعاء فرمائی۔ ”اے میرے پروردگار یہ میرا چچا اور میرے باپ کا بھائی ہے۔ اور یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان کو دوزخ کی آگ سے یوں چھپالینا جیسا کہ میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپالیا ہے۔“ اس پر گھر کی چوکھٹ اور

دیواروں نے تین بار آمین کہی۔

حضرت انس بن مالک سے روایت (۱۱۹) ہے کہ نبی ﷺ کوہ احد پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ پہاڑ ہلا۔ آپ نے اسے اپنے پائے مبارک سے ٹھوکر لگا کر فرمایا تو ساکن رہ۔ کیوں کہ تجھ پر نبی اور صدیق اور شہید ہیں۔

حضرت عثمان سے روایت (۱۲۰) ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوہ شہیر پر تھے۔ اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر و عمر تھے اور میں تھا۔ وہ پہاڑ ہلا۔ یہاں تک کہ اس کے پتھر نیچے دامن کوہ میں گر پڑے۔ آپ نے پائے مبارک سے ٹھوکر لگا کر فرمایا۔ اے شہیر ساکن رہ۔ کیوں کہ تجھ پر نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جس وقت نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر کوہ حرا پر تھے۔ وہ پہاڑ ہلا۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ اے حراء! ساکن رہ کیوں کہ تجھ پر نہیں ہیں (۱۲۱) مگر نبی یا صدیق یا شہید۔ ایک روایت میں سعد بن ابی وقاص کا ذکر ہے۔ اور حضرت علی کا ذکر نہیں اور ایک روایت میں سوائے ابو عبیدہ کے تمام عشرہ (۱۲۲) مبشرہ کا ذکر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب ہجرت کے وقت قریش نے جناب رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں اپنے آدمی بھیجے تو کوہ شہیر نے کہا۔ یا رسول اللہ! اترے۔ کیوں کہ مجھے خوف ہے کہ وہ آپ کو میری پشت پر قتل کر دیں اور مجھے اللہ تعالیٰ عذاب دے۔ پس حراء نے کہا۔ یا رسول اللہ میری طرف آئے۔ (۱۲۳)

حضرت جابر (۱۲۳) سے روایت ہے کہ جس وقت نبی ﷺ خطبہ پڑھا کرتے تھے مسجد کے ستونوں میں ایک درخت خرما کے خشک تنے سے پشت مبارک لگایا کرتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر بنایا گیا۔ اور آپ اس پر رونق افروز ہوئے تو اس تنے نے جس کے پاس خطبہ پڑھا جایا کرتا تھا۔ فریاد کی، قریب تھا کہ وہ پارہ پارہ ہو جائے۔ پس نبی ﷺ منبر سے اترے آئے۔ یہاں تک کہ اس نے آرام و قرار پایا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس لیے رویا کہ جو ذکر یہ سنا کرتا تھا وہ اب اس سے جدا ہو گیا۔ اس ستون کو نالہ کرنے کے سبب حنانہ بولتے ہیں۔ نالہ حنانہ کی حدیث متواتر ہے۔ اس لیے اس میں کسی طرح کے شک کی گنجائش نہیں۔

فتح مکہ کے روز حضور اقدس ﷺ پہلے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور مہاجرین و انصار آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں تھے۔ آپ نے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر طواف کیا۔ اس وقت بیت اللہ شریف کے گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بت تھے۔ جو رانگ کے ساتھ پتھروں میں نصب کیے ہوئے تھے۔ حضور کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی۔ اس سے آپ جس کی طرف اشارہ فرماتے اور یہ پڑھتے:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (بنی اسرائیل: ۵۷)
 ”آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ۔ بے شک جھوٹ نکل بھاگنے والا ہے۔“

وہ منہ کے بل گر پڑتا۔ اس طرح آپ نے بیت اللہ شریف کو بتوں سے پاک کر دیا۔

بدر کے دن جب لڑائی سخت ہو گئی تو حضور اقدس ﷺ نے سنگریزوں کی ایک مٹھی لی اور قریش کی

طرف منہ کر کے فرمایا: شاہت الوجوہ (ان کے چہرے بد شکل ہو گئے) پھر ان کی طرف پھینک دی۔
 کفار کو شکست ہوئی۔ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ - (انفال: ۲۷)

”اور نہیں پھینکا تو نے جس وقت کے پھینکا تو نے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔“

اسی طرح حنین کے دن جب حضور ﷺ کے ساتھ صف چند صحابہ رہ گئے تو آپ نے اپنے خچر سے

اتر کر مشت خاک لی اور شاہت الوجوہ کہہ کر کفار کی طرف پھینک دی۔ کوئی (۱۲۵) کافر ایسا نہ تھا جس
 کی آنکھوں میں وہ مٹی نہ پڑی ہو۔ پس وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔

حضور اقدس ﷺ کے معجزات میں سے آپ کا مغیبات پر مطلع ہونا اور غیوب

مغیبات پر مطلع ہونا: ماضیہ اور مستقبلہ کی خبر دینا بھی ہے۔ علم غیب بالذات اللہ تعالیٰ کے ساتھ
 خاص ہے۔ جو کچھ اس قبیل سے حضور کی زبان مبارک سے ظاہر ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی وحی والہام سے ہوا۔
 جیسا کہ آیات ذیل سے ظاہر ہے:

۱- وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ
 الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا - (بقرہ- ۱۷۷)

۲- ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ - (آل عمران- ۵۷)

۳- وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ
 يَشَاءُ - (آل عمران- ۱۸۷)

۴- وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ
 فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (نساء- ۱۷۷)

۵- تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ
 قَبْلِ هَذَا - (ہود- ۴۷)

۶- ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذَا جَمَعُوا أَمْرَهُمْ
 وَهُمْ يَمْكُرُونَ (یوسف- ۱۱۷)

۷۔ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ (نجم۔ ۱۷)

۸۔ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ۝ (جن۔ ۲۷)

- ۱۔ اور سی طرح ہم نے تم کو بہتر امت بنایا، تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ۔
- ۲۔ یہ غیب کی خبروں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔
- ۳۔ نہیں ہے اللہ کہ خبر دار کرے تم کو غیب پر۔ لیکن اللہ پسند کرتا ہے اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہے۔

۴۔ اور خدا نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور سکھایا تجھ کو جو کچھ کہ تو نہ جانتا تھا۔ اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے۔

۵۔ یہ بعض خبریں ہیں غیب کی جن کو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ ان کو جانتا نہ تھا تو اور نہ تیری قوم اس سے پہلے۔

۶۔ یہ غیب کی خبروں سے ہے۔ جسے ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ اور تو ان کے پاس نہ تھا جس وقت انہوں نے اپنا کام مقرر کیا اور مکر کرتے تھے۔

۷۔ پس اللہ نے وحی پہنچائی اپنے بندے کی طرف جو پہنچائی۔

۸۔ وہ غیب کا جاننے والا۔ پس مطلع نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو مگر وہ پیغمبر جس کو اس نے پسند کر لیا۔

اس مضمون کی اور آیتیں بھی ہیں۔ ان سب کی تفسیر کے لیے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔ یہاں صرف آیت (۱۲۶) کے حصہ اخیر کی نسبت کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔ علامہ اسماعیل حقی قدس سرہ اپنی تفسیر روح البیان میں بعض ارباب کا قول یوں نقل فرماتے ہیں۔

و معنى شهادة الرسول عليهم اطلاقه على رتبة كل متدين بدينه و حقيقة التي هو عليها من دينه و حجابها الذي هو به محجوب عن كمال دينه فهو يعرف ذنوبهم و حقيقة ايمانهم و اعمالهم و حسناتهم و سيئاتهم و اخلاصهم و نفاقهم و غير ذلك بنور الحق۔

”ان پر رسول کے گواہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضور مطلع ہیں اپنے دین کے ہر متدین کے رتبے پر۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت پر اور اس حجاب پر کہ جس کے نسب سے وہ

کمال دین سے مجھوب ہے۔ پس حضور ﷺ ان کے گناہوں کو اور ان کے ایمان کی حقیقت اور ان کے اعمال کو اور ان کی نیکیوں کو اور ان کے اخلاص و نفاق وغیرہ کو نور نبوت سے پہنچاتے ہیں۔“

اسی طرح مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں ویکون الرسول علیکم شہیدا یعنی ورسول شامبر شامگواہ۔ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بررتبہ ہرمتدین بدین خود کہ در کد ام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست۔ و حجاب کہ بداں از ترقی مجھوب مانده است کد ام است۔ پس اوئے شناسد گناہان شمار او درجات ایمان شمار او اعمال نیک و بد شمار او اخلاق و نفاق شمارا۔“

حالت خواب میں بھی آنحضرت ﷺ اپنی امت کے حالات سے آگاہ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ ملاح حسن کشمیری کو یوں تحریر فرماتے ہیں۔ حدیث تمام عینای ولاینام قلبی کہ تحریر یافتہ اشارت بدوام آگاہی نیست۔ بلکہ اخبار است از عدم غفلت از جریان احوال خویش و امت خویش۔ (۱۲۷)

عالم برزخ میں بھی آنحضرت ﷺ اپنی امت کے احوال سے آگاہ رہتے ہیں چنانچہ علامہ قسطلانی آداب زیارت میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

و ینبغی ان یقف عند محاذاة اربعة اذرع ویلازم الادب والخشوع والتواضع غاضر البصر فی مقام الهيبة کما کان یفعل فی حال حیاته اذ لا فرق بین موتہ و حیاته فی مشاهدتہ لا متہ و معرفتہ باحوالہم و نیاتہم و عزائمہم و خواطرہم ذلک عندہ جلی لا خفاء بہ۔ فان قلت هذه الصفات مختصة بالله تعالیٰ فالجواب ان من انتقل الی عالم البرزخ من المؤمنین یعلم احوال الاحیاء غالباً و قد وقع کثیر من ذلک کما هو مستور فی مظنة ذلک من الکتب و قد روی ابن المبارک عن سعید بن المسیب قال لیس من یوم الا و تعرض علی النبی ﷺ اعمال امته غدوة فیرفہم بسیماہم و اعمالہم فلذلک یشہد علیہم۔ (مواہب لدنیہ)

”چاہیے کہ زیارت کرنے والا قبر شریف سے چار ہاتھ پر سامنے کھڑا ہوئے۔ اور ادب و خشوع و تواضع کو لازم پکڑے اور مقام ہیبت میں آنکھیں بند کرے جیسا کہ حضور کی حیات شریف کی حالت میں کیا جاتا تھا کیوں کہ اپنی امت کے مشاہدے اور ان کے احوال و نیات و عزائم و خواطر کی معرفت میں حضور کی موت و حیات یکساں ہے۔ اور یہ آپ کے

نزدیک ظاہر ہے اس میں کوئی پوشیدگی نہیں اگر اعتراض کیا جائے۔ کہ یہ صفات تو اللہ تعالیٰ سے مختص ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ (کامل) مومنوں میں سے جو شخص عالم برزخ میں چلا جاتا ہے وہ زندہ کے حالات سے غالباً جانتا ہے۔ ایسا بہت وقوع میں آیا ہے۔ جیسا کہ اس کے متعلق کتابوں میں مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے بروایت سعید بن مسیب نقل کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں کہ صبح و شام امت کے اعمال آنحضرت ﷺ پر پیش نہ کیے جاتے ہوں۔ لہذا آپ ان اعمال کو اور خود ان کو ان کے چہرے سے پہچانتے ہیں۔ اسی واسطے آپ ان پر گواہی دیں گے۔“

مواہب لدنیہ کی طرح مدخل ابن حاج میں بھی زیارت سید الاولین والآخرین میں یہی مضمون مذکور ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے:

فاذا زارة صلی اللہ علیہ وسلم فان قدر ان لا یجلس فہو بہ اولی فان عجز فله ان یجلس بالادب والاحترام والتعظیم وقد لا یحتاج الزائر فی طلب حوائجہ و مغفرة ذنوبہ ان یدکرہا بلسانہ بل یحضر ذلک فی قلبہ و هو حاضر بین یدیه صلی اللہ علیہ وسلم لانه علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلم منه بحوائجہ ومصالحہ وارحم بہ منه لنفسہ واشفق علیہ من اقاربه وقد قال علیہ الصلوٰۃ والسلام انما مثلی و مثلکم کمثل الفراش تقعون فی النار وانا اخذ بحجزکم عنہا وکما قال وهذا فی حقہ صلی اللہ علیہ وسلم فی کل وقت و اوان اعنی فی التوسل بہ و طلب الحوائج بجاہہ عند ربہ عزوجل و من لم یقدر لہ زیارتہ صلی اللہ علیہ وسلم بحبمہ فلینوہا کل وقت بقلبہ ولیحضر قلبہ انه حاضر بین یدیه متشفعاً الی من من بہ علیہ (مدخل لا بن الحلج۔ جزء اول۔ زیارة سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم)۔

”جس وقت زائر آنحضرت ﷺ کی زیارت کرے۔ اگر وہ طاقت رکھتا ہو کہ نہ بیٹھے تو اس کے لیے نہ بیٹھنا اولیٰ ہے۔ اگر وہ کھڑا رہنے سے عاجز ہو تو اسے ادب و احترام اور تعظیم سے بیٹھنا جائز ہے۔ زائر کے لیے اپنی حاجتیں اور گناہوں کی معافی طلب کرنے میں یہ ضروری نہیں کہ ان کو اپنی زبان سے ذکر کرے۔ بلکہ ان کو آنحضرت ﷺ کے حضور میں دل میں حاضر کر لے۔ کیوں کہ حضور ﷺ کو زائر کی حاجات و ضروریات کا علم خود زائر سے زیادہ ہے۔ اور حضور اس پر خود اس کی نسبت زیادہ رحم والے اور اس کے اقارب سے زیادہ

شفقت والے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ ”میرا حال اور تمہارا حال پر وانوں کے حال کی طرح ہے کہ تم آگ میں گرتے ہو اور میں تم کو کمر سے پکڑ کر آگ سے بچانے والا ہوں۔“ اور یہ آنحضرت ﷺ کے حق میں ہر وقت اور ہر لمحہ میں ہے یعنی حضور سے توسل کرنے میں اور آپ کے جاہ کے وسیلہ سے حاجتیں مانگنے میں اللہ عزوجل سے۔ اور جس شخص کے لیے بذات خود آنحضرت ﷺ کی زیارت کا مقدور نہ ہو اسے چاہیے کہ ہر وقت اپنے دل میں زیارت کی نیت کرے اور یہ سمجھے کہ میں حضور کے سامنے حاضر ہوں اور حضور کو بارگاہ الہی میں شفیع لارہا ہوں۔ جس نے آپ کو بھیج کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔“ علامہ سیوطی عالم برزخ میں آنحضرت ﷺ کے اشغال میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

النظر فی اعمال امتہ والاستغفار لهم من السيئات والدعاء بكشف البلاء عنهم والتردد فی اقطار الارض لحلول البركة فيها و حضور جنازة من مات من صالح امتہ فان هذه الامور من جملة اشغاله فی البرزخ كما وردت بذلك الاحادیث والاثار۔

”اپنی امت کے اعمال کو دیکھنا اور ان کے گناہوں کی بخشش طلب کرنا، اور ان سے بلا دور کرنے کی دعا کرنا اور اقطار زمین میں حلول برکت کے لیے تشریف لے جانا اپنی امت کے صالحین میں سے کسی کے جنازے میں حاضر ہونا۔ بے شک یہ امور برزخ میں حضور کے اشغال میں سے ہیں۔ جیسا کہ احادیث و آثار میں وارد ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو علم ماکان و مایکون عطا فرمایا۔ چنانچہ صحیح (۱۲۸) بخاری و مسلم میں حضرت حدیفہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں (وعظ کے لیے) کھڑے ہوئے۔ اس میں آپ نے جو کچھ قیامت تک واقع ہونے والا ہے سب بیان فرمادیا۔ اسے یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھلا دیا جس نے بھلا دیا۔ اس واقعہ کا میرے یاروں کو بھی علم ہے جو کچھ آپ نے خبر دی اس میں ایسی چیز واقع ہوتی ہے جس کو میں بھول گیا ہوں۔ جب اس کو دیکھتا ہوں تو یاد کر لیتا ہوں جس طرح ایک شخص دوسرے شخص کا چہرہ (بطریق اجمال) یاد رکھتا ہے جب کہ وہ غائب ہو جاتا ہے پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو اسے (بہ تفصیل و تشخیص) پہچان لیتا ہے۔

ابوزید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز فجر پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ آپ ﷺ منبر سے اتر آئے اور نماز پڑھی، پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ اتر آئے اور نماز

پڑھی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا آپ ﷺ نے ہم کو جو کچھ واقع ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے سب کی خبر دی۔ ہم میں سے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہے وہ زیادہ عالم ہے۔

حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا تو میں نے اسکے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا اور قریب ہے کہ میری امت کی سلطنت ان تمام مقامات پر پہنچے اور مجھے دو خزانے سرخ و سفید دیئے گئے۔ الحدیث۔ (۱۲۹)

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مدینہ کے قلعوں میں سے ایک پر کھڑے ہوئے۔ پھر فرمایا۔ کیا تم دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے گھروں کے بیچ بارش کی طرح گر رہے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن عایش سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کو نہایت اچھی صورت میں دیکھا۔ اس نے پوچھا کہ فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا تو زیادہ دانا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ پس پروردگار نے اپنا ہاتھ میرے دو شانوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے دو پستانوں کے درمیان پائی اور جان لیا۔ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا۔ اور آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

و كذلك نرى ابراهيم ملكوت السموات والارض وليكون من الموقنين O

”اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو سلطنت آسمان اور زمین کی تاکہ اس کو یقین آئے۔“

اس حدیث کو دارمی نے بطریق ارسال روایت کیا ہے۔ اسی کی مانند ترمذی میں ہے (۱۳۰)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (اپنے دولت خانے سے) نکلے۔ اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو اچھی کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ دو کتابیں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! مگر یہ کہ آپ ہمیں بتادیں۔ جو آپ کے ہاتھ میں تھی اس کی نسبت فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے، اس میں بہشتیوں کے نام اور ان کے آباء و قبائل کے نام ہیں۔ پھر اخیر میں ان کا مجموعہ دیا گیا۔ ان میں نہ کبھی زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی پھر جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی اس کی نسبت فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے اس میں دوزخیوں کے نام ہیں۔ پھر اخیر میں مجموعہ دیا گیا ہے۔ ان میں کبھی نہ زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر اس امر سے فراغت ہو چکی ہو تو عمل کس واسطے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اپنے عملوں کو درست کرو اور قرب الہی ڈھونڈو کیوں کہ جو بہشتی ہے اس کا خاتمہ بہشتیوں کے عمل

پر ہوگا خواہ وہ عمر بھر کیسا ہی عمل کرتا رہے اور جو دوزخی ہے اس کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوگا خواہ وہ عمر بھر کیسا ہی کرتا رہے پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا اور ان دو کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فارغ ہو گیا ہے۔ ایک گروہ بہشت میں اور ایک گروہ دوزخ میں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے (۱۳۱)۔

امام احمد و طبرانی نے بروایت ابو ذر نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سے آئے۔ اس حال میں کہ آسمان پر پرندہ جو اپنا بازو ہلاتا ہے اس کے متعلق بھی اپنے علم کا آپ نے ہم سے ذکر فرما دیا (۱۳۲)۔

طبرانی میں بروایت ابن عمر مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے رکھا دنیا کو۔ میں دنیا کی طرف اور اس میں قیامت تک ہونے والے حوادث کی طرف یوں دیکھتا تھا جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں (۱۳۳)۔

طبرانی میں حضرت حذیفہ بن اسید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کل رات اس حجرہ کے پاس میری امت اول سے آخر تک مجھ پر پیش کی گئی۔ آپ سے عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ پیش کیے گئے آپ پر وہ جو پیدا ہو چکے ہیں۔ کیوں کہ وہ موجود ہیں مگر وہ کیوں کر پیش کیے گئے جو پیدا نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے آب و گل میں ان کی صورتیں بنائی گئیں یہاں تک کہ میں ان میں سے ہر ایک کو اس سے بھی زیادہ پہنچا تا ہوں جتنا کہ تم اپنے ساتھی کو پہنچانتے ہو (۱۳۴)۔

مسند فردوس میں ہے کہ میرے لیے آب و گل میں میری امت کی شکل بنائی گئی اور مجھے تمام اسماء کا علم حضرت آدم کی طرح دیا گیا (۱۳۵)۔

جب حضور ﷺ کے علم کی وسعت کا یہ حال ہے تو انس و جن و ملک میں سے کس کو یارا ہے، کہ اس کا احاطہ کر سکے۔ لہذا یہاں جو کچھ بیان ہوتا ہے اسے سمندروں میں سے ایک ایک قطرہ تصور کرنا چاہیے۔

صاحب قصیدہ بردہ شریف یوں فرماتے ہیں:

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتْهَا
وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمَ اللُّوحِ وَالْقَلَمِ

”کیوں کہ دنیا اور آخرت آپ کی بخشش سے ہے، اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم میں

سے ہے۔“

اس بیت کی شرح میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری زبدہ شرح بردہ میں یوں فرماتے ہیں:

توضیحه ان المراد بعلم اللوح ما اثبت فيه من النقوش القدسية والصور

الغيبية و بعلم القلم ما اثبت فيه كما شاء والاضافة لادنى ملابسة و كون

علمها من علومه صلى الله عليه وسلم لان علومه تتنوع الى الكليات والجزئيات وحقائق و دقائق و دوافع و معارف تتعلق بالذات والصفات و علمها انما يكون سطرا من سطور علمه و نهراً من بحور علمه ثم مع هذا هو من بركة وجوده صلى الله تعالى عليه وسلم۔

”توضیح اس کی یہ ہے کہ لوح کے علم سے مراد نقوش قدسیہ اور صورتیں غیبیہ ہیں۔ جو اس میں منقوش ہیں۔ اور قلم علم سے مراد وہ ہے جو اللہ نے جس طرح چاہا اس میں ودیعت رکھا۔ ان دونوں کی طرف سے علم کی اضافت ادنیٰ علاقہ کے باعث ہے۔ اور ان دونوں کا علم آنحضرت ﷺ کے علوم کا ایک جزو ہے اس لیے کہ حضرت کے علم کئی قسم کے ہیں علم کلیات علم جزئیات حقائق اشیاء علم اسرار اور وہ علوم و معارف جو ذات و صفات باری تعالیٰ سے متعلق ہیں یہ اور لوح و قلم کے علوم تو علوم محمدیہ کی سطروں میں سے ایک سطر اور ان کی دریاؤں میں سے ایک نہر ہیں بایں ہمہ علم لوح و قلم آنحضرت ﷺ ہی کے وجود کی برکت سے ہے (اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو نہ لوح و قلم ہوتے نہ ان کا علم)۔“

استشكل جعل علم اللوح والقلم بعض علومه صلى الله عليه وسلم بان من جماته علم اللوح والقلم الامور الخمسة المذكورة في اخر سورة لقمان مع ان النبي عليه الصلوة والسلام لا يعلمها لان الله قد استاثر بعلمها فلا يتم التبعض المذكور واجيب بعد تسليم ان هذه الامور الخمسة مما كتب القلم في اللوح والا لا طلع عليه من شأنه ان يطلع على اللوح كبعض الملائكة المقربين و على تسليم انها مما كتب القلم في اللوح فالمراد ان بعض علومه صلى الله عليه وسلم على اللوح والقلم الذي يطلع عليه المخلوق فخرجت هذه الامور الخمسة على انه صلى الله عليه وسلم لم يخرج من الدنيا الا بعد ان اعلم الله تعالى بهذه الامور فان قيل اذا كان علم اللوح والقلم بعض علومه صلى الله عليه وسلم فما البعض الاخر اجيب بان البعض الاخر هو ما اخيره الله عنه من احوال الآخرة لان القلم انما كتب في اللوح ما هو كائن الى يوم القيامة۔

”ناظم نے علم لوح و قلم کو حضرت کے علوم کا ایک جزو قرار دیا ہے اس میں یہ اشکال پیش آتا

ہے کہ امورِ خمہ جو آخر سورہ لقمان میں مذکور ہیں۔ علم لوح و قلم سے ہیں حالانکہ حضرت ان کو نہیں جانتے تھے۔ کیوں کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ لہذا جزئیّت مذکورہ درست نہیں رہتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ امورِ خمہ مذکورہ قلم نے لوح محفوظ میں لکھے ہیں اگر ایسا ہوتا تو بعض مقرب فرشتے جن کی شان یہ ہے کہ وہ لوح پر مطلع ہوتے ہیں۔ ان امور پر مطلع ہوتے۔ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ امورِ خمہ کو قلم نے لوح میں لکھا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت کے علوم کا جزو وہ علم لوح و قلم ہے جس پر مخلوق مطلع ہے پس یہ امورِ خمہ نکل گئے۔ علاوہ ازیں حضرت اس دنیا سے تشریف نہیں لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان امور کا علم دے دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب علم لوح و قلم حضرت کے علوم کا ایک جزو ٹھہرا تو دوسرا جزو کون سا ہے؟ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ دوسرا جزو وہ احوالِ آخرت ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے حضرت کو خبر دی ہے۔ کیوں کہ قلم نے تو لوح میں فقط وہ لکھا ہے جو روزِ قیامت تک ہونے والا ہے۔“

علامہ شیخ محی الدین محمد بن مصطفیٰ معروف بہ شیخ زادہ جنہوں نے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا ہے اسی بیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

والعلم فی هذا البیت اما بمعناه او بمعنی المعلوم ای بمعلو ماتک المعلومات الحاصلة منها ولعل اللہ اطلعہ علی جمیع ما فی اللوح وذادہ یضاً لا ان اللوح والقلم متناہیان فما فیہا متناہ و یجوزا احاطة المتناہی بالمتناہی هذا علی قدر فہمک اما من اکتحلت عین بصیرة بالنور الا لہی فلیشاہد بالذوق ان علم اللوح والقلم جزء من علومہ کما ہی جزء من علم اللہ سبحانہ لانه علیہ السلام عند الانسلاخ من البشریة کما لا یسمع ولا یصبر ولا یبطش ولا ینطق الا بہ جلت قدرته و عمت نعمته کذلک لا یعلم الا بعلمہ الذی لا یحیطون بشیء منه الا بما شاء کما اشارۃ الیہ بقولہ وَ عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ۔

”اس بیت میں علم یا تو اپنے معنی میں ہے یا معلوم کے معنی میں ہے یعنی آنحضرت ﷺ کے معلومات وہ معلومات ہیں جو دونوں سے حاصل ہوئے ہیں اور شاید اللہ نے حضرت کو اس تمام پر مطلع کر دیا ہے جو لوح میں ہے اور اس زیادہ کا بھی علم دیا ہے کیوں کہ لوح و قلم

متناہی ہیں۔ پس جو کچھ ان دونوں میں ہے وہ متناہی ہے اور متناہی کا احاطہ متناہی سے جائز ہے۔ اس قدر بات تیری سمجھ کے مطابق ہے۔ لیکن وہ شخص جس کی بصیرت کی آنکھ میں نور الہی کا سرمہ پڑا ہوا ہے۔ وہ ذوق سے مشاہدہ کرتا ہے کہ علوم لوح و قلم حضرت کے علوم کا جزو ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہ کے علم کا جزو ہیں۔ کیوں کہ حضور ﷺ بشریت سے السلاخ کے وقت جیسا کہ نہیں سنتے نہیں دیکھتے نہیں پکڑتے اور نہیں بولتے مگر ساتھ اللہ کے اسی طرح حضور نہیں جانتے مگر ساتھ اس علم کے جس میں سے کسی چیز کو نہیں گھیرتے ملائک و انبیاء وغیرہ مگر جو وہ چاہے۔ جیسا کہ اس نے اپنے ارشاد (و علمک مالہ تکن تعلم) میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔“

بیان بالا سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آنحضرت ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی ہے۔ کیوں کہ دونوں میں بلحاظ کیفیت و کیت بڑا فرق ہے اللہ تعالیٰ کا علم بغیر ذرائع و وسائل ذاتی قدیم۔ حضور ﷺ کا علم عطائی حادث ہے اسی طرح کیت میں بھی فرق بین ہے کیوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا علم اللہ تعالیٰ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری (تفسیر کہف) میں قصہ حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام میں ہے۔

قال و جاء عصفور فوق علی حرف السفینة فنقر فی البحر نقرة فقال له الخضر ما علمی و علمک من علم اللہ الامثل ما نقض هذا العصفور من هذا البحر۔

”فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایک چڑیا کشتی کے کنارے آ بیٹھی۔ اس نے اپنی چونچ سمندر میں ڈبوئی۔ حضرت خضر نے موسیٰ سے فرمایا کہ میرا علم اور آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں جتنا (پانی) اس چڑیا نے سمندر میں سے اپنی چونچ میں لے لیا۔“
 شیخ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں آ یہ ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء کے تحت میں یوں لکھتے ہیں:

قال شیخنا العلامة ابقاہ اللہ بالسلامة فی الرسالة الرحمانية فی بیان الکلمة الفرقانية علم الاولیاء من علم الانبیاء بمنزلة قطرة من سبعة البحر و علم الانبیاء من علم نبینا محمد علیہ الصلوٰة والسلام بهذه المنزلة و علم نبینا من علم الحق سبحانه بهذه المنزلة۔

”ہمارے استاد علامہ نے اللہ ان کو سلامت رکھے الرسالتہ الرحمانیہ فی بیان الکلمۃ

الفرقانیہ میں فرمایا کہ اولیاء کا علم انبیاء کے علم کے مقابلے میں بمنزلہ ایک قطرہ کے ہے سات سمندروں میں سے اور انبیاء کا علم ہمارے نبی محمد ﷺ کے علم کے ساتھ یہی نسبت رکھتا ہے اور ہمارے نبی کا علم حق سبحانہ کے علم کے ساتھ یہی نسبت رکھتا ہے۔“

صاحب قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں:

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُولِ اللَّهِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا
وَأَقْفُونَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمْ
مِنَ الْبَحْرِ أَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيمِ
مِنْ نُقْطَةِ الْعِلْمِ أَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحِكْمِ

ترجمہ منظوم

ہیں رسول اللہ کے فیضان سے سیراب سب وہ کسی کے حق میں شبنم ہیں کسی کے حق میں یم
اس کی پیشی میں کھڑے ہیں اپنی اپنی حد پہ سب ہے کوئی نقطہ علم کوئی اعراب حکم
ان شعروں کی تشریح و مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی روح
پاک کو پیدا کیا پھر اسے خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا وہ روح پاک عالم ارواح میں دیگر انبیائے علیہم
السلام کی روحوں کو تعلیم دیا کرتی تھی۔ ہر ایک روح نے حسب قابلیت و استعداد حضور ﷺ کی روح سے
استفادہ علم کیا۔ کسی نے حضور کے علم کے بحرِ خار سے بقدر ایک چلو کے لیا اور کسی نے حضور کے فیضان کی
لگاتار بارشوں سے بقدر ایک قطرہ یا گھونٹ کے لیا۔ علوم و معارف جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حضور
اقدس ﷺ کی روح اقدس سے حاصل کیے ان کی غایت و نہایت حضور کے علم کا دفتر کا دفتر کا فقط ایک نقطہ یا
آپ کے معارف کے دفتر کا محض ایک اعراب ہے۔

جو شخص حضور انور ﷺ کے علم غیب کا مطلقاً انکار کرتا ہے اسے آئیہ ذیل اور اس کا شان نزول مطالعہ

کرنا چاہیے۔

وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۗ قُلْ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا كُنْتُمْ
تَسْتَهْزِءُونَ ۗ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۗ (توبہ: ۸۷)

”اور البتہ اگر تو ان سے پوچھے تو البتہ وہ کہیں گے سوائے اس کے نہیں کہ ہم بول چال
کرتے تھے اور کھیلتے تھے تو کہہ دے کیا تم اللہ سے اور اس کے کلام کے رسول سے ٹھٹھا
کرتے ہو۔ بہانے مت بناؤ تحقیق تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔“

علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور (جزع ثالث ۲۵۴ ص) میں فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ اور

ابن المنذر اور ابن ابی حاتم و ابوالشیخ نقل کرتے ہیں کہ امام مجاہد نے اللہ تعالیٰ کے قول ولنن سالتهم

لیقولن انما کنا نحوض و نلعب کاشان نزول یہ بیان کیا ہے۔

قال رجل من المنافقین یحدثنا محمد ان ناقة فلان بواد کذا و کذا فی یوم کذا و کذا و ما یدریہ الغیب۔

”منافقین میں سے ایک شخص نے کہا کہ محمد (ﷺ) ہمیں بتاتے ہیں کہ فلاں شخص کی اونٹنی فلاں دن فلاں وادی میں تھی۔ وہ غیب کیا جانیں۔“

مطلب یہ کہ ایک شخص کی اونٹنی گم ہو گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ فلاں وادی میں ہے۔ ایک منافق بولا۔ وہ غیب کی خبریں کیا جانیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین جو بطریق استہزاء کہتے ہیں کہ حضرت غیب کی خبر کیا جانیں اور اس کے لیے بہانے بناتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ اس استہزاء کے سبب تم کافر ہو گئے۔ یہ قصہ غزوہ تبوک میں پیش آیا تھا۔ جسے ہم بروایت ابن اسحاق و واقدی پہلے نقل کر آئے ہیں۔

اخبار بالمغیبات کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں دوسرے وہ جو احادیث میں وارد ہیں۔ قسم اول کا ذکر اعجاز القرآن میں ہو چکا۔ قسم دوم کی چند مثالیں یہ ہیں:

کفار اپنی امت کے غلبہ کی خبر دینا۔ حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت فرما دینا کہ اس سال کے بعد تو مجھے نہ پائے گا۔ حضرت عدی بن حاتم کو راستے کے امن کی خبر دینا اور فرما دینا کہ اگر تیری زندگی دراز ہوئی تو دیکھ لے گا کہ ایک عورت حیرہ سے تنہا سفر کر کے خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈرنہ ہوگا۔ صحیفہ قریش جسے انہوں نے بحفاظت تمام خانہ کعبہ کی چھت میں رکھا تھا اسی کی نسبت تین سال کے بعد بتا دینا کہ اللہ کے نام کے سوا باقی کو دیمک چاٹ گئی ہے۔ حضرت فاطمہ الزہرا کی نسبت فرمانا کہ اہل بیت میں سے میری وفات کے بعد وہ سب سے پہلے میرے پاس پہنچے گی۔ ام المومنین حضرت زینب کی نسبت یوں فرمانا کہ میری وفات کے بعد میرے ازواج میں سب سے پہلے جو مجھ سے ملے گی وہ دراز دست (لبے ہاتھ والی) ہے۔ ابی بن خلف کی نسبت خبر دینا کہ یہ میرے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ احمہ نجاشی کی موت کی خبر دینا جس دن اس نے حبشہ میں وفات پائی۔ شب معراج کی صبح کو قریش کے قافلوں کی خبر دینا جو تجارت کے لیے شام کو گئے گئے ہوئے تھے۔

غار ثور سے نکلنے کے بعد مدینہ کے راستے میں سراقہ بن مالک سے فرمانا کہ تو کسریٰ کے کنگن پہنایا جائے گا۔ سلسلہ خلافت اور خلفائے ثلاثہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر دینا، واقعہ جمل و صفین کی خبر دینا، و بایع عمواس کی خبر دینا، حضرت امام حسن کے دو گروہ اسلام میں ذریعہ صلح ہونے کی خبر دینا، امام حسین کی شہادت کی خبر دینا، حضرت امیر معاویہ کی ولایت کی خبر دینا، حضرت عمار بن یاسر سے

فرمادینا کہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے حالات کی خبر دینا، حجاج ظالم اور مختار کذاب کی خبر دینا، حضرت عبداللہ بن زبیر کی نسبت فرمانا کہ یہ بیت اللہ شریف کو بچائے گا، یہاں تک کہ شہید ہو جائے گا۔ خوارج اور رافضہ و قدریہ مرجیہ و زنادقہ کی خبر دینا، امت کے تہتر فرقے ہونے اور ان میں سے ایک کے ناجی ہونے کی خبر دینا، غزوہ احد میں خبر دینا کہ حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ بدر کے دن میدان جنگ میں کفار قریش کے مرنے کی جگہوں کا الگ تھلگ نشان دینا کہ یہاں فلاں کافر مرے گا اور وہاں فلاں، جنگ بدر کے خاتمہ پر اپنے چچا عباس سے بتا دینا کہ تم اپنی بیوی ام الفضل کے پاس مکہ میں مال چھوڑ آئے ہو حالانکہ عباس و ام الفضل کے سوا کسی اور کو اس مال کا علم نہ تھا۔ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی کے وقت مدینہ منورہ کے قریب فرمادینا کہ یہ تیز ہوا ایک بڑے منافق (رفاعہ بن زید بن التابوت) کی موت کے لیے چلی ہے۔ حضرت اقرع بن شقی العکلی سے حالت بیماری میں فرمادینا تو اس بیماری میں نہیں مرے گا، بلکہ ملک شام میں ہجرت کرے گا اور وہیں وفات پائے گا اور رملہ میں دفن ہوگا۔ فتح مکہ کی تیاریوں کے وقت حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کی خبر دینا جو اس نے اہل مکہ کو ان کی تیاریوں سے مطلع کرنے کے لیے لکھا تھا اور حضرت علی وغیرہ سے بتا دینا کہ اس حلیہ کی ایک عورت اس خط کو لے جا رہی ہے اور تم اسے فلاں جگہ جا پکڑو گے۔ وفد عبدالقیس کے آنے کی خبر دینا، غزوہ موتہ جو مدینہ منورہ سے ایک مہینہ کی مسافت پر ملک شام میں ہو رہا تھا اس کی نسبت خبر دینا کہ حضرت زید و جعفر و ابن رواحہ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور آخر حضرت خالد نے فتح پائی۔ مقام تبوک میں جو شام و مدینہ کے درمیان ہے فرمادینا کہ آج مدینہ میں حضرت معاویہ لیشی نے انتقال فرمایا اور وہیں ان کی نماز پڑھنا، کسری و قیصر کے ہلاک ہونے اور فارس و روم کے فتح ہونے کی خبر دینا، لبید بن عاصم یہودی کے جادو کی خبر دینا، مومنین و منافقین کے اسرار کی خبر دینا، حضرت اولیس قرنی کی خبر دینا، بنائے بغداد و بصرہ و کوفہ کی خبر دینا، امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی کی بشارت دینا وغیرہ وغیرہ یہ تمام امور اس طرح وقوع میں آئے جس طرح حضور نے خبر دی تھی۔

قیامت کی نشانیاں جو آپ ﷺ نے بیان فرمائیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اور وہ تین قسم کی ہیں۔ پہلی دو قسموں کو آثار صغریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تیسری کو آثار کبریٰ کہتے ہیں۔

اول: وہ آثار جو وقوع میں آچکے۔ مثلاً حضور اقدس ﷺ کی وفات شریف، تمام صحابہ کرام کا اس دنیا سے رحلت فرمانا، حضرت عثمان غنی کا شہید ہونا، تاتاریوں کا فتنہ، حجاز کی آگ، جھوٹے دجالوں کا دعوائے رسالت کے ساتھ نکلنا، بیت المقدس اور مدائن کا فتح ہو جانا، سلطنت عرب کا زائل ہو جانا، تین خسوف کا وقوع (ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں) قتل اور فتنوں اور

زلزلوں کی کثرت، مسخ و قذف، ریحِ احمر، انقطاع طریق حج اکعبتہ اللہ سے حجرِ اسود کا اٹھ جانا، کثرتِ موت وغیرہ۔

دوم: وہ آثار جو ظہور میں آچکے ہیں اور زیادہ ہو رہے ہیں حتیٰ کہ قسم سوم سے مل جائیں گے۔ مثلاً عابدوں کا جاہل ہونا، قاریوں کا فاسق ہونا، چاندوں کا اتنا بڑا نظر آنا کہ کہا جائے یہ دوسری رات کا چاند ہے۔ بارش کا زیادہ ہونا اور روئیدگی کا کم ہونا، قاریوں کی کثرت اور فقہاء کی قلت، امیروں کی کثرت اور امینوں کی قلت فاسقوں کا سردار قبیلہ اور فاجروں کا حاکم بازار بننا۔ مومن کا اپنے قبیلہ میں نقد سے (۱۳۶) سے زیادہ ذلیل ہونا۔ تجارت کی کثرت، عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ شریک تجارت ہونا، قطع رحم کرنا، کاتبوں کی کثرت اور علماء کی قلت، جھوٹی گواہی کا ظاہر ہونا، امانت کو غنیمت سمجھنا، زکوٰۃ کو تاوان خیال کرنا، علم دین کو دنیا کی خاطر سیکھنا، حقوق والدین کی کثرت، بڑوں کی عزت نہ ہونا، چھوٹوں پر رحم نہ کیا جانا، اولادِ زنا کی کثرت، اونچے محلوں پر فخر کرنا، مسجدوں میں دنیا کی باتیں کرنا، نماز پڑھانے کے لیے مسجدوں میں اماموں کا نہ ملنا، بغیر شروطِ ارکان نمازیں پڑھنا حتیٰ کہ پچاس میں سے ایک نماز کا بھی قابل قبول نہ ہونا، مسجدوں کی آرائش کرنا، مسجدوں کو راستے بنانا، قریبی لڑکی سے اس کی مفلسی کے سبب نکاح نہ کرنا، اور کسی دنیۃ الاصل سے اس کی دولت مندی کے سبب نکاح کر لینا، ناحق مال لینا، حلال درہم کا نہ پایا جانا، سائل کا محروم رہنا، اسلام کا غریب ہونا، لوگوں میں کینہ و بغض ہونا، عمریں کم ہونا، درختوں کے پھلوں کا کم ہونا، جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا جاننا، مال حاصل کرنے کے لیے لوگوں کی منافقانہ مدح کرنا، خطباء کا جھوٹ بولنا، حکام کا ظلم کرنا، نجومیوں کو سچا جاننا، قضا و قدر کو حق نہ جاننا، مرد کا عورت یا دوسرے مرد سے لواطت کرنا، جہاد نہ کرنا، مالداروں کی تعظیم کرنا، کبیرہ گناہوں کو حلال جاننا، سود اور رشوت کھانا، قرآن کو مزامیر بنانا، درندوں کے چمڑوں کے فرش بنانا، ریشم پہننا، جہالت و زنا و شراب نوشی کی کثرت، خائن کو امین اور امین کو خائن سمجھنا، گانے والی لونڈیوں کا رکھنا، آلاتِ لہو کا حلال سمجھنا، حدودِ شرعیہ کا جاری نہ ہونا، عہد توڑنا، عورتوں کا مردوں سے اور مردوں کا عورتوں سے مشابہت پیدا کرنا، اخیر امت کا اول امت کو برا کہنا، مردوں کا عمامے چھوڑ کر عجمیوں کی طرح تاج پہننا، قرآن کو تجارت بنانا، مال میں سے اللہ کا حق ادا نہ کرنا، جو اکیلنا، باجے بجانا، کم تولنا، جاہلوں کو حاکم بنانا، مسجدیں بنانے پر فخر کرنا، مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت یہاں تک کہ ایک مرد پچاس عورتوں کا متکفل ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔

سوم: آثارِ کبریٰ جن کے بعد ہی قیامت آجائے گی۔ یہ آثار یکے بعد دیگرے پے درپے ظاہر ہوں گے

جیسے سلک مروارید سے موتی گرتے ہیں۔ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے شروع ہو کر نفعِ صورت پر ختم ہو جائیں گے۔ ان کا بیان جو آنحضرت ﷺ کی حدیثوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کا خلاصہ حسب معلومات نیچے درج کیا جاتا ہے:

جب آثارِ صغریٰ سب ظاہر ہو چکیں گے تو اس وقت نصاریٰ کا غلبہ ہوگا۔ ایک مدت کے بعد خالد بن یزید بن ابی سفیان اموی کی اولاد سے ایک شخص سفیان نام جانب دمشق سے ظاہر ہوگا جس کی ننھیال قبیلہ قلب ہوگا وہ اہل بیت کو بری طرح قتل کرے گا۔ شام و مصر کے اطراف میں اس کا حکم جاری ہوگا۔ اسی اثناء میں شاہ روم کی عیسائیوں کے ایک فرقہ سے جنگ اور دوسرے سے صلح ہوگی۔ لڑنے والا فرقہ قسطنطنیہ پر قبضہ کر لے گا۔ شاہ روم ملک شام میں آجائے گا اور دوسرے فرقہ کی مدد سے ایک خونریز لڑائی کے بعد فتح پائے گا۔ دشمن کی شکست کے بعد فرقہ موافق میں سے ایک شخص بول اٹھے گا کہ یہ فتح صلیب کی برکت سے ہوئی ہے اسلامی لشکر میں سے ایک شخص اسے مار پیٹ کرے گا اور کہے گا نہیں۔ بلکہ اسلام کی برکت سے ایسا ہوا ہے۔ الغرض دونوں اپنی اپنی قوم کو مدد کے لیے پکاریں گے اور خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس میں بادشاہ اسلام شہید ہو جائے گا اور دونوں عیسائی فریق باہم صلح کر لیں گے۔ اسی طرح شام میں عیسائی راج ہو جائے گا۔ بقیۃ السیف مسلمان مدینہ منورہ چلے آئیں گے۔ اور عیسائیوں کی حکومت مدینہ منورہ کے قریب خیبر تک پھیل جائے گی۔ اس وقت اہل اسلام کو امام مہدی علیہ السلام کی تلاش ہوگی۔

حضرت امام مدینہ سے مکہ تشریف لے آئیں گے۔ اہل مکہ کی ایک جماعت حضرت امام مہدی علیہ السلام: حجر اسود و مقام ابراہیم کے درمیان آپ سے بیعت کرے گی حالانکہ آپ اس منصب امامت پر راضی نہ ہوں گے۔ آپ کا اسم گرامی محمد، باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ آپ حضرت فاطمہ الزہرا کی اولاد سے ہوں گے۔ آپ کی عمر مبارک اس وقت چالیس سال ہوگی۔ ان حالات میں ماوراء النہر سے ایک شخص حارث حراث نام اہل اسلام کی مدد کے لیے ایک لشکر بھیجے گا جس کا مقدمہ منصور کے زیر کمان ہوگا۔ یہ لشکر راستہ میں بہت سے عیسائیوں اور بددینوں کا صفایا کرے گا۔ ظالم سفیانی جس کا اوپر ذکر ہوا اپنا لشکر امام مہدی کے مقابلہ کے لیے بھیجے گا جو شکست کھائے گا اس کے بعد خود سفیان لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لیے آئے گا اور مقام بیداء میں مکہ و مدینہ کے درمیان لشکر سمیت زمین میں دھنس جائے گا۔ صرف ایک شخص بچے گا جو امام مہدی کو اس واقعہ کی خبر دے گا۔ حضرت امام کی اس کرامت کی خبر دور دور پہنچ جائے گی۔ شام کے ابدال اور عراق کے اوتاد آپ کے دست مبارک پر بیعت کریں گے۔ فوج مدینہ کے علاوہ باقی عرب و یمن کے لوگ بکثرت آپ کے لشکر

میں داخل ہو جائیں گے۔

افواج اسلام کی خبر سن کر نصاریٰ بھی ممالک روم وغیرہ سے لشکرِ جرار لے کر شام میں جمع ہو جائیں گے۔ لشکرِ کفار میں اسی جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے تلے بارہ ہزار سوار ہوں گے۔ امام مہدی مکہ سے بغرض زیارت مدینہ منورہ جائیں گے اور وہاں سے ملک شام پہنچیں گے۔ حلب یا دمشق کے نواح میں لشکرِ کفار سے مقابلہ ہوگا۔ حضرت امام کے لشکر کا تہائی حصہ بھاگ جائے گا جن کی موت کفر پر ہوگی اور ایک تہائی شہادت سے شرف ہوگا اور باقی تہائی فتح پائے گا۔ دوسرے روز امام موصوف نصاریٰ کے مقابلہ کے لیے نکلیں گے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت عہد کرے گی کہ بغیر فتح پائے یا شہید ہوئے میدان سے واپس نہ آئیں گے۔ یہ سب کے سب شہید ہو جائیں گے۔ اگلے روز پھر ایک جماعت یہی عہد کرے گی اور جام شہادت نوش کرے گی۔ اسی طرح تیسرے دن بھی وقوع میں آئے گا۔ چوتھے روز بقیہ اہل اسلام کفار پر فتح پائیں گے۔ مگر اس سے کسی کو خوشی نہ ہوگی کیوں کہ اس لڑائی میں بہت سے خاندان ایسے ہوں گے جن میں فیصدی ایک بچا ہوگا۔ اس کے بعد امام موصوف نظم و نسق میں مشغول ہوں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ پھر ایک سخت لڑائی کے بعد قسطنطنیہ فتح ہو جائے گا۔

جب اہل اسلام غنائم قسطنطنیہ تقسیم کر رہے ہوں گے تو شیطان آواز دے گا کہ دجال دجال لعین: تمہارے اہل و اولاد میں آ گیا ہے۔ یہ سنتے ہی غنائم چھوڑ کر دجال کی طرف متوجہ ہوں گے اور دس سواری بطور طلیعہ خبر لانے کے لیے بھیجیں گے ان کی نسبت حضور رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کے نام، ان کے باپوں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ پہنچاتا ہوں اور وہ اس وقت روئے زمین پر بہترین سواروں میں سے ہوں گے۔ یہ افواہ غلط ثابت ہوگی۔ لشکر اسلام جب قسطنطنیہ سے روانہ ہو کر شام پہنچے گا تو جنگ عظیم سے ساتویں سال شام و عراق کے درمیان ایک راستہ سے دجال ظاہر ہوگا۔ اس کے ظہور سے پہلے دو سال قحط رہے گا۔ تیسرے سال دوران قحط ہی میں اس کا ظہور ہوگا۔

دجال کی ایک آنکھ اور ایک ابرو بالکل نہ ہوگی بلکہ وہ جگہ ہموار ہوگی۔ مسح لعین ہونے کے سبب سے اسے مسح الدجال کہتے ہیں۔ وہ ایک بڑے گدھے پر سوار ہوگا اور اس کی پیشانی کے درمیان ک اف (کافر) لکھا ہوگا صرف جسے اہل ایمان کا تب پڑھ لیں گے۔ وہ روئے زمین پر پھرے گا اور لوگوں کو اپنی الوہیت کی دعوت دے گا۔ اور وہ اسی غرض کے لیے اپنے سرایا مختلف اطراف میں بھیجے گا۔ اس کے ساتھ ایک باغ ہوگا جسے وہ جنت کہے گا۔ ایک آگ ہوگی جسے دوزخ بتائے گا۔ موافقین کو وہ اپنی بہشت میں اور مخالفین کو اپنی دوزخ میں ڈالے گا۔ مگر حقیقت میں وہ بہشت دوزخ کی خاصیت رکھتی ہوگی اور دوزخ باغ بہشت کی مانند ہوگی۔ اس کے پاس اشیاء خوردنی کا بڑا ذخیرہ ہوگا۔ اس میں سے جسے چاہے

دے گا۔ لوگوں کو آزمائش کے لیے اس سے خارق عادت امور ظاہر ہوں گے۔ جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے ان کے لیے آسمان کو حکم دے گا تو مینہ برسنے لگ جائے گا۔ زمین کو حکم دے گا تو گھاس اور زراعت بکثرت اگائے گی۔ جو انکار کریں گے ان سے مینہ اور زراعت و نباتات کو روک دے گا۔ ایک ویرانے میں پہنچے گا تو زمین سے کہے گا کہ اپنے خزانے نکال دے۔ چنانچہ اس ویرانے کے خزانے اس کے پیچھے چلیں گے۔ بعض آدمیوں سے کہے گا کہ میں تمہارے مردہ ماں باپ کو زندہ کر دیتا ہوں اگر تم میری خدائی پر ایمان لاؤ۔ پھر وہ شیطان کو حکم دے گا کہ زمین میں سے ان کے ماں باپ کے ہم شکل ہو کر نکلو۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کریں گے۔ اسی طرح اس کے لشکری ایک مومن کو پیش کریں گے وہ دیکھتے ہی کہہ دے گا لوگو! یہ تو دجال ہے جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے کر دیا ہے۔ یہ سن کر دجال حکم دے گا کہ اس کو لٹا کر اس کا سر توڑ دو۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔ پھر دجال اس سے پوچھے گا کیا تو مجھ پر ایمان نہیں لاتا؟ مومن جواب دے گا کہ تو جھوٹا مسیح ہے۔

پھر دجال کے حکم سے سر سے پاؤں تک اس کے دو ٹکڑے کیے جائیں گے۔ دجال دونوں ٹکڑوں کے درمیان چلے گا اور کہے گا اٹھ۔ وہ اٹھ بیٹھے گا۔ دجال کہے گا کیا تو مجھ پر ایمان لاتا ہے؟ مومن جواب دے گا۔ اب تو مجھے خوب یقین ہو گیا کہ تو جھوٹا دجال ہے۔ اور کہے گا۔ اے لوگو! میرے بعد یہ کسی اور سے ایسا نہ کر سکے گا۔ بعد ازاں دجال اسے ذبح کرنا چاہے گا مگر نہ کر سکے گا۔ اور اسے اپنی دوزخ میں پھینک دے گا مگر وہ اس مومن کے لیے جنت ہو جائے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ مومن اللہ کے نزدیک بڑا شہید ہوگا۔ الغرض دجال مختلف مقامات پر جائے گا۔ شام سے اصفہان میں پہنچے گا وہاں ستر ہزار یہودی اس کے پیرو بن جائیں گے۔ پھر تاپھر تاسرحد یمن پر پہنچ جائے گا۔ وہاں سے مکہ معظمہ کا قصد کرے گا مگر فرشتوں کی محافظت کے سبب اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ پھر مدینہ منورہ میں پہنچے گا۔ اس وقت مدینہ طیبہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے محافظ ہوں گے اس لیے شہر کے اندر داخل نہ ہو سکے گا۔ یہاں سے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہوا شام کی طرف روانہ ہوگا۔

قبل اس کے دجال دمشق میں پہنچے، امام مہدی علیہ السلام وہاں پہنچ کر جنگ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی تیاری کر چکے ہوں گے۔ اسی اثنا میں اچانک اللہ تعالیٰ حضرت مسیح

بن مریم علیہما السلام کو آسمان سے بھیجے گا۔ آپ دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے زرد رنگ کا جوڑا زیب تن کیے ہوئے نہایت نورانی شکل میں دمشق کے مشرقی جانب سفید منارہ پر اتریں گے اور اس امت کی تکریم و تعظیم کی جہت سے حضرت امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ پھر لشکر اسلام لشکر دجال پر حملہ کرے گا، گھمسان کا معرکہ ہوگا۔ اس وقت دم عیسیٰ کی یہ خاصیت ہوگی کہ جہاں تک آپ کی نظر کی

رسائی ہوگی وہاں تک آپ کا سانس بھی پہنچے گا۔ اور جس کافر تک وہ پہنچے گا ہلاک ہو جائے گا۔ اور دجال بھاگ جائے گا مگر حضرت مسیح علیہ السلام اس کو بیت المقدس کے قریب موضع لد کے دروازے میں جالیں گے اور نیزہ سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔ لشکر اسلام لشکر دجال کے قتل و غارت میں مشغول ہو جائے گا۔ لشکر دجال میں جو یہود ہوں گے ان کو کوئی چیز پناہ نہ دے گی یہاں تک کہ رات کے وقت اگر کوئی یہودی پتھریا درخت کی آڑ میں چھپا ہوگا تو وہ پتھریا درخت بول اٹھے گا کہ یہاں یہودی ہے اس کو قتل کر دو۔

زمین پر دجال کا فتنہ چالیس دن رہے گا جن میں سے ایک دن ایک سال ایک دن ایک مہینے اور ایک دن ایک ہفتہ کے مانند ہوگا۔ باقی دن معمولی دنوں کے مانند ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا، کیا اس میں ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ ایک سال کی نمازیں اس دن میں تخمینہ سے ادا کرنی ہوں گی۔

دجال کے فتنے کے رفع ہونے بعد حضرت مسیح علیہ السلام اصلاحات میں مشغول ہوں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے اور کفار سے، جزیہ قبول نہ کیا جائے گا۔ سوائے قبول اسلام اور قتل کے دوسرا حکم نہ ہوگا سب کافر مسلمان ہو جائیں گے۔ امام مہدی علیہ السلام کی خلافت ۷ یا ۸ یا ۹ سال کی ہوگی، اس کے بعد آپ کا وصال ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائیں گے۔

اس کے بعد لوگ امن و امان کی زندگی بسر کرتے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ حضرت یاجوج و ماجوج: عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجے گا کہ میں ایسے بندے نکالنے والا ہوں کہ کسی میں ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت و قدرت نہیں ہے۔ تم میرے خالص بندوں کو کوہ طور کی طرف لے جاؤ۔ آپ قلعہ طور میں پناہ گزیں ہو کر سامان حرب و رسد کے مہیا کرنے میں مشغول ہوں گے۔ اس وقت یاجوج و ماجوج نکل پڑیں گے یہ لوگ یافث بن نوح کی اولاد سے ہیں۔ ان کا ملک قطب شمالی کی طرف ہفت اقلیم سے باہر بتایا جاتا ہے۔ اس کے جانب شمال سمندر ہے جو سال بھر منجمد رہتا ہے۔ مشرق و مغرب میں دیواروں کی مثل دو پہاڑ ہیں ان کے درمیان کی ایک گھاٹی سے نکل کر وہ اس طرف کے لوگوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ سکندر ذوالقرنین نے ان کو ایک اہنی دیوار کے ذریعہ سے بند کر دیا تھا۔ جس کی بلندی ان دونوں پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچتی ہے اور موٹائی ساٹھ گز ہے۔ وہ دن بھر اس دیوار کے توڑنے میں لگے رہتے ہیں مگر رات کو قدرت الہی سے دیوار ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ جب ان کے نکلنے کا وقت آئے گا تو وہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ لوگ مڈی دل کی طرح ہر طرف پھیل جائیں گے اور بے دریغ قتل و غارت کریں گے۔ ان کی کثرت کا یہ حال ہے کہ ان کی پہلی جماعت بحیرہ طبریہ میں (جو دس میل لمبا ہے) پہنچے گی تو اس کا تمام پانی پی جائے گی اور دیکھ کر کہے گی کہ یہاں کبھی پانی تھا؟ پھر وہ قتل و غارت کرتے

ہوئے قدس کے پہاڑ خمر میں پہنچیں گے تو کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کا تو صفایا کر دیا۔ چلو آسمان والوں کو بھی مار ڈالیں۔ پھر وہ آسمان کی طرف تپتے پھینکیں گے جن کو اللہ تعالیٰ خون آلود کر کے لوٹا دے گا۔ وہ دیکھ کر خوش ہو گے کہ اب تو ہمارے سوا کوئی نہیں رہا۔ محصورین (حضرت عیسیٰ اور آپ کے اصحاب) میں قحط کا یہ عالم ہو گا کہ گائے کا کلمہ سو سو دینار سے بھی زیادہ قیمتی ہو گا۔ پس محصورین دعا کریں گے اس پر اللہ تعالیٰ ان میں مرض نغف بھیجے گا یہ ایک دانہ ہوتا ہے جو اونٹ اور بھیڑ اور بکری کی گردنوں میں نکلتا ہے اور طاعون کی طرح ہلاک کر دیتا ہے۔ اس مرض میں یا جوج و ماجوج یکبارگی ہلاک ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب میدان کی طرف آئیں گے اور زمین میں ایک بالشت بھر جگہ ایسی نہ پائیں گے جو ان کی چربی و گندگی سے پر نہ ہو۔ پھر آپ مع اصحاب دست بدعا ہوں گے اللہ تعالیٰ ایسے پرندے بھیجے گا کہ جن کی گردنیں شتران بختی کی مانند لمبی ہوں گی۔ وہ پرندے ان کی لاشوں کو وہاں پھینک دیں گے جہاں اللہ تعالیٰ چاہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک عالمگیر بارش بھیجے گا جس سے زمین بالکل صاف ہو جائے گی۔ اس بارش کی برکت سے زمین کی پیداوار میں بڑی ترقی ہوگی یہاں تک کہ ایک انار ایک جماعت کے لیے کافی ہوگا۔ حیوانات کا دودھ اس کثرت سے ہوگا کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک قبیلہ کے لیے کافی ہوگا۔ اور ایک بکری کا دودھ ایک کنبہ کے لیے کافی ہوگا۔ قوم یا جوج و ماجوج کی کمانیں، ترکش اور تیر مومنوں کے لیے سات سال ایندھن کا کام دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں چالیس سال رہیں گے۔ آپ کا نکاح ہوگا اور اولاد پیدا ہوگی۔ پھر آپ انتقال فرمائیں گے اور حضور اکرم ﷺ کے روضہ مطہرہ میں دفن ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قبیلہ قحطان میں سے ایک شخص چچاہ نام یمن کے رہنے والے آپ کے خلیفہ ہوں گے اور امور خلافت کو عدل و انصاف کے ساتھ سرانجام دیں گے۔ چچاہ کے بعد چند اور بادشاہ ہوں گے جن کے عہد میں رسوم کفر و جہل شائع ہو جائیں گی اور علم کم ہو جائے گا۔ اسی اثنا میں ایک مکان مشرق میں اور مغرب میں زمین میں دھنس جائے گا۔ جن میں منکرین تقدیر ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ایک بڑا دھواں آسمان سے نمودار ہوگا جو چالیس روز رہے گا۔ اس دھواں (دھواں): سے مسلمان زکام میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کافروں اور منافقوں پر بیہوشی طاری ہو جائے گی۔ بعض ایک دن بعض دو دن اور بعض تین دن کے بعد ہوش میں آئیں گے۔

اس کے بعد ماہ ذی الحجہ میں یوم نحر کے بعد رات اس قدر لمبی ہو آفتاب کا مغرب سے نکلتا: جائے گی کہ بچے چلا اٹھیں گے، مسافر تنگ دل اور مویشی چراگاہ کے لیے بے قرار ہوں گے۔ یہاں تک کہ لوگ بے چینی کی وجہ سے نالہ و زاری کریں گے اور توبہ توبہ

پکاریں گے۔ آخر تین چار رات کی مقدار اس رات کے دراز ہونے کے بعد اضطراب کی حالت میں آفتاب مغرب سے چاند گرہن کی مانند تھوڑی سی روشنی کے ساتھ نکلے گا۔ اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور اس دن آفتاب اتنا بلند ہو کر غروب ہو گا جتنا کہ چاشت کے وقت ہوتا ہے۔ پھر حسب معمول مشرق کی طرف سے نکلتا رہے گا۔

دلۃ الارض: دوسرے روز لوگ اسی کا ذکر کر رہے ہوں گے کہ کوہ صفا زلزلہ سے پھٹ جائے گا، اور اس سے ایک عجیب شکل کا جانور نکلے گا جسے دلۃ الارض کہتے ہیں وہ چہرے میں آدمی سے، گردن میں اونٹ سے، دم میں نیل سے، سرین میں ہرن سے، سینگوں میں بارہ شگے سے، ہاتھوں میں بندر سے، اور کانوں میں ہاتھی سے، مشابہ ہوگا۔ پہلے یمن میں پھر نجد میں ظاہر ہو کر غائب ہو جائے گا۔ پھر دوبارہ مکہ مشرفہ میں ظاہر ہوگا اس کے ہاتھ میں حضرت موسیٰ کا عصا اور دوسرے میں حضرت سلیمان کو انگٹھی ہوگی۔ وہ ایسی تیزی سے شہروں کا دورہ کرے گا کہ کوئی بھاگنے والا اس سے نہ بچ سکے گا۔ وہ اہل ایمان کی پیشانی پر عصائے موسیٰ سے ایک نورانی خط کھینچ دے گا جس سے تمام چہرہ نورانی ہو جائے گا اور کفار کی ناک یا گردن پر خاتم سلیمان سے مہر کر دے گا جس سے ان کا چہرہ سیاہ اور بے رونق ہو جائے گا۔

خانہ کعبہ کا گرایا جانا: اس کے بعد ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی جس کے سبب سے ہر صاحب ایمان کی بغل میں درد پیدا ہوگا۔ افضل فاضل سے، فاضل ناقص سے، اور ناقص فاسق سے پہلے مرنے شروع ہو جائیں گے، یہاں تک کہ کوئی اہل ایمان باقی نہ رہے گا۔ بعد ازاں کفار حبشہ کا غلبہ ہوگا اور ان کی سلطنت قائم ہوگی۔ وہ خانہ کعبہ کو ڈھا دیں گے۔ حج موقوف ہو جائے گا۔ قرآن مجید دلوں زبانوں اور کاغذوں سے اٹھ جائے گا۔ خدا ترسی اور خوف آخرت دلوں سے اٹھ جائے گا۔ شرم و حیا نہ رہے گی۔ آدمی گدھوں اور کتوں کی مانند دوستوں کے سامنے جماع کریں گے حکام کا ظلم اور رعایا کی ایک دوسرے پر دست درازی رفتہ رفتہ بڑھ جائے گی۔ جس سے شہر و قصبات ویران ہو جائیں گے۔ قحط و وبا کا ظہور ہوگا۔

ایک بڑی آگ: اس وقت ملک شام میں کچھ ارزانی ہوگی۔ دیگر ممالک کے لوگ اہل و عیال سمیت شام کا روانہ ہوں گے۔ اسی اثنا میں ایک بڑی آگ جنوب کی طرف سے نمودار ہوگی وہ ان کا تعاقب کرے گی۔ یہاں تک کہ وہ شام پہنچ جائیں گے پھر وہ آگ غائب ہو جائے گی۔ اس کے بعد چار پانچ سال عیش و عشرت کے ساتھ غفلت میں، زندگی بسر کریں گے۔ بت نفع صور: پرستی عام ہوگی۔ کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا۔ یکا یک جمعہ کے روز جو یوم عاشورہ بھی ہوگا

صبح کے وقت اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ صور کی آواز کے صدمہ سے تمام جہان فنا ہو جائے گا۔ زمین و آسمان ٹکڑے ہو جائیں گے۔ چاند، سورج اور تمام ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ دریا خشک ہو جائیں گے۔ آگ بجھ جائے گی۔ سوائے ذات باری تعالیٰ کے کوئی باقی نہ رہے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ لمن الملک الیوم (آج سلطنت کس کی ہے)۔ پھر خود ہی جواب دے گا۔ اللہ الواحد القہار (اس ایک اللہ کی جو قہار ہے) ایک مدت کے بعد بار دیگر نئے آسمان اور نئی زمین پیدا ہو گی۔ پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام دوبارہ صور پھونکیں گے۔ اس کی آواز سے سب مردوں کے جسم دوبارہ وہی بن جائیں گے اور زندہ ہو کر قبروں سے اٹھیں گے۔ اسی کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کے واقعات جو قرآن مجید و احادیث شریفہ میں مذکور ہیں۔ مثلاً مردوں کا ان ہی اجساد کے ساتھ زندہ ہو کر اٹھنا، آفتاب کا زمین کے قریب آ جانا، حساب اعمال ہونا، ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کا نیک و بد اعمال کی گواہی دینا، نیکیوں کو نامہ اعمال کا سامنے کی طرف سے دائیں ہاتھ میں ملنا اور بدوں کو پشت کی طرف سے بائیں ہاتھ میں ملنا، اعمال کا ترازوں میں تلنا، پل صراط سے گزرنا، مومنوں کا اپنے مرتبہ کے موافق کسی کا بجلی کی طرح، کسی کا دوڑتے گھوڑے کی طرح، کسی کا اڑتے پرندے کی طرح، کسی کا معمولی چال سے پل صراط عبور کر جانا اور منافقین و کافر کا کٹ کٹ کر دوزخ میں گرنا، حوض کوثر کے الذیذ و سرد پانی کے پینے سے مومنوں کی سب کلفتوں کا دور ہو جانا اور جنت میں داخل ہونا وغیرہ۔ ان سب کے لیے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے یہاں بطور نمونہ ذیل میں دو تین پیشین گوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

صحیحین (۱۳۷) میں بروایت سعید بن المسیب مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر حجاز کی آگ: دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایک آگ حجاز کی زمین سے نکلے گی جو بصری (۱۳۸) میں اونٹوں کی گردنیں روشن کرے گی۔

مذکورہ بالا پیشین گوئی کے مطابق وہ آگ سرزمین حجاز میں ظاہر ہوئی۔ اس کے ظہور سے پہلے کئی زلزلے آئے جو اس کا پیش خیمہ تھے۔ چنانچہ ماہ جمادی الاولیٰ ۳۵۴ھ کی اخیر تاریخ کا مدینہ منورہ میں کئی دفعہ زلزلہ آیا مگر چونکہ خفیف تھا اس لیے بعض لوگوں کو محسوس نہ ہوا۔ سہ شنبہ کے روز سخت زلزلہ آیا۔ جسے عام و خاص سب نے محسوس کیا۔ شب چہار شنبہ ۳ جمادی الاخریٰ کورات کے اخیر تہائی حصہ میں مدینہ میں ایسا سخت زلزلہ آیا کہ لوگ ڈر گئے اور اس کی بیت سے دل کانپ گئے۔ زلزلے کا یہ سلسلہ جمعہ کے دن تک رہا۔ اس کی آواز بجلی سے بڑھ کر تھی، زمین کانپتی تھی اور دیواریں بل رہی تھیں۔ یہاں تک کہ صرف دن کے وقت اٹھارہ دفعہ حرکت ہوئی۔ جمعہ کا چاشت کے وقت زلزلہ بند ہو گیا دوپہر کے وقت مدینہ منورہ سے تقریباً ایک منزل جانب شرف یہ آگ نمودار ہوئی اس کے ظاہر ہونے کی جگہ سے آسمان کی

طرف بکثرت دھواں اٹھا جس نے افق کو گھیر لیا۔ جب تاریکی چھا گئی اور رات آگئی تو آگ کے شعلے تیز ہو گئے۔ یہ آگ ایک ایسے شہر کی مانند معلوم ہوتی تھی جس کے گرد ایک فصیل ہو اور اس پر کنگرے اور برج مینار ہوں۔ غرض اس آگ کو دیکھ کر اہل مدینہ ڈر گئے (۱۳۹) چنانچہ قاضی سنان حسینی کا بیان ہے کہ میں ”امیر مدینہ عزیز الدین مدیف بن شیمہ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ عذاب نے ہم کو گھیر لیا ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کر۔ یہ سن کر اس نے اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے اور لوگوں کے اموال ان کو واپس کر دیئے پھر وہ اپنے قلعہ سے نکل کر حرم شریف میں آیا۔ اس نے اور تمام اہل مدینہ حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں نے جمعہ اور ہفتہ کی رات حرم شریف میں گزار دی اور باغات میں کوئی ایسا نہ رہا جو حرم شریف میں نہ آیا ہو۔ لوگ رات کو گریہ و زاری اور تضرع کرتے تھے اور حجرہ شریف کے گرد ننگے سر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے گڑ گڑا کر دعا مانگ رہے تھے اور نبی الرحمة ﷺ سے پناہ طلب کر رہے تھے۔“

قطب قسطلانی جو اس وقت مکہ میں مقیم تھے، ان کا بیان ہے کہ یہ آگ بڑھتی ہوئی حرہ اور وادی شظات کے متصل آ پہنچی۔ اور وادی شظات میں سے جس کی ایک طرف وادی حمزہ رضی اللہ عنہا ہے گزر کر حرم نبی ﷺ کے مقابل ٹھہر گئی۔ اس آگ کے شعلے ایسے تیز تھے کہ شجر و حجر جو اس کے راستے میں آتا اسے پارہ پارہ کر دیتی اور پگھلا دیتی۔ غرض اس رحمتہ اللعالمین ﷺ کی تربت شریف کی برکت سے یہ آگ حرم شریف سے خارج ہی رہی اور وہاں سے پیچھے ہٹ کر اپنا رخ جانب شمال کر لیا۔ اور ۵۲ دن تک روشن رہی۔ یہ آگ مکہ، یبج اور تیماء سے دکھائی دیتی تھی اور شہر بصری کے لوگوں کو اس کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں نظر آ گئیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ مؤرخین کا قول ہے کہ یہ آگ چار فرسنگ لمبی اور چار میل چوڑی اور ڈیڑھ قامت عمیق وادی میں چلتی تھی۔ اس کی حرارت سے پتھر رانگ کی مانند پگھل جاتا تھا۔ اس طرح وادی کے اخیر میں حرہ کے منہا کے نزدیک پگھلے ہوئے پتھر جمع ہوتے گئے اور آخر کار وادی شظات کے وسط میں کوہ و عمیرہ کی طرف ایک سد بن گئی۔ اس سد کے آثار ہنوز باقی ہیں۔ اور اہل مدینہ اسے جس کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں اس آگ کا ظہور ایسا مشہور ہے کہ مؤرخین کے نزدیک حد تو اتر کو پہنچا ہوا ہے۔ کذا فی الوفا للسمودی۔

امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ) جو اس زمانے میں موجود تھے۔ اس آگ کی نسبت شرح صحیح مسلم (مطبوعہ انصاری۔ جلد ثانی۔ کتاب الفتن ص ۳۹۳) میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

وقد خرجت فی زماننا نار بالمدينة سنه اربع خمسين و ستمائة و كانت ناراً عظيمة جدا خرجت من جنب المدينة الشرقي وراء الحرة تواتر العلم بها عند جميع اهل الشام و سائر البلدان و اخبرني من حضرها من

اہل المدینہ۔

”اور تحقیق ہمارے زمانے میں ۶۵۴ھ میں مدینہ میں ایک نگی اور نہایت بڑی آگ جو مدینہ کے شرقی جانب سے حر، کے پیچھے نکلی۔ شام اور باقی شہروں کے تمام باشندوں کو بطریق تواتر اس کا علم ہوا۔ اور مجھے اہل مدینہ میں سے ایک شخص نے خبر دی جس نے اس آگ کو دیکھا۔“

علامہ تاج الدین سبکی (متوفی ۷۷۱ھ) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (جزء خامس ص ۱۱۲) میں لکھتے ہیں کہ جب ماہ جمادی الاخریٰ ۶۵۶ھ کی پانچویں تاریخ ہوئی تو مدینہ النبی میں اس آگ کا ظہور ہوا اور اس سے پہلے کی دوراتوں میں ایک بڑی آواز ظاہر ہوئی۔ پھر ایک بڑا زلزلہ آیا پھر قرینہ کے قریب حرہ میں آگ ظاہر ہوئی۔ اہل مدینہ اپنے گھروں سے اسے دیکھتے تھے۔ اس آگ کی روئیں پانی کی طرح جاری ہوئیں اور پہاڑ آگ بن کر رواں ہوئے۔ یہ آگ حاجیوں کے راستہ عراقی کی طرف روانہ ہوئی پھر ٹھہر گئی اور زمین کو کھانے لگی۔ رات کے اخیر حصہ سے چاشت کے وقت تک اس میں سے ایک بڑی آواز آتی تھی۔ لوگوں نے نبی ﷺ سے مدد طلب کی اور گناہ ترک کر دیئے۔ یہ آگ ایک مہینہ سے زیادہ روشن رہی۔ یہ وہی آگ ہے جس کی خبر جناب مصطفیٰ صلوات اللہ علیہ نے دی تھی۔ کیوں کہ آپ نے فرمایا تھا کہ ”قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ سرزمین حجاز سے ایک آگ نکلے گی جس سے بصری میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔“ ایک شخص سے جو رات کے وقت بصری میں تھا روایت ہے کہ اس کو اس آگ کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں نظر آ گئیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

تاتاریوں کا فتنہ اور حادثہ بغداد: نے فرمایا۔ میری امت کے لوگ ایک پست زمین میں جس کا نام بصرہ ہوگا ایک دریا کے نزدیک اتریں گے جس کو دجلہ کہتے ہیں۔ اس دریا پر ایک پل ہوگا۔ بصرہ کے باشندے بکثرت ہوں گے اور وہ شہر مسلمانوں کے بڑے شہروں میں سے ہوگا۔ جب آخر زمانہ آئے گا تو قنطورا کے بیٹے آئیں گے جن کے چہرے فراخ اور آنکھیں چھوٹی ہوں گی یہاں تک کہ وہ اس دریا کے کنارے پر اتریں گے۔ اس وقت بصرہ کے باشندے تین گروہ ہو جائیں گے۔ اور ایک گروہ بیلوں کی دموں (۱۴۰) اور بیابان میں پناہ لے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اور ایک گروہ اپنی جانوں کے لیے طالب امان ہوگا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اور ایک گروہ اپنی اولاد کو پست پشت ڈال دے گا اور ان سے لڑے گا۔ وہی حقیقی شہید ہوں گے۔ اس حدیث کو ابو داؤد (۱۴۱) نے روایت کیا ہے (۱۴۲)۔

اس حدیث میں قنطوراء سے مراد تاتاری لوگ یعنی ترک ہیں کیوں کہ قنطوراء حضرت ابراہیم علی نبینا

علیہ الصلوٰۃ کی ایک لونڈی کا نام ہے جس کی نسل سے یہ لوگ ہیں۔ ان کے چہروں کے کشادہ اور آنکھوں کے چھوٹا ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ البتہ حدیث میں بصرہ کا لفظ ہے مگر اس سے مراد شہر بغداد ہے۔ کیوں کہ دریائے درجلہ اور ہل بغداد میں ہیں نہ بصرہ میں۔ ون ۹ ز ترک لڑائی کے لیے اس کیفیت سے جو حدیث میں مذکور ہے بصرہ میں نہیں آئے بلکہ بغداد میں آئے ہیں جیسا کہ مشہور و معروف ہے۔ حدیث میں بصرہ کا ذکر اس لیے ہے کہ بغداد کی نسبت بصرہ قدیم شہر ہے جس کے مضافات میں سے وہ گاؤں اور مواضع تھے جن میں شہر بغداد بنا۔ علاوہ ازیں بغداد کے نزدیک ایک گاؤں کا نام (۱۲۳) بھی بصرہ ہے۔

یہ پیشین گوئی ماہ محرم ۶۵۶ھ میں پوری ہوئی جب کہ چنگیز خان تاتاری کے پوتے ہلاکو نے شہر بغداد پر لشکر کشی کی۔ اس کی مختصر کیفیت (۱۲۴) یہ ہے کہ اس وقت بغداد میں خاندان عباسیہ کا آخری خلیفہ معتمد باللہ مسند خلافت پر متمکن تھا۔ اس کا وزیر موید الدین محمد بن علی ^{علقمی} فاضل و ادیب مگر رافضی تھا اور اس کے دل میں اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے کینہ و بغض تھا۔ وزیر مذکور شہزادہ ابو بکر اور امیر کبیر رکن الدین دویدار کا بھی دشمن تھا۔ کیوں کہ یہ دونوں اہل سنت تھے اور انہوں نے یہ سن کر کہ کرخ (۱۲۵) کے رافضیوں نے اہل سنت سے تعرض کیا ہے کرخ کو لوٹ لیا تھا اور روافض کو سخت سزائیں دی تھیں۔ ابن ^{علقمی} چونکہ بظاہر ان کے خلاف کچھ نہ کر سکتا تھا اس لیے اس نے پوشیدہ طور پر بذریعہ کتابت تاتاریوں کو عراق پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ ہلاکو کے دربار میں حکیم نصیر الدین طوسی رافضی تھا جس نے ابن ^{علقمی} کی ترغیب کو اور سہارا دیا اور آخر کار ہلاکو کو بغداد پر چڑھائی کے لیے آمادہ کر دیا۔ چنانچہ ہلاکو بڑی تیاری کے ساتھ بغداد پر چڑھ آیا۔ لشکر بغداد بسر کردگی رکن الدین دویدار مقابلہ کے لیے بڑھا اور بغداد سے دو منزل کے فاصلہ پر ہلاکو کے مقدمہ لشکر سے جس کا سردار تاجو تھا، مٹھ بھینٹ ہوئی۔ بغدادیوں کو شکست ہوئی، کچھ تہ تیغ ہوئے، کچھ پانی میں ڈوب گئے اور باقی بھاگ گئے۔ تاجو آگے بڑھا اور دریائے درجلہ کے مغربی کنارہ پر اترا۔ ہلاکو نے مشرق سے حملہ کیا اور بغداد کو گھیر لیا۔ اس وقت ابن ^{علقمی} نے خلیفہ کا صلح کو مشورہ دیا اور کہا کہ میں صلح کی شرائط ٹھہرانے جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور واپس آ کر خلیفہ معتمد سے کہنے لگا۔ اے امیر المؤمنین! ہلاکو کی دلی خواہش ہے کہ اپنی بیٹی کا نکاح آپ کے بیٹے ابو بکر سے کر دے اور آپ کو منصب خلافت پر قائم رکھے۔ مگر وہ صرف آپ سے اتنا چاہتا ہے کہ آپ اس کی اطاعت تسلیم کر لیں پھر وہ اپنا لشکر لے کر واپس چلا جائے گا۔ لہذا آپ اس پر عمل کریں کیوں کہ اس طرح مسلمان خونریزی سے بچ جائیں گے۔ یہ سن کر خلیفہ مع ارکان و اعیان سلطنت طالب امن و امان ہو کر نکلا۔ وہاں پہنچا تو وہ ایک خیمہ میں اتارا گیا۔ پھر وزیر مذکور شہر میں آیا اور علماء و فقہاء سے کہا کہ آپ شہزادہ کے عقد میں شامل ہوں۔ چنانچہ وہ بغداد سے نکلے اور قتل کیے گئے۔ اسی

طرح عقد کے بہانہ سے ایک کے بعد دوسرا گروہ بلایا گیا اور قتل کیا گیا۔ پھر خلیفہ کے حاشیہ نشین طلب ہوئے اور قتل کیے گئے۔ پھر خلیفہ کی سب اولاد قتل ہوئی۔

خلیفہ کی نسبت کہا گیا ہے کہ کافر ہلاک کرنے سے رات کے وقت بلایا اور کئی باتیں دریافت کیں۔ پھر اس کے قتل کا حکم دیا۔ ہلاکوں کا عالم سے کہا گیا کہ اگر خلیفہ کا خون گرایا جائے گا تو دنیا تاریک ہو جائے گی اور تیرا ملک تباہ ہو جائے گا۔ کیوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا کی اولاد میں سے ہے اور دنیا میں خلیفہ اللہ ہے۔ اس پر وہ سنگدل حکیم نصیر الدین طوسی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ وہ مار ڈالا جائے مگر اس کا خون نہ گرایا جائے۔ چنانچہ بتاریخ ۲۸۔ محرم ۶۵۶ھ اس بے چارے کو ایک بوری میں بند کر کے ہتھوڑوں سے مار ڈالا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اسے لاتوں سے مار ڈالا گیا۔ اور اس کے امیروں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا گیا۔ پھر شہر بغداد میں خونریزی شروع ہوئی۔ اکثر باشندے شہید ہوئے تیس دن سے کچھ اور قتل جاری رہا۔ کہا گیا ہے کہ مقتولین کی کل تعداد اٹھارہ لاکھ تھی۔

اس کے بعد امان دی گئی جو لوگ چھپے ہوئے تھے ان میں سے اکثر تو زمین کے نیچے ہی طرح طرح کی مصیبتوں سے مر گئے۔ جو زندہ نکل آئے انہوں نے بڑی دقتیں اٹھائیں۔ پھر گھروں کو کھود کر بے شمار دینے نکالے گئے۔ پھر نصاریٰ بلائے گئے تاکہ علانیہ شراب خوری کریں اور سور کا گوشت کھائیں اور مسلمان بھی ان کے ساتھ شریک ہوں۔ ستم گار ہلاکوں کو سوار ہو کر قصر خلافت تک آیا اور حرم کی بے آبروئی کی۔ وہ محل ایک عیسائی کو دیا گیا۔ مسجدوں میں شراب بہادی گئی اور مسلمانوں کو علانیہ اذان دینے سے منع کیا گیا۔ لاجول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔

یہ سب کچھ صرف بغداد میں ہوا۔ بغداد کے علاوہ اور جگہ بھی تاتاریوں نے بہت کچھ کیا۔ اسی واسطے کہا گیا کہ تاتاریوں کے فتنہ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی فتنہ وقوع میں نہیں آیا ہے۔ خلیفہ مستعصم باللہ کے ساتھ خاندان عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ بلکہ یوں سمجھو کہ عرب کی سلطنت روئے زمین سے اٹھ گئی جو قرب قیامت کے آثار میں سے ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ (متوفی ۶۹۱ھ) نے جو حادثہ بغداد کے وقت زندہ تھے مستعصم باللہ کا ایک

نہایت دردناک مرثیہ لکھا ہے۔ جس میں سے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ آسمانِ راحق بود گر خون بہار دبز زمیں ز آستانِ بگذشت مارا خون دل از آستیں

”آسمان پر واجب ہے کہ امیر المومنین مستعصم کی سلطنت کی تباہی پر زمین پر خون برسائے۔“

۲۔ اے محمد گر قیامت را بر آری سرز خاک سر بر آوری قیامت در میان خلق میں

”اے محمد (ﷺ) اگر آپ قیامت کو تربت شریف سے نکلیں گے تو ابھی نکل کر خلقت

میں یہ قیامت دیکھ لیجئے۔“

۳- ناز نیناں حرم را خون حلق نازنین ز آستان بگذشت مارا خون دل از آستین
”محل کے ناز پروروں کا خون ڈیوڑھی سے بہ گیا۔ اور ہمارے دل کا خون آستین سے ٹپک
نکا۔“

۴- زین ہار از دور گیتی و انقلاب روزگار در خیال کس نہ گشتی کا پنچاں گرد و چنیں
”زمانے کی گردش اور دنیا کے انقلاب سے پناہ مانگنی چاہیے۔ یہ بات کسی کے خیال میں نہ
آتی تھی کہ یوں سے یوں ہو جائے۔“

۵- دیدہ بردار اے کہ دیدی شوکت بیت الحرم قیصران روم سر بر خاک و خاقاں برز میں
”اے مخاطب تو نے بیت الحرام کی سی شان و شوکت دیکھی ہے۔ جہاں روم کے قیصر
خاک پر سر گڑتے تھے اور چین کے خاقان زمین پر بیٹھے تھے۔“

۶- خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریختہ ہم بر آں خاک کے کہ سلطاناں نہادند نے جبیں
”ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ کہ حضرت مصطفیٰ کے بنی عم کا خون اس خاک پر بہایا گیا ہے۔ جہاں
بڑے بڑے بادشاہ ماتھا رگڑتے تھے۔“

۷- دجہ خونابست زیں پس گر نہد سر در نشیب خاک نخلستان بطحارا کند باخوں عجیبیں
”دریائے دجلہ کا پانی خون ہو گیا ہے۔ اگر پستی کی طرف بہے گا تو نخلستان بطحارا کی خاک کو
خون سے رنگین کر دے گا۔“

ہم پہلے فتح مکہ میں اس کے متعلق حضرت عثمان بن طلحہ کی روایت نقل کر
کعبہ شریف کی حجابت: آئے ہیں جس میں تین پیشین گوئیوں ہیں۔ ایک یہ کہ ہجرت سے پہلے
حضور اقدس ﷺ نے عثمان بن طلحہ سے فرمایا تھا کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ سو اسی کے
مطابق فتح مکہ کے روز وقوع میں آیا۔ دوسری یہ کہ آپ نے قریش کی نسبت فرمایا تھا کہ وہ اس دن
بجائے ہلاک و ذلیل ہونے کے زندگی و عزت پائیں گے۔ اسی کے مطابق فتح مکہ کے دن واقع ہوا۔
قریش نے اسلام میں داخل ہو کر دارین میں حیات طیبہ حاصل کی اور عزت پائی۔ واقع میں وہ اس سے
پہلے ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ان بتوں کے آگے سر جھکاتے تھے جنہیں خود انہیں کے ہاتھوں
نے تراشا تھا۔ فتح کے دن وہ اس ذلت سے نکل گئے اور ان کو خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت کا شرف
حاصل ہوا۔ تیسری یہ کہ حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ کو کنجی دیتے وقت فرمایا کہ یہ کنجی ہمیشہ تمہارے
پاس رہے گی۔ ظالم کے سوا کوئی اسے تم سے نہ چھینے گا۔ چنانچہ آج تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال ہو چکے

ہیں کہ خانہ کعبہ کی کنجی حضرت عثمان بن طلحہ کے خاندان میں رہی۔ اب ابن سعود نجدی نے جو سلوک اس خاندان سے کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ نجدی مذکور حسب ارشاد رسول اللہ ﷺ ظالم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل سے اس فتنہ نجدیہ کا جلدی خاتمہ کر دے۔ آمین ثم آمین۔

حضور اقدس ﷺ کے اوصاف جمیلہ و اخلاق جلیلہ من جملہ دلائل و ثبوت محاسن طاہری و باطنی: ہیں۔ چنانچہ آپ کی طلاق آپ کا حسن منظر اور آپ کا اعتدال صورت

ایسا تھا کہ اپنوں کا تو کیا ذکر بیگانے بھی جب روئے مبارک کو دیکھتے تو بے ساختہ پکار اٹھتے۔ ہذا الوجه لیس بوجہ کذاب (یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے) ان شمائل کے ساتھ آپ کے حسن اخلاق و آداب پر غور کریں۔ آپ امی تھے، آپ کی ولادت ایسے شہر میں ہوئی جہاں کوئی ذریعہ تعلیم نہ تھا۔ نہ آپ نے کبھی وطن کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں جا کر علم حاصل کیا بلکہ امیوں ہی میں یتیمی کی حالت میں نشوونما پائی علوم و معارف سے قطع نظر یہ مکارم اخلاق اور محاسن آداب آپ نے بجز وحی الہی کہاں سے سیکھے۔

الغرض جو شخص بنظر انصاف آپ کی صورت، آپ کی سیرت، آپ کے افعال اور آپ کے احوال کا مطالعہ کرتا ہے اسے آپ کی نبوت کی صحت میں ذرا بھی شک نہیں رہتا۔ کیوں کہ جو اوصاف آپ میں مجتمع تھے۔ وہ آپ سے پہلے یا آپ کے زمانہ میں کبھی کسی میں جمع نہیں ہوئے اور نہ قیامت تک ہوں گے۔

معجزوں کا اکثر ذکر قرآن میں پایا جاتا ہے مگر کوئی آیت ایسی نظر نہیں آتی جس نصاریٰ کا اعتراض: سے یہ ثابت ہو کہ حضرت محمد صاحب نے معجزے دکھائے ہیں۔ بلکہ بہت سی

آیتیں ایسی ہیں جن میں معجزے نہ دکھانے کا سبب درج ہے اور بعض ایسی بھی ہیں جن میں وہ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ میں معجزے دکھانے کو نہیں بھیجا گیا۔ سورہ عنکبوت میں یوں مرقوم ہے:

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾ (عنکبوت: ۵۰)

”کہتے ہیں کہ اگر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی اس پر نازل نہ ہوگی تو ہم ایمان نہ لائیں گے۔ پس (اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں خدا کے پاس ہیں تو ایک نصیحت کرنے والا ہوں۔“

پھر سورہ بنی اسرائیل میں لکھا ہے:

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ﴿١٥﴾ (آیت ۱۵، ۵۹)

”کوئی چیز ہمیں مانع نہیں ہوئی کہ تجھے معجزوں کے ساتھ بھیجیں۔ مگر یہ کہ اگلے پیغمبروں کو جو ہم نے معجزے دے کے بھیجا تھا تو انہیں لوگوں نے جھٹلایا۔“

اس مضمون کو طویل کرنا ضروری نہیں۔ اس لیے کہ قرآن کا ہر بے تعصب پڑھنے والا اس قول کی تصدیق کرے گا کہ اکثر محمدی (مسلمان) مصنف معجزوں کا ذکر کر کے محمد صاحب سے منسوب کرتے ہیں۔ مگر یہ بات خود محمد صاحب کی باتوں کے خلاف ہے۔ کہ بالکل قابل اعتبار نہیں۔

(خطوط بنام جوانان ہند، پنجاب ریجنس بک سوسائٹی لودھانہ امریکن مشن پریس ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۲۳-۲۲۴)

عیسائی لوگ مسلمانوں پر اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں مگر انہیں اپنے گھر کی بھی خبر نہیں۔
جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی نسبت جو کچھ انا جیل اربعہ میں آیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱- متی باب ۱۲- آیہ ۳۸-۳۹ میں ہے کہ بعض فقیہوں اور فریسیوں نے مسیح سے ایک نشان طلب کیا۔ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

”اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں۔ پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں دکھایا نہ جائے گا۔ کیوں کہ جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہے ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔“

اسی طرح متی باب ۱۶- آیہ ۱-۲ میں ہے کہ فریسیوں اور صدوقیوں نے آزمائش کے لیے حضرت مسیح سے آسمانی نشان طلب کیا۔ مگر یہاں بھی آپ نے وہی جواب دیا کہ یونس نبی کے نشان کے سوا اور کوئی نشان انہیں نہ دکھایا جائے گا۔ اگر بنظر غور دیکھیں تو یہ جواب بھی قابل اعتبار نہیں۔ کیوں کہ سوال تو آسمانی نشان کا تھا اور جواب میں زمینی نشان کا وعدہ ہوا۔ سوال از آسمان جواب از ریسماں۔ باوجود اس کے اسی انجیل میں مسیح علیہ السلام سے بہت سے معجزات منسوب کیے گئے ہیں۔ چنانچہ پانچ روٹیوں سے چار ہزار آدمیوں کا پیٹ بھرا (باب ۱۳- آیہ ۱۵-۲۱)۔ اور دریا پر اپنے پاؤں سے چلے (باب ۱۳- آیہ ۲۵) پھر سات روٹیوں سے چار ہزار کو کھلایا (باب ۱۵- آیہ ۳۸) دو اندھوں کو بینا کیا (باب ۲۰- آیہ ۳۰-۳۳) پھر انجیر کے درخت کو سکھا دیا (باب ۲۱- آیہ ۱۹) وغیرہ۔ اسی طرح جب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کے اختیار کی بابت پوچھا (باب ۲۱- آیہ ۲۳-۲۴) تب بھی آپ نے کچھ صاف جواب نہ دیا۔

۲- مرقس باب ۸- آیہ ۱۱-۱۳ میں ہے کہ فریسیوں نے مسیح کے امتحان کے لیے آسمان سے کوئی نشان چاہا۔ اس نے اپنے دل سے آپ کو کھینچ کر کہا:

”اس زمانے کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔“

یہاں یونس کے نشان کا کوئی ذکر نہیں۔ بایں ہمہ اس انجیل میں بھی اندھے کو اچھا کرنا، چار ہزار کو سات روٹیوں سے سیر کرنا، کوڑھی کو اچھا کرنا وغیرہ معجزات حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔

۳- لوقاباب ۱۱- آیہ ۱۲-۱۶ و ۳۰ میں ہے کہ مسیح نے ایک دیو کو نکالا مگر دیکھنے والوں نے اس معجزے کو تسلیم نہ کیا بلکہ آزمائش کے لیے ایک آسمانی نشان مانگا۔ آپ نے یونس نبی کے نشان کا وعدہ فرمایا۔ اس انجیل میں اور بھی بہت سے معجزات آپ سے منسوب کیے گئے ہیں۔ مسیح نے ہیرودیس کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ حالانکہ ہیرودیس آپ کے معجزات دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ آپ سے اس نے بہشیری باتیں پوچھیں پر آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔

۴- یوحنا باب ۶- آیہ ۳۰ میں ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح سے کہا ”پس تو کون سا نشان دکھاتا ہے تاکہ ہم دیکھ کر تجھ پر ایمان لائیں“۔ یہاں بھی حضرت عیسیٰ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ بلکہ یونس نبی کے نشان کا بھی وعدہ نہ فرمایا یا اس ہمہ اس انجیل میں بھی بہت سے معجزے حضرت مسیح سے منسوب ہیں۔

اب ہم اس اعتراض کے تحقیقی جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس قدر معجزات دکھائے کہ کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں دکھائے۔ اور وہ ایسے متواتر و مشہور طریقوں سے ثابت ہیں کہ دنیا کے کسی اور مذہب میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ (جیسا کہ اس کتاب کے ناظرین پر روشن ہے) مگر کفار قریش کے مکارہ کا یہ عالم تھا کہ وہ معجزات گویا ان کے نزدیک معجزے ہی نہ تھے۔ اس لیے سرکشی و عناد کے سبب انہوں نے اور نشانیاں طلب کیں جو عطا نہ کی گئیں۔ جن دو آیتوں سے معترض نے استدلال کیا ہے۔ ان میں ایسی نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ مذکور ہے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوْلُونَ ۖ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا ۖ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا (بنی اسرائیل: ۶۴)

”ہم کو نہیں روکا نشانیاں بھیجے سے کسی شے نے مگر یہ کہ جھٹلایا ان کو انگوٹوں نے اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی سو جھانے کو پھر اس کا حق نہ مانا۔ اور ہم نہیں بھیجتے نشانیاں مگر ڈرانے کو۔“

اس آیت کا خلاصہ تفسیر یہ ہے کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ قریش جو باوجود معجزات کثیرہ دیکھنے کے اور نشانیاں (مثلاً کوہ صفا کا سونا ہو جانا۔ مکہ کے پہاڑوں کا دور کیا جانا تاکہ زمین قابل اور زراعت ہو جائے اور نہروں کا جاری ہونا تاکہ باغات لگ جائیں) طلب کرتے ہیں۔ ان نشانیوں کے دینے سے ہمیں اس امر نے روکا ہے کہ اس قسم کی نشانیاں ہم نے پہلی امتوں کو طلب کرنے پر عطا کیں مگر وہ ایمان نہ لائے اور ہلاک ہوئے۔ چنانچہ قوم ثمود نے جن کی ہلاکت کے آثار بوجہ قرب دیار یہ قریش آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام سے نشانی طلب کی اور ہم نے ان کی دعا سے پتھر سے اونٹنی نکالی۔ مگر اس قوم نے اس سے انکار ہی نہیں کیا۔ بلکہ اس کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ اس لیے وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ ہماری عادت یوں ہی جاری ہے کہ ہم کسی قوم کے سوال پر ایسی آیات کو صرف عذاب استیصال

سے ڈرانے کے لیے بطور پیش خیمہ بھیجا کرتے ہیں۔ اگر وہ قوم ان آیات پر ایمان نہ لائے تو ہم ضرور ان پر عذاب استیصال نازل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کفار قریش کے سوال پر وہ نشانیاں ہمارے حبیب کی دعا سے عطا کی جائیں تو یہ بھی انہیں (۱۳۶) کی طرح تکذیب کریں گے اور عذاب استیصال کے مستوجب ہوں گے۔ مگر ہم نے بمقتضائے حکمت (۱۳۷) اس امت کو عذاب استیصال سے محفوظ رکھا ہے۔ لہذا ہم نے وہ نشانیاں ان کو عطا نہیں کیں

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرًا لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

(عنکبوت: ۵۷)

”اور کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر کچھ نشانیاں اس کے رب سے۔ تو کہہ نشانیاں تو ہیں اختیار میں اللہ کی۔ اور میں تو سنا دینے والا ہوں کھول کر۔ کیا ان کو بس نہیں کہ ہم نے تجھ پر اتاری کتاب کہ ان پر پڑھی جاتی ہے۔ بے شک اس میں بڑی رحمت ہے اور سمجھانا اس لوگوں کو جو مانتے ہیں۔“

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار قریش باوجود ملاحظہ آیات سرکشی و عناد کے سبب سے ہمارے حبیب پاک کی نسبت کہتے ہیں کہ ان پر ایسی نشانیاں کیوں نہیں اتریں جیسا کہ ناقہ صالح اور عصائے موسیٰ اور مائدہ عیسیٰ ہیں۔ اے ہمارے حبیب! ان کفار سے کہہ دیجئے کہ ایسی نشانیاں اللہ کی قدرت و حکم میں ہیں۔ وہ ان کو حسب مقتضائے حکمت نازل کرتا ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ ان آیات کے ساتھ جو مجھے ملی ہیں کفار کو ڈراؤں۔ نہ یہ کہ وہ نشانیاں لاؤں جو وہ عناد و تعنت سے طلب کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کفار کی تردید میں جو ایسی نشانیاں طلب کرتے ہیں یوں فرماتا ہے۔ کیا ان کو ایک نشانی کافی نہیں جو تمام نشانیوں سے مستغنی کر دینے والی ہے یعنی قرآن کریم جو ہم نے تجھ پر اتارا ہے۔ وہ ایک زندہ معجزہ ہے، ہر مکان و زمان میں ان پر پڑھا جاتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ان کے ساتھ رہے گا۔ اس میں بڑی رحمت اور تذکرہ ہے ایمان والوں کے لیے نہ ان کے لیے جو عناد رکھتے ہیں۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ آیات بالا سے معجزات کی نفی نہیں پائی جاتی بلکہ ان میں باوجود کثرت معجزات ان خاص نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ بیان ہوئی ہے کہ کفار نے محض عناد سے طلب کیں۔ لہذا عیسائیوں کا یہ کہنا کہ قرآن میں کوئی آیت نظر نہیں آتی جس سے ثابت ہو کہ آنحضرت ﷺ نے معجزے دکھائے، صرف عناد پر مبنی ہے۔ وہ اپنے منہ سے بڑا بول بولتے ہیں (یہوداہ، ۱۶)

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۗ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۗ (کہف: ۱۷)

”کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ جو کہتے ہیں۔“

باب: ۸

آنحضرت ﷺ کے فضائل و خصائص کا بیان

حضور ﷺ کے فضائل و کمالات کا احاطہ طاقت بشری سے خارج ہے۔ علمائے ظاہر و باطن سب یہاں عاجز ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ صالح بن مبارک بخاری خلیفہ مجاز حضرت خواجہ خواجگان سید بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ انیس الطالبین ص ۹ میں لکھتے ہیں:

اجماع اہل تصوف است کہ صدیقیت نزدیک ترین مقامے و مرتبہ ایست بہ نبوت و سخن سلطان العارفین ابو یزید بسطانی است قدس سرہ کہ آخر نہایت صدیقان اول احوال انبیاء است و از کلمات قدسیہ و ایشانست کہ نہایت مقام عامہ مومنان بدایت مقام اولیاست و نہایت مقام اولیاء بدایت مقام شہیدان است و نہایت مقام شہیداں بدایت مقام صدیقان است و نہایت مقام صدیقان بدایت مقام انبیاء است و نہایت مقام انبیاء بدایت مقام رسل است و نہایت مقام رسل بدایت مقام اولوا العزم است و نہایت مقام اولوا العزم بدایت مقام مصطفیٰ ﷺ و مقام مصطفیٰ را نہایت پیدا نیست جز حق جل و علا کے نہایت مقام وے رانداند و در روز ازل مقام ارواح و بروز میثاق ہم بریں مراتب بود کہ ذکر کردہ شد و در روز قیامت ہم بریں مراتب باشد۔

”صوفیہ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نبوت کے سب سے نزدیک مقام و مرتبہ صدیقیت ہے۔ اور سلطان العارفین ابو یزید بسطانی قدس سرہ کا قول ہے کہ صدیقیوں کے مقام کی نہایت نبیوں کے مقام کی ابتداء ہے اور ان کے کلمات قدسیہ میں سے ہے کہ عامہ مومنین کے مقام کی غایت اولیاء کے مقام کی ابتداء ہے اور اولیاء کے مقام کی غایت شہیدوں کے مقام کی ابتداء ہے اور شہیدوں کے مقام کی غایت صدیقیوں کے مقام کی ابتداء ہے اور صدیقیوں کے مقام کی غایت نبیوں کے مقام کی ابتداء ہے اور نبیوں کے مقام کی غایت رسولوں کے مقام کی ابتداء ہے اور رسول کے مقام کی غایت اولوا العزم کے مقام کی ابتداء ہے اور اولوا العزم کے مقام کی غایت حضرت مصطفیٰ ﷺ کے مقام کی ابتداء ہے اور حضرت مصطفیٰ کے مقام کی کوئی انتہاء نہیں اور حق جل و علا کے سوا اور کوئی آپ کے مقام کی انتہا نہیں جانتا روز اول میں میثاق کے دن روحوں کا مقام ان ہی مراتب پر تھا جو مذکور ہوئے اور قیامت کے دن بھی ان ہی مراتب پر ہوگا۔“

شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ (متوفی روز عاشورہ ۴۲۵ھ) یوں فرماتے ہیں:
 ”سہ چیز را غایت ندانستم۔ غایت درجات مصطفیٰ ﷺ ندانستم۔ و غایت کید نفس ندانستم۔ و
 غایت معرفت ندانستم“۔ (نجات الانس)
 ”مجھے ان تین چیزوں کی غایت و حد معلوم نہ ہوئی۔ حضرت مصطفیٰ ﷺ کے درجات۔ مگر
 نفس۔ معرفت۔“

امام شرف الدین بوضیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۹۳ھ) اپنے قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:
 دَعُ مَا دَعَتْهُ النَّصَارَىٰ فِي نَبِيِّهِمْ
 وَأَحْكُمُ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيهِ وَاحْتِكِمُ
 فَانْسُبْ إِلَىٰ ذَاتِهِ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
 وَأَنْسُبْ إِلَىٰ قَدْرِهِ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٍ
 فَإِنَّ فَضْلَ رَسُولِ اللَّهِ لَيْسَ لَهُ
 حَدٌّ فَيَعْرَبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

چھوڑ کر دعویٰ وہ جس کے ہیں نصاریٰ مدعی
 چاہو جو مانو اسے زیبا ہے اللہ کی قسم
 جو شرف چاہو کرو منسوب اس کی ذات سے
 کوئی عظمت کیوں نہ ہو ہے منزلت سے اس کی کم
 حد نہیں رکھتی فضیلت کچھ رسول اللہ ﷺ کی
 لب کشائی کیا کریں اہل عرب اہل عجم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوت میں یوں فرماتے ہیں:

ہر رتبہ کہ بود در امکان بروست ختم
 ہر نعمت کہ داشت خدا شد برو تمام

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرِ
 لَا يُمْكِنُ الشَّاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهُ
 مِنْ وَجْهِكَ الْمُنِيرِ لَقَدْ نَوَّرَ الْقَمَرُ
 بَعْدَ از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

”اے صاحب الجمال، اے سید البشر آپ کے روشن چہرہ سے چاند روشن ہے آپ کی ثنا
 کما حقہ ممکن نہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ خدا کے بعد آپ ﷺ ہی بزرگ ہیں۔“

جو معجزات و کمالات و فضائل دیگر انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین میں جدا جدا موجود تھے ان
 سب کے نظائر یا ان سے بھی بڑھ کر حضور انور بانی ہودامی کی ذات شریف میں مجتمع تھے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ پید بیضا داری
 آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تھا داری
 بغرض توضیح صرف چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

انبیائے سابقین علیہم السلام

سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ

۱- حضرت آدم علی نبینا و علیہ السلام
آپ کو اللہ نے تمام چیزوں کے ناموں کا علم دیا۔ آپ کو فرشتوں نے سجدہ کیا۔

سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ آپ کو ﷺ اللہ تعالیٰ نے اسماء کے علاوہ مسمیات کا بھی علم دیا۔ جیسا کہ حدیث طبرانی و مسند فردوس کے حوالہ سے پہلے آچکا ہے۔ آپ ﷺ پر اللہ اور اللہ کے فرشتے درود بھیجتے رہتے ہیں اور مومنین بھی سلام و درود بھیجتے ہیں۔ یہ شرف اتم و اکمل ہے۔ کیونکہ سجدہ تو ایک دفعہ ہو کر منقطع ہو گیا اور درود سلام ہمیشہ کیلئے جاری ہے اور اعم بھی۔ کیونکہ سجدہ تو صرف فرشتوں سے ظہور میں آیا اور درود میں اللہ اور فرشتے اور مومنین شامل ہیں۔ علاوہ ازیں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ایسی سجدے کا حکم دیا تھا کہ نور محمدی حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھا۔

۲- حضرت ادریس علی نبینا و علیہ السلام۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پراٹھایا۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں آسمانوں کے اوپر مقام قاب قوسین تک اٹھایا۔

۳- حضرت نوح علی نبینا و علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو غرق ہونے سے نجات دی۔

آپ کے وجود کی برکت سے آپ ﷺ کی امت عذاب استیصال سے محفوظ رہی۔ و ما کان اللہ لیعذب بہم و انت فیہم (۱) اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح کو بھی آپ ﷺ ہی کے نور کی برکت سے غرق ہونے سے بچایا۔ کیوں کہ اس وقت نور محمدی ﷺ حضرت (۲) سام کی پیشانی میں تھا۔

۴- ہود علی نبینا و علیہ السلام۔ آپ کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ باوصبا سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد مغربی ہوا سے ہلاک کی گئی۔

۵- حضرت صالح علی نبینا و علیہ السلام۔ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے پتھر میں سے اونٹنی نکالی۔ آپ ﷺ فصاحت میں یگانہ روزگار تھے۔

اونٹ نے آپ ﷺ کی اطاعت سے کلام کیا۔ فصاحت میں کوئی آپ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ (۳)

۶۔ حضرت ابراہیم علی نبینا و
 علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ نے آپ
 کے لیے آگ کو ٹھنڈا کر
 دیا۔
 آپ ہی کے نور کی برکت سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر آگ
 ٹھنڈی ہو گئی۔ آپ ﷺ کی ولادت شریف پر فارس کی آگ جو ہزار
 برس سے نہ بجھی تھی، گل ہو گئی شب معراج میں کرۂ نار سے آپ ﷺ
 کا گزر ہوا اور کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ آپ ﷺ کی امت میں بھی ایسے
 بزرگ گزرے ہیں کہ آگ میں ڈالے گئے اور سلامت رہے۔
 چنانچہ ابو مسلم (۴) خولانی و ذویب بن کلیب۔

آپ کو مقام خلت عطا
 ہوا۔ اسی واسطے آپ کو خلیل
 اللہ کہتے ہیں۔
 آپ ﷺ کو نہ صرف درجہ خلت عطا ہوا بلکہ اس سے بڑھ کر درجہ محبت
 عطا ہوا اسی واسطے آپ ﷺ کو حبیب اللہ کہتے ہیں (۵)۔

آپ نے خانہ کعبہ کے گرد اور اوپر جو تین سو ساٹھ بت نصب تھے
 محض ایک لکڑی کے اشارے سے یکے بعد دیگر گرا دیئے۔
 آپ نے بھی خانہ کعبہ بنایا۔ حجر اسود کو اس کی بگڑ رکھ دیا۔ تاکہ
 آپ کی امت کے لوگ طواف وہاں سے شروع کر سکیں۔

۷۔ حضرت اسمعیل علی نبینا و
 علیہ السلام۔ آپ کو والد بزرگوار
 ذبح کرنے لگے تو آپ
 نے صبر کیا۔
 آپ نے خانہ کعبہ بنایا۔

۸۔ حضرت یعقوب علی نبینا و
 علیہ السلام۔ آپ کو جب برادران
 یوسف نے خبر دی کہ
 یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے
 تو آپ نے بھیڑیے کو بلا
 کر پوچھا۔ بھیڑیا بوا میں
 نے یوسف کو نہیں کھایا۔

(خصائص کبریٰ جز ثانی ص ۱۸۲)

- آپ فراقِ یوسف میں مبتلا ہوئے اور صبر کیا۔ یہاں تک کہ غم کے مارے آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اور قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتے۔
- ۹۔ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ السلام آپ کو ایسا حسن عطا ہوا کہ کسی کو نہیں ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو تو نصف حسن ملا تھا مگر آپ ﷺ کو تمام ملا۔
- آپ سے تعبیر رویا کی کثیر مثالیں احادیث میں مذکور ہیں۔
- آپ نے اہل اور رشتہ داروں اور دوستوں اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت کی۔
- ۱۰۔ حضرت ایوب علی نبینا وعلیہ السلام آپ صابر تھے۔
- ۱۱۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام آپ کو ید بیضا عطا ہوا۔
- آپ نے عصا مار کر پتھر سے پانی جاری کر دیا۔
- آپ اپنے انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری کر دیا۔ یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ پتھر سے پانی کا نکلنا متعارف ہے مگر خون و گوشت میں سے متعارف نہیں۔
- آپ کو عصا عطا ہوا جو اثر دہا بن جاتا تھا۔
- آپ اپنے صاحبزادے ابراہیم کی دائمی مفارقت میں مبتلا ہوئے۔ مگر آپ نے صبر کیا حالانکہ اس وقت اور کوئی صاحبزادہ آپ کا نہ تھا۔
- آپ کو ایسا حسن عطا ہوا کہ کسی کو نہیں ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو تو نصف حسن ملا تھا مگر آپ ﷺ کو تمام ملا۔
- آپ سے تعبیر رویا کی کثیر مثالیں احادیث میں مذکور ہیں۔
- آپ نے اہل اور رشتہ داروں اور دوستوں اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت کی۔
- ۱۰۔ حضرت ایوب علی نبینا وعلیہ السلام آپ صابر تھے۔
- ۱۱۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام آپ کو ید بیضا عطا ہوا۔
- آپ نے عصا مار کر پتھر سے پانی جاری کر دیا۔
- آپ اپنے انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری کر دیا۔ یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ پتھر سے پانی کا نکلنا متعارف ہے مگر خون و گوشت میں سے متعارف نہیں۔
- ستون خنانہ جو کھجور کا ایک خشک تنا تھا آپ کے فراق میں رویا اور اس سے اس بچہ کی سی آواز نکلی جو ماں کے فراق میں رورہا ہو۔

آپ نے کوہ طور پر اپنے رب سے کلام کیا۔ اور دیدارِ الہی سے بھی بہرہ ور ہوئے اور حالت تمکین میں رہے۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پر تو صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمے

(عزت بخاری)

آپ نے انگشت شہادت سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ معجزہ کلیم تو زمین پر تھا اور یہ آسمان پر۔ وہاں عصا کا سہارا تھا اور یہاں صرف انگلی کا اشارہ۔

۱۲- حضرت یوشع علیٰ نبینا و

آپ کے لیے بھی آفتاب غروب ہونے سے روکا گیا۔

آپ نے بدر کے دن جبارین سے جہاد کیا اور ان پر فتح پائی۔ آپ وفات شریف تک جہاد کرتے رہے اور جہاد قیامت تک آپ کی امت میں جاری رہیگا۔

۱۳- حضرت داؤد علیٰ نبینا و
آپ کے دست مبارک میں سنگریزوں نے تسبیح پڑھی بلکہ آپ نے دوسروں کے ہاتھ میں بھی کنکروں سے تسبیح پڑھوادی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے طعام میں سے تسبیح کی آواز آیا کرتی تھی کیونکہ پہاڑ تو خشوع و خضوع سے متصف ہیں مگر طعام سے تسبیح معبود نہیں۔

پرنڈوں کے علاوہ حیوانات (اونٹ بھڑیے شیر وغیرہ) آپ کے مسخر و مطیع کر دیئے گئے۔

آپ کے لئے شب معراج میں ضحروہ بیت المقدس خمیر کی مانند ہو گیا تھا۔ پس آپ نے اس سے اپنا براق باندھا۔ (دلائل حافظ ابو نعیم اسفہانی) آپ بھی نہایت خوش آواز تھے۔ چنانچہ ترمذی نے حدیث انس میں نقل کیا ہے و کان نبیکم احسنہم وجہا و احسنہم صوتا۔

۱۴- حضرت سلیمان علیٰ نبینا و
آپ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ نبوت کیساتھ ملک لیں یا عبودیت۔ آپ نے عبودیت کو پسند فرمایا۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے خزائن الارض کی کنجیاں آپ کو عطا فرمائیں۔ اور آپ کو اختیار دیا کہ جس کو چاہیں عطا کریں۔

آپ کے تخت کو جہاں چاہتے ہو
اڑا لیجاتی۔ صبح سے زوال تک
ایک مہینہ کی مسافت اور زوال
سے شام تک ایک مہینے کی
مسافت طے کرتے تھے۔

جن بطوع و رغبت آپ پر ایمان لائے۔
آپ اونٹ بھیڑیے وغیرہ حیوانات کا کلام سمجھتے تھے، آپ سے پتھر
نے کلام کیا جسے آپ نے سمجھ لیا۔

۱۵۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام۔
آپ مردوں کو زندہ اور
اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو
اچھا کر دیتے تھے۔

آپ نے مردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کیا۔
جب خیبر فتح ہوا تو وہاں کی ایک یہودی عورت نے آپ کو زہر آلود
بکری کا گوشت بطور ہدیہ بھیجا۔ آپ نے بکری کا بازو لیا اور میں
سے کچھ کھایا۔ وہ بازو بولا کہ مجھ میں زہر ڈالا گیا ہے۔ یہ مردے کو
زندہ کرنے سے بڑھکر ہے کیونکہ یہ میت کے ایک جزو کا زندہ ہونا
ہے۔ حالانکہ اس کا بقیہ جو اس سے الگ تھا مردہ ہی تھا۔

آپ نے مٹی سے پرندہ بنا
دیا۔
غزوہ بدر میں حضرت عکاشہ بن محسن کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آپ نے انکو
ایک خشک لکڑی دیدی۔ جب انہوں نے اپنے ہاتھ میں لیکر ہلائی تو
وہ سفید مضبوط لمبی تلوار بن گئی۔

آپ نے گہوارہ میں لوگوں
سے کلام کیا۔

آپ بڑے زاہد تھے۔
آپ کا زہد سب سے زیادہ تھا۔

فضائل و معجزات مذکورہ بالا تو وہ ہیں جو آنحضرت ﷺ اور دیگر
خصائص سید المرسلین (ﷺ): انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان مشترک ہیں۔ ان کے علاوہ اور
فضائل و معجزات وغیرہ ہیں جو آنحضرت ﷺ سے مخصوص ہیں۔ ان کو آپ کے خصائص کہتے ہیں۔ یہ
خصائص بھی بکثرت اور حد و حصر سے خارج ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سال
بڑی محنت سے احادیث و آثار کتب تفسیر و شرح حدیث و فقہ و اصول و تصوف میں حضور ﷺ کے خصائص
کاتبج کیا۔ اور خصائص کبریٰ اور نمودج اللیب فی خصائص الحیب تصنیف فرمائیں جن میں

زائد خصائص مذکور ہیں۔ جزاہ اللہ عنہا خیر الجزاء قطب شعرانی نے کشف الغمہ میں اپنے استاد علامہ سیوطی کے خط سے یہی خصائص نقل کیے ہیں:

یہ خصائص چار قسم کے ہیں۔ اول۔ وہ واجبات جو آنحضرت ﷺ سے مختص ہیں۔ مثلاً نماز تہجد۔ دوم: وہ احکام جو آنحضرت ﷺ ہی پر حرام ہیں، دوسروں پر نہیں۔ مثلاً تحریم زکوٰۃ۔ سوم: وہ مباحات جو حضور ﷺ سے مختص ہیں۔ مثلاً نماز بعد عصر۔ چہارم: وہ فضائل و کرامات جو حضور انور بانی ہوامی سے مخصوص ہیں۔ اس مختصر میں صرف چہارم میں سے بعض خصائص ذکر کیے جاتے ہیں:

- ۱- اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو سب نبیوں سے پہلے پیدا کیا اور سب سے اخیر میں معبوث فرمایا۔
- ۲- عالم ارواح ہی میں آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور اسی عالم میں دیگر انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحوں نے آپ کے روح انور سے استفادہ کیا۔
- ۳- عالم ارواح میں دیگر انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحوں سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا کہ اگر وہ حضور انور کے زمانے کو پائیں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔
- ۴- یوم الست میں سب سے پہلے حضور ﷺ نے بلی کہا تھا۔
- ۵- حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام اور تمام مخلوقات حضور انور ہی کے لیے پیدا کیے گئے۔
- ۶- حضور کا اسم مبارک عرش کے پایہ پر اور ہر ایک آسمان اور بہشت کے درختوں اور محلات پر اور حوروں کے سینوں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان لکھا گیا ہے۔
- ۷- کتب الہامیہ سابقہ تورات وانجیل وغیرہ میں آپ کی بشارت درج ہے۔
- ۸- حضور انور بنی آدم کے بہترین قرون قرناً، بعد قرن سے اور بہترین قبائل و خاندان سے ہیں۔ یعنی برگزیدہ ترین برگزیدگان اور بہترین بہتراں اور بہترین مہتراں ہیں۔
- ۹- حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام سے لے کر حضور کے والد ماجد تک اور حضرت حواء سے لے کر حضور کی والدہ ماجدہ تک حضور کا نسب شریف سفاح (زنا) سے پاک و صاف رہا ہے۔
- ۱۰- حضور انور کی ولادت شریف کے وقت بت اوندھے ہو کر گر پڑے۔ اور جنوں نے اشعار پڑھے۔
- ۱۱- حضور ختنہ کیے ہوئے، ناف بریدہ اور آلودگی سے پاک و صاف پیدا ہوئے۔
- ۱۲- پیدائش کے وقت آپ حالت سجدہ میں تھے اور ہر دو انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے۔
- ۱۳- آپ کے ساتھ پیدائش کے وقت ایسا نور نکلا کہ اس میں آپ کی والدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا نے ملک شام کے محل دیکھ لیے۔

- ۱۳۔ فرشتے حضور انور ﷺ کے گہوارے کو ہلایا کرتے تھے۔ آپ نے گہوارے میں کلام کیا۔ چنانچہ آپ چاند سے باتیں کیا کرتے۔ جس وقت آپ اس کی طرف انگشت مبارک سے اشارہ فرماتے وہ آپ کی طرف جھک آتا۔
- ۱۵۔ بعثت سے پہلے گرمی کے وقت اکثر بادل آپ پر سایہ کرتا تھا اور درخت کا سایہ آپ کی طرف آ جاتا تھا۔
- ۱۶۔ حضور انور کا سینہ مبارک چار دفعہ شق کیا گیا۔ یعنی حالت رضاعت میں، دس برس کی عمر شریف میں، غار حرا میں ابتدائے وحی کے وقت شب معراج میں جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔
- ۱۷۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور ﷺ کے ہر عضو کا ذکر کیا ہے جس سے حق جل و علا کی کمال محبت و عنایت پائی جاتی ہے۔

- مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ - (نجم - ۱۷ع)
- قلب مبارک: نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ - (شعراء - ۱۱ع)
- وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ - (نجم - شروع)
- زبان مبارک: فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ - (دخان - ۳۷ع)
- چشم مبارک: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ - (نجم - ۱۷ع)
- چہرہ مبارک: قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ - (بقرہ - ۱۷ع)
- ہاتھ اور گردن مبارک: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ - (بنی اسرائیل: ۳۷ع)
- سینہ اور پشت مبارک: أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِذْرَكَ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ ۖ - (النشراح - شروع)

۱۸۔ حضور ﷺ کا اسم مبارک (محمد) اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اسم مبارک (محمود) سے مشتق ہے۔

۱۹۔ حضور انور کے اسمائے مبارکہ میں سے تقریباً ستر نام وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

۲۰۔ حضور اقدس ﷺ کا ایک اسم مبارک احمد ہے۔ آپ سے پہلے جب سے دنیا پیدا ہوئی کسی کا یہ نام

نہ تھا کہ اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے کہ کتب سابقہ البہامیہ میں جو احمد کا ذکر ہے وہ آپ ہی ہیں۔

۲۱۔ آپ کو آپ کا پروردگار بہشت کے طعام و شراب سے کھلاتا پلاتا تھا۔

۲۲۔ حضور انور اپنے پیچھے سے ایسا دیکھتے جیسا کہ سامنے سے دیکھتے۔ رات کو اندھیرے میں ایسا دیکھتے جیسا کہ دن کے وقت اور روشنی میں دیکھتے۔

- ۲۳- حضور انور ﷺ کے دہن مبارک کا لعاب آب شور کو میٹھا بنا دیتا اور شیر خوار بچوں کے لیے دودھ کا کام دیتا۔
- ۲۴- جب آپ کسی پتھر پر چلتے تو اس پر آپ کے پائے مبارک کا نشان ہو جاتا۔ چنانچہ مقام ابراہیم میں ہے اور سنگ مکہ میں آپ کی کہنیوں کا نشان مشہور ہے۔
- ۲۵- حضور اقدس ﷺ کی بغل شریف پاک و صاف اور خوشبودار تھی۔ اس میں کسی قسم کی بوئے ناخوش نہ تھی۔
- ۲۶- آپ کی آواز مبارک اتنی دور تک پہنچتی کہ کسی دوسرے کی نہ پہنچتی۔ چنانچہ جب آپ خطبہ دیا کرتے تھے تو نوجوان لڑکیاں اپنے گھروں میں سن لیا کرتی تھیں۔
- ۲۷- آپ کی قوت سامعہ سب سے بڑھ کر تھی یہاں تک کہ اکثر اژدحام ملائک کے سبب سے آسمان میں جو آواز پیدا ہوتی ہے آپ وہ بھی سن لیتے تھے۔
- حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی سدرۃ المنتہیٰ میں ہوتے کہ آپ ان کے بازوؤں کی آواز سن لیتے تھے اور جب وہ وہاں سے آپ کی طرف وحی کے لیے اترنے لگتے تو آپ ان کی خوشبو سونگھ لیتے۔ آسمان کے دروازوں کے کھلنے کی آواز بھی آپ سن لیا کرتے تھے۔
- ۲۸- خواب میں آپ کی چشم مبارک سو جاتی مگر دل مبارک بیدار رہتا۔ بعض کہتے ہیں کہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی یہی حال تھا۔
- ۲۹- آپ نے کبھی جمائی اور انگڑائی نہیں لی اور نہ کبھی آپ کو احتلام ہو یا دیگر انبیائے کرام بھی اس فضیلت میں مشترک ہیں۔
- ۳۰- حضور انور کا پسینہ مبارک کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔
- ۳۱- حضور میاں نہ قد مائل بہ درازی تھے۔ مگر جب دوسروں کے ساتھ چلتے یا بیٹھتے تو سب سے بلند نظر آتے تاکہ باطن کی طرح ظاہری صورت میں بھی کوئی آپ سے بڑا معلوم نہ ہو۔
- ۳۲- حضور اقدس ﷺ کا سایہ نہ تھا کیوں کہ آپ نور ہی نور تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔
- ۳۳- آپ کے بدن شریف پر کبھی نہ بیٹھتی اور کپڑوں میں جوں نہ پڑتی۔
- ۳۴- جب آپ چلتے تو فرشتے (بغرض حفاظت) آپ کے پیچھے ہوتے اسی واسطے آپ نے اصحاب کرام سے فرمایا کہ تم میرے آگے چلو اور میری پیٹھ فرشتوں کے واسطے چھوڑ دو۔
- ۳۵- حضور انور کا خون اور تمام فضلات پاک تھے بلکہ آپ کے بول کا پینا شفاء تھا۔
- ۳۶- حضور کے براز کو زمین نکل جایا کرتی تھی اور وہاں سے کستوری کی خوشبو آیا کرتی تھی۔

- ۳۷۔ آپ جس گنجدے کے سر پر اپنا دست شفاء پھیرتے اسی وقت بال اگ آتے اور جس درخت کو لگاتے وہ اسی سال پھل دیتا۔
- ۳۸۔ آپ جس سر پر اپنا دست مبارک رکھتے۔ آپ کی دست مبارک کی جگہ کے بال سیاہ ہی رہا کرتے کبھی سفید نہ ہوتے۔
- ۳۹۔ آپ رات کے وقت دولت خانے میں تبسم فرماتے تو گھر روشن ہو جاتا۔
- ۴۰۔ حضور اقدس ﷺ کے بدن مبارک سے خوشبو آتی تھی۔ جس راستے سے آپ گزرتے۔ اس میں بوئے خوش رہتی جس سے پتا چلتا کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں۔
- ۴۱۔ جس چوپائے پر آپ سوار ہوتے وہ بول و براز نہ کرتا جب تک کہ آپ سوار رہتے۔
- ۴۲۔ آپ کی بعثت پر کاهنوں کی خبریں منقطع ہو گئیں اور شہاب ثاقب کے ساتھ آسمانوں کی حفاظت کر دی گئی اور شیاطین تمام آسمانوں سے روک دیئے گئے۔
- ۴۳۔ حضور اقدس کا قرین و موکل (جن) اسلام لے آیا۔
- ۴۴۔ شب معراج حضور کے لیے براق مع زین و لگام آیا۔
- ۴۵۔ حضور انور ﷺ شب معراج میں جسد مبارک کے ساتھ حالت بیداری میں آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے
- بلکہ جائے کہ جا نبود آ نجا
 اور آپ نے اپنے پروردگار جل شانہ کو آنکھوں سے دیکھا اور اس کے ساتھ کلام کیا۔ اسی رات آپ بیت المقدس میں نماز میں دیگر انبیاء کرام اور فرشتوں کے امام بنے۔
- ۴۶۔ بعض غزوات میں فرشتے آپ کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑے۔
- ۴۷۔ ہم یہ واجب ہے کہ حضور اقدس پر درود و سلام بھیجیں۔ پہلی امتوں پر واجب نہ تھا کہ اپنے پیغمبروں پر درود بھیجیں۔
- ۴۸۔ قرآن کریم اور دیگر کتب الہامیہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوائے حضور اقدس ﷺ کے اور کسی پیغمبر پر درود وارد نہیں۔
- ۴۹۔ حضور اقدس کو اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب عطا فرمائی جو تحریف سے محفوظ اور بلحاظ لفظ و معنی معجزہ ہے۔ حالانکہ آپ امی تھے، لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اور نہ عالموں کی صحبت میں رہے تھے۔
- ۵۰۔ حضور انور کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ چنانچہ آپ کا ارشاد مبارک ہے۔ انما ان قاسم واللہ يعطی (میں تو بانٹنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے) ان خزانوں میں سے جو کچھ کسی کو ملتا

- ہے وہ آپ ہی کے دست مبارک سے ملتا ہے۔ کیوں کہ آپ حضرت باری تعالیٰ کے خلیفہ و نائب کل ہیں۔ جو کچھ چاہتے ہیں باذن الہی عطا فرماتے ہیں۔
- ۵۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس کو جو اسم کلم عطا فرمائے ہیں۔ یعنی آپ کے کلام شریف میں فصاحت و بلاغت اور غوامض معانی اور بدائع حکم اور محاسن عبارات بلفظ موجز لطیف سب پائے جاتے ہیں۔
- ۵۲۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر شے کا علم دیا یہاں تک کہ روح اور ان امورِ خمسہ کا علم بھی عنایت فرمایا جو سورہ لقمان کے اخیر میں مذکور ہیں (۶)۔
- ۵۳۔ حضور ﷺ سارے جہان (انس و جن ملائک) کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔
- ۵۴۔ حضور انور سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔
- ۵۵۔ حضور ﷺ کے رعب کا یہ حال تھا کہ دشمن خواہ ایک ماہ کی مسافت پر ہوتا آپ اس پر رعب سے فتح پاتے اور وہ مغلوب ہو جاتا۔ یہ تخصیص بہ نسبت دیگر انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہے۔ سلاطین و جبارہ کا معاملہ خارج از بحث ہے۔
- ۵۶۔ حضور اقدس ﷺ کے لیے (اور آپ کی امت کے لیے) غنائم حلال کر دی گئیں۔ آپ سے پہلے کسی پر حلال نہ تھیں۔
- ۵۷۔ حضور ﷺ کے لیے (اور آپ کی امت کے لیے) تمام روئے زمین سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنا دی گئی۔ جہاں نماز کا وقت آجائے اور پانی نہ ملے تیمم کر کے وہیں نماز پڑھ لی جائے۔ دوسری امتوں کے لیے پانی کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ طہارت نہ تھی اور نماز بھی معین جگہ کنیہ وغیرہ کے سوا اور جگہ جائز نہ تھی۔
- ۵۸۔ چاند کا ٹکڑے ہونا، شجر و حجر کا سلام کرنا اور رسالت کی شہادت دینا، حنانہ کا رونا، اور انگلیوں سے چشمے کی طرح پانی جاری ہونا۔ یہ سب معجزات آپ کو عطا ہوئے۔
- ۵۹۔ حضور ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔
- ۶۰۔ حضور کی شریعت تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں کی ناسخ ہے اور قیامت تک رہے گی۔
- ۶۱۔ حضور کو اللہ تعالیٰ نے کنایہ سے خطاب فرمایا۔ بخلاف دیگر انبیاء کے کہ انہیں ان کے نام خطاب کیا ہے۔ دیکھو آیات ذیل:
- ۱۔ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ (پ: ۱۷، ع: ۲)
- ۲۔ وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى ۝ (پ: ۱۶، ع: ۷)

- ۳- قِيلَ يٰ نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ اٰمِرٍ مِّنْ مَّعَكَ ۝ (پارہ ۱۲، ہود: ۴۳)
- ۴- وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۝ (پ ۱۲، ہود: ۴۳)
- ۵- يٰ اِبْرٰهِيْمُ اَعْرَضْ عَنْ هٰذَا- (پ ۱۲- ہود: ۷۷)
- ۶- وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۝ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (پ ۱، بقرہ، ۱۲۵)
- ۷- قَالَ يٰمُوسٰى اِنِّىْ اصْطَفَيْتُكَ بِرِسٰلَتِيْ وَبِكَلٰمِىْ فَخُذْ مَا اَتَيْنَكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ۝ (پ ۹، اعراف، ۱۷۷)
- ۸- فَوَكَرَهُ مُوسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (پ ۲۰- قصص: ۲۷)
- ۹- اِذْ قَالَ اللّٰهُ لِيٰعِيْسٰى اِبْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۝ (مائدہ: ۱۱۵)
- ۱۰- قَالَ عِيْسٰى اِبْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِاٰوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَاَرْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّٰزِقِيْنَ ۝ (پ ۷، مائدہ، ۱۱۵)
- ۱۱- يٰدَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۝ (پ ۲۳- ص: ۲۷)
- ۱۲- وَوَهَبْنَا لِداوُدَ سُلَيْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ۝ (پ ۲۳- ص: ۳۷)
- ۱۳- يٰزَكَرِيَّا اِنَّا نَبِّشُرُكَ بِغُلٰمٍ اِسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَكَ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ (پ ۱۶- مریم: ۱۷)
- ۱۴- كَلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۝ (آل عمران: ۴۷)
- ۱۵- يٰحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۝ (مریم: ۱۷)
- ۱۶- وَزَكَرِيَّا اِذْ نَادٰى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ (انبیاء: ۶۷)
- مگر ہمارے آقائے نامدار بانی ہوو امی کو اللہ تعالیٰ یوں خطاب فرماتا ہے:
- ۱- يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال: ۸)
- ۲- يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۝ (مائدہ: ۱۰)
- ۳- يٰٓاَيُّهَا الْمُرْسَلُ ۝ (مزل شروع)
- ۴- يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ (مدثر شروع)

جہاں اللہ تعالیٰ نے حضور کے نام مبارک کی تصریح فرمائی ہے وہاں ساتھ ہی رسالت یا کوئی اور وصف بیان فرمایا ہے۔ دیکھو آیات ذیل:

۱- وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۝ (پ ۲- آل عمران - ع ۱۵)

۲- مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۝ (پ ۲۶- فتح - ع ۴۷)

۳- مَا كَانَ مُحَمَّدًا أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (پ ۲۲- احزاب - ع ۵۷)

۴- وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ (پ ۲۶- محمد - ع ۱۷)

جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل و حبیب کا یکجا ذکر کیا ہے وہاں اپنے خلیل کا نام لیا ہے اور اپنے حبیب کو نبوت کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ یوں ارشاد ہوا ہے:

۵- إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (پ ۳- آل عمران - رکوع ۷)

۶- حضور کو نام مبارک کے ساتھ خطاب کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ حالانکہ دوسری امتیں اپنے نبیوں کو نام کے ساتھ خطاب کیا کرتی تھیں۔ دیکھو آیات ذیل:

۱- قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۝ (پ ۹- اعراف - ع ۱۶)

۲- وَإِذْ قَالَ الْخَوَارِجُونَ لِيَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۝ (پ ۷- مائدہ - رکوع ۱۵)

۳- قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ (پ ۱۲- ہود - ع ۵)

۴- قَالُوا يُضْلِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكِّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٌ ۝

مگر ہمارے آقائے نامدار بانی ہوو امی کی نسبت یوں ارشاد باری ہوتا ہے:

”مت مقرر کرو پکارنا پیغمبر کا درمیان اپنے جیسا پکارنا بعض تمہارے کا ہے بعض کو۔“

۶۳- حضور کا نام مبارک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں طاعت و معصیت فرائض و احکام، وعدہ و

عید اور انعام و اکرام کا ذکر کرتے وقت اپنے پاک نام کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ دیکھو آیات ذیل:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۝ (پ ۱۸- نور - ع ۹)

۱- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۝

(پ ۵، نساء، ع ۸)

۲- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَاتَّمَّ تَسْمَعُونَ ۝ (پ ۹، انفال، ع ۳)

۳- وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (پ ۱۰، توب، ع ۹)

۴- إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ ۝ (پ ۱۸-۱۹، نور، ع ۹)

۵- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۝

(پ ۹، انفال، ع ۳)

۶- وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ (پ ۲، نساء، ع ۲)

۷- إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ۝ (پ ۲۲، احزاب، ع ۷)

۸- بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (پ ۱۰، توب، شروع)

۹- وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ إِنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ - (پ ۱۰، توب، ع ۱)

۱۰- أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (پ ۱۰، توب، ع ۲)

۱۱- أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝ (پ ۱۰، توب، ع ۸)

۱۲- إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ - (پ ۶، مائدہ، ع ۵)

۱۳- قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

يَدَّوهُمْ صَاغِرُونَ ۝ (پ ۱۰-توبہ، ع ۴)

۱۴- قُلِ الْاِنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ۔ (پ ۹، انفال، شروع)

۱۵- وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (پ ۹، انفال، ع ۲)

۱۶- فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

الْاٰخِرِ ۝ (نساء، ع ۵)

۱۷- وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا اتَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُوتِنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ

وَرَسُولُهُ اِنَّا اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ ۝ (پ ۱۰، توبہ، ع ۱۰)

۱۸- وَاَعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ۔ (پ ۱۰، شروع)

۱۹- وَمَا نَقَمُوْا اِلَّا اَنۡ اَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ۔ (پ ۱۰، توبہ، ع ۱۰)

۲۰- وَجَاءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

سَيُصِيبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (پ ۱۰، توبہ، ع ۱۲)

۲۱- وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ

وَتَخْفِ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ۔ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَهُ۔ (احزاب، ع ۵)

۲۲- اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا ذکر بلند کیا ہے۔ چنانچہ اذان اور خطبے اور تشہد میں اللہ عزوجل کے

ساتھ آپ کا ذکر بھی ہے۔

۲۵- حضور ﷺ پر آپ کی امت پیش کی گئی اور جو کچھ آپ کی امت میں قیامت تک ہونے والا ہے وہ

سب آپ پر پیش کیا گیا بلکہ باقی امتیں بھی آپ پر پیش کی گئیں جیسا کہ حضرت آدم ﷺ کو ہر چیز

کا نام بتایا گیا۔

۲۶- آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور محبت و خلت اور کلام و رویت کے جامع ہیں۔

۲۷- جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پہلے نبیوں کو ان کے مانگنے کے بعد عطا فرمایا وہ آپ کو بن مانگے عنایت

فرمایا دیکھو مسئلہ ذیل:

۱- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے سوال کیا:

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (شعرا، ع ۵)

”اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن جی کر اٹھیں۔“

حضور سرور انبیاء ﷺ اور آپ کی امت کے بارے میں خدا تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ۔ (تحریم، ع ۲)

”جس دن اللہ سوانہ کرے گا نبی کو اور ان کو جو ایمان لائے ہیں اس کے ساتھ۔“

یہاں سوال سے پہلے بشارت ہے۔

(ب) حضرت ابراہیم علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:

وَأَجْنِبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ۔ (ابراہیم: ۶۷)

”مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچا۔“

حضور سرور انبیاء ﷺ کے حق میں بن مانگے خدا فرماتا ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (احزاب، ۳۷)

”اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے گھر والو۔ اور ستھرا کرے تم کو ستھرا کرنا۔“

یہ ابلاغ ہے اس سے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے حق میں ہوا۔ کیوں کہ دعائے خلیل تو فقط

عبادت اصنام کی نفی کے لیے تھی اور یہ ہر گناہ و نقص کو عام ہے۔ وہ تو اپنے بیٹوں کے حق میں

خاص تھی اور یہ عام ہے ہر ایک کو کہ شامل ہے اس کو بیت حضور نبی ﷺ کا یعنی آپ کے ازواج

مطہرات اور اولاد وغیرہ۔

(ج) حضرت خلیل اللہ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:

وَأَجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ (شعراء، ۵۷)

”مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں کر۔“

حضور سرور انبیاء ﷺ کے حق میں بن مانگے خدا فرماتا ہے:

إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ (کوثر)

”ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا۔“

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى (ضحیٰ)

”اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب۔ پھر تو راضی ہو جائے گا۔“

(د) حضرت خلیل اللہ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:

وَأَجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ (اشعراء، ۵۷)

”آئندہ امتوں میں قیامت تک میرا ذکر جمیل قائم رکھ۔“

حضور سرور انبیاء ﷺ کو خدا تعالیٰ نے بن مانگے اس سے بڑھ کر عطا فرمایا۔ چنانچہ سورہ الم نشرح

میں وارد ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الم نشرح) ”اور ہم نے تیرا نام بلند کیا۔“

لہذا حضور از عرش تافرش مشہور ہیں اور نماز و خطبہ و اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ آپ کا نام مبارک مذکور ہے اور عرش پر، قصور بہشت پر، حوروں کے سینوں پر، درختان بہشت کے پتوں اور فرشتوں کی چشم و ابرو پر آپ کا اسم شریف لکھا ہوا ہے۔ اور آپ سے پہلے جس قدر انبیاء گزرے ہیں، وہ سب آپ کے شاخوایں رہے ہیں اور قیامت کو ثنا خواں ہوں گے۔

(۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ (طہ - ۲۷)

”اے میرے پروردگار میرا سینہ میرے واسطے روشن کر دے۔“

حضور سرور انبیاء ﷺ کے لیے بن مانگے یوں ارشاد ہوتا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الم نشرح شروع)

”کیا ہم نے تیرے واسطے تیرا سینہ روشن نہیں کیا۔“

(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے کتاب کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے تیس راتوں کا وعدہ

فرمایا پھر دس راتیں اور زیادہ کی گئیں۔ بعد ازاں کتاب تو رات عطا ہوئی۔

مگر حضور سرور انبیاء ﷺ پر بغیر کسی وعدہ سابق کے نزول قرآن شروع ہوا۔ چنانچہ باری تعالیٰ

یوں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ۔ (نقص، ۹۷)

”اور تو توقع نہ رکھتا تو کہ اتاری جائے تجھ پر کتاب مگر فضل ہو کر تیرے رب کی طرف سے۔“

۶۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی رسالت پر قسم کھائی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلْقُرْاٰنَ الْحَكِيْمَ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (یسین، شروع)

”یس۔ قسم ہے قرآن محکم کی۔ تحقیق تو البتہ پیغمبروں سے ہے۔“

۶۹۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی زندگی اور آپ کے شہر کی اور آپ کے زمانے کی قسم کھائی ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (حجر، ۵۷)

”تیری زندگی کی قسم! وہ (قوم لوط) البتہ اپنی مستی میں سرگرداں ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے کسی اور پیغمبر کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔

ب۔ لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (سورہ بلد)

”میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی حالانکہ تو اترنے والا ہے اس شہر میں۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے شہر یعنی مکہ معظمہ کی قسم کھائی ہے جسے پہلے

ہی سے شرف ذاتی حاصل تھا مگر حضور انور کے نزول سے اور شرف حاصل ہو گیا۔ مدارج النبوة میں یوں لکھا ہے:

”در مواہب لدنیہ میگوید کہ روایت کردہ شدہ است از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کہ گفت مر آنحضرت رضی اللہ عنہما بآبای انت وامی یا رسول اللہ! تحقیق رسیدہ است فضیلت تو نزد خدا بمرتبہ کہ سوگند خود بخاک پائے تو و گفت لا اقسم بہذا البد۔ یعنی سوگند خوردن بہ بلد کہ عبارت است از زمین کہ بے سپر میکند آنرا پائے آنحضرت رضی اللہ عنہما سوگند بخاک پائے حضرت رسالت است و نظر حقیقت معنی صاف و پاک است کہ غبارے براں نئے نشیند۔“

وَالْعَصْرُ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ (عصر)
”قسم ہے زمانہ کی! تحقیق انسان ٹوٹے میں ہے۔“

۴۰۔ حضور ﷺ سے وحی کی تمام قسموں کے ساتھ کلام کیا گیا۔

۴۱۔ حضور کا رویا وحی ہے یہی حال تمام پیغمبروں کا ہے۔ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۴۲۔ حضور سرور کائنات ﷺ پر حضرت اسرافیل علیہ السلام نازل ہوئے جو آپ سے پہلے کسی اور نبی پر نازل نہیں ہوئے۔

۴۳۔ حضور بہترین اولاد آدم ہیں۔

”آپ کے پچھلے اگلے گناہ (بالفرض و التقدر) معاف کیے گئے ہیں۔“

۴۴۔ آپ کے سبب آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کیے گئے۔ یعنی اگر آپ سے کسی (ترک اولیٰ جسے بلحاظ آپ کے منصب جلیل کے گناہ سے تعبیر کیا جائے) کا صدور تصور کیا جائے تو اس کی معافی کی بشارت خدا نے دے دی ہے۔ حالانکہ ایسا تصور میں نہیں آسکتا۔ کیوں کہ آپ سے بھی کوئی گناہ (خواہ ترک اولیٰ ہی ہو) صادر نہیں ہوا۔ کسی دوسرے پیغمبر کو خدا تعالیٰ نے حیات دنیوی میں ایسی مغفرت کی بشارت نہیں دی۔

۴۵۔ حضور انور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم المخلوق ہیں۔ اس لیے دیگر انبیاء و مرسلین اور ملائک سے افضل ہیں۔

۴۶۔ اجتہاد میں حضور سے خطا (بر تقدیر تسلیم وقوع) جائز نہیں۔

۴۷۔ قبر میں میت سے حضور کی نسبت سوال ہوتا ہے۔

۴۸۔ حضور کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام کیا گیا۔

۴۹۔ حضور کی ازواج مطہرات کے اشخاص و اجسام کا اظہار خواہ چادروں میں پوشیدہ ہوں (باستثنائے

- ضرورت) جائز نہ تھا۔ اسی طرح ان پر شہادت وغیرہ کے لیے منہ ہاتھ کانگا کرنا حرام تھا۔
- ۸۰۔ حضور کی صاحب زادیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما آپ کے صاحب زادے کہلاتے ہیں۔
- ۸۱۔ حضور کی صاحب زادیوں پر تزوج حرام تھا۔ یعنی اگر آپ کی کوئی صاحب زادی کسی مرد کے نکاح میں ہو تو اس مرد پر حرام تھا کہ کسی دوسری عورت سے بھی نکاح کرے۔
- ۸۲۔ جس محراب کی طرف حضور نے نماز پڑھی۔ اس میں کسی کو اجتہاد و تخری سے دائیں بائیں ہونا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کرے اور اصرار کرے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اسی طرح تھیں تو وہ کافر ہو گیا اور اگر یہ تاویل کرے کہ یہ محراب جواب ہے، وہ نہیں جو حضور کے زمانہ میں تھی۔ بلکہ اس میں تغیر آ گیا ہے تو وہ کافر نہیں ہوتا۔
- ۸۳۔ جس نے حضور کو خواب میں دیکھا اس نے بے شک آپ ہی کو دیکھا۔ کیوں کہ شیطان آپ کی صورت شریف کی طرح نہیں بن سکتا۔ اس بات پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ جس صورت سے کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے آپ ہی کو دیکھا۔ تفاوت آئینے کے حال میں ہے۔ جس کا آئینہ خیال زیادہ صاف اور اسلام کے نور سے زیادہ منور ہے اس کا دیکھنا درست تر اور کامل تر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان کسی نبی کی صورت میں متماثل نہیں ہو سکتا۔
- ۸۴۔ حضور کا اسم شریف یعنی محمد کسی کا نام رکھنا مبارک اور دنیا اور آخرت میں نافع ہے۔ مگر ابو القاسم کنیت رکھنے میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسم و کنیت کے درمیان جمع کرنے سے منع کیا ہے۔ اور افراد یعنی اسم و کنیت میں سے ایک کا رکھنا جائز بتایا ہے۔ تفصیل مطولات میں دیکھنی چاہیے۔
- ۸۵۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اپنی انگوٹھی پر محمد رسول اللہ نقش کرائے جیسا کہ حضور انور کی انگوٹھی پر تھا۔
- ۸۶۔ حضور کی حدیث شریف کے پڑھنے کے لیے غسل و وضو کرنا اور خوشبو ملنا مستحب ہے۔ اور یہ بھی مستحب ہے کہ حدیث شریف کے پڑھنے میں آواز دھیمی کی جائے۔ جیسا کہ حضور کی حیات شریف میں جس وقت آپ کلام کرتے، حکم الہی تھا کہ آپ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔ آپ کے وصال شریف کے بعد آپ کا کلام مروی و ماثور عزت و رفعت میں مثل اس کلام کے ہے جو آپ کی زبان مبارک سے سنا جاتا تھا۔ لہذا کلام ماثور کی قراءت کے وقت بھی وہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اور یہ بھی مستحب ہے کہ حدیث شریف اونچی جگہ پر پڑھی جائے۔ اور پڑھتے وقت کسی کی تعظیم کے لیے خواہ کیسا ہی ذی شان ہو کھڑا نہ ہو۔ کیوں کہ یہ خلاف ادب ہے۔
- ۸۷۔ حضور کی حدیث شریف کے قاریوں کے چہرے تازہ و شادماں رہیں گے۔

۸۸۔ جس شخص نے بحالت ایمان ایک لمحہ یا ایک نظر حضور اقدس ﷺ کو دیکھ لیا اسے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ طویل صحبت شرط نہیں۔ ہاں تابعی ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ صحابی کی صحبت میں دیر تک رہا ہو۔

۸۹۔ حضور کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔ لہذا شہادت و روایت میں ان میں سے کسی کی عدالت سے بحث نہ کی جائے جیسا کہ دیگر راویوں میں کی جاتی ہے۔ کیوں کہ صحابہ کرام کی تعدیل ظواہر کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

۹۰۔ نمازی تشہد میں حضور ﷺ سے یوں خطاب کرتا ہے۔ السلام علیک لکھا النبی (آپ پر سلام اے نبی) اور آپ کے سوا کسی اور مخلوق کو اس طرح خطاب نہیں کرتا۔ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو انہیں الفاظ سے خطاب کیا تھا۔ فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ نمازی کو چاہیے کہ تشہد میں شب معراج کے واقعہ کی حکایت و اخبار کا ارادہ نہ کرے بلکہ انشاء کا قصد کرے کہ گویا وہ اپنی طرف سے اپنے نبی پر سلام بھیجتا ہے۔ اگر حکایت و اخبار کی نیت ہوگی تو وہ سلام نمازی کا نہ ہوگا۔ اور تشہد جو واجب ہے ادا نہ ہوگا لہذا نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ نمازی کو چاہیے کہ اپنے قلب میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے جسم کریم کو حاضر کر کے کہے۔ السلام علیک لکھا النبی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

”و نیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومنان و قرۃ العین عابدان است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت و آخر آں کہ جو نورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر قوی تر است۔ و بعضے از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجهت سریان حقیقت محمدیہ است در زرار موجودات و افراد ممکنات۔ پس آنحضرت در ذات مصلیان موجود و حاضر است۔ پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب و اسرار معرفت متنور و فائز گردد۔“

امام عبد الوہاب شعرانی میزان کبریٰ (باب صفۃ الصلوٰۃ) میں لکھتے ہیں کہ میں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شارع ﷺ نے نمازی کو التحیات میں رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا اس لیے امر کیا ہے کہ عافلوں کو آگاہ کر دے کہ تم جو اللہ عزوجل کے سامنے بیٹھے ہو۔ اس دربار میں تمہارے نبی موجود ہیں۔ کیوں کہ آپ بارگاہ الہی سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ اس واسطے نمازی آپ کو سلام کے ساتھ روبرو خطاب کرتے ہیں۔

۹۱۔ جس مومن کو حضور انور پکاریں۔ اس پر آپ کو جواب دینا واجب ہے۔ خواہ وہ نماز میں ہو۔

حضرت ابوسعید بن معلیٰ کا بیان ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے پکارا۔ میں نہ آیا۔ نماز سے فارغ ہو کر حاضر خدمت ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا:

اَسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۝ (انفال - ۳۷)

”قبول کرو خدا اور رسول کا پکارنا۔ جب وہ پکارے تمہیں اس چیز کے لیے جو تم کو زندہ کرے۔“ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ انفال)

اگر کوئی مومن آپ کو جواب نہ دے تو بالاتفاق گنہگار ہے۔ اس کی نماز کے بارے میں اختلاف ہے کہ باطل ہو جاتی ہے یا نہیں۔

۹۲- حضور پر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں جیسا کہ آپ کے غیر پر ہے۔ حدیث صحیحین میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ”جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا۔ وہ آگ میں اپنا ٹھکانا بنالے۔“ ایسے شخص کی روایت خواہ وہ توبہ کرے ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ بعض کے نزدیک رسول اللہ ﷺ پر عدا جھوٹ باندھنا کفر ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ سخت گناہ عظیم و کبیرہ ہے۔

۹۳- حضور انور ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجروں کے باہر سے آپ کو پکارنا حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُّنَادُوْنَكَ مِنْ وَّدَاِِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (حجرات، ۱۷)

”البتہ وہ لوگ جو پکارتے ہیں تجھ کو حجروں کے باہر سے ان میں اکثر عقل نہیں رکھتے اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو ان کی طرف نکلتا تو یہ البتہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

۹۴- حضور ﷺ سے بلند آواز سے کلام کرنا حرام ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

۹۵- آنحضرت ﷺ معصوم ہیں۔ گناہ صغیرہ اور کبیرہ سے عمد اور سہواً قبل از نبوت اور بعد نبوت۔ یہی مذہب مختار ہے۔

۹۶- حضور انور پر جنون اور لمبی بے ہوشی طاری نہیں ہوئی۔ کیوں کہ یہ من جملہ نقائص ہیں۔ علامہ سبکی نے کہا کہ پیغمبروں پر نابینائی وارد نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ نقص ہے۔ کوئی پیغمبر نابینا نہیں ہوا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت جو کہا گیا ہے کہ وہ نابینا تھے۔ سو وہ ثابت نہیں (بر تقدیر نبوت وہ نابینائی مضر نہیں) کیوں کہ وہ تحقیق نبوت کے بعد طاری ہوئی) رہے حضرت یعقوب علیہ السلام سو ان کی آنکھوں پر پردہ آ گیا تھا۔ اور وہ پردہ دور ہو گیا۔ مشہور یہ ہے کہ کوئی پیغمبر اصم (بہرا) نہ تھا۔

۹۷- حضور کی برأت و تنزیہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی، بخلاف دیگر انبیائے کرام کے کہ اپنے مکذبین کی تردید خود کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قوم نوح نے جب ان سے کہا:

إِنَّا لَنَرُكَ فِي ضَلَلٍ مُّبِينٍ ۝

”تحقیق ہم تجھے صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔“

ان کی نفی خود حضرت نوح علیہ السلام نے کی، جب ان سے کہا:

يَقَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (اعراف، ۸۷)

”اے میری قوم مجھ میں گمراہی نہیں لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔“

قوم ہود نے ان سے کہا:

إِنَّا لَنَرُكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

”تحقیق ہم تجھے کو بیوقوفی میں دیکھتے ہیں اور تجھے جھوٹوں پر گمان کرتے ہیں۔“

اس پر ہود علی نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا:

يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (اعراف، ۹۷)

”اے میری قوم مجھ میں بیوقوفی نہیں لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔“

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَمُوسَىٰ مَسْحُورًا ۝

”تحقیق میں تجھے اے موسیٰ جادو کیا ہوا گمان کرتا ہوں۔“

اس پر حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا:

وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يُفْرَعُونَ مَثْبُورًا ۝ (بنی اسرائیل، ۱۲۷)

”اور تحقیق میں تجھے اے فرعون ہلاک کیا گیا گمان کرتا ہوں۔“

قوم شعیب نے ان سے کہا:

إِنَّا لَنَرُكَ فِينَا ضَعِيفًا لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ۝ (ہود، ۸۷)

”تحقیق البتہ ہم تجھ کو اپنے درمیان کمزور دیکھتے ہیں۔ اگر تیری برادرگی نہ ہوتی تو البتہ ہم

تجھ کو سنگسار کر دیتے اور تو ہم پر قدرت والا نہیں۔“

حضرت شعیب علیہ السلام اس کا جواب یوں دیتے ہیں:

يَقَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَاتَّخَذُ تُمُوهَ وَرَاءَ كُمْ ظَهْرِيًّا۔ إِنَّ رَبِّي بِمَا

تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ (ہود، ۸۷)

”اے میری قوم! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ عزیز ہے اور تم نے اس کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈالا ہوا ہے۔ تحقیق میرا پروردگار گھیرنے والا ہے اس چیز کو کہ تم کرتے ہو۔“
 کفار نے ہمارے آقائے نامدار ﷺ کی نسبت جو طعن و تنقیص کی، حق سبحانہ تعالیٰ نے بذات خود اس کی تردید فرمادی جس سے حضور ﷺ کی شان محبوبیت عیاں ہے۔ چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

کفار کا اعتراض	باری تعالیٰ عز اسمہ کا جواب
يَا أَيُّهَا الَّذِي نَزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ (حجر-ع ۱۴)	مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ (قلم-ع ۱۴)
ترجمہ: اے وہ شخص کہ اتارا گیا اس پر قرآن تو البتہ دیوانہ ہے۔	ترجمہ: نہیں تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ۔
إِنَّا لَنَارِكُوكُمْ آلِهَةً شَاعِرٍ مَّجْنُونٍ (صافات-ع ۲۴)	بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَقَ الْمُرْسَلِينَ (صافات-ع ۲۴)
ترجمہ: کیا ہم چھوڑ دینے والے ہیں اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کے واسطے۔	ترجمہ: بلکہ وہ لایا ہے حق اور سچا کیا ہے پیغمبروں کو۔
إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا (بنی اسرائیل-ع ۵۴)	وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (یس-ع ۵۴)
ترجمہ: نہیں پیروی کرتے تم مگر ایک مرد مسحور (جادو مارا) کی۔	ترجمہ: اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا۔ اور اس کے لائق نہیں۔
لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (انفال-ع ۲۴)	أَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا (بنی اسرائیل-ع ۵۴)
ترجمہ: ہم نہیں پیروی کرتے تم مگر ایک مرد مسحور (جادو مارا) کی۔	ترجمہ: دیکھ کیونکہ بیان کیس انہوں نے تیرے واسطے مثالیں۔ پس وہ گمراہ ہو گئے۔ پس نہیں پاسکتے کوئی راہ (طعن کی)۔
كُلُّ لَيْنٍ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (بنی اسرائیل-ع ۱۴)	

ترجمہ: اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسا۔ یہ کچھ نہیں مگر قصے کہانیاں پہلوں کی۔
 لائیں ایسا قرآن۔ تو نہ لائینگے ایسا خواہ مدد کریں
 ایک کی ایک۔

قُلْ فَاتُوا بِسُورَةِ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ
 مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ (یونس: ۳۴)

ترجمہ: یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو باندھ لیا ہے۔
 پکار جس کو پکار سکو اللہ کے سوا۔ اگر ہو تم سچے۔

كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝
 (فرقان: ۳۴)

ترجمہ: آپ پر قرآن ایک دفعہ کیوں نازل نہیں کیا گیا۔
 اسی طرح اتارا ہم نے تاکہ ثابت رکھیں ہم اس کے ساتھ تیرے دل کو۔ اور آہستہ آہستہ پڑھا ہم نے اس کو آہستہ پڑھنا (یعنی ہر بات کے وقت اس کا جواب آتا رہے تو پیغمبروں کا دل ثابت رہے۔) (موضح)۔

لَسْتُ مُرْسَلًا ۝
 (رعد۔ آخری آیت) قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ۔ (رعد۔ آخر آیت)
 يَسَّ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ (یسین: شروع)

ترجمہ: تو رسول نہیں۔
 کہہ دے کافی ہے اللہ گواہی دینیوالا درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور وہ شخص کہ اسکے پاس ہے علم کتاب کا۔

ترجمہ: یسین۔ قسم ہے قرآن محکم کی۔ تحقیق تو البتہ رسولوں میں سے ہے۔

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ
 (بنی اسرائیل: ۱۱) مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكَاتًا
 رَّسُولًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۱)

ابَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا ۝

ترجمہ: کہہ دے اگر ہوتے زمین میں فرشتے چلا کرتے آرام سے۔ تو البتہ ہم اتارتے ان پر آسمان سے فرشتے کو پیغمبر بنا کر۔ مطلب یہ کہ تجانس موجب تو انس اور مخالف موجب تباین ہے۔ اس لیے فرشتوں کیلئے مبعوث ہونا چاہیے۔ اور اہل ارض کیلئے بشر رسول چاہیے۔

مَا لَ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ - (فرقان: ۱۷)

(فرقان: ۲۷)

ترجمہ: اور نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے پیغمبر مگر تحقیق وہ البتہ کھاتے تھے کھانا اور چلتے تھے بازاروں میں۔

ترجمہ: کیا ہوا ہے اس پیغمبر کو کہ کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں۔

لَوْلَا نَزَّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْتَيْنِ عَظِيمٍ - (زخرف: ۳۷)

بَعْضُهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرِيًّا - وَرَحِمْتَ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ - (زخرف: ۳۷)

ترجمہ: کیا وہ بانٹے ہیں تیرے پروردگار کی رحمت کو۔ ہم نے بانٹی ہے انکے درمیان کی روزی حیات دنیا میں۔ اور ہم نے بلند کیا ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں۔ تاکہ پکڑیں انکے بعض کو محکوم۔ اور تیرے پروردگار کی رحمت بہتر ہے اس چیز سے کہ وہ جمع کرتے ہیں۔

ترجمہ: کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ایک مرد پر ان دو بستیوں سے۔

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَى رَجُلٍ يُنْبِئُكُمْ إِذَا مُدِّقْتُمْ كَلَّ مُمْزِقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ - (سہ: ۱۷)

يَوْمَنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ - (سہ: ۱۷)

ترجمہ: کیا ہم راہ بتادیں تم کو اس شخص کی طرف جو خبر دیتا ہے تم کو کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے نہایت ریزہ ریزہ ہونا تحقیق البتہ نئی پیدائش میں ہو گے۔

ترجمہ: کیا باندھ لیا ہے اس نے اللہ پر جھوٹ یا اس کو جنون ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے عذاب اور دور کی گمراہی ہیں۔

إِنَّ مَشَانِكَ هُوَ الْآبِتْرُ (الکوثر)

ترجمہ: تحقیق تیرا دشمن وہی ہے بے نسل۔

ایک روز آنحضرت ﷺ مسجد حرام سے نکل رہے تھے کہ باب بنی سہم میں عاص بن وائل سہمی آپ سے ملا اور کلام کیا۔ جب وہ مسجد میں داخل ہوا تو شقیائے قریش نے پوچھا کہ تم کس سے باتیں کر رہے تھے۔

چنانچہ عاص مذکور کا نام نابود ہو گیا۔ مگر حضور انور ﷺ بابی ہو و امی کا نام قیامت تک روشن ہے۔ اور آپ ﷺ کی ذریت قیامت تک رہے گی۔

عاص بولا اسی ابتر (بے نسل) سے حضور کا صاحبزادہ جو حضرت خدیجہ الکبریٰ کے لطن مبارک سے تھا انتقال کر چکا تھا۔ اس لیے عاص نے حضور کو یہ طعن دیا کہ زندگی تک انکا نام ہے پیچھے کون نام لیگا۔ (مدارج النبوة)۔

وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ ۝ وَمَا قَلَىٰ ۝ (الضحیٰ)

ترجمہ: حضرت کو کوئی دن وحی نہ آئی۔ دل مگددر رہا۔ تہجد کو نہ اٹھے۔ کافروں نے کہا اس کو چھوڑ دیا اسکے رب نے۔ (موضح قرآن)۔

ترجمہ: قسم ہے دن چڑھے کی اور رات کی جب ڈھانپ لے نہیں چھوڑ دیا جھکو تیرے رب نے اور ناخوش رکھا۔

موضح قرآن میں ہے پہلے فرمائی دھوپ روشن کی اور رات اندھیری کی۔ یعنی ظاہر میں بھی اللہ تعالیٰ کی دو قدرتیں ہیں۔ باطن میں بھی کبھی اجالا ہے کبھی اندھیرا۔ دوں اللہ کے ہیں اللہ سے دور کبھی نہیں بندہ۔

قُلْ أَذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۝

هُوَ أَذُنٌ ۝ (توبہ۔ ۸۷)

ترجمہ: وہ ہر کسی کی بات سن کر لگ جانے والا ہے۔

ترجمہ: کہہ دے وہ اچھا سننے والا ہے تمہارے واسطے ایمان لاتا ہے اور پھر باور کر نیو والا ہے مومنوں کی بات، اور رحمت ہے واسطے ان (منافقوں) کے جنہوں نے اظہار ایمان کیا تم میں سے۔

ترجمہ: منافقوں نے آنحضرت ﷺ کی حرم محترم عائشہ صدیقہ پر بہتان لگایا تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

ترجمہ: خود اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہ کی برأت آسمان سے نازل فرمائی۔ (دیکھو سورہ نور، ۲۴)

۹۸۔ جو شخص حضور ﷺ کو سب و شتم کرے یا کسی وجہ سے صراحتہ یا کنایہ آپ ﷺ کی تنقیص شان کرے۔ اس کا قتل کرنا بالاتفاق واجب ہے۔ مگر اس میں اختلاف ہے۔ کہ یہ قتل کرنا بطریق حد ہے کہ بالفعل مار ڈالنا چاہیے۔ اور توبہ نہ کرانی چاہیے۔ یا بطریق ردت ہے کہ اس سے توبہ طلب کی جائے۔ اگر توبہ کرے تو بخش دینا چاہیے۔ اس مسئلے میں مختار قول اول ہے۔ کہ حکم اس صورت میں ہے کہ اہانت کرنے والا مسلمان ہو۔ اگر کافر ہو اور اسلام لائے تو درگزر کرنا چاہیے۔

۹۹۔ اگر حضور ﷺ بنفس نفیس جہاد کے لیے نکلیں تو ہر مسلمان پر واجب تھا کہ آپ کے ساتھ نکلے۔ اور اگر کوئی ظالم آپ ﷺ کے قتل کا قصد کرے تو جو مسلمان حاضر ہو اس پر واجب تھا کہ آپ ﷺ کی حفاظت میں اپنی جان سے دریغ نہ کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ (توبہ۔ ۱۵ع)

”نہ چاہیے مدینے والوں کو اور جو ان کے گردا گرد اعراب ہیں کہ رہ جائیں رسول اللہ کے

ساتھ سے اور نہ یہ کہ اپنی جان کو چاہیں زیادہ ان کی جان سے۔“

۱۰۰۔ حضور ﷺ جس شخص کے لیے حکم کی تخصیص چاہتے کر دیتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت خزیمہ

انصاری کے لیے یہ تخصیص فرمائی کہ ان کی شہادت، حکم دو شہادت کا رکھتی ہے۔ اسی طرح

آپ ﷺ نے حضرت ام عطیہ انصاریہ کو نیاحت کی رخصت دی۔ اور حضرت اسماء بنت عمیس کو

رخصت دی کہ وہ اپنے خاوند حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی شہادت پر صرف تین دن

سوگواری کرے۔ بعد ازاں جو چاہے کرے۔ اور حضرت ابو بردہ بن نیار کو اجازت دی کہ تمہارے

واسطے قربانی میں ایک سال سے کم کا بزگالہ کافی ہے۔ اور آپ نے ایک فقیر سے ایک عورت کا

نکاح کر دیا۔ اور اس کا مہر یہ مقرر فرمایا کہ فقیر کو جتنا قرآن یاد تھا وہ اس عورت کو پڑھا دے۔

۱۰۱۔ حضور ﷺ کو تپ اس شدت سے چڑھتا تھا جیسا کہ دو آدمیوں کو چڑھتا ہے۔ تاکہ ثواب دو چند ملے۔

- ۱۰۲۔ مرض موت میں حضور انور ﷺ کی عیادت کے لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام تین دن حاضر خدمت ہوتے رہے۔
- ۱۰۳۔ جب ملک الموت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اذن طلب کیا آپ ﷺ سے پہلے اس نے کسی نبی سے اذن طلب نہیں کیا۔
- ۱۰۴۔ حضور کے جنازہ شریف کی نماز مسلمانوں نے گروہ ہا گروہ الگ الگ بغیر امامت کے پڑھی۔ آپ ﷺ کے غلام شقران نے جسد مبارک کے نیچے لحد میں قطفہ نجرانیہ بچھادی جو آپ ﷺ اوڑھا کرتے تھے۔ نماز بے جماعت اور قطفہ کا بچھانا آپ کے خصائص سے ہے۔
- ۱۰۵۔ آپ ﷺ کے جسم مقدس کو مٹی نہیں کھاتی۔ تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔
- ۱۰۶۔ حضور ﷺ انور نے بطور میراث کچھ نہیں چھوڑا۔ جو کچھ آپ ﷺ نے چھوڑا وہ صدقہ وقف تھا۔ اور اس کا مصرف وہی تھا جو آپ ﷺ کی حیات شریف میں تھا۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔
- ۱۰۷۔ حضور اقدس ﷺ اپنے مرقد شریف میں حیات حقیقیہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے۔ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔
- ۱۰۸۔ حضور اقدس ﷺ کا مرقد منور کعبہ مکرمہ اور عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے۔
- ۱۰۹۔ آپ ﷺ کے مرقد منور پر ایک فرشتہ مَوَکَل ہے۔ جو آپ ﷺ کی امت کے درود آپ ﷺ کو پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ امام احمد و نسائی کی روایت میں ہے۔ جس وقت کوئی شخص آپ ﷺ پر درود بھیجتا ہے وہ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ یا محمد ﷺ! اس وقت فلاں بن فلاں آپ ﷺ پر درود بھیجتا ہے۔ حاکم کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو زمین میں گشت کرتے ہیں۔ وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔
- ۱۱۰۔ حضور اقدس ﷺ پر ہر روز صبح و شام آپ ﷺ کی امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ نیک اعمال پر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں۔ اور برے اعمال کے لیے بخشش طلب فرماتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کی کہ کوئی روز ایسا نہیں، مگر یہ کہ صبح و شام امت کے اعمال نبی ﷺ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ پس آپ ﷺ ان کی پیشانیوں سے اور ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں۔
- ۱۱۱۔ آنحضرت ﷺ سب سے پہلے قبر مبارک سے نکلیں گے۔ آپ ﷺ کا حشر اس حالت میں ہوگا کہ آپ ﷺ براق پر سوار ہوں گے۔ اور ستر ہزار فرشتے ہم رکاب ہوں گے۔ حضرت کعب احبار کی روایت میں ہے کہ ”ہر روز صبح کو ستر ہزار فرشتے آسمان سے اتر کر حضور انور ﷺ کی قبر

مبارک کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے بازو ہلاتے ہیں۔ (اور آپ پر درود بھیجتے ہیں) اسی طرح شام کے وقت وہ آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ اور ستر ہزار اور حاضر ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ قبر شریف سے نکلیں گے تو ستر ہزار فرشتے آپ ﷺ کے ساتھ ہوں گے۔ موقف میں آپ ﷺ کو بہشت کے حلوں کی نہایت نفیس خلعت عطا ہوگی۔

۱۱۲۔ آپ ﷺ کے مبرمیف اور قبر مبارک کے مابین بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔
 ۱۱۳۔ حضور انور ﷺ کو قیامت کے دن مقام محمود عطا ہوگا۔ جس سے مراد بقول مشہور مقام شفاعت ہے۔
 ۱۱۴۔ قیامت کے دن اہل موقف طول و قوف کے سبب سے گھبرا جائیں گے اور بغرض شفاعت دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس یکے بعد دیگرے جائیں گے۔ اور آخر کار حضور خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ ﷺ کو اہل موقف میں فصل قضاء کے لیے شفاعت عظمیٰ عطا ہوگی۔ اور ایک جماعت کے حق میں بغیر حساب جنت میں داخل کیے جانے کے لیے اور دوسری جماعت کے رفع درجات کے لیے شفاعت کی اجازت ہو جائے گی۔ اس طرح ستر ہزار بہشت میں بے حساب داخل ہوں گے اور ستر ہزار کے ساتھ اور بہت سے بے حساب بہشت میں جائیں گے۔ اور اس کے علاوہ آپ ﷺ کو اپنی امت کے لیے اور کئی قسم کی شفاعت کی اجازت حاصل ہوگی۔

۱۱۵۔ قیامت کے دن حضور اقدس ﷺ سے تبلیغ پر شاہد طلب نہ کیا جائے گا۔ حالانکہ باقی انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے طلب کیا جائے گا۔ اور آپ ﷺ تمام انبیائے کرام کے لیے تبلیغ کی شہادت دیں گے۔

۱۱۶۔ حضور انور ﷺ کو حوض کوثر عطا ہوگا۔

۱۱۷۔ حضور ﷺ کا مبرمیف آپ ﷺ کے حوض پر ہوگا۔

۱۱۸۔ قیامت کے دن حضور ﷺ کی امت سے پہلے سب پیغمبروں کی امتوں سے زیادہ ہوگی۔ کل اہل بہشت کی دو تہائی آپ ﷺ ہی کی امت ہوگی۔

۱۱۹۔ قیامت کے دن ہر کا ایک نسب و سبب منقطع ہوگا۔ (یعنی سود مند نہ ہوگا) مگر حضور ﷺ کا نسب و سبب منقطع نہ ہوگا۔ اسی واسطے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔

۱۲۰۔ قیامت کے دن لوائے حمد حضور ﷺ کے دست مبارک میں ہوگا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام اس جہنڈے تلے ہوں گے۔

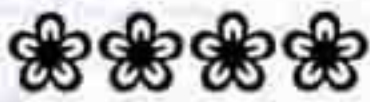
۱۲۱۔ حضور ﷺ (امت سمیت) سب سے پہلے پل صراط سے گزریں گے۔

۱۲۲- حضور ﷺ سب سے پہلے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ خازن جنت پوچھے گا کہ کون ہیں؟ آپ ﷺ فرمائیں گے کہ میں محمد ﷺ ہوں۔ وہ عرض کرے گا کہ میں اٹھ کر کھولتا ہوں۔ میں آپ ﷺ سے پہلے کسی کے لیے نہیں اٹھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد کسی کے لیے اٹھوں گا۔ پھر آپ ﷺ سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

۱۲۳- آپ ﷺ کو وسیلہ عطا ہوگا۔ جو جنت میں اعلیٰ درجہ ہے۔

۱۲۴- جنت میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام کی کنیت ان کی تمام اولاد میں سے سوائے حضور کے کسی اور کے نام پر نہ ہوگی۔ چنانچہ ان کو ابو محمد ﷺ کہا جائے گا۔

۱۲۵- جنت میں سوائے حضور ﷺ کی کتاب (قرآن کریم) کے کوئی اور کتاب نہ پڑھی جائے گی۔ اور نہ سوائے حضور ﷺ کی زبان کے کسی اور زبان میں کوئی تکلم کرے گا۔



باب: ۹

آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات اور اولادِ کرام کا بیان

حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کی فضیلت قرآن کریم سے ثابت ہے چنانچہ سورہ احزاب میں باری تعالیٰ عزاسمہ ارشاد فرماتا ہے:

۱- يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝

”اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ فائدہ دوں اور خوش اسلوبی سے تمہیں رخصت کر دوں۔“

۲- وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّا رَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

”اور اگر تم خدا اور رسول ﷺ اور سرائے آخرت کو چاہتی ہو تو تم میں (۱) سے نیکو کاروں کے لیے خدا نے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔“

۳- يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ- وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝

”اے نبی ﷺ کی بیویو! تم میں سے جو صریح بے حیائی کا کام کرے گی۔ اس کو دوہری سزا دی جائے گی۔ اور یہ خدا پر آسان ہے۔“

۴- وَمَن يَقْنُتْ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۝

”اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے فرمانبرداری اور نیک عمل کرے گی ہم اس کو دوہرا ثواب دیں گے اور اس کے لیے ہم نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔“

۵- يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ

الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

”اے نبی ﷺ کی بیویو! تم عام عورتوں کی مثل نہیں ہو۔ اگر تم پر ہیزگاری رکھو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو۔ جس سے وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے لالچ کرے اور تم نیک بات کہا کرو۔“

۶- وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ - إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝

”اور تم اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔ اور قدیم جاہلیت کے سے بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ اور خدا کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو۔ اے اہل بیت نبی ﷺ! خدا تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور کر دے اور تم کو خوب پاک کر دے۔“

۷- وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝

”اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں اور دانائی کی باتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو یاد کرو۔ بے شک اللہ لطف کرنے والا خبردار ہے۔“

آیات مذکورہ بالا سے متعلق امور ذیل میں قابل غور ہیں:

(آیہ ۱، ۲) ہجرت کے نویں سال آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کیا۔ جب ۲۹ دن گزرنے پر مہینہ پورا ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام آیہ تخییر لائے اس وقت ازواج مطہرات نو تھیں۔ یعنی حضرات عائشہ و حفصہ و ام حبیبہ بنت ابی سفیان و سودہ بنت زمعہ و ام سلمہ بنت ابی امیہ و صفیہ بنت حی بن اہب و میمونہ بنت حارث ہلالیہ و زینب بنت جحش اسدیہ و جویریہ بنت حارث بنی تملک۔ ان نسب نے زینت دنیا پر اللہ اور رسول ﷺ کو اختیار کیا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ نہ دنیا چاہتی تھیں اور نہ ان کے دلوں میں دنیا کی زینت کی کچھ ہوس تھی۔ کیوں کہ اگر ہوتی تو آنحضرت ﷺ ان سے مفارقت کر کے کچھ دے دلا کر انہیں رخصت فرما دیتے۔ مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ پس معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رضائے خدا اور رسول ﷺ کی طلبگار تھیں۔ اور حسن آخرت کی متمنی تھیں اس عمل نیک پر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو انہیں نو پر مقصود کر دیا اور فرمایا۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ

إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ۔

”اس کے بعد تیرے واسطے اور عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ تو ان کی بجائے اوروں کو بیویاں بنالے اگرچہ ان کا حسن تجھ کو اچھا لگے۔ مگر وہ جن کا مالک ہو گیا تیرا دایاں ہاتھ۔“
یعنی چونکہ انہوں نے آپ کو اختیار کیا ہے اس لیے آپ بھی ان پر دوسری عورتوں کو اختیار نہ کریں۔

(آیہ ۳، ۴) اسی نیک عمل پر جزائے مذکورہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو یہ شرف بخشا کہ خود ان سے خطاب کیا۔ اور ان کو اپنے حبیب پاک ﷺ کی طرف نسبت دے کر فرمایا۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے اگر کوئی ناشائستہ حرکت کرے گی تو دیگر عورتوں کی نسبت اسے دگنا عذاب ہوگا۔ اور اگر نیک عمل کرے گی تو اسے دوسری عورتوں سے دگنا ثواب ملے گا۔ موضح قرآن میں ہے۔ یہ بڑے درجے کا لازمہ ہے۔ نیکی کا ثواب دوگنا اور برائی کا عذاب دوگنا، پیغمبر کو بھی فرمایا:

إِذَا لَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاتِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ۔ (نہی اسرائیل۔ ۸۷)

”اس وقت البتہ ہم تجھے چکھاتے دگنا عذاب زندگی کا اور دگنا عذاب موت کا۔“ (انتہی)

اس سے ازواج مطہرات کا مقرباں درگاہ الہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حرکی حد رقیق کی حد سے دگنی ہے۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام کو ان امور پر عتاب ہوتا ہے جن پر دوسروں لوگوں کو نہیں ہوتا۔ یہاں سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ازواج مطہرات باقی تمام عورتوں سے بہتر تھیں۔ کیونکہ ان کا عذاب و ثواب باقی تمام عورتوں کے عذاب و ثواب سے دگنا ہے۔ یہاں ازواج مطہرات کے لیے بھی بشارت ہے کہ ان سے کوئی کھلی ناشائستہ حرکت سرزد نہ ہوگی۔ کیونکہ آیہ (۳۰) سورہ احزاب از قبیل لئن اشرکت لیحبطن عملک (۲) ہے بایں ہمہ جو لوگ ازواج مطہرات کے حق میں دریدہ دہنی کرتے ہیں وہ اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کی ازواج کو ناشائستہ حرکات سے محفوظ رکھا ہے۔ اور اجر مضاعف کے علاوہ ان کے لیے آخرت میں رزق کریم تیار کر رکھا ہے۔ اس سے ان کا بہشتی ہونا ظاہر ہے۔

(آیہ ۵)۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ازواج مطہرات کے لیے تضعیف ثواب و عذاب کی وجہ

بیان فرمادی کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔ تم میں وہ وصف ہے جو اوروں میں نہیں۔ یعنی تم تحریم نکاح اور احترام و تعظیم کے لحاظ سے مومنوں کی مائیں ہو (وازوجا مہتھم) اور زوجات سید المرسلین ہو۔ پھر فرمایا۔ کہ اگر تم حکم الہی اور رضائے رسول کی مخالفت سے ڈرتی ہو تو پس پردہ سے مردوں کے ساتھ نرمی سے کلام نہ کرو۔ کیوں کہ ایسا کرنا اگرچہ فاجر سے فاجر مومن میں کسی شہوت و طمع کا باعث نہیں ہو سکتا، مگر

منافق میں ہو سکتا ہے۔ اور تم ایسی نیک بات کیا کرو جو تہمت و اطماع سے پاک ہو۔ یعنی سنجیدگی و خشونت سے کلام کیا کرو اور ناذ و کرشمہ سے بات نہ کیا کرو۔

(آیت ۶) اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔ کیوں کہ تمہارا تبرز یعنی باہر نکلنا کرشمہ آمیز کلام سے زیادہ طمع دلانے والا ہے۔ اور تم جاہلیت اولیٰ کی عورتوں کی طرح چلنے میں تبخیر نہ کرو کیوں کہ تبخیر تو تبرز سے بھی اشد ہے۔ اور تم نماز و زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ اور تمام اوامر و نواہی میں خدا اور رسول کی اطاعت کیا کرو۔ کیوں کہ اے اہل بیت نبی! اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی دور کر دے اور پاک و صاف بنائے جیسا کہ پاک صاف بنانے کا حق ہے۔

(آیت ۷) اور تمہارے گھروں میں جو آیات تلاوت کی جاتی ہیں تم ان کو یاد کرو تا کہ خود عمل کرو اور دوسروں کو بھی بتاؤ۔

آیت (۶) میں جسے آیہ تطہیر کہتے ہیں اس بات کا ثبوت ہے کہ ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت ہیں۔ اسی واسطے ازواج کے ساتھ مطہرات استعمال کیا جاتا ہے۔ آیہ (۱) سے آیت (۷) تک ان ہی سے خطاب کیا اور ان ہی کا ذکر ہے۔ اور ان ہی کے لیے اوامر و نواہی بیان ہوئے ہیں۔ مگر شیعہ کہتے ہیں کہ آیات سابقہ و لاحقہ کے احکام تو ازواج کے لیے ہیں۔ درمیان صف آیت (۶) میں ان سے خطاب نہیں بلکہ فقط حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم مخاطب ہیں۔ ان کا یہ قول محض ہٹ دھرمی ہے۔ ان چاروں کا آیات میں ذکر تک نہیں۔ باعتبار موارد آیات سابقہ و لاحقہ کسی اجنبی کے ساتھ فصل موجب فساد بلاغت ہے۔ زوجہ کا مرد کے اہل بیت میں ہونا نص قرآن سے ثابت ہے۔ دیکھو آیات ذیل:

قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ۚ وَامْرَأَتُهُ قَانِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۚ قَالَتْ يَوَيْلَتِي ۚ أَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخَانٌ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۚ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۚ (هود: ۷)

”فرشتے (ابراہیم سے) بولے ڈرو مت۔ ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور ان کی بیوی (سارہ) کھڑی تھی۔ وہ ہنس پڑی۔ ہم نے اس کو اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔ وہ کہنے لگی۔ ہائے میری خرابی! کیا میرے اولاد ہوگی۔ حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بوڑھا ہے۔ بے شک یہ عجیب بات ہے۔ فرشتے بولے۔ کیا تو خدا کے امر سے تعجب کرتی ہے۔ اے اہل بیت نبی! تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔

وہ بے شک تعریف کیا گیا اور بزرگ ہے۔“

ان آیتوں میں فرشتوں نے حضرت سارہ کو بیٹا اور پوتا پیدا ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضرت سارہ اس پر تعجب کرتی ہیں۔ فرشتے حضرت سارہ کو لفظ اہل بیت سے خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جائے تعجب نہیں۔ تم پر خدا کی رحمت اور برکتیں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ مزید بحث کے لیے تحفہ شیعہ مؤلفہ خاکسار دیکھو۔

ازواج مطہرات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ گیارہ پر سب کا اتفاق ہے۔ جن میں سے چھ (حضرت خدیجہ، عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، ام سلمہ، سودہ بنت زینب) قبیلہ قریش سے اور چار (حضرت زینب بن جحش، میمونہ، زینب بنت خزیمہ، جویریہ بنت زینب) عربیات غیر قریش خلفائے قریش سے ہیں۔ اور ایک (حضرت صفیہ) غیر عربیہ بنی اسرائیل سے ہے۔ ذیل میں بہ ترتیب تزوج ان سب کا حل بطریق اختصار لکھا جاتا ہے۔ (۳)

ان کا سلسلہ نسب قصی میں آنحضرت ﷺ کے خاندان سے جا ملتا ہے۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد: حضور کی بعثت سے پہلے طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان کی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی۔ جن سے دو لڑکے ہندوہالہ نام پیدا ہوئے۔ یہ دونوں صحابی ہیں۔ حضرت ہند کی روایت سے آنحضرت ﷺ کا حلیہ شریف منقول ہے۔

ابوہالہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی عتیق بن عائد مخزومی سے ہوئی جن میں سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ یہ اسلام لائیں اور اپن چچیرے بھائی صفی بن امیہ بن عائد مخزومی سے شادی کی۔ ان سے ایک لڑکا محمد بن صفی پیدا ہوا۔ جس کی اولاد کو حضرت خدیجہ کے تعلق کے سبب سے بنو طاہرہ کہتے ہیں۔

عتیق کے انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی تمام اولاد سوائے ابراہیم کے اسی نیک نہاد بیوی کے بطن مبارک سے تھی۔ تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت خدیجہ سب پہلے آنحضرت ﷺ پر ایمان لائیں نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں۔ ان کی زندگی میں حضور ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔ انہوں نے اپنے مال سے رسول اللہ ﷺ کو مدد دی۔ ایک روز حراء میں حضور اقدس کے لیے کھانا لارہی تھیں۔ حضرت جبرئیل نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خدیجہ جب آئیں تو آپ ان کو ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام پہنچادیں اور بہشت میں ایک موتیوں کے محل کی بشارت دیں۔

ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہ و عائشہ باقی سب سے افضل تھیں۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ نے ہجرت سے تین سال پہلے ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اور کوہ حجون میں دفن ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو قبر میں اتارا۔ ان پر نماز نہ پڑھی گئی۔ کیوں اس وقت تک نماز جنازہ فرض نہ ہوئی تھی۔ ان کا سلسلہ نسب کعب بن لوی بن غالب میں آنحضرت ﷺ حضرت سودہ زینب بنت زمعہ سے ملتا ہے قدیم الاسلام تھیں۔ پہلے اپنے والد کے چچیرے بھائی سکران بن عمرو بن شمس کے نکاح میں تھیں۔ حضرت سکران بھی قدیم الاسلام تھے۔ دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔ جب مکہ میں واپس آئے تو حضرت سکران نے وفات پائی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا۔ جس کا نام عبدالرحمن تھا۔ حضرت عبدالرحمن نے جنگ جلولاء (آخر ۱۶ھ) میں شہادت پائی۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے انتقال سے آنحضرت ﷺ کو نہایت پریشانی ہوئی۔ کیوں کہ گھر بار بال بچوں کا انتظام ان ہی سے متعلق تھا۔ یہ دیکھ کر خولہ بنت حکیم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نکاح کر لیجئے۔ فرمایا کس سے؟ خولہ نے حضرت عائشہ و سودہ کا نام لیا۔ آپ نے دونوں سے خواستگاری کی اجازت دے دی خولہ حضرت سودہ کے پاس گئیں اور کہا کہ خدا نے تم پر کیسی خیر و برکت نازل فرمائی ہے۔ سودہ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ خولہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آپ کے پاس بغرض خواستگاری بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے منظور ہے۔ مگر میرے باپ سے بھی دریافت کر لو۔ چنانچہ وہ ان کے والد کے پاس گئیں۔ اور جاہلیت کے طریق پر سلام کیا۔ یعنی انعم صباحا کہا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ خولہ نے اپنا نام بتایا۔ پھر نکاح کا پیغام سنایا۔ انہوں نے کہا کہ محمد شریف کفو ہیں۔ مگر سودہ سے بھی دریافت کر لو۔ خولہ نے کہا کہ وہ راضی ہیں۔ یہ سن کر زمعہ نے کہا کہ نکاح کے لیے آجائیں۔ اس طرح باپ نے نبوت کے دسویں سال سودہ کا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا۔ سودہ کا بھائی عبداللہ بن زمعہ آیا۔ یہ معلوم کر کے کہ بہن کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہو چکا ہے اس نے اپنے سر پر خاک ڈال لی۔ عبداللہ مذکور جب اسلام لائے تو ان کو اپنے اس فعل پر افسوس ہوا کرتا تھا۔

حضرت سودہ طبیعت کی فیاض تھیں۔ ایک روز حضرت عمر فاروق نے ایک درہم کی تھیلی آپ کی خدمت میں بھیجی۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لانے والوں نے جواب دیا کہ درہم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ درہم کھجوروں کی طرح تھیلی میں بھیجے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت تمام درہم تقسیم کر دیئے۔ آنحضرت ﷺ نے بروایت ابو ہریرہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا۔ کہ یہ حج اسلام ہے جو گردن سے ساقط ہو گیا۔ اس کے بعد تم بوریا کو غنیمت سمجھنا (یعنی گھر سے نہ نکلنا) آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے بعد تمام ازواج مطہرات سوائے

سودہ اور زینب بنت جحش کے حج کو جایا کرتی تھیں۔ اور وہ دونوں فرماتی تھیں کہ خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی وصیت سننے کے بعد ہم چوپایہ پر سوار نہ ہوں گی۔

حضرت سودہ سے کتب متداولہ میں پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ایک صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور یحییٰ بن عبدالرحمن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔ انہوں نے خلافت فاروقی کی آخری زمانہ میں انتقال فرمایا۔ بعض سال وفات ۵۴ھ یا ۵۵ھ بتاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان کا نسب مرہ بن کعب میں آنحضرت ﷺ کے خاندان حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔ اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے ام عبداللہ کنیت رکھتی تھیں۔

چھ برس کی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں۔ پہلے جبیر بن مطعم کے صاحب زادے سے منسوب تھیں۔ خولہ بنت حکیم آنحضرت ﷺ کے ایماء سے ام رومان (والدہ عائشہ صدیقہ) کے پاس گئیں اور نکاح کا پیغام سنایا۔ ام رومان نے رضامندی ظاہر کی۔ حضرت ابو بکر گھر آئے تو ان سے تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ عائشہ تو رسول اللہ ﷺ کے بھائی کی بیٹی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے کہلا بھیجا کہ تم اسلام میں میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں یہ نکاح جائز ہے۔ حضرت ابو بکر نے ام رومان سے کہا کہ ”مطعم بن عدی اپنے پوتے کیت لیے خواستگاری کر چکا ہے۔ واللہ! ابو بکر نے کبھی وعدہ کے خلاف نہیں کیا۔“ اس لیے وہ مطعم کے پاس گئے اور اس سے تذکرہ کیا۔ مطعم نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیوی نے حضرت صدیق اکبر سے کہا کہ اگر ہم نے اس لڑکے کا نکاح تمہارے ہاں کر دیا تو شاید تم اس کو صابی بنا لو گے۔ اور اپنے دین میں داخل کر لو گے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر وہاں سے اٹھ آئے اور خولہ کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ نکاح کے لیے تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے۔ اور حضرت ابو بکر نے (ماہ شوال ۱۰ نبوت میں) حضرت عائشہ کا نکاح کر دیا۔ اور ہجرت سے پہلے سال ماہ شوال میں مدینہ منورہ میں نو سال کی عمر میں آپ کی رسم عروسی ادا کی گئی۔

آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے وقت حضرت عائشہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کی تھی۔ انہوں نے چھیاٹھ برس کی عمر میں ۵۷ ہجری میں انتقال فرمایا اور حسب وصیت رات کے وقت جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے جو مروان بن الحکم کی طرف سے اس وقت حاکم مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی۔

آنحضرت ﷺ کو ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ محبت تھی۔ ان کو دوسری ازواج پر کئی باتوں میں فضیلت تھی۔ چنانچہ ان کے سوا کسی اور زوجہ کے والدین مہاجر نہ تھے۔ ان کی براءت اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمائی۔ حضرت جبرئیل ان کی صورت ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر آنحضرت ﷺ کے پاس لائے اور عرض کیا کہ ان سے شادی کر لیجئے۔ ان کے سوا کسی اور زوجہ نے حضرت جبرئیلؑ کو نہیں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ اور یہ ایک برتن میں غسل فرمایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کرتے اور یہ سامنے لیٹی ہوتیں۔ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی اور آپ اور یہ ایک لحاف میں ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ کا وصال شریف ان ہی کی گود میں اور ان ہی کی نوبت میں ہوا۔ اور آنحضرت ﷺ ان ہی کے حجرے میں دفن ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ عالمہ فصیحہ تھیں۔ حضرت موسیٰ بن طلحہ ذکر کرتے ہیں کہ میں نے عائشہ سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں پایا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ صحابہ کرام کو کوئی ایسا مشکل مسئلہ پیش نہیں آیا جس کا حل انہوں نے حضرت عائشہ کے پاس نہ پایا ہو۔ محمود بن لبید کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو بہت سی حدیثیں یاد تھیں۔ مگر حضرت عائشہ و ام سلمہ ان میں ممتاز تھیں۔ حضرت عائشہ حضرت عمر و عثمان کے عہد میں فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ انتقال فرما گئیں یہاں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے اکابر حضرت عمر و حضرت عثمان حضور کے بعد حضرت صدیقہ کی خدمت میں کسی کو بھیج کر حدیثیں پوچھا کرتے تھے۔

آپ کثیرۃ الحدیث تھیں۔ دو ہزار دو سو دس حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ جن میں سے ۱۷۴ پر شیخین کا اتفاق ہے۔ اور ۵۴ میں امام بخاری اور ۲۸ میں امام مسلم منفرد ہیں۔ آپ وقائع و اشعار عرب سے خوف واقف تھیں۔ حضرت عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو قرآن و فرائض و حلال و حرام و فقہ و شعر و حدیث غریب و نسب کا عالم نہیں پایا۔

آپ زاہدہ اور سخی تھیں۔ ام الدرداء روایت کرتی ہیں کہ ایک روز حضرت عائشہ روزہ دار تھیں۔ ان کے پاس ایک لکھ درہم آئے۔ انہوں نے وہ سب تقسیم کر دیئے میں نے کہا، کیا آپ یوں نہ کہہ سکتی تھیں کہ ایک درہم بچا لیتیں۔ جس سے گوشت خرید کر روزہ افطار کرتیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تو مجھے یاد دلا دیتی تو میں ایسا ہی کر لیتی۔

بعثت سے پانچ برس پہلے جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے پیدا ہوئیں۔ پہلے حنیس بن حذیفہ سہمی کے نکاح

میں تھیں۔ ان ہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ حضرت حینس نے غزوہ بدر میں کئی زخم کھائے۔ غزوہ کے بعد ان ہی زخموں کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔

حضرت حینس کی شہادت کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو اپنی بیٹی کے نکاح کی فکر ہوئی فتح بدر کے دن حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لیے حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں حفصہؓ کا نکاح تم سے کر دیتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔ پھر چند روز کے بعد کہہ دیا کہ میرا ارادہ ان ایام میں نکاح کرنے کا نہیں ہے۔ بعد ازاں حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ذکر کیا۔ مگر وہ چپ ہو رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ میری بے التفاتی کی وجہ سے یہ تھی جو مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کا ذکر کیا تھا میں حضور کا راز افشاء کرنا نہ چاہتا تھا۔ اگر حضورؓ حفصہ سے نکاح نہ کرتے تو میں قبول کر لیتا۔

حضرت حفصہؓ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے صرف پانچ بخاری میں ہیں۔ انہوں نے شعبان ۴۵ھ میں حضرت معاویہ کے عہد میں انتقال فرمایا۔ مروان بن الحکم نے جو مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھائی۔ اور بنو حزم کے گھر سے مغیرہ کے گھر تک جنازہ کو کندھا دیا۔ اور مغیرہ کے گھر سے قبر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرف حاصل کیا۔

ہند نام۔ ام سلمہ کنیت تھی۔ باپ کا نام خذیفہ اور بقول بعض سہیل حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ تھا۔ ماں کا نام عاتکہ بنت عامر کنانیہ تھا۔ پہلے اپنے چچا زاد بھائی ابوسلمہ (عبداللہ) بن الاسد بن مغیرہ کے نکاح میں تھیں جو آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ ام سلمہ و ابوسلمہ دونوں قدیم الاسلام تھے دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ چنانہ ان کے بیٹے سلمہ حبشہ ہی میں پیدا ہوئے۔ پھر مکہ میں آئے اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ام سلمہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔ مدینہ ہی میں ان کے ہاں عمر اور درہ و زینب پیدا ہوئیں۔

حضرت ابوسلمہ بدر و احد میں شریک ہوئے۔ احد میں زخمی ہو گئے۔ ایک ماہ کے بعد زخم اچھا ہو گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک سریہ میں بھیج دیا۔ ایک ماہ کے بعد واپس آئے تو زخم پھر پھوٹ آیا۔ اور ۸ جمادی الاخریٰ ۴ھ میں وفات پائی۔ وفات کے بعد حضرت ام سلمہ حاملہ تھیں۔ وضع حمل کے بعد حضرت ابوبکر و عمرؓ نے خواستگاری کی تو ام سلمہ نے انکار کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ تو مرحبا کہہ کر یہ عذر پیش کیے۔

۱- میں سخت غیور عورت ہوں۔

۲- صاحب عیال ہوں۔

۳- میرے اولیاء میں سے کوئی یہاں نہیں کہ میرا نکاح کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ

میری عمر زیادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان عذروں کا تسلی بخش جواب دیا اور نکاح ہو گیا۔

جب حدیبیہ میں صلح نامہ لکھا جا چکا تھا آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اب اٹھو قربانیاں دو اور سر منڈاؤ۔ چونکہ صحابہ کرام کو بے نیل مرام واپسی سے رنج و ملال تھا۔ انہوں نے تعمیل ارشاد میں تامل کیا۔ حضور ﷺ خفا ہو کر حضرت ام سلمہ کے خیمہ میں تشریف لے آئے۔ اور امتثال امر میں توقف کی شکایت کی۔ ام سلمہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ان کو معذور رکھیں۔ ان پر ایک امر عظیم گزرا ہے ان کا خیال تو فتح مکہ تھا۔ ان کو یقین تھا کہ وہ مکہ میں عمرہ بجالائیں گے۔ باوجود فقدان مطلوب آپ نے قریش سے صلح کر لی۔ اور ان کی نہ سنی۔ اگر خاطر اشرف اس پر ہے کہ وہ نحر و حلق کریں تو آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ اور خود نحر و حلق فرمائیں۔ یہ دیکھ کر ان کو بجز اتباع چارہ نہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا اور حضرت ام سلمہ کی تدبیر سے وہ مشکل حال ہو گئی۔ اور یہ ان کی دانش مندی اور صواب رائے کی واضح دلیل ہے۔

حضرت ام سلمہ سے کتب متداولہ میں ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے تیرہ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ اور تین کے ساتھ امام بخاری اور تیرہ کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں باقی دیگر کتب میں ہیں۔ ازواج مطہرات میں سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے ۸۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے سنہ وفات میں سخت اختلاف ہے و اقدی کا قول ہے کہ شوال ۵۹ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ امام بخاری تاریخ کبیر میں ۵۹ھ لکھتے ہیں۔ بقول ابن حبان امام حسین کی شہادت کی خبر آنے کے بعد آخر ۶۱ھ میں وفات پائی۔ ابراہیم حربی ۶۲ھ بتاتے ہیں۔ مگر صحیح مسلم میں ہے کہ حرث بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عبد اللہ بن صفوان حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اس لشکر کی بابت پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا۔ یہ سوال اس وقت کیا گیا جب یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو لشکر اسلام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعہ حرہ پیش آیا تھا۔ جو ۶۳ھ میں تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہؓ واقعہ حرہ تک زندہ تھیں۔

اصلی نام رملہ اور کنیت ام حبیبہ تھی۔ آپ حضرت ابوسفیان کی دختر بلند اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا: حضرت معاویہ کی بہن تھیں۔ پہلے عبد اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔

دونوں نے اسلام لا کر حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔ وہیں ان کی لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی۔ عبد اللہ عیسائی ہو کر حبشہ ہی میں مر گیا۔ آنحضرت ﷺ نے ام حبیبہ کی حالت و غربت کو مد نظر رکھتے ہوئے نجاشی کی معرفت نکاح کا پیغام دیا جسے انہوں نے بخوشی قبول کیا۔ چنانچہ نجاشی نے ۷ھ میں ان کا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ جب نکاح کے تمام رسوم ادا ہو گئے تو نجاشی نے ان کو شرجیل بن حسنہ کے ساتھ حضور کی خدمت اقدس میں روانہ کر دیا۔

حضرت ام حبیبہ کی روایت سے کتب متداولہ میں ۶۵ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ اور ایک کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں باقی دیگر کتب میں ہیں۔ آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ۳۳ھ میں ہوا اور وہیں دفن ہوئیں۔

ان کی پہلی شادی حضرت زید بن حارثہ سے ہوئی تھی۔
حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش اسدیہ: حضرت زید قبیلہ قضاہ میں سے تھے۔ لڑکپن میں گرفتار ہو کر مکہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ہاتھ بطور غلام فروخت ہوئے۔ حضرت خدیجہ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا۔ حضور نے نبوت سے پہلے ان کو آزاد کر کے متبقی بنا لیا۔ اس لیے لوگ ان کو زید بن محمد کہا کرتے تھے۔ حضرت زید سابقین الی الاسلام میں سے تھے۔ ان پر رسول اللہ ﷺ کی خاص توجہ تھی۔ آپ اہم امور میں ان سے کام لیتے۔ اور لشکر کی قیادت تک ان کے سپرد کر دیتے۔ اسی وجہ سے حضور نے ان کا نکاح اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی زینب بنت جحش سے کر دینا چاہا۔ مگر زینب اور ان کا بھائی راضی نہ ہوئے۔ اس پر یہ آیت اتری:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُّبِينًا (احزاب، ۵۷)

”کسی مسلمان مرد یا عورت کو لائق نہیں جس وقت خدا اور اس کا رسول کوئی کام مقرر کر دے۔ کہ ان کو اپنے کام میں اختیار ہو۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے۔ وہ صریح گمراہ ہو گیا۔“

پس حضرت زینب نکاح پر راضی ہو گئیں اور نکاح ہو گیا۔

حضرت زید اگرچہ عربی الاصل تھے مگر قریش نہ تھے۔ قریش کی لڑکیوں خصوصاً اولاد عبدالمطلب کے لیے اشراف قریش میں کفو تلاش کیے جایا کرتے تھے۔ اس لیے کچھ عرصہ طبعی طور پر حضرت زید حضرت زینب کی حرکات عادیہ کو کبر و تعظم پر محمول کرنے لگے۔ اور حضرت زینب بھی ان سے متکدر رہنے لگیں۔ چنانچہ حضرت زید نے رسول اللہ ﷺ سے ان کی شکایت کی۔ حضور نے فرمایا کہ اس طرح

کی باتوں پر طلاق نہیں دیا کرتے۔ اس امر کی طرف آیہ ذیل میں اشارہ ہے:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ
وَ تَخْفَىٰ فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۝

(احزاب، ۵۷)

”اور جس وقت تو کہہ رہا تھا اس شخص سے جس پر اللہ نے اور تو نے انعام کیا ہے کہ اپنی بیوی کو اپنے لئے تھام رکھ اور خدا سے ڈر۔ اور تو اپنے جی میں چھپاتا تھا اس چیز کو جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا۔ اور اللہ زیادہ لائق ہے اس کا کہ تو اس سے ڈرے۔“

بایں ہمہ اگر زید ان کو طلاق دیتے تو ایسی سیدہ شریفہ کے لیے رسول اللہ ﷺ جیسا کفو اور کون ہو سکتا تھا؟ اس لیے حضور انور کی خاطر اشرف میں آتا تھا کہ بصورت طلاق زینب کی تطیب خاطر اس کے حقوق کی رعایت کے لیے ان سے نکاح کر لینا ضروری ہوگا۔ مگر آپ اسے ظاہر نہ کر سکتے تھے کیوں کہ جاہلیت میں متبہتی کو بمنزلہ ولد حقیقی سمجھتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے کہ متبہتی کی مطلبہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ آخر کار حضرت زید نے طلاق دے دی۔ عدت گزرنے پر رسول اللہ ﷺ نے زید ہی کو نکاح کا پیغام دینے کے لیے زینب کے پاس بھیجا۔ حضرت زینب نے جواب دیا کہ میں استخارہ کر لوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي

أَزْوَاجٍ أَدْعِيَانِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ (احزاب، ۵۷)

”پس جب زید نے اس سے حاجت پوری کر لی۔ ہم نے اس کو تجھ سے بیاہ دیا تاکہ

مومنوں پر ان کے لیے پالکوں کی بیویوں کی تنگی نہ ہو اور جب وہ ان سے حاجت پوری کر

لیں اور امر الہی ہو کر رہتا ہے۔“

اس طرح حضرت زینب کا نکاح (۳ھ یا ۵ھ میں) ۳۵ برس کی عمر میں ہو گیا۔ حضرت زینبؓ فخر

کیا کرتی تھیں۔ کہ دیگر ازواج مطہرات کا نکاح تو ان کے باپ یا بھائی یا اہل نے کر دیا۔ مگر میرا نکاح

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کر دیا۔ اس نکاح میں یہ حکمت بھی تھی کہ پسر خواندہ کی مطلقہ کا حکم معلوم ہو گیا۔

جب یہ نکاح ہو گیا تو مخالفوں نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام کر دیا۔

مگر خود اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اس پر یہ آیتیں اتریں:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۝

(احزاب، ۵۷)

”محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ لیکن خدا کے پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں۔“

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ۚ (احزاب: ۱۷)

”اور تمہارے پالکوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا یہ تمہارے مونہوں کی بات ہے۔“

پس حضرت زید جو زید بن محمدؓ کہلاتے تھے اس کے بعد زید بن حارثہؓ کہلانے لگے۔

حضرت زینب آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن ہونے کے علاوہ جمال میں بھی ممتاز تھیں۔ اس

لیئے ازواج مطہرات میں سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ ہمسری کا دم بھرتی تھیں۔ چنانچہ خود

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں:

كَانَتْ تُسَامِينِي ۚ
”وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں۔“

آپ نہایت راست گو اور پارساتھیں۔ جب حضرت عائشہ پر بہتان لگایا گیا تو آنحضرت ﷺ

نے آپ سے حضرت عائشہ کی نسبت پوچھا۔ آپ نے صاف کہہ دیا۔

وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ إِلَّا خَيْرًا ۚ

”واللہ! مجھ کو عائشہ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔“

اس رات سے متاثر ہو کر حضرت عائشہ نے فرمایا۔ کہ میں نے کوئی عورت زینب سے دین میں

بہتر، خدا سے زیادہ ڈرنے والی، زیادہ سچ بولنے والی اور زیادہ صلہ رحم اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کچھ مال مہاجرین میں تقسیم فرما رہے تھے حضرت زینب اس معاملہ میں

کچھ بول اٹھیں۔ حضرت عمر فاروق کو ناگوار گزرا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ عمر! ان کو جانے دو یہ اواہ یعنی

خاشع متضرع ہیں۔

حضرت زینب زاہدہ اور طبیعت کی فیاض تھیں۔ اپنے ہاتھ سے معاش پیدا کرتیں اور خدا کی راہ

میں لٹا دیتیں۔ حضرت عمر فاروق نے ان کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم مقرر کیا تھا۔ جو انہوں نے صرف

ایک سال لیا۔ اور اپنے حاجت مندرشتہ داروں میں تقسیم کر کے دعا مانگی کہ خدایا! یہ عطیہ مجھے اگلے سال

نہ ملے۔ حضرت فاروق کو یہ خبر لگی تو انہوں نے حضرت زینب کے لیے ایک ہزار اور بھیجا۔ مگر حضرت

زینب نے اسے بھی تقسیم کر دیا۔ آپ کی دعا قبول ہو گئی۔ اور آئندہ سال وفات پائی۔

ایک روز آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا:

أَسْرَعُكُمْ لِحَاقًا بِي أَطْوَالُ الْكُنَّ يَدًا ۚ

”تم میں سے مجھ سے جلدی ملنے والی وہ ہے جس کا ہاتھ تم سب سے لمبا ہے۔“

ازواج مطہرات اس ارشاد کو حقیقت پر محمول کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں

کہ حضور ﷺ کے وصال شریف کے بعد جب ہم کسی ایک حجرے میں جمع ہوئیں۔ تو ہم دیوار پر اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ ہمارا یہی خیال رہا یہاں تک کہ حضرت زینب نے جو کوتاہ قد تھیں ہم سب سے پہلے انتقال فرمایا۔ اس وقت ہماری سمجھ میں آیا کہ ارشاد مذکور میں ہاتھ کا لمبا ہونا فیاضی کی طرف اشارہ تھا۔ جب حضرت زینب کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی ایک کفن بھیجیں گے۔ دونوں میں سے ایک کو خیرات کر دینا۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ حضرت زینبؓ نے مدینہ منورہ میں ۲۰ھ میں پچاس یا تریپن برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمر فاروقؓ کی یہ آرزو تھی کہ خود حضرت زینب کو قبر میں اتاریں۔ اس لیے ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ ان کو قبر میں کون اتارے جو اب آیا کہ جو حیات میں ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔
 آپ مساکین کو کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں اس لیے ام المساکین کی کنیت سے مشہور تھیں۔ پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ ہلا لیں۔
 حضرت عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ حضرت عبداللہ نے جنگ احد (۳ھ) میں وفات پائی۔ اسی سال آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ اور صرف دو تین مہینے حضور کی خدمت میں رہنے پائی تھیں کہ تیس سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد یہی ایک بی بی تھیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی حیات شریف میں انتقال فرمایا۔

ان کی بہن ام الفضل لبابہ کبریٰ حضرت عباس بن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث ہلا لیں۔ عبدالمطلب کے نکاح میں تھیں۔ حضرت میمونہ پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی کے نکاح میں تھیں۔ مسعود نے طلاق دے دی۔ تو ابورہم بن عبدالعزی نے ان سے شادی کر لی۔ ابورہم کے انتقال کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح مقام سرف میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کر دیا۔ سرف ہی میں ۵۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ جب جنازہ اٹھانے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں۔ ان کے جنازے کو زیادہ حرکت نہ دو۔ آہستہ لے چلو۔ ان کی روایت سے ۶۷ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے سات پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

حضرت جویریہ کا والد حارث بن ابی ضرار تھا جو قبیلہ بنی حضرت جویریہ خزاعیہ مصطلقیہ: مصطلق کا سردار تھا۔ یہ پہلے مسافع بن صفوان مصطلقی کے

نکاح میں تھیں جو غزوہ مریسیع (۵۵ھ) میں قتل ہوا۔ اس غزوہ میں بہت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ چنانچہ حضرت جویریہ حضرت ثابت بن مقیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں۔ مگر انہوں نے حضرت ثابت سے نواوقیہ سونے پر کتابت کر لی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں عرض کی۔ ”یا رسول اللہ ﷺ! میں حارث کی بیٹی جویریہ ہوں۔ میرا حال آپ ﷺ سے پوشیدہ نہیں۔ میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی ہوں۔ میں نے ان سے نواوقیہ سونے پر کتابت کر لی ہے۔ یہ رقم میرے مقدور سے زائد ہے۔ مگر میں نے آپ کی فیاضی کی امید پر منظور کر لی ہے۔ اور اب اسی کا سوال کرنے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا تم اس سے بہتر چیز نہیں چاہتی ہو؟ انہوں نے پوچھا وہ چیز کیا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تمہارا زر کتابت ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں حضرت جویریہ نے یہ عرض کیا مجھے منظور ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ثابت کو بلایا۔ وہ بھی راضی ہو گئے۔ چنانچہ حضور انور ﷺ نے نواوقیہ سونا ادا کر دیا اور حضرت جویریہ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔

جب لوگوں کو اس نکاح کی خبر لگی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے رشتہ مصاہرت کی رعایت سے بنی مصطلق کے باقی تمام لونڈی غلاموں کو آزاد کر دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا ارشاد ہے کہ ”ہم نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے لیے جویریہ سے بڑھ کر باعث برکت ہو۔ کیونکہ ان کے سبب سے بنی مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد ہو گئے۔“

جب حضرت جویریہ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں تو ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ ان کا نام برہ تھا۔ حضور انور ﷺ نے بدل کر جویریہ رکھا۔ ربیع الاول ۵۰ھ میں انتقال فرما گئیں اور مدینہ منورہ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ان کی روایت سے سات حدیثیں منقول ہیں۔ جن میں سے دو بخاری میں اور دو مسلم اور باقی دیگر کتب میں ہیں۔

باپ کا نام حی بن اخطب تھا۔ جو بنو نضیر کا سردار تھا۔ ماں کا نام حضرت صفیہ بنت امیہ بنی النضیر اسرائیلیہ : ضرر تھا جو بنو قریظہ کے سردار سموال کی بیٹی تھی۔ حضرت صفیہ کی پہلی شادی سلام بن مشکم قرظی سے ہوئی۔ طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔ جب غزوہ خیبر (۶ھ) میں آنحضرت ﷺ نے بنو ابی الحقیق کا قلعہ قموص فتح کیا۔ کنانہ قتل ہوا۔ حضرت صفیہ کا باپ اور بھائی کام آئے خود بھی گرفتار ہوئیں۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو وحیہ کلبی نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ ایک لونڈی لے لو۔ چنانچہ انہوں نے صفیہ کو لے لیا۔ ایک صحابی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی۔ ”یا رسول

اللہ ﷺ آپ ﷺ نے صفیہ جو ربیعہ قرظہ و نصیر تھی دجیہ کو عطا فرمادی۔ وہ تو آپ ﷺ ہی کے لائق ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے دجیہ کو دوسری لونڈی عطا کر دی اور خود صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ جب خیبر سے روانہ ہو کر صہبا میں پہنچے تو رسم عروسی ادا کی گئی اور لوگوں سے ماحضر جمع کر کے دعوت ولیمہ دی گئی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے تقریباً آٹھ سال کی عمر میں ۵۰ھ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ان کی روایت سے دس حدیثیں منقول ہیں۔ جن میں صرف ایک متفق علیہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کی اولادِ کرام

پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضور ﷺ کی تمام اولاد سوائے ابراہیم کے حضرت ماریہ قبطیہ کے لطن مبارک سے تھے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ سے تھی۔ صاحب زادیاں بالاتفاق چار تھیں۔ چاروں نے زمانہ اسلام پایا۔ اور شرف ہجرت حاصل کیا مگر صاحب زادوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ قاسم و ابراہیم پر اتفاق ہے بقول زبیر بن بکار (متوفی ۲۵۶ھ) صاحب زادے تین تھے۔ قاسم، عبدالرحمن (جن کو طیب و طاہر بھی کہتے تھے) ابراہیم رضی اللہ عنہم۔ اکثر اہل نسب کی یہی رائے ہے۔

آنحضرت ﷺ کی اولاد کرام میں حضرت قاسم بعثت سے پہلے پیدا ہوئے اور قبل حضرت قاسم: بعثت ہی سب سے پہلے انتقال فرما گئے۔ ابن سعد نے بروایت محمد بن جبیر مطعم نقل کیا ہے کہ دو سال زندہ رہے۔ بقول مجاہد سات دن اور بقول مفضل بن غسان غلابی تیرہ مہینے زندہ رہے۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر ہے۔

صاحب زادیوں میں سب بے بڑی تھیں۔ بعثت سے دس سال پہلے جب حضرت زینب: آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک تیس سال کی تھی پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بقیط بن ربیع سے ہوئی۔ ابوالعاص حضرت خدیجہ الکبریٰ کی بہن ہالہ کے لطن سے تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ کے کہنے سے ان کا نکاح بعثت سے پہلے حضرت زینب سے کر دیا تھا۔ جب حضور انور ﷺ کو منصب رسالت عطا ہوا تو حضرت خدیجہ اور آپ ﷺ کی صاحب زادیاں آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔ مگر ابوالعاص شرک پر قائم رہا۔ اسی طرح حضور اقدس ﷺ نے بعثت سے پہلے اپنی صاحب زادی رقیہ کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے اور ام کلثوم کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے کر دیا تھا۔

جب آنحضرت ﷺ نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو قریش نے آپس میں کہا کہ محمد (ﷺ) کی بیٹیاں چھوڑ دو۔ اور ان کو اس طرح تکلیف پہنچاؤ۔ چنانچہ وہ ابو العاص سے کہنے لگے کہ تو زینب کو طلاق دے دے۔ ہم تیرا نکاح قریش کی جس لڑکی سے تو چاہے کر دیتے ہیں۔ ابو العاص نے انکار کیا۔ مگر ابو لہب کے بیٹوں نے حضرت رقیہ و ام کلثوم کو ہم بستری سے پیشتر طلاق دے دی۔

اگرچہ اسلام نے حضرت زینب و ابو العاص میں تفریق کر دی تھی۔ مگر مسلمانوں کے ضعف کے سبب سے عمل درآمد نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ ہجرت وقوع میں آئی۔ جب قریش جنگ بدر کے لیے آئے تو ابو العاص بھی ان کے ساتھ آئے اور گرفتار ہو گئے۔ حضرت زینب نے ان کے بھائی عمرو کے ہاتھ مکہ سے ان کا فدیہ بھیجا جس میں وہ ہار بجی تھا جو حضرت خدیجہ الکبریٰ نے حضرت زینب کو پہنا کر پہلے پہل ابو العاص کے ہاں بھیجا تھا۔ جب حضور ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو آپ ﷺ پر نہایت رقت طاری ہوئی۔ اور حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا زمانہ یاد آ گیا۔ حضور ﷺ کے ارشاد سے صحابہ نے فدیہ واپس کر دیا اور ابو العاص کو بھی چھوڑ دیا آنحضرت ﷺ نے ابو العاص سے وعدہ کر لیا کہ مکہ جا کر حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔

جب ابو العاص مکہ روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ اور ایک انصاری کو بھیجا کہ حضرت زینب کو طن یا حج سے مدینہ لے آئیں۔ ابو العاص نے مکہ میں پہنچ کر ایفائے وعدہ کیا۔ اور حضرت زینب سے کہہ دیا کہ تم اپنے والد کے ہاں چلی جاؤ۔ حضرت زینب نے چپکے چپکے سفر کی تیاری کر لی۔ ابو العاص کے بھائی کنانہ نے ان کو اونٹ پر سوار کر لیا۔ اور تیر و کمان لے کر دن کے وقت روانہ ہوا۔ قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا اور زوطویٰ میں جا گھیرا۔ ہبار بن اسود جو بعد میں ایمان لایا آگے بڑھا۔ اس نے حضرت زینب کو نیزہ سے ڈرا کر اونٹ سے گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں۔ حمل ساقط ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کنانہ نے ترکش میں سے تیر نکال کر زمین پر رکھ لیے اور کہنے لگا۔ ”جو شخص میرے نزدیک آئے گا وہ تیر سے بچ کر نہ جائے گا۔“ یہ سن کر لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ ابوسفیان نے کہا۔ ”ٹھہرو ہماری بات سن لو۔“ اس پر کنانہ رک گیا۔ ابوسفیان بولا۔ ”ہمیں محمد ﷺ کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں وہ تمہیں معلوم ہیں۔ اب اگر تم دن دہاڑے ان کی لڑکی کو لے جاؤ گے تو لوگ اسے ہماری کمزوری پر محمول کریں گے۔ ہمیں زینب کو روکنے کی ضرورت نہیں۔ جب شور ہنگامہ کم ہو جائے گا تو رات کو اسے چوری چھپے لے جانا۔“ کنانہ نے اس رائے کو تسلیم کیا اور چند روز کے بعد ایک رات حضرت زینب کو اونٹ پر سوار کر کے لے آیا۔ اور زید اور انصاری کے حوالہ کر دی۔ وہ دونوں ان کو مدینہ لے آئے۔

جمادی الاولیٰ ۶ھ میں ابو العاص ایک قافلہ قریش کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام کو گئے۔ ان

کے پاس قریش کا بہت سا مال تھا۔ مقام عیص کے نواح میں ان کو آنحضرت ﷺ کا ایک سریہ ملا۔ جو حضور ﷺ نے بسر کر دگی حضرت زید بن حارثہ بھیجا تھا۔ اس سریہ نے ابو العاص کا تمام مال لے لیا۔ ابو العاص ہمراہیوں سمیت گرفتار ہو گئے۔ حضرت زینب نے ابو العاص کو پناہ دی۔ صبح کو جب آنحضرت ﷺ نماز فجر سے فارغ ہوئے تو حضرت زینب نے پکار کر کہا کہ میں نے ابو العاص کو پناہ دی ہے۔ مسلمانوں میں سے ایک ادنیٰ شخص پناہ دے سکتا ہے۔ اس لیے ہم نے بھی اس کو پناہ دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم نہ تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سفارش پر ابو العاص کا تمام مال واپس کر دیا گیا۔ ابو العاص نے مکہ پہنچ کر وہ مال قریش کے حوالہ کر دیا۔ پھر کہا، اے گروہ قریش! کیا تم میں سے کسی کا مال میرے ذمہ باقی ہے؟ سب بولے کہ نہیں۔ خدا تجھے جزائے خیر دے بعد ازاں ابو العاص نے کلمہ شہادت پڑھ کر کہا۔ ”اللہ کی قسم! حضرت ﷺ کے پاس اسلام لانے سے مجھے یہی امر مانع ہوا کہ تم گمان کرتے کہ میں نے صرف تمہارے مال ہضم کر جانے کے لیے ایک حیلہ کیا ہے، اس کے بعد ابو العاص نے محرم ۷ھ میں مدینہ میں آ کر اظہارِ اسلام کیا۔ اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب کو نکاح اول یا نکاح جدید کے ساتھ ان کے حوالہ کر دیا۔

حضرت زینب نے ۸ھ میں انتقال فرمایا۔ ام ایمن سودہ بنت زمعہ اور ام سلمہ نے غسل دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ اور ابو العاص نے قبر میں اتارا۔

حضرت زینب کی اولاد، ایک لڑکا علی نام اور ایک لڑکی امامہ تھی۔ حضرت علی نے اپنی والدہ ماجدہ کی زندگی میں چھوٹی عمر میں قریب بلوغ کے وفات پائی۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ بعض اہل نسب نے ذکر کیا ہے کہ وہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کو امامہ سے بڑی محبت تھی۔ نماز میں بھی ان کو اپنے کندھے پر رکھ لیتے۔ جب رکوع ادا کرتے تو اتار دیتے۔ اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کر لیتے۔ ایک دفعہ نجاشی نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک حلہ بھیجا۔ جس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی۔ انگوٹھی کا نگینہ حبشی تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے وہ انگوٹھی امامہ کو عطا فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک روز کسی نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔ جس میں ایک زین ہار تھا۔ ازواج مطہرات سب ایک مکان میں جمع تھیں۔ امامہ مکان کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں۔ حضور نے ہم سب سے پوچھا کہ یہ ہار کیسا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اس سے خوبصورت و عجیب ہار ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ ازواج مطہرات سمجھیں کہ عائشہ کو ملے گا۔ مگر حضور نے امامہ کو بلایا اور اپنے دست مبارک

سے وہ ہاران کے گلے میں ڈال دیا۔

حضرت ابو العاص حضرت زبیر بن العوام سے امامہ کے نکاح کر دینے کی وصیت کر گئے تھے۔ حضرت فاطمہ زہرا نے مرتے وقت حضرت علی المرتضیٰ سے وصیت کی کہ میرے بعد امامہ سے نکاح کر لینا۔ اس لیے حضرت زہرا کے بعد حضرت زبیر نے امامہ کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ سے کر دیا۔ چنانچہ حضرت علی نے حضرت مغیرہ بن نوفل سے وصیت کی کہ میرے بعد تم امامہ سے نکاح کر لینا۔ چنانچہ حضرت مغیرہ نے حضرت علی کی شہادت کے بعد امامہ سے نکاح کر لیا اور ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام یحییٰ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ امامہ کی کوئی اولاد نہیں۔ حضرت امامہ نے حضرت مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔

حضرت رقیہ اور ام کلثوم دونوں کی شادی ابولہب کے بیٹوں سے ہوئی تھی، جیسا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا: کہ اوپر مذکور ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو ابولہب لعین نے اپنے بیٹوں سے کہا۔ ”اگر تم محمد ﷺ کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میری نشست برخاست حرام ہے“۔ عتبہ اور عتیبہ دونوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ آنحضرت ﷺ نے رقیہ کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

نکاح کے بعد حضرت عثمان نے حضرت رقیہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی ان کے ہاں وہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ نے اپنی ماں کے بعد ۴ھ میں چھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت عثمان حبشہ سے مکہ میں آئے۔ اور مکہ سے دونوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ایام بدر میں حضرت رقیہ بیمار تھیں۔ اس لیے حضرت عثمان ان کی تیمارداری کے لیے غزوہ بدر میں شامل نہ ہوئے۔ جس روز حضرت زید بن حارثہ فتح کی بشارت لے کر مدینہ میں آئے، اسی روز حضرت رقیہ نے بیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آنحضرت ﷺ غزوہ بدر کے سبب جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

کنیت کے ساتھ ہی مشہور ہیں۔ پہلے عتیبہ بن ابی لہب کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا: جب عتیبہ نے ان کو اپنے باپ کے کہنے سے طلاق دی۔ رسول اللہ ﷺ

سے گستاخی سے پیش آیا۔ حضور کی قمیض پھاڑ دی۔ تو حضور کی زبان مبارک سے نکلا۔ ”یا اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو اس پر مسلط کر دے“۔ کچھ مدت بعد ابولہب اور عتیبہ بغرض تجارت ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک راہب کے صومعہ کے پاس اترے۔ راہب نے کہا کہ یہاں درندے بہت ہیں۔ ابولہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تمہیں میری عمر اور میرا حق معلوم ہے؟ وہ بولے کہ ہاں۔ ابولہب نے کہا کہ محمد ﷺ نے میرے بیٹے پر بددعا کی ہے۔ تم اپنی متاع صومعہ پر جمع کر دو۔ اور عتیبہ کے لیے اس کے اوپر بستر کر دو۔ اور خود اس کے گرداگرد سو جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

رات کو ایک شیر آیا۔ اس نے سب کو سونگھا۔ پھر متاع پر کود کر عتیبہ کو پھاڑ ڈالا۔ اہل قافلہ نے ہر چند کو تلاش کیا مگر نہ ملا۔

حضرت رقیہ کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان غنی سے ہوا۔ اور شعبان ۹ھ میں انتقال ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

فاطمہ نام، زہرا اور بتول لقب ہیں۔ جمال و کمال کے سبب ہے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا: زہراء کہلاتی تھیں اور ماسوا سے انقطاع کی وجہ سے بتول تھیں۔ بعثت کے پہلے سال یا بعثت سے ایک سال پہلے یا پانچ سال پہلے بنا بر اختلاف روایات پیدا ہوئیں۔

ہجرت کے دوسرے سال آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ سے کر دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی سے پوچھا کہ ادائے مہر کے واسطے تمہارے پاس کچھ ہے؟ حضرت علی نے جواب دیا کہ ایک گھوڑا اور زرہ ہے۔ فرمایا کہ گھوڑا جہاد کے لیے ضروری ہے۔ زرہ کو فروخت کر ڈالو۔ چنانچہ وہ زرہ حضرت عثمان غنی نے ۴۸۰ درہم کو خریدی حضرت علی نے قیمت لا کر حضور ﷺ کے آگے ڈال دی۔ حضور نے اس میں سے کچھ بلال کو دیا کہ خوشبو خرید لائیں اور باقی جہیز وغیرہ کے لیے ام سلیم کے حوالہ کیا۔ اس طرح عقد ہو گیا۔ جہیز میں یہ چیزیں تھیں (۴) ایک لحاف، ایک چمڑے کا تکیہ جس میں درخت خرما کی چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں، ایک مشک، دو گھڑے۔ اسی سال ماہ ذوالحجہ میں رسم عروسی ادا کی گئی۔ حضرت علی مرتضیٰ نے ادائے رسم کے لیے مکان کرایہ پر لیا۔ پھر حضرت حارث بن نعمان نے دے دیا۔ (۵)

آنحضرت ﷺ کو اپنے اہل میں فاطمہ سب سے پیاری تھیں۔ جب سفر پر جایا کرتے تو اخیر میں فاطمہ سے مل کر جاتے۔ جب واپس آتے تو سب سے پہلے فاطمہ سے ملتے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے ”فاطمہ میرا پارہ گوشت ہے۔ جس نے فاطمہ کا ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا“۔ فاطمہ ہی کی نسبت حضور کا ارشاد ہے۔

خَيْرُ نِسَاءِ هَذِهِ الْأُمَّةِ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ سَيِّدَةُ

النِّسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ أَفْضَلُ النِّسَاءِ الْجَنَّةِ۔

”صاحب زادیوں میں صرف حضرت فاطمہ زہراء سے حضور ﷺ، سلسلہ نسل جاری

ہے۔ اور قیامت تک رہے گا۔“

حضرت فاطمہ کو گھر کا تمام کام کرنا پڑتا تھا۔ ایک روز خبر لگی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لوطی غلام آئے ہیں۔ اس لیے وہ ایک خادمہ کی درخواست کرنے کے لیے حضور اقدس ﷺ کے دولت خانہ میں آئیں۔ آخر کار بارگاہ رسالت سے جو جواب ملا۔ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

خانگی معاملات میں بعض دفعہ حضرت علی و فاطمہ میں رنجش ہو جایا کرتی تھی تو حضور ﷺ دونوں میں مصالحت کروادیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر کہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ کے دولت خانہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت علی کو وہاں نہ پایا۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ زہراء سے (مخاورہ عرب کے موافق) پوچھا کہ میرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں میں کچھ ان بن ہو گئی ہے۔ وہ ناراض ہو کر نکل گئے ہیں اور میرے ہاں قیلولہ نہیں فرمایا۔ حضور ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ دیکھو تو کہاں ہیں؟ اس نے آ کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ حضور مسجد میں تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہیں۔ چادر پہلو سے گری ہوئی ہے۔ اور خاک آلود ہو رہے ہیں۔ حضور ﷺ خاک جھاڑنے لگے اور فرمایا۔ اے ابو تراب! اٹھ بیٹھ۔ اس حدیث کے راوی حضرت اہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کو اس نام سے پیارا کوئی نام نہ تھا۔ (صحیحین)

فتح مکہ کے بعد حضرت علی نے ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا۔ حضرت زہرا نے سنا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگیں۔ ”آپ ﷺ کی قوم کہتی ہے کہ آپ اپنی صاحب زادیوں کے لیے ناراض نہیں ہوتے۔ یہ دیکھیے کہ علی ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرنے لگے ہیں۔“ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”اما بعد میں نے ابو العاص سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اس نے مجھ سے بات کہی اور سچ کر دکھائی۔ مجھ سے وعدہ کیا اور پورا کیا۔ فاطمہ میرا گوشت پارہ ہے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ اسے تکلیف پہنچے۔ اللہ کی قسم! رسول خدا ﷺ کی لڑکی اور دشمن خدا کی لڑکی ایک شخص کے ہاں جمع نہ ہوں گی۔“ یہ سن کر حضرت علی نے خواستگاری چھوڑ دی۔

آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے بعد حضرت فاطمہ کبھی ہنستی نہ دیکھی گئیں۔ اور وصال شریف کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان ۱۱ھ میں انتقال فرما گئیں حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ حضرت علی و عباس و فضل نے قبر میں اتارا۔

حضرت زہراء کی اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ امام حسن و امام حسین جو اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ محسن و رقیہ جو بچپن میں انتقال کر گئے۔ ام کلثوم جن کی شادی حضرت عمر فاروق سے ہوئی۔ زینب جن کا نکاح عبد اللہ بن جعفر سے ہوا۔ ان میں سے سوائے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کسی سے نسل نہیں رہی۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ کی اولاد میں یہ سب سے چھوٹے ہیں۔ بعثت کے بعد حضرت عبد اللہ: پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی انتقال فرما گئے۔ طیب و طاہران ہی کے لقب ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ ذی الحجہ ۸ھ میں مقام عالیہ میں حضرت ابراہیم: جہاں ان کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہ رہا کرتی تھیں پیدا ہوئے۔ اسی سبب سے عالیہ کو مشرہ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے۔ ابورافع کی بیوی سلمیٰ نے جو آنحضرت ﷺ یا آپ ﷺ کی پھوپھی صفیہ کی لونڈی تھیں۔ دایہ گری کی خدمت انجام دی۔ جب ابورافع کو ایک غلام عطا فرمایا۔ ساتویں دن عقیقہ دیا اور سر کے بالوں کے برابر چاندی خیرات کی اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے نام پر ابراہیم نام رکھا۔

دودھ پلانے کے لیے آنحضرت ﷺ نے ابراہیم کو ام سیف کے حوالہ کیا۔ ام سیف کا شوہر ابو سیف لوہار تھا۔ حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ابراہیم کو دیکھنے کے لیے عوالی مدینہ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہوا کرتے۔ حضور ابراہیم کو گود میں لے کر چوما کرتے گھر دھوئیں سے پڑ ہوا کرتا۔ بعض دفعہ میں پیشتر پہنچ کر ابو سیف کو اطلاع کر دیتا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لارہے ہیں۔ دھواں نہ کرو۔ یہ سن کر ابو سیف اپنا کام بند کر دیتے۔

حضرت ابراہیم نے ام سیف ہی کے ہاں انتقال فرمایا۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی کہ ابراہیم حالت نزع میں ہے۔ اس وقت عبدالرحمن بن عوف آپ ﷺ کے پاس تھے۔ حضور ﷺ ان کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ نزع کی حالت ہے۔ گود میں اٹھالیا، آنکھوں میں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عبدالرحمن نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ ایسا کرتے ہیں! فرمایا، ابن عوف! یہ رحمت و شفقت (میت پر) ہے پھر فرمایا، ”ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔ آنکھیں اشک بار ہیں۔ دل غمگین ہے ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب قاضی ہو۔“

چھوٹی سی چار پائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ بقیع میں آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے متصل دفن ہوئے فضل و اسامہ نے قبر میں اتارا۔ رسول اللہ ﷺ قبر کے کنارے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ کے ارشاد سے ایک انصاری پانی کی مشک لایا اور قبر پر چھڑک دیا۔ اور شناخت کے لیے ایک نشان قائم کیا گیا۔ جیسا حضرت عثمان کی قبر پر کیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم کی عمر حسب روایت حسب روایت صحاح ۷۱ یا ۱۸ ماہ تھی۔

عرب جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا یا کوئی حادثہ عظیم وقوع میں آتا ہے تو سورج یا چاند میں گہن لگ جاتا ہے۔ اتفاق سے حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج میں گہن لگ گیا تھا۔ اس لیے لوگ کہنے لگے کہ یہ ابراہیم کی موت کے سبب سے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورج یا چاند خدا تعالیٰ کے دو نشان ہیں۔ کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔

یہود و نصاریٰ اور ان کے کارہ لیس آنحضرت ﷺ کی کثرت ازدواج پر طعن کرتے ہیں۔
اعتراض: اور آپ ﷺ کی شان میں دریدہ دہنی کرتے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں یوں دیا ہے:

جواب: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً۔ (رعد۔ ۶۷)

”اور البتہ بے شک ہم نے تجھ سے پہلے پیغمبر بھیجے۔ اور ان کو عورتیں اور اولاد دی۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ سے خطاب فرماتا ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں ہم نے ان کو عورتیں دیں جیسا کہ تجھ کو دیں۔ اس کی تفصیل بائبل میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں تین بیویاں تھیں (پیدائش باب ۱۱۔ آیہ ۲۹۔ باب ۱۶۔ آیہ ۳۔ باب ۲۵۔ آیہ اول) حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں (پیدائش باب ۲۹۔ باب ۳۰۔ آیہ ۴، ۹) ان چار میں سے راحیل کی نسبت لکھا ہے:

”راحیل خوبصورت اور خوشنما تھی۔ یعقوب (نکاح سے پہلے) راحیل پر عاشق تھا۔“

(پیدائش باب ۲۹۔ آیہ ۱۷۔ ۱۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں (خروج باب ۲۔ آیہ ۲۱۔ اعداد باب ۱۲۔ آیہ اول) حضرت جدعون نبی کی بہت سی بیویاں تھیں۔ جن سے ستر لڑکے پیدا ہوئے (اقضاة باب ۸۔ آیہ ۳۰) حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں بہت سی بیویاں تھیں (اول سموئیل باب ۱۸۔ آیہ ۲۷۔ باب ۲۵۔ آیہ ۲۲۔ ۲۳۔ دوم سموئیل باب ۳۔ آیہ ۲ تا ۵۔ باب ۵۔ آیہ ۱۳) حضرت حضرت داؤد علیہ السلام نے حالت پیری میں ابی ساج سوئی سے نکاح کیا تا کہ وہ گرم رہیں (اول سلاطین باب اول) حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں بہت عورتیں تھیں۔ چنانچہ اول سلاطین (باب ۱۱۔ آیہ ۳۔ ۴) میں یوں ہے:

”اس سات سو جو رواں بیگمات تھیں اور تین سو حر میں۔ اور اس کی جو روؤں نے اس کے

دل کو پھیرا۔ کیوں کہ ایسا ہوا کہ جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی جو روؤں نے اس کے دل کو

غیر معبودوں کی طرف مائل کیا۔“

پس ثابت ہوا کہ ایک سے زائد زوجہ کا ہونا نبوت کے منافی نہیں۔ بائبل میں جو پیغمبروں کی نسبت

دریدہ دہنی کی گئی ہے ہم اسے غلط سمجھتے ہیں اور پیغمبروں کو معصوم جانتے ہیں۔ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيبُ وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔

”دنیا سے میرے لیے عورتیں اور خوشبو محبوب بنائی گئی اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں

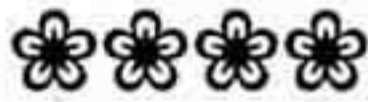
بنائی گئی۔“

اس حدیث کے معنی میں دو قول بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ جب ازواج زیادہ موجب ابتلاء و تکلیف اور بمقتضائے بشریت آنحضرت ﷺ کے ادائے رسالت سے غافل ہو جانے کا اندیشہ ہے مگر اس کے باوجود حضور ﷺ اس سے کبھی غافل نہ رہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جب نساء میں حضور ﷺ کے لیے مشقت زیادہ اور اجرم عظیم ہے۔ دوسرے یہ کہ جب نساء اس واسطے ہوا کہ حضور ﷺ کے خلوات اپنی ازواج کے ساتھ ہوں۔ اور مشرکین جو آپ کو ساحر و شاعر ہونے کی تہمت لگاتے تھے وہ جاتی رہے۔ بس عورتوں کا محبوب بنایا جانا آپ ﷺ کے حق میں لطف ربانی ہے۔ بہر صورت یہ جب آپ ﷺ کے لیے باعث فضیلت ہے۔

اس حدیث کے اخیر میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ محبت آنحضرت ﷺ کے لیے اپنے پروردگار کے ساتھ کمال مناجات سے مانع نہیں۔ بلکہ حضور ﷺ باوجود اس محبت کے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے متوجہ ہیں کہ اس کی مناجات میں آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی رہتی ہیں۔ اور ماسوا میں آپ ﷺ کے لیے ٹھنڈک نہیں۔ پس حضور ﷺ کی محبت حقیقت میں صرف اپنے خالق تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب نساء جب حقوق عبودیت کے ادا میں مغل نہ ہو بلکہ انقطاع الی اللہ کے لیے ہو تو وہ از قبیل کمال ہے۔ ورنہ از قبیل نقصان ہے۔

شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو چار سے زیادہ ازواج کی اجازت دی گئی۔ اس میں بھید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بواطن شریعت و ظواہر شریعت اور وہ امور جن کے ذکر سے حیا آتی ہے اور وہ جن کے ذکر سے شرم نہیں آتی یہ سب بطریق نقل امت تک پہنچ جائیں چونکہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ شرمیلے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے چار سے زائد عورتیں جائز کر دیں جو شرع میں سے نقل کریں حضرت کے افعال آنکھوں دیکھے اور اقوال کانوں سے جن کو حضور ﷺ مردوں کے سامنے بیان کرنے سے حیا کرتے تھے۔ تاکہ اس طرح نقل شریعت کامل ہو جائے۔ حضور ﷺ کی ازواج کی تعداد کثیر ہو گئی تاکہ اس طرح اقوال و افعال کے نقل کرنے والے زیادہ ہو جائیں۔ ازواج مطہرات ہی سے غسل و حیض و عدت وغیرہ کے مسائل معلوم ہوئے۔ یہ کثرت ازواج حضور ﷺ کی طرف سے معاذ اللہ شہوت کی غرض سے نہ تھی اور نہ آپ ﷺ کو العیاذ باللہ لذت بشریہ کے لیے پسند فرماتے تھے۔ عورتیں آپ ﷺ کے لیے صرف اس واسطے محبوب بنائی گئیں کہ وہ آپ ﷺ سے ایسے مسائل نقل کریں جن کے زبان پر لانے سے حضور شرم و حیا کرتے تھے۔ پس آپ ﷺ بدیں وجہ ازواج سے محبت رکھتے تھے کہ اس میں شریعت کے ایسے مسائل نقل کرنے پر اعانت

تھی۔ ازواج مطہرات نے وہ مسائل نقل کیے جو کسی اور نے نہیں کیے۔ چنانچہ انہوں نے حضور انور ﷺ کے منام اور حالت خلوت میں جو نبوت کی آیات بینات دیکھیں اور عبادت میں آپ ﷺ کا جوا جہتہاد دیکھا اور وہ امور دیکھے کہ ہر ایک عاقل شہادت دیتا ہے کہ وہ صرف پیغمبر میں ہوتے ہیں اور ازواج مطہرات کے سوا اور کوئی ان کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ یہ سب ازواج مطہرات سے مروی ہیں۔ اس طرح حضور ﷺ کی کثرت ازواج سے نفع عظیم حاصل ہوا (۶)۔



باب : ۱۰

اُمت پر آنحضرت ﷺ کے حقوق کا بیان

آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا فرض ہے۔ آپ ﷺ جو کچھ
۱۔ ایمان و اتباع: اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اس کی تصدیق فرض ہے۔ ایمان بالرسول
کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا (فتح - ۲۷)
”اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لایا۔ پس تحقیق ہم نے کافروں کیلئے
آگ تیار کی ہے۔“

اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ جو شخص ایمان باللہ اور ایمان بالرسول ﷺ کا جامع نہ ہو وہ کافر ہے۔
حضور ﷺ کی اطاعت واجب ہے۔ آپ کے اوامر کا امتثال اور آپ کے نواہی سے اجتناب لازم ہے۔
وَمَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَنْهَكُمُ عَنْهُ فَأَنْتَهُوا - وَاتَّقُوا اللَّهَ - إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ (حشر - ۱۷)

”اور جو کچھ رسول ﷺ تم کو دے تم اسے لے لو اور جس سے تم کو منع فرمائے اس سے تم باز
رہو اور اللہ سے ڈرو۔ تحقیق اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔“

حضور اقدس ﷺ کی سیرت و سنت کا اقتداء و اتباع واجب ہے۔
قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ
غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران - ۳۱)

”کہہ دیجیے اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم کو دوست رکھے گا اور تم کو
تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ
وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (احزاب - ۲۱)

”بے شک تمہارے واسطے رسول اللہ ﷺ میں اچھی پیروی تھی اس شخص کے لیے جو ثواب

خدا اور روزِ آخر کی توقع رکھتا تھا اور جس نے اللہ کو بہت یاد کیا۔“

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۗ (احزاب، ع ۱۴)

”نبی مومنوں کے لیے ان کی جانوں سے سزاوارتر ہیں۔ اور ازواج پیغمبران ان کی مائیں ہیں۔“

اس آیت سے ظاہر ہے کہ دین و دنیا کے ہر امر میں آنحضرت ﷺ مومنوں کو اپنی جانوں سے زیادہ پیارے ہیں۔ اگر حضور ﷺ کسی امر کی طرف بلائیں اور ان کے نفوس کسی دوسرے امر کی طرف بلائیں تو حضور ﷺ کی فرمانبرداری لازم ہے۔ کیوں کہ حضور ﷺ جس امر کی طرف بلاتے ہیں اس میں ان کی نجات ہے۔ اور ان کے نفوس جس امر کی طرف بلاتے ہیں اس میں ان کی تباہی ہے۔ اس لیے واجب ہے کہ حضور ﷺ مومنوں کو اپنی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں۔ وہ اپنی جانیں حضور ﷺ پر فدا کر دیں۔ اور جس چیز کی طرف آپ ﷺ بلائیں اس کا اتباع کریں۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تسریؓ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

”جو شخص یہ نہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ ہی میری جان کے مالک ہیں اور یہ نہ سمجھا کہ تمام

حالات میں رسول اللہ ﷺ کی ولایت (حکم و تصرف) نافذ ہے اس نے کسی حال میں

آپ کی سنت کی حلاوت نہیں چکھی۔ کیوں کہ آپ اولیٰ بالمؤمنین ہیں۔“

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور سرور

انام ﷺ کا اتباع کیسے بے چون و چرا کیا کرتے تھے۔

۱- حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے چند گھنٹے پیشتر اپنی صاحب زادی حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے کفن میں کتنے کپڑے تھے۔ حضور کی وفات

شریف کس دن ہوئی۔ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی آرزو تھی کہ کفن و یوم وفات میں بھی حضور

ﷺ کی موافقت نصیب (۱) ہو۔ حیات میں تو حضور انور ﷺ کا اتباع تھا ہی۔ وہ ممات میں بھی

آپ ہی کا اتباع چاہتے تھے۔ اللہ اللہ یہ شوق اتباع! کیوں نہ ہو۔ صدیق اکبر تھے۔ رضی اللہ عنہ۔

۲- حضرت صدیق اکبر فرماتے ہیں کہ جس امر پر رسول اکرم ﷺ عمل کیا کرتے تھے۔ میں اسے کیے

بغیر نہیں چھوڑتا۔ اگر میں آپ کے حال سے کسی امر کو چھوڑ دوں تو مجھے ڈر ہے کہ میں سنت سے

منحرف (۲) ہو جاؤں گا۔

۳- زید کے باپ اسلم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ حجر اسود کو بوسہ دیا۔

اور (اس کی طرف نگاہ کر کے) فرمایا۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو

میں تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ (بخاری کتاب المناسک)

۴- حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگٹھی دیکھی۔ آپ نے اس کو نکال پھینک دیا اور فرمایا۔ ”کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ آگ کی انکاری اپنے ہاتھ میں ڈالے؟“ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد اس شخص سے کہا گیا کہ تو اپنی انگٹھی اٹھا لے اور (بیچ کر) اس سے فائدہ اٹھا۔ اس نے جواب دیا۔ نہیں اللہ کی قسم! میں اسے کبھی نہ لوں گا۔ حالانکہ رسول خدا ﷺ نے اسے پھینک دیا ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم باب الخاتم)

۵- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا گزرا ایک جماعت پر ہوا جن کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی تھی۔ انہوں نے آپ کو بلایا۔ آپ نے کھانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ نبی ﷺ دنیا سے رحلت فرما گئے اور جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری۔ باب فضل الفقراء)

۶- رسول اللہ ﷺ کے لیے آنے کی بھوسی کبھی صاف نہ کی جاتی تھی۔ (بخاری کتاب الاطعمہ) ابن سعد نے بروایت ابو اسحاق روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بن چھانے آنے کی روٹی کھاتے دیکھا ہے۔ اس لیے میرے واسطے آٹا نہ چھانا جایا کرے۔ (طبقات ابن سعد جزء اول۔ قسم ثانی۔ ص ۱۰۹)

۷- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا کہ اپنی اونٹنی ایک مکان کے گرد پھرارہے ہیں۔ اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں نہیں جانتا مگر اتنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ اس لیے میں نے بھی کیا (امام احمد و بزار) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابر صحابہ امور عادیہ میں بھی حضور رسالت مآب ﷺ کا اقتداء کیا کرتے تھے۔

۸- مسجد نبوی سے ملحق حضرت عباس بن عبدالمطلب کا مکان تھا۔ جس کا پرنا لہ بارش میں آنے جانے والے نمازیوں پر گرا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اکھاڑ دیا۔ حضرت عباس آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اللہ کی قسم اس پرنا لے کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے میری گردن پر سوار ہو کر لگایا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق نے جواب دیا کہ آپ میری گردن پر سوار ہو کر اس کو پھر اسی جگہ لگا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (۳)۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت واجب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۲- مَحَبَّتٌ وَعَشَقٌ: قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ (توبہ۔ ۳۴)

”کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا قبیلہ و کنبہ اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو۔ اور گھر جو تم پسند رکھتے ہو۔ تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہیں تو تم انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمان لاگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

اس آیت سے ثابت ہے کہ ہر مسلمان پر اللہ اور رسول کی محبت واجب ہے۔ کیوں کہ اس میں بتا دیا گیا ہے کہ تم کو اللہ اور رسول کی محبت کا دعویٰ ہے اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو۔ پس اگر تم غیر کی محبت کو اللہ اور رسول کی محبت پر ترجیح دیتے ہو تو تم اپنے دعوے میں صادق نہیں ہو۔ اگر تم اس طرح محبت غیر سے اپنے دعوے کی تکذیب کرتے رہو گے تو خدا کے قہر سے ڈرو۔ آیت کے اخیر حصے سے ظاہر ہے کہ جس کو اللہ و رسول کی محبت نہیں وہ فاسق ہے۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن (کامل) نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں کی نسبت زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری کتاب الایمان)

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیسی محبت تھی۔

۱۔ ایک روز حضرت عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ بے شک آپ سوائے میری جان کے جو میرے دو پہلوؤں میں ہے۔ میرے نزدیک ہر شے سے زیادہ محبوب ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ”تم میں سے کوئی ہرگز مومن (کامل) نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے جواب میں عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ بے شک آپ میرے نزدیک میری جان سے جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا۔ ”الان یا معر“ یعنی اے عمر اب تمہارا ایمان کامل ہو گیا۔ (صحیح بخاری)

۲۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنے صاحب زادے سے اپنی تین حالتیں بیان کیں۔ دوسری حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”کوئی شخص میرے نزدیک رسول اللہ سے زیادہ محبوب اور میری آنکھوں میں آپ سے

زیادہ جلالت و ہیبت والا نہ تھا۔ میں آپ کی ہیبت کے سبب سے آپ کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ (صحیح مسلم)

۳- جب فتح مکہ کے دن حضرت ابو بکر صدیقؓ کے والد ابو قحافہ ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے۔ اس پر حضرت صدیقؓ نے عرض کیا:

”قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے۔ اس (ابو قحافہ) کے اسلام کی نسبت (آپ کے چچا) ابوطالب کا اسلام (اگر وہ اسلام لاتے) میری آنکھوں کو زیادہ ٹھنڈا کرنے والا ہوتا۔ اس واسطے کہ ابوطالب کا اسلام آپ کی آنکھ کو (بہت سے امور کی نسبت) زیادہ ٹھنڈا کرنے والا تھا۔“ (۴)

۴- حضرت ثمامہ بن اثال یمامیؓ جو اہل یمامہ کے سردار تھے۔ ایمان لا کر کہنے لگے:

”اے محمد! خدا کی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ آج وہی چہرہ مجھے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب یہی دین میرے نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔“

(صحیح بخاری باب وفد بنی حنیفہ)

۵- حضرت ہند بنت عتبہؓ (زوجہ ابوسیفان بن حرب) جو حضرت امیر حمزہؓ کا کلیجہ چبا گئی تھیں، ایمان لا کر کہنے لگیں۔

یا رسول اللہ! روئے زمین پر کوئی اہل خیمہ میری نگاہ میں آپ کے اہل خیمہ سے زیادہ مبغوض نہ تھے۔ لیکن آج سے میری نگاہ میں روئے زمین پر کوئی اہل خیمہ آپ کے اہل خیمہ سے زیادہ محبوب نہیں رہے۔“ (صحیح بخاری۔ باب ذکر ہند بنت عتبہ)

۶- حضرت صفوان بن امیہؓ کا بیان ہے کہ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے مال عطا فرمایا۔ حالانکہ آپ میری نظر میں مبغوض ترین خلق تھے۔ آپ مجھے عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ میری نظر میں محبوب ترین خلق ہو گئے۔ (جامع ترمذی۔ باب ماج فی اعطاء المؤمنین قلوبہم)

۷- فتح مکہ میں حضرت عباسؓ، ابوسفیان بن حرب کو جواب تک ایمان نہ لائے تھے اپنے پیچھے خنجر پر سوار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا۔ اگر اجازت ہو تو اس دشمن خدا کی گردن اڑا دوں۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے ابوسفیان

کو پناہ دی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اصرار کیا تو حضرت عباسؓ نے کہا۔ اے ابن خطاب اگر ابو سفیان قبیلہ بنو عدی میں سے ہوتے تو آپ ایسا نہ کہتے۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے کہا۔ اے عباس جس دن آپ اسلام لائے، آپ کا اسلام میرے نزدیک خطاب کے اسلام سے (اگر وہ اسلام لاتا) زیادہ محبوب تھا۔ کیوں کہ آپ کا اسلام رسول اللہ ﷺ کے نزدیک زیادہ محبوب تھا۔ (۵)

۸۔ جنگ احد میں ایک عقیفہ کے باپ بھائی اور شوہر شہید ہو گئے۔ اسے یہ خبر لگی تو کچھ پروانہ کی۔ اور پوچھا کہ بتاؤ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ جب اسے بتا دیا کہ حضور ﷺ بحمد اللہ بخیر ہیں۔ تا بولی کہ مجھے دکھا دو۔ حضور ﷺ کو دیکھ کر کہنے لگی:

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ۔

”تیرے ہوتے ہر ایک مصیبت ہیچ ہے۔“ (سیرت ابن ہشام)

بڑھ کر اس نے رخ اقدس کو جو دیکھا تو کہا تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فرا اے شدیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم ۹۔ حضرت عبدالرحمن بن سعدؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا پاؤں سن ہو گیا۔ ان سے یہ سن کر ایک شخص نے کہا کہ آپ کے نزدیک جو سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے اسے یاد کیجئے۔ یہ سن کر آپ نے کہا۔ یا محمد ﷺ (۶) (اور آپ کا پاؤں اچھا ہو گیا)۔

۱۰۔ حضرت بلال بن رباحؓ کی وفات کا وقت آیا تو ان کی بیوی نے کہا۔ واحسرتا (ہائے غم) یہ سن کر حضرت بلال نے کہا:

واطر باہ غداً نلقى الاحبة محمداً و حزبه۔

”وائے خوشی! میں کل دوستوں یعنی محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب سے ملوں گا۔“

۱۱۔ جب ۷ھ میں قبیلہ اشعریین میں سے حضرت موسیٰ وغیرہ مدینہ شریف کو آئے تو زیارت سے مشرف ہونے سے پہلے پکار پکار کر یوں کہنے لگے:

غداً نلقى الاحبة محمداً و حزبه۔

”ہم کل دوستوں یعنی محمد ﷺ اور آپ کے دوستوں سے ملیں گے۔“ (۷)

۱۲۔ جنگ احد کے بعد قبیلہ عضل وقارہ کے چند اشخاص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہنے لگے کہ آپ ﷺ اپنے چند اصحاب کو ہمارے ساتھ روانہ کر دیں۔ تاکہ وہ ہم کو اسلام کی تعلیم دیا کریں۔ آپ ﷺ نے مرشد بن ابی مرشد، خالد بن بکیر، عاصم بن ثابت، خبیب بن عدی، زید بن مثنیٰ اور عبداللہ بن طارق کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ جب وہ آب رجع پر پہنچے تو انہوں نے

بے وفائی کی۔ اور قبیلہ ہذیل کو بلا لیا اور ہذیل کے ساتھ مسلح ہو کر ان اصحاب کو گھیر لیا۔ اور کہا کہ خدا کی قسم ہم تم کو قتل کرنا نہیں چاہتے۔ ہم تمہارے عوض میں اہل مکہ سے کچھ لینا چاہتے ہیں۔ حضرت مرشد و خالد و عاصم رضی اللہ عنہم نے اپنے تئیں دشتوں کے حوالے نہ کیا اور مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ باقی تینوں کے ہاتھ انہوں نے جکڑ لیے۔ جب ظہران میں پہنچے تو عبداللہ بن طارق نے اپنا ہاتھ نکال لیا۔ اور تلوار ہاتھ میں لی۔ دشمن پیچھے ہٹ گئے اور دور سے پتھر پھینکتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ شہید ہو گئے۔ باقی دو کو انہوں نے قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔ چنانچہ حضرت زید کو صفوان بن امیہ نے خریدا۔ تاکہ ان کو اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے قتل کر دے۔ صفوان نے حضرت زید کو اپنے غلام نسطاس کے ساتھ تنعیم میں بھیج دیا۔ حضرت زید کو قتل کرنے کے لیے حد حرم سے باہر لے گئے تو ابوسفیان نے (جواب تک اسلام نہ لائے تھے) ان سے یوں کہا:

”اے زید! میں تم کو خدائی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اس وقت ہمارے پاس بجائے تمہارے محمد ﷺ ہوں جن کو ہم قتل کر دیں اور تم آرام سے اپنے اہل میں بیٹھو؟“

حضرت زید نے جواب دیا:

”اللہ کی قسم! میں پسند نہیں کرتا کہ محمد ﷺ اس وقت جس مکان میں تشریف رکھتے ہیں ان کو ایک کانٹا لگنے کی تکلیف بھی ہو اور میں آرام سے اپنے اہل میں بیٹھا ہوں۔“

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا:

”میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ دوسروں سے ایسی محبت رکھتا ہو جیسا کہ محمد ﷺ کے اصحاب محمد سے رکھتے ہیں۔“

اس کے غلام نسطاس نے حضرت زید کو شہید کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام بروایت ابن اسحاق)

علاماتِ حُبِّ صادق

- آنحضرت ﷺ کے محبت صادق میں علامات پائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص حب احمد مجتبیٰ ﷺ کا دعویٰ کرے اور اس میں یہ علامات نہ پائی جائیں تو وہ حب میں صادق و کامل نہیں:
- 1- آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال و آثار کا اقتداء آپ کی سنت پر عمل، آپ کے اوامر کا امتثال، اور آپ کی نواہی سے اجتناب اور آپ کے آداب سے آراستہ ہونا۔
 - 2- آنحضرت ﷺ کا ذکر کثرت سے کرنا، مثلاً درود شریف کثرت سے پڑھنا، حدیث شریف پڑھنا،

مولود شریف کا پڑھنا یا مجالس میلاد شریف میں شامل ہونا۔

۳- آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کا نہایت اشتیاق پیدا ہونا، جیسا کہ حضرت بلالؓ و ابو موسیٰؓ وغیرہ کو تھا۔

۴- آنحضرت ﷺ کی تعظیم و توقیر کرنا (تفصیل آگے آئی گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

۵- آنحضرت ﷺ جن سے محبت رکھتے تھے (اہل بیت عظام و صحابہ کرام (مہاجرین و انصار) ان سے محبت رکھنا، اور جو شخص ان بزرگوں سے عداوت رکھے، اس سے عداوت رکھنا، اور جو ان کو سب و شتم کرے، اس کو برا جاننا۔

صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ مباحات میں بھی جو اشیاء حضور کو محبوب و پسندیدہ تھیں وہی صحابہ کرام کو بھی محبوب تھیں۔ جیسا کہ واقعات ذیل سے ظاہر ہے:

حضرت عبید بن جریحؓ سے روایت ہے کہ اس نے حضرت عمرؓ سے کہا میں نے دیکھا کہ تم بیل کے دباغت کیے ہوئے چمڑے کا بے بال جوتا پہنتے ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایسا جوتا پہنا کرتے تھے جس میں بال نہ ہوں۔ اور اسی میں وضو کیا کرتے تھے۔ اس لیے میں دوست رکھتا ہوں کہ ایسا جوتا پہنو۔ (شامل ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے کیلئے بلایا جو اس نے تیار کیا تھا۔ میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ گیا۔ جو کی روٹی اور شوربہ حضور کے آگے لایا گیا۔ جس میں کدو اور خشک کیا ہوا نمکین گوشت تھا۔ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ پیالے کے اطراف سے کدو کی قاشیں تلاش کرتے تھے اس لیے میں اس دن کے بعد کدو ہمیشہ پسند کرتا رہا (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ کتاب الاطعمہ) امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے سامنے اس روایت کا ذکر آیا کہ حضور سرور عالم ﷺ کدو کو پسند فرماتے تھے ایک شخص نے کہا۔ انا ما احبہ (میں اس کو پسند نہیں کرتا) یہ سن کر امام موصوف نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا:

جدد الایمان والا لا قتلک۔

”تجدید ایمان کرورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔“ (مرقاۃ جزء ثانی ص ۷۷)

ایک روز حضرات حسن بن علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت سلمیٰؓ (خادمہ رسول اللہ ﷺ) کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے واسطے وہ کھانا تیار کرو جسے رسول اللہ ﷺ پسند فرمایا کرتے اور خوش ہو کر کھایا کرتے تھے۔ اس نے (امام حسن سے) کہا۔ بیٹا! آج تم اسے پسند نہ کرو گے۔ حضرت امامؓ نے کہا تم ہمارے واسطے وہی تیار کر دو۔ پس حضرت سلمیٰؓ نے کچھ جو کا آنا

ایک ہنڈیا میں چڑھا دیا۔ اوپر سے روغن زیتون اور کالی مرچیں اور زیرہ ڈال دیا۔ پک گیا تو ان کے آگے رکھ کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کھانے کو پسند فرمایا کرتے تھے اور خوش ہو کر کھایا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

۶۔ جو لوگ آنحضرت ﷺ سے بغض و دشمنی رکھیں ان کو اپنا دشمن سمجھنا اور مخالف سنت و متبذع سے دور رہنا، مخالف شریعت سے نفرت کرنا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ۔ (مجادلہ، ۳۷)

”تو نہ پائے گا ایسی قوم کو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دوستی کریں ایسوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ ان کے باپ یا ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے گھرانے کے ہوں۔“

اس آیت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پورا عمل تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کی اعانت میں اپنی آبرو اور جان و مال سے دریغ نہ کیا۔ کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے اذیتیں برداشت کیں۔ خدا اور رسول کے لیے اپنا وطن چھوڑا۔ خویش و اقارب سے رشتہ الفت توڑا۔ اعلاء کلمتہ اللہ کے لیے جہاد کیا اور خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے اعداء اسلام کو خواہ اقارب ہی ہوں قتل کیا یا کرنا چاہا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے یوم بدر میں اپنے والد کو قتل کر دیا (۸)۔ عبد اللہ بن ابی حواری المنافقین تھا۔ اس کے صاحب زادے حضرت عبد اللہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ اجازت ہو تو میں ابن ابی کو قتل کر دوں۔ مگر حضرت اقدس ﷺ نے اجازت نہ دی (۹)۔ حضرت عمر فاروق نے جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی کو قتل کر دیا (۱۰)۔ بدر کے دن حضرت ابو بکر صدیقؓ کے لڑکے عبد الرحمن نے جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے مبارز طلب کیا۔ تو خود حضرت صدیق اکبرؓ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے مگر رسول اللہ ﷺ نے اجازت نہ دی (۱۱)۔ جنگ احد میں حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا (۱۲)۔ حضرات علی و حمزہ و عتبہ بن حارث نے جنگ بدر میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو جو ان کے گھرانے کے تھے قتل کر ڈالا۔ جنگ بدر کے خاتمہ پر رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو بارے میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضرت فاروقؓ نے عرض کیا کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان کو قتل کر دیں۔ مثلاً عقیل کو حضرت علیؓ کے حوالے کر دیں اور میرے فلاں رشتہ دار کو میرے سپرد کر دیں۔ مگر حضور رحمتہ للعالمین نے حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے پر عمل کیا (۱۳)۔

۷۔ قرآن کریم سے محبت رکھنا۔ جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا خلق بنایا ہوا تھا۔ قرآن کریم سے محبت رکھنے کی نشانی یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی تلاوت کرے۔ اور اس کے معانی سمجھے اور اس کے احکام پر عمل کرے۔ حضرت اہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں:

”خدا کی محبت کی نشانی قرآن سے محبت رکھنا ہے۔ اور قرآن سے محبت رکھنے کی علامت رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنے کی علامت آپ کی سنت سے محبت رکھنا ہے۔ اور سنت سے محبت رکھنے کی نشانی آخرت سے محبت رکھنا ہے اور آخرت سے محبت رکھنے کی نشانی دنیا سے بغض رکھنا ہے۔ اور بغض دنیا کی علامت یہ ہے کہ اس سے بجز کفاف و قوت لایموت ذخیرہ نہ کرے۔ جیسا کہ مسافر اپنے ساتھ اسی قدر توشہ لے جاتا ہے کہ جس سے منزل مقصود پر پہنچ جائے۔“

۸۔ رسول اللہ ﷺ کی امت پر شفقت رکھنا اور ان کی خیر خواہی کرنا، جیسا کہ خود حضور ﷺ کیا کرتے تھے۔

۹۔ دنیا میں رغبت نہ کرنا اور فقر کو غنا پر ترجیح دینا۔ حضرت عبد اللہ بن مغفل کا بیان ہے کہ ایک شخص نے

رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں بے شک آپ سے محبت رکھتا ہوں۔

حضور نے فرمایا۔ دیکھ تو کیا کہتا ہے۔ اس نے تین مرتبہ یہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو مجھ

سے محبت رکھتا ہے فقر و فاقے کے لیے برگستوان تیار کر لے۔ کیوں کہ فقر و فاقہ میرے محبت کی

طرف اس سے بھی جلدی پہنچتا ہے جتنی کہ پانی کی رو اپنے منتہی کی طرف پہنچتی (۱۴) ہے۔

اس حدیث میں برگستوان کنایہ صبر سے ہے۔ جس طرح لڑائی میں برگستوان گھوڑے کو اذیت

سے بچاتی ہے۔ اسی طرح صبر عاشق رسول خدا ﷺ کو فقر و فاقے کی اذیت سے بچاتا ہے۔ کیوں کہ صبر

کے بغیر نفوس فقر کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتے اور آپ کی اطاعت کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔

آپ کیا فرماتے ہیں اس شخص کی نسبت جو ایسی قوم سے محبت رکھتا ہے جن سے اس کی ملاقات نہیں

ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ المرء مع من احب۔ یعنی انسان قیامت کے دن ان لوگوں کے زمرہ میں اٹھے

گا جن سے وہ محبت رکھتا (۱۵) تھا۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ قیامت کب ہوگی۔

آپ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس تو نے اس دن کے لیے کیا تیار کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے

کچھ تیار نہیں کیا۔ ہاں خدا اور رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو اس کے ساتھ ہوگا۔ کہ جس

سے محبت رکھتا (۱۶) ہے۔ اس حدیث کے تحت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی یوں تحریر فرماتے ہیں:

”چوں خدا را دوست مے داری۔ در جو ار رحمت و عزت دے خواہی بود۔ و چوں رسول خدا را دوست داری نیز از مقام قربت و عنایت وے بہرہ در باشی۔ اگرچہ مقام او بلند تر و عزیز تر است کہ کے بانجا نرسد۔ اما نور محبت و تبعیت وے بر مجبان و تابعان وے خواہد ساخت و بمعیت قربت وے مشرف خواہد ساخت۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں (۱۷) کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ بے شک میرے نزدیک میری جان اور میری اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔ میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں۔ مگر جس وقت آپ ﷺ یاد آتے ہیں تو جب تک آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو دیکھ نہ لوں۔ صبر نہیں آتا۔ جب میں اپنی موت اور آپ ﷺ کی موت کو یاد کرتا ہوں تو میں یقین کرتا ہوں کہ جنت میں داخل ہو کر آپ ﷺ انبیائے کرام کے ساتھ بلند مرتبہ میں اٹھائے جائے گے۔ اور میں جب جنت میں داخل ہوں گا تو (ادنیٰ درجہ میں ہونے کے سبب سے) مجھے ڈر ہے کہ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکوں گا۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اسے کچھ جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ
وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (نساء، ۹۷)

”اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے۔ پس وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی پیغمبروں، صدیقیوں، شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ اور یہ اچھے رفیق ہیں۔“

ذیل میں وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا ذکر ہے۔

۱۔ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّ مَبَشِّرًا وَّ نَذِيرًا ۝ لِيُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَّ تُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (فتح۔ ۱۷)

”ہم نے تجھے احوال بتانے والا اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔ اور خدا کو صبح شام پاکی کے ساتھ یاد کرو۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی تعظیم و توقیر کے واجب ہونے کی تعلیم دی ہے:

(ب) ۱- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْدِمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔ تحقیق اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔“

۲- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

”اے ایمان والو! تم اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو اور اس سے بات اونچی نہ کہو۔ جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کہتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔“

۳- اِنَّ الَّذِيْنَ يَغْضُوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰمَتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى- لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

”تحقیق جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کیلئے جانچا ہے۔ ان کیلئے معافی اور بڑا ثواب ہے۔“

۴- اِنَّ الَّذِيْنَ يٰنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

”تحقیق وہ لوگ جو تجھے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔“

۵- وَلَوْ اَنْهَمُ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ- وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (حجرات شروع)

”اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو ان کی طرف نکلتا تو ان کے واسطے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

سورہ حجرات کی ان پانچ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو آداب تعلیم فرمائے ہیں۔ آیت نمبر ۱ میں بتایا گیا ہے کہ تم کسی قول یا فعل یا حکم میں آنحضرت ﷺ سے پیش دستی نہ کرو۔ مثلاً جب حضور ﷺ کی مجلس میں کوئی سولا کرے تو تم حضور ﷺ سے پہلے اس کا جواب نہ دو۔ جب کھانا حاضر ہو تو حضور ﷺ سے پہلے کھانا شروع نہ کرو۔ جب حضور ﷺ کسی جگہ کو تشریف لے جائیں تو تم بغیر کسی مصلحت کے حضور ﷺ کے آگے نہ چلو۔ امام سہل بن عبد اللہ تستری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ ادب سکھایا۔ کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے تم بات نہ کرو۔

جب آپ ﷺ فرمائیں تو تم آپ ﷺ کے ارشاد کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔ آپ ﷺ کے حق کی فروگذاشت اور آپ ﷺ کے احترام و توقیر کے ضائع کرنے میں تم خدا سے ڈرو۔ خدا تمہارے قول کو سنتا اور تمہارے عمل کو جانتا ہے۔

آیت نمبر ۲ کا شان نزول یہ ہے کہ ۹ھ میں بنی تمیم کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ ہم پرسی کو امیر مقرر فرمادیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ قعقاع بن معبد کو امیر بنا دیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ اقرع بن حابس کو امیر بنا دیں۔ حضرت صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے کہا آپ میری مخالفت کرتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا۔ کہ نہیں۔ اس طرح دونوں جھگڑ پڑے اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اس قدر دھیمی آواز سے کلام کیا کرتے کہ آنحضرت ﷺ کو دوبارہ دریافت کرنے کی حاجت (۱۸) پڑتی۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ نے بقول حضرت ابن عباس قسم کھالی کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کلام نہ کیا کروں گا۔ مگر اس طرح جیسا کوئی اپنے ہمز سے پوشیدہ باتیں کرتا ہے (۱۹)۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ جب آیہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس (جو بلند آواز اور خطیب انصارتھے) گھر میں بیٹھ گئے۔ کہنے لگے کہ میں دوزخیوں میں سے ہوں۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ سے پوچھا کہ ثابت کا کیا حال ہے۔ کیا وہ بیمار ہے؟ حضرت سعد نے عرض کیا کہ وہ میرا ہمسایہ ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ بیمار ہے۔ اس کے بعد سعد نے حضرت ثابت سے رسول اللہ ﷺ کا قول ذکر کر دیا۔

حضرت ثابت نے کہا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں۔ اس لیے میں دوزخیوں میں سے ہوں۔ حضرت سعد نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ذکر کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ وہ بہشتیوں میں سے (۲۰) ہے۔ اس آیت کی رو سے آنحضرت ﷺ کی مجلس شریف میں بلند آواز سے بولنا اتنا بھاری گناہ تھا کہ اس سے اعمال اکارت و برباد ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ کو حضرات شہین و امثالہما جن اللہ کا طریق ادب پسند آیا۔ ان کی مدح میں آیہ (۲۱) نازل فرمائی۔ اور ان کو متقی ہونے کی سند عطاء فرمائی اور قیامت کے دن ان کو مغفرت و اجر عظیم کی بشارت دی۔

ایک دفعہ بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو حجروں کے باہر سے یا محمد یا محمد ﷺ کہہ کر پکارا۔ اس

پر آیہ نمبر ۴ نازل ہوئی۔ جس میں بتا دیا گیا ہے کہ اس طرح پکارنا سوء ادب ہے۔ ایسی جرأت ہو لوگ کرتے ہیں جن کو عقل نہیں۔ حسن ادب اور تعظیم حضور انور ﷺ تو اس میں تھی کہ وہ لوگ حضور ﷺ کے در دولت پر بیٹھ جاتے اور انتظار کرتے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ خود باہر تشریف لاتے۔ اس طرح کا حسن ادب ان کیلئے موجب ثواب تھا جیسا کہ آیہ نمبر ۵ میں ہے۔

ج۔ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (نور: ۹ع)

”تم اپنے درمیان رسول ﷺ کا پکارنا ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔“

اس آیت میں بتا دیا گیا ہے تم رسول اللہ ﷺ کو نام لے کر (یا محمد یا محمد ﷺ) نہ پکارا کرو۔ جیسا کہ ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو۔ بلکہ حضور ﷺ کو ادب سے یوں پکارا کرو یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا خیر خلق اللہ۔ اس کا مزید بیان پہلے آچکا ہے۔

د۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَ قُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا۔ وَلِلْكَافِرِينَ

عَذَابٌ أَلِيمٌ (بقرہ: ۱۳ع)

”اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہو اور انظرنا کہو اور بغور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

جس وقت رسول اللہ ﷺ کچھ ارشاد فرماتے تو مسلمان عرض کیا کرتے راعنا (ہماری طرف متوجہ ہو جئے، یعنی ذرا ٹھہریئے کہ ہم سمجھ لیں)۔ عبرانی زبان میں اس لفظ کے معنی شریر کے ہیں یہود اس لفظ کو بطریق استہزاء استعمال کرتے تھے۔ اور تعریض و اشارہ اسی معنی کی طرف کیا کرتے تھے۔ چونکہ راعنا کا التباس عبرانی لفظ سے ہوتا تھا اسلیے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تعلیم دی کہ تم بجائے راعنا کے انظرنا (ہماری طرف متوجہ ہو جئے)، استعمال کیا کرو۔ جس کے معنی وہی ہیں جو راعنا کے ہیں اور اس میں کسی قسم کی تلمییس کا احتمال نہیں اور تم بغور سنا کرو تا کہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ یہود جو اس طرح تعریض و استہزاء کرتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ اس آیت شریف سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شان مبارک میں ایسے الفاظ محتملہ استعمال نہ کرنے چاہئیں کہ جن میں تعریض ہو اور تنقیص شان کا وہم ہو۔

ذیل میں چند ایسی مثالیں درج کی جاتی ہیں جن سے اندازہ لگ سکتا

ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس کس طرح اپنے آقائے نامدار ﷺ کی تعظیم و توقیر بجالاتے، اور آپ ﷺ کا ادب ملحوظ رکھتے تھے۔

۱۔ ماہ ذی قعدہ ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ حدیبیہ میں تھے تو بدیل بن ورقاء خزاعی کے بعد عمرو بن

مسعود جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنے کے لیے حاضر خدمت اقدس ہوئے وہ واپس جا کر قریش سے یوں کہنے لگے:

يا قوم والله لقد وفدت على الملوك و وفدت على قيصر و كسرى
والنجاشي والله رايت ملكا فط يعظمه اصحابه ما يعظم اصحاب محمد
محمداً والله ان تخجم نخامة الا وقعت في كف رجل مهم فذلك
بها وجهه وجلده واذا امرهم ابتروا المرأة واذا اتوا كادوا يقتلوا ان على
وضونه واذا تكلم خفضوا اصواتهم عنده وما يجمدون عليه
النظر تعظيماً له والله عرض عليكم خطة رشداً فاقبلوها۔

”اے میری قوم! اللہ کی قسم میں البتہ بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں اور قیصر و کسریٰ و نجاشی کے ہاں گیا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے بھی کبھی کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ جس کے اصحاب کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسا محمد (ﷺ) کے اصحاب محمد (ﷺ) کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم اس (محمد ﷺ) نے جب کھنکار پھینکا ہے تو وہ اصحاب میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں گرا ہے۔ جسے انہوں نے اپنے منہ اور جسم پر مل لیا ہے۔ جب وہ اپنے اصحاب کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس کی تعمیل کے لیے دوڑتے ہیں۔ اور جب وضو کرتے ہیں تو ان کے وضو کے پانی کے لیے باہم جھگڑنے کی نوبت پہنچنے لگتی ہے۔ اور جب کلام کرتے ہیں تو اصحاب ان کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کر دیتے ہیں اور از روئے تعظیم ان کی طرف تیز نگاہ نہیں کرتے۔ انہوں نے تم پر ایک نیک امر پیش کیا ہے۔ اسے قبول کر لو (۲۱)۔

۲۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ تمیمی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے ایک جاہل اعرابی سے کہا۔ کہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کرو کہ قرآن میں جو سورہ احزاب میں آیا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ

(احزاب، ۳۷)

”بعض مسلمانوں میں سے وہ مرد ہیں کہ سچ کیا انہوں نے وہ عہد جو اللہ سے پاندا تھا۔

پس بعض ان میں سے وہ ہیں جو پورا کر چکا کام اپنا۔“

اس آیت میں قضیٰ نجبہ کون ہے؟ اصحاب کرام آنحضرت ﷺ سے سوال کرنے کی جرأت نہ کیا

کرتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کی توقیر کیا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ سے ہیبت کھاتے تھے۔ اس اعرابی

نے آپ ﷺ سے سوال کیا۔ تو آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا۔ دوبارہ پوچھا تو بھی آپ ﷺ نے اس سے

منہ پھیر لیا۔ پھر میں مسجد کے دروازے سے سبز کپڑوں میں نمودار ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ وہ سائل کہاں ہے؟ اعرابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ سائل میں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے (میری طرف اشارہ کر کے) فرمایا۔ یہ ان میں سے ہے جس نے اپنا عہد پورا کیا (۲۲)۔

۳- حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب مہاجرین و انصار میں تشریف لاتے اور وہ بیٹھے ہوتے۔ ان کے درمیان حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی ہوتے۔ ان میں سے سوائے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے کوئی حضور ﷺ کی طرف نظر نہ اٹھاتا۔ وہ دونوں حضور ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے اور حضور ﷺ ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے۔ وہ دونوں حضور ﷺ کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے اور حضور ﷺ ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے (۲۳)۔

۴- حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حاضرین مجلس کے ساتھ حضور ﷺ کی سیرت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”جس وقت آپ ﷺ کلام شروع کرتے تو آپ کے ہم نشین اس طرح سر جھکا لیتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جس وقت آپ خاموش ہو جاتے تو وہ کلام کرتے۔ اور کلام میں آپ ﷺ کے سامنے تنازع نہ کرتے۔ اور جو آپ ﷺ کے سامنے کلام کرتا اسے خاموش ہو کر سنتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کلام سے فارغ ہو (۲۴) جاتا۔“

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی مجلس میں سب سے پہلے خود حضور ﷺ ارشاد فرماتے تھے۔ حاضرین مجلس سب سکون کی حالت میں باادب بیٹھا سنا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام عرض کرتے۔ مگر وہ کلام میں تنازع نہ فرماتے تھے۔ مجلس میں ایک وقت میں دو شخص کلام نہ کرتے۔ اور نہ کوئی دوسرے کے کلام کو قطع کرتا تھا۔ بلکہ متکلم کے کلام کو سنتے رہتے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جاتا۔

۵- حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام (پاس ادب) رسول اللہ ﷺ کے دروازوں کو ناخوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے (۲۵)۔

۶- رسول اللہ ﷺ ذی قعدہ ۶ھ میں عمرہ کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ جب حدیبیہ میں پہنچے تو قریش ڈر گئے۔ اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو مکہ میں بھیجا اور ان سے فرمایا کہ تم قریش کو اطلاع دے دو کہ ہم عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ لڑائی کے لیے نہیں آئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ان کو دعوت اسلام دو۔ اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو جو مکہ میں ہیں فتح کی بشارت دو۔ راستے میں حضرت ابان بن سعید اموی جو اب تک ایمان نہ لائے تھے حضرت عثمانؓ سے ملے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو جواردی۔ اور اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کر کے مکہ میں لے آئے۔ حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا حدیبیہ میں مسلمان کہنے لگے کہ عثمان خوش نصیب ہے۔

جس نے بیت اللہ کا طواف کر لیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے، کہ میرا گمان ہے کہ عثمان ہمارے بغیر طواف نہ کریں گے۔ اسی اثنا میں یہ غلط خبر اڑی کہ عثمان مکہ میں قتل کر دیئے گئے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے بیعت رضوان لی۔ حضرت عثمان چونکہ مکہ میں تھے۔ اس لیے حضور ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر ان کو بیعت کے شرف میں داخل کیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ حضرت عثمان کا ہاتھ قرار پایا۔ بیعت رضوان کے بعد جب حضرت عثمان واپس تشریف لائے تو مسلمانوں نے ان سے کہا کہ آپ خوش نصیب ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کر لیا۔ اس پر حضرت عثمان نے جواب دیا کہ تم نے میری نسبت گمان بد کیا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں وہاں ایک سال ٹھہرا رہتا اور حضور ﷺ حدیبیہ میں ہوتے تو میں آپ ﷺ کے بغیر طواف نہ کرتا۔ قریش نے مجھ سے کہا تھا کہ طواف کر لو۔ مگر میں نے انکار کر دیا تھا (۲۶)۔

حضرت عثمان غنیؓ کا یہ ادب قابل غور ہے کہ کفار مکہ آپ سے کہہ رہے ہیں کہ تم بیت اللہ کا طواف کر لو۔ مگر آپ جواب دیتے ہیں کہ مجھ سے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ اپنے آقائے نامدار ﷺ کے بغیر اکیلا طواف کروں۔ ادھر جب مسلمانوں نے کہا کہ خوشحال عثمان کا کہ ان کو خانہ کعبہ کا طواف نصیب ہوا۔ تو رسول اللہ ﷺ سن کر فرماتے ہیں کہ عثمانؓ بغیر ہمارے ایسا نہیں کر سکتا۔ آقا ہو تو ایسا۔ خادم ہو تو ایسا۔ امام بوسیٰ رحمتہ اللہ علیہ نے قصیدہ ہمزہ میں کیا خوب فرمایا ہے:

وابی يطوف بالبيت اذ لم يدن منه الى النبي فجزته عنها بيعة رضوان
يد من نبيہ بيضاء ادب عنده فضاعف الاعمال بالترك حبذا الادباء۔

”اور حضرت عثمان نے بیت اللہ کے طواف سے انکار کر دیا۔ اس لیے کہ بیت اللہ کی کوئی طرف رسول اللہ ﷺ کے قریب نہ تھی پس ان کو رسول اللہ ﷺ کے بی بیضا نے بیعت رضوان میں اس نیک عمل کا بدلہ دیا۔ یہ (تنہا طواف کرنا) عثمان میں ایک برا ادب تھا۔ جس کے سبب ان کو طواف سے دگنا ثواب ملا۔ اصحاب محمد ﷺ کیا خوب ادیب تھے۔“

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام سب کے سب با ادب تھے۔ مگر حضرت عثمان میں یہ خوبی خصوصیت سے تھی۔ کیوں کہ ان میں وصف حیاء جو منشاء ادب ہے سب سے زیادہ تھا۔ آپ نے جب سے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ اپنا دایاں ہاتھ کبھی اپنی شرم گاہ پر نہ رکھا۔

۷۔ حضرت عمرو بن عاص کی موت کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے اپنے صاحب زادے سے اپنی تین حالتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ پہلی حالت یہ تھی کہ میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کا جانی

دشمن تھا۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو دوزخی تھا۔ دوسری حالت اسلام کی تھی کہ کوئی شخص میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب اور میری آنکھوں میں آپ ﷺ سے زیادہ جلالت و ہیبت والا نہ تھا۔ اور میں آپ ﷺ کی ہیبت کے سبب سے آپ ﷺ کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس واسطے اگر مجھ سے حضور ﷺ کا حلیہ شریف دریافت کیا جائے تو میں بیان نہیں کر سکتا۔ اگر میں اس حال میں مرجاؤں تو امید ہے کہ اہل جنت میں سے ہوں گا۔ تیسری حالت حکمرانی کی تھی کہ جس میں میں اپنا حال نہیں جانتا (۲۷)۔

۸- حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی ناقہ کا کجاوہ کسا کرتا تھا۔ موسم سرم میں ایک رات مجھے غسل کی حاجت ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے سفر کا ارادہ کیا۔ میں نے حالت جنابت میں کجاوہ کسنا پسند نہ کیا۔ اور میں ڈرا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کروں تو مرجاؤں گا یا بیمار ہو جاؤں گا۔ اس لیے میں نے انصار میں سے ایک شخص سے کجاوہ کسوا یا۔ پھر میں نے پانی گرم کر کے غسل کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے احباب سے جا ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے اسلع آج کجاوہ اپنی جگہ سے کیوں ہل گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے نہیں کسا۔ ایک انصاری نے کسا ہے۔ آپ ﷺ نے سبب دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا مجھے غسل کی حاجت ہو گئی تھی اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے مجھے اپنی جان کا خوف تھا، اس لیے میں نے اس سے کسوا یا تھا۔ اور پھر پانی گرم کر کے میں نے غسل کیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیہ تیمم یعنی نازل فرمائی (۲۸)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ (نساء، ع، ۷)

۹- ایک روز رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ہریرہ سے ملے۔ ان کو غسل کی حاجت تھی۔ ان کا بیان ہے کہ میں پیچھے ہٹ گیا۔ پھر غسل کر کے حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم کہاں گئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے غسل کی حاجت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن پلید نہیں ہوتا (۲۹)۔

۱۰- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حدیفہ بن الیمان سے ملے۔ آپ ﷺ نے حدیفہ سے مصافحہ کرنے لگے۔ حضرت حدیفہ پیچھے ہٹ گئے اور یہ عذر کیا کہ مجھ کو غسل کی حاجت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان جب اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو اس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں جیسا کہ درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ جب وہ دونوں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر سورحمتیں نازل فرماتا ہے۔ جن میں نناوے اس کے لیے ہیں جو ان دونوں میں سے زیادہ بشاش و کشادہ رو اور نیکو کار اور اپنے بھائی کی حاجت روائی میں

احسن ہو (۳۰)۔

۱۱- حضرت عثمان بن عفان نے حضرت قباث بن اشیم سے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ ﷺ؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں۔ البتہ میں پیدائش میں حضور ﷺ سے پہلے ہوں (۳۱)۔

۱۲- حضرت سعید بن ربیع قرشی مخزومی کا نام صرم تھا۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ہم میں سے کون بڑا ہے۔ میں یا تو؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں اور نیک ہیں۔ میں عمر میں آپ حضور انور ﷺ سے زیادہ ہوں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے ان کا نام بدل دیا۔ اور فرمایا کہ تم سعید ہو (۳۲)۔

۱۳- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے حدیث و کلام میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا۔ جب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں تو آپ ﷺ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ اور مرجبا کہہ کر ان کو چومتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ اور جب حضور ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں اور آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر مرجبا کہتیں اور چومتیں اپنی جگہ بٹھاتیں۔ جب مرض موت میں وہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آئیں تو حضور نے مرجبا کہہ کر ان کو چوما (۳۳)۔

۱۴- دو یہودی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے نو ظاہر نشانیاں دریافت کیں۔ آپ ﷺ نے بیان فرمادیں۔ ”تو انہوں نے آپ ﷺ کے دونوں ہاتھ مبارک اور دونوں پاؤں مبارک کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ پیغمبر ہیں“ (۳۴)۔

۱۵- صفوان بن عسال روایت کرتے ہیں کہ یہودیوں کی ایک قوم نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک اور ہر دو پائے مبارک کو بوسہ دیا (۳۵)۔

۱۶- حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ ہم کسی غزوہ میں تھے۔ لوگ پسپا ہو گئے۔ ہم نے کہا کہ نبی ﷺ سے کس طرح ملیں گے۔ حالانکہ ہم لشکر سے بھاگ آئے ہیں۔ اور خدا کا غضب لے پھرے ہیں۔ پس ہم نبی ﷺ کی خدمت میں نماز فجر سے پہلے حاضر ہوئے۔ حضور نماز سے فارغ ہو کر نکلے اور فرمایا۔ کہ یہ لوگ کون ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم فراری ہیں۔ آپ نے فرمایا:

”لا بل انتم العکارون۔“ (نہیں، بلکہ تم عکاری (ہٹ کر حملہ کرنے والے) ہو۔“
یہ سن کر ہم نے حضور ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارا گروہ

ہوں۔ میں مسلمانوں کا گروہ ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ ۖ (انفال، ۲۴)

”مگر ہٹنے والا لڑائی کے لیے یا پناہ ڈھونڈنے والا ایک گروہ کی طرف (۳۶)۔“

۱۷۔ ام ابان بنت وازع بن زارع اپنے دادا زارع سے جو وفد عبدالقیس میں تھے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا جب ہم مدینہ میں پہنچے تو ہم اپنے کجاووں سے جلدی جلدی اتر کر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک اور پائے مبارک کو چومنے لگے۔ منذالشیخ (رئیس وفد) کچھ دیر کے بعد لباس تبدیل کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے، حلم و وقار۔ منذر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! یہ خصلتیں مجھ میں کبھی ہیں یا جبلی۔ حضور ﷺ نے فرمایا جبلی۔ یہ سن کر منذر نے کہا۔ سب ستائش خدا کو ہے جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا کیا ہے جن کو اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ دوست رکھتے ہیں (۳۷)۔ روایت بیہتی میں ہے کہ منذر نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضور ﷺ کے دست مبارک کو پکڑ کر بوسہ دیا (۳۸)۔

۱۸۔ حضرت بریدہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں اسلام لایا ہوں۔ مجھے کوئی ایسی چیز دکھائیے جس سے میرا یقین زیادہ ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ آپ ﷺ اس درخت کو اپنے پاس بلا لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو جا کر اسے بلا لا۔ وہ اس کے پاس گیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ تجھے بلاتے ہیں۔ یہ سن کر وہ ایک طرف کو جھکا اور اس کی جڑیں اکھڑیں۔ پھر دوسری طرف کو جھکا اور جڑیں اکھڑیں۔ اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ یہ دیکھ کر اعرابی نے کہا۔ مجھے کافی ہے۔ مجھے کافی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس درخت سے فرمایا کہ اپنی جگہ پر چلا جا۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور اپنی جڑوں پر قائم ہو گیا اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کے سر مبارک اور دوپائے مبارک کو بوسہ دوں۔ حضور ﷺ نے اجازت دے دی۔ (اور اس نے سر مبارک اور ہر دوپائے مبارک کو چوما) پھر اس نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کو سجدہ کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آئیے شخص دوسرے شخص کو سجدہ نہ کرے۔ اگر میں ایسے سجدے کی اجازت دیتا تو عورت کا حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ کیوں کہ شوہر کا اس پر بڑا حق ہے (۳۹)۔

۱۹۔ حضرت ابو بزہ کی مخزومی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے آقا عبد اللہ بن سائب کے ساتھ رسول اللہ

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک اور پائے مبارک کو بوسہ دیا۔ (اصابہ۔ ترجمہ ابو بزہ مکی)۔

۲۰۔ حضرت مسور بن مخرمہ ذکر کرتے ہیں کہ میرے والد محترم نے مجھ سے کہا۔ بیٹا! مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قبائیں آئی ہیں۔ جنہیں وہ تقسیم فرما رہے ہیں۔ مجھے ان کے پاس لے چل۔ چنانچہ ہم وہاں حاضر ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے دولت خانہ میں تھے۔ والد نے مجھ سے کہا۔ بیٹا! نبی ﷺ کو میرے واسطے بلا دو۔ مجھ پر یہ امر ناگوار گزرا۔ میں نے کہا، کیا میں تمہارے واسطے نبی ﷺ کو آواز دوں؟ میرے والد نے کہا۔ بیٹا! وہ جبار نہیں ہیں۔ تب میں نے آپ ﷺ کو آواز دی۔ آپ ﷺ نکلے اور آپ ﷺ کے پاس ایک دیبا کی قباحتھی۔ اور مخرمہ کو عطا فرمادی (۴۰)۔

۲۱۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ غریب خانہ پر تشریف لائے۔ اور دروازے میں فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ میرے باپ نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ میں نے کہا، کیا آپ رسول اللہ ﷺ کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا اسی طرح رہنے دیجیے تاکہ حضور ﷺ ہم پر زیادہ سلام بھیجیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دوسری بار اسی طرح سلام کہا۔ حضرت سعد نے دھیمی آواز سے جواب دیا۔ حضور تیسری بار سلام کہہ کر واپس ہو گئے۔ حضرت سعد آپ ﷺ کے پیچھے نکلے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کا سلام سنتا رہا اور دھیمی آواز سے جواب دیتا رہا، تاکہ آپ ﷺ ہم پر زیادہ سلام بھیجیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ حضرت سعد کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے حضرت سعد کی درخواست پر غسل فرمایا۔ حضرت سعد نے زعفران سے رنگی ہوئی چادر پیش کی جو آپ ﷺ نے اوڑھ لی۔ اور پھر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا فرمائی اللھم اجعل صلواتک ورحمتک علی ال سعد بن عبادۃ بعد ازاں آپ ﷺ نے کھانا تناول فرمایا۔ جب آپ ﷺ واپس ہونے لگے تو میرے والد نے سواری کے لیے ایک دراز گوش پیش کیا۔ جس پر لحاف پڑا ہوا تھا اور مجھ سے کہا کہ ساتھ ہولو۔ میں حضور کے ساتھ ہولیا۔ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے انکار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سوار ہو جاؤ ورنہ واپس جاؤ۔ اس لیے میں واپس چلا آیا۔ (ابوداؤد، کتاب اللوب)

۲۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کے والد بزرگوار بہت سا قرض چھوڑ گئے تھے۔ جب کھجوروں کے توڑنے کا وقت آیا تو حضرت جابر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یوں عرض کیا:

”آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد جنگ احد کے دن شہید ہو گئے۔ اور اپنے اوپر بہت سا

قرض چھوڑ گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ قرض خواہ آپ ﷺ کی زیارت کر لیں۔“

حضرت جابر نے یوں نہ کہا کہ آپ ﷺ قرض خواہوں کے پاس چلیئے۔ بلکہ پاس ادب عرض کیا کہ قرض خواہ آپ ﷺ کی زیارت کر لیں۔ (بخاری باب قضاء الوسی دیون المیت بغیر محض من الورثہ)

۲۳۔ ایک روز قبیلہ اسلم کے چند صحابہ کرام تیر اندازی میں باہم مقابلہ کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر وہاں سے ہوا۔ جب حضرت مجن بن اورع ایک اسلمی سے مقابلہ کر رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے بنی اسمعیل! تم تیر اندازی کرو کیوں کہ تمہارا باپ تیر انداز تھا۔ تم تیر پھینکتے جاؤ میں ابن اورع کے ساتھ ہوں۔ یہ سن کر حضرت نصلہ بن عبید اسلمی نے اپنے ہاتھ سے کمان پھینک دی۔ اور عرض کیا:

”جب حضور ﷺ ابن اورع کے ساتھ ہیں تو میں اس کے ساتھ تیر نہیں پھینکتا کیوں کہ جس کے ساتھ آپ ﷺ ہیں وہ مغلوب نہیں ہو سکتا۔“

یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم تیر اندازی کرو۔ میں تم سب کے ساتھ ہوں (۴۱)۔

۲۴۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان میں قیام فرمایا۔ آپ ﷺ مکان کے نیچے کے حصے میں ٹھہرے۔ اور ابو ایوب مع عیال اوپر کے حصے میں رہے۔ ایک رات ابو ایوب بیدار ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کے اوپر چلتے پھرتے ہیں۔ یہ کہہ کوا نہوں نے اس جگہ سے ہٹ کر ایک جانب میں رات بسر کی۔ پھر صبح کو آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ نیچے کے حصے میں میرے واسطے آسانی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس چھت پر نہیں چڑھتا جس کے نیچے آپ ﷺ ہوں۔ پس آنحضرت ﷺ اوپر کے حصے میں تشریف لے گئے اور ابو ایوب نیچے کے حصے میں چلے آئے۔ ابو ایوب حضور ﷺ کے لیے کھانا بھیجا کرتے جو بیچ کر آتا، خادم سے دریافت کرتے کہ طعام میں حضور اقدس کی انگلیاں کس جگہ تھیں پھر اسی جگہ سے کھاتے۔ ایک روز کھانا تیار کیا گیا جس میں لہسن تھا۔ جب کھانا واپس آیا تو حضرت ابو ایوب نے حسب معمول خادم سے حضور انور ﷺ کی انگلیوں کی جگہ دریافت کی۔ جواب ملا کہ حضور نے کھایا ہی نہیں۔ یہ سن کر ابو ایوب ڈر گئے اور اوپر جا کر عرض کیا کہ کیا یہ (لہسن) حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حرام تو نہیں۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔ یہ سن کر انہوں نے عرض کیا کہ میں بھی اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جسے آپ ﷺ ناپسند کرتے ہیں (حضور ﷺ کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ) آپ ﷺ کے پاس فرشتے اور وحی آیا کرتی تھی (۴۲)۔

۲۵- حضرت قبیلہ بنت مخرمہ عنبریہ نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں دیکھا آپ ﷺ اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب میں نے آپ ﷺ کو نہایت خشوع سے اس حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو (ہیبت و جلال کے سبب سے) میں خوف سے کانپنے لگی۔

(شامل ترمذی، باب ماجاء فی جلسۃ رسول اللہ ﷺ)

۲۶- حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا چاہتا تو اسے (آپ ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے) دو سال (یا سالوں) تاخیر میں ڈال دیتا (۴۳)۔

۲۷- حضرت خذیفہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک طعام ہوتے تو ہم طعام میں ہاتھ نہ ڈالتے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پہلے شروع فرماتے اور اپنا دست مبارک اس میں ڈالتے۔ (صحیح مسلم۔ باب آداب الطعام والشرب و احکامہا)۔

آنحضرت ﷺ کی تعظیم و توقیر جس طرح آپ ﷺ کی حیات دنیوی میں واجب تھی اسی طرح وفات شریف کے بعد بھی واجب ہے۔ سلف و خلف کا یہی طریقہ رہا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں بغرض توضیح درج کی جاتی ہیں:

۱- حضرت اسحاق نجیبی رضی اللہ عنہ (متوفی ذیقعدہ ۳۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے بعد جب آپ ﷺ کا ذکر آتا تو صحابہ کرام خشوع و انکسار ظاہر کرتے۔ ان کے بدن پر روٹکٹے کھڑے ہو جاتے۔ اور وہ حضور کے فراق اور اشتیاق زیارت میں رویا کرتے۔ یہی حال بہت سے تابعین کا تھا۔ (شفاء شریف)

۲- حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے کہ میں مسجد نبوی میں لیٹا ہوا تھا ایک شخص نے مجھ پر کنکری ماری۔ میں نے سراٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ان دو شخصوں کو بلا لاؤ۔ میں بلا لایا۔ آپ نے ان سے پوچھا تم کون ہو یا کہاں سے آئے ہو انہوں نے جواب دیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں درے لگاتا۔ کیا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو؟

(صحیح بخاری باب رفع الصوت فی المسجد)

۳- حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ عشاء کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تھے۔ ناگاہ ایک شخص کے ہنسنے کی آواز کان میں آئی۔ آپ نے اسے بلا کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں قبیلہ ثقیف سے ہوں۔ پھر دریافت کیا تم اس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ بلکہ طائف کا رہنے والا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے اسے دھمکایا اور فرمایا، اگر تم مدینہ کے رہنے والے

ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں۔ (وقاء الوفاء، جزو ثانی ص ۳۵۴)

۴۔ خلیفہ ابو جعفر منصور عرب اسی نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں امام مالک سے مناظرہ کیا۔ اور اثنائے مناظرہ میں آواز بلند کی۔ حضرت امام نے فرمایا کہ امیر المؤمنین اس مسجد میں اپنی آواز بلند مت کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو یوں ادب سکھایا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی الایہ اور ایک قوم جو آداب بجالائی ان کی یوں تعریف کی۔ ان الذین یغضون اصواتہم الیہ۔ اور ایک قوم کی یوں مذمت کی۔ ان الذین ینادون من وراء الحجرات الایہ۔ آنحضرت ﷺ کا احترام وفات شریف کے بعد بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ حالت حیات میں تھا۔ یہ سن کر ابو جعفر دھیم پڑ گیا۔ کہنے لگا اے عبد اللہ (امام مالک) کیا میں قبلہ رو ہو کر دعا مانگوں یا رسول اللہ ﷺ کی جانب منہ کروں، امام مالک نے جواب دیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنا منہ کیوں پھیرتے ہو حالانکہ وہ قیامت کے دن تمہارے وسیلہ اور تمہارے باپ آدم کے وسیلہ ہیں۔ بلکہ تم حضور ﷺ ہی کی طرف منہ کرو اور آپ ﷺ ہی کے وسیلہ سے دعا مانگو۔ اللہ تعالیٰ قبول کرے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَكَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (نساء، ۹۷)

”اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوروں پر ظلم کرتے ہیں آپ ﷺ کے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور پیغمبران کے لیے بخشش مانگتا تو وہ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔“ (شفاء شریف)

۵۔ شیخ الاسلام (۳۴) نور الدین علی بن احمد سمودی (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں منکرات سے ایک امر جس میں متصدیان صیغہ تعمیر تساہل کرتے ہیں یہ ہے کہ مسجد نبوی میں آرہ کش اور بڑھتی اور سنگتراش کام کرنے کے لیے لائے جاتے ہیں۔ اشیاء کے توڑنے پھوڑنے اور چیرنے وغیرہ سے سخت شور و شغب برپا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ سب کام مسجد سے باہر تیار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عمارت کا مصالحہ خچروں اور گدھوں پر مسجد میں لایا جاتا ہے۔ حالانکہ اسے آدمی مسجد کے دروازے میں سے اندر لاسکتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ مسجد نبوی کے گرد کسی مکان میں میخ ٹھونکنے کی آواز سنتیں تو کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ دو۔ اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے گھر کے دونوں کواڑ مناصح (۴۵) میں تیار کرائے۔ کہ مبادا تیاری میں لکڑی کی آواز سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچے انتہی۔ (وقاء الوفاء، جزء اول، ص ۹۷)

۶- امام مالک فرماتے ہیں کہ میں ایوب سختیانی، محمد بن منکدر تیمی، امام جعفر صادق، عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، عامر بن عبداللہ بن زبیر، صفوان بن سلیم اور امام محمد بن مسلم زہری سے ملا کرتا تھا۔ میں نے ان کا یہ حال دیکھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر آتا تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا وہ شوق زیارت میں رویا کرتے بلکہ بعض تو بے خود ہو جایا کرتے۔ (شفاء شریف)

۷- امام مالک نے اپنی تمام عمر مدینہ منورہ میں بسر کی۔ پیاس ادب کبھی مدینہ شریف کے حرم کی حد میں بول و براز نہیں کیا۔ (شفاء شریف)

۸- امام شافعی کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک کے دروازے پر کئی ایسے خراسانی گھوڑے اور مصری خچر دیکھے کہ جن سے بہتر میں نے نہیں دیکھے۔ میں نے امام مالک سے کہا کہ یہ کیسے اچھے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب میری طرف سے آپ کیلئے ہدیہ ہیں۔ میں نے کہا اپنی سواری کیلئے ان میں سے کچھ رکھ لیں۔ انہوں نے کہا مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو جس میں رسول اللہ ﷺ ہیں اپنے گھوڑوں کے سموں سے پامال کروں۔ (وفاء الوفاء، جزء ثانی ص ۴۵۰)

۹- ایک شخص نے کہا کہ مدینہ طیبہ کی مٹی خراب ہے۔ امام مالک نے فتویٰ دیا کہ اسے تیس درے مارے جائیں اور قید کیا جائے اور فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اس کی گردن ماری جائے۔ وہ زمین جس میں رسول اللہ ﷺ آرام فرما رہے ہیں اس کی نسبت وہ گمان کرتا ہے کہ وہ خراب ہے۔ (شفاء شریف)

۱۰- حضرت احمد بن فضلویہ بڑے غازی اور تیر انداز تھے۔ انہوں نے جب سنا کہ آنحضرت ﷺ نے کمان کو اپنے دست مبارک میں لیا ہے تو اس روز سے پیاس ادب کبھی کمان کو بے وضو نہیں چھوا۔ (شفاء شریف)

۱۱- حضرت (۴۶) عثمان غنی نے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کا ایک عصا تھا۔ حضرت ہجاء حمار کے یوم وار سے پہلے ان سے چھین لیا۔ اور اپنے گھٹنے پر رکھ کر اسے توڑنا چاہا (یا توڑ دیا) اس جرأت پر حاضرین چلا اٹھے۔ ان کے گھٹنے میں مرض اکلہ پیدا ہو گیا۔ انہوں نے بدیں خیال کہ مبادا مرض بدن میں سرایت کر جائے گھٹنے کو کوٹ دیا۔ مگر ایک سال تمام نہ وئے پایا تھا کہ وفات پائی۔

۱۲- حضرت ابوالفضل جوہری اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے زیارت کے لیے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ جب اس کے مکانات کے قریب پہنچے تو سواری سے اتر پڑے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے پیدل چلے:

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَمْ يَدْعُ لَنَا
فَوَادَّ لِعِرْفَانِ الرَّسُومِ وَلَا لَبَّا
نَزَلْنَا عَنِ الْاُكُوَارِ نَمِشِي كَرَامَةً
لِمَنْ بَانَ عَنْهُ اَنْ نَلِيَمَّ بِهِ رَكْبًا

(شفاء شریف)

”جب ہم نے اس ذات شریف کے آثار دیکھے جس نے آٹا شریفہ کی پہچان کے لیے ہمارے واسطے نہ دل چھوڑا نہ عقل خالص۔ ہم پالانوں سے اتر پڑے اور اس ذات شریف کی تعظیم کے لیے۔ پیدل چلنے لگے۔ جس کی زیارت سواری کی حالت میں بعید از ادب ہے۔“

بعض مشائخ کرام پیدل حج کو گئے۔ ان سے سب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ غلام مفرور اپنے مولا کے دروازے پر سوار ہو کر نہیں آتا۔ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو سر کے بل آتے۔ (شفاء شریف)

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر میں سے یہ امر بھی ہے کہ آپ ﷺ کی آل اطہار و ذریت طیبہ اور ازواج مطہرات کی تعظیم و تکریم اور ان کے حقوق کی رعایت کی جائے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر کرنا حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم ہے۔ صحابہ کرام کے درمیان جو اختلاف و مشاجرات وقوع میں آئے ان کی تاویں نیک کرنی چاہیے۔ وہ مجتہد تھے۔ جو کچھ انہوں نے کیا از روئے اجتہاد و خلوص کیا۔ وہ کسی طرح مورد طعن نہیں ہیں۔ ^{رضی اللہ عنہم} تفصیل کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں

ترسم آل قوم کہ بردردکشاں مے خندند
در سرکار خرابات کنند ایمان را

قاضی عیاض ^{رحمۃ اللہ علیہ} شفاء شریف میں فرماتے ہیں کہ وہ تمام چیزیں جن کو رسول اللہ ﷺ سے نسبت ہے ان کی تعظیم و تکریم کرنا، حریم شریفین میں آپ کے مشاہد و مساکن کی تعظیم کرنا، آپ کے منازل اور وہ چیزیں جن کو آپ ﷺ کے دست مبارک یا کسی اور عضو نے چھوایا آپ ﷺ کے نام سے پکاری جاتی ہوں ان سب کا اکرام کرنا حضور ﷺ ہی کی تعظیم و تکریم میں داخل ہے۔

آنحضرت ﷺ کی تعظیم میں سے ایک امر یہ
آنحضرت ﷺ کی حدیث شریف کا ادب: ہے کہ آپ ﷺ کی حدیث شریف کی تعظیم کی

جائے۔ حدیث شریف کے پڑھنے یا سننے کے لیے غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ جب حدیث شریف پڑھی جائے تو اپنی آواز کو بلند نہ کرنا چاہیے بلکہ دھیمی کر دینی چاہیے جیسا کہ حیات شریف میں حضور ﷺ کے تکلم کے وقت ہوا کرتا تھا۔ اور مستحب ہے کہ حدیث شریف اونچی جگہ پڑھی جائے۔ حدیث شریف پڑھتے پڑھاتے وقت کسی کی تعظیم کے لیے اٹھنا مکروہ ہے۔

جب لوگ امام مالک کے پاس طلب علم کے لیے آتے تو خادمہ دولت خانہ سے نکل کر ان سے دریافت کیا کرتی کہ حدیث شریف کے لیے آئے ہو یا مسائل فقہیہ کے لیے۔ اگر وہ کہتے کہ مسائل کے لیے آئے ہیں تو امام موصوف فوراً نکل آتے۔ اور اگر وہ کہتے کہ ہم حدیث کے لیے آئے ہیں تو حضرت امام غسل کر کے خوشبو لگاتے، پھر تبدیل لباس کر کے نکلتے۔ آپ کے لیے ایک تخت بچھایا جاتا جس پر

بیٹھ کر آپ روایت حدیث کرتے۔ اثنائے روایت میں مجلس میں عود جلایا جاتا۔ یہ تخت صرف روایت حدیث کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جب امام موصوف سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تعظیم کروں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالک کے ساتھ عقیق کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں نے ان سے ایک حدیث کی بابت پوچھا۔ انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور فرمایا کہ مجھے تم سے یہ توقع نہ تھی کہ راستہ چلتے ہوئے مجھ سے حدیث شریف کی بابت سوال کرو گے۔

قاضی جریر بن عبدالحمید نے امام مالک سے حالت قیام میں ایک حدیث کی بابت پوچھا۔ امام موصوف نے ان کے لیے قید کا حکم دیا۔ جب حضرت امام سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ قاضی تا دیب کا زیادہ سزاوار ہے۔

ہشام بن عمار نے امام مالک سے جو کھڑے تھے ایک حدیث پوچھی۔ آپ نے اس کے بیس کوڑے مارے پھر ترس کھا کر بیس حدیثیں روایت کیں یہ دیکھ کر ہشام نے کہا کاش وہ اور کوڑے مارتے اور زیادہ حدیثیں روایت کرتے۔

حضرت ابن سیرین تابعی بعض وقت ہنس پڑتے۔ مگر جب ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا ذکر آتا تو ان پر خشوع طاری ہو جاتا۔

حضرت قتادہ کی نسبت مروی ہے کہ جب وہ حدیث سنتے تو ان کو گریہ واضطراب لاحق ہو جاتا۔ حافظ عبدالرحمن بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) جب حدیث پڑھتے تو حاضرین مجلس کو چپ رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ بھجوائے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی حدیث شریف کی قراءت کے وقت سکوت واجب ہے جیسا کہ حیات شریف میں حضور ﷺ کے قول مبارک کے سننے کے وقت واجب تھا۔

امام مالک کا قول ہے کہ ایک شخص حضرت ابن مسیب کے پاس آیا۔ آپ اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے آپ سے ایک حدیث دریافت کی۔ آپ اٹھ بیٹھے اور حدیث بیان کی۔ اس نے کہا میں چاہتا تھا کہ آپ اٹھنے کی تکلیف نہ فرماتے۔ آپ نے فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ لیٹے ہوئے حدیث شریف بیان کروں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ہم سے حدیثیں بیان کر رہے تھے۔ اثنائے قراءت میں آپ کو ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا۔ آپ کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ مگر آپ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو قطع نہ کیا۔ جب آپ روایت حدیث سے

فارغ ہوئے اور سامعین چلے گئے تو میں نے عرض کیا کہ میں نے آج آپ سے ایک عجیب بات دیکھی ہے۔ فرمایا ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی عظمت و احترام کے لیے صبر کیا۔

(ماخوذ از مواہب و شفاء شریف)

۱- حضرت ابن سیرین تابعی نے حضرت عبیدہ سے آنحضرت ﷺ کے آثار شریفہ کی تعظیم: کہا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال

مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انسؓ یا اہل انسؓ سے ملے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبیدہ نے کہا کہ میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا میرے نزدیک دنیا و ما فیہا سے محبوب تر ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے سر مبارک کے بال منڈواتے تو حضرت ابو طلحہؓ سب سے پہلے آپ کے موئے مبارک لیتے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الوضوء باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان)

۲- حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ کے سر مبارک کو مونڈ رہا تھا۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے۔ وہ سب یہ چاہتے تھے کہ حضور کا جو بال مبارک گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔

(صحیح مسلم، باب قرۃ العین من الناس و تہکم بہ)

۳- حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ (مزدلفہ سے) منیٰ میں آئے۔

اور جمرہ عقبہ میں کنکریاں پھینک کر اپنے مکان پر تشریف لائے۔ پھر آپ نے حجام کو بلایا اور سر مبارک کے داہنی طرف کے بال منڈوائے۔ اور ابو طلحہ انصاریؓ کو بکا عطا فرمائے۔ بعد ازاں

حضور ﷺ نے بائیں طرف کے بال منڈوا کر ابو طلحہ انصاریؓ کو بلا کر عنایت کیے اور ان سے فرمایا کہ یہ تمام بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین، کتاب الناسک، باب الحق)

مرا از زلف تو موئے بسند است
فضولی مے کنم بوئے بسند است

۴- حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے کچھ سرخ رنگ کے بال تھے۔ جو ایک

ڈبیہ کی شکل جلجل میں رکھے ہوئے تھے۔ لوگ ان بالوں سے نظر بد اور دیگر بیماریوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ کبھی تو ان کو پانی کے پیالہ میں رکھتے۔ پھر پانی کو پی لیتے اور کبھی جلجل کو پانی کے

مٹکے میں رکھ دیتے۔ پھر اس پانی میں بیٹھ جاتے۔ یہ ماہی حاصل حدیث بخاری ہے۔

(صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب ما یذکر فی الشیب)

۵- امام بخاری نے تاریخ میں بروایت ابو سلمہ نقل کیا ہے کہ محمد بن عبد اللہ بن زید نے حج سے بیان کیا

کہ میرے والد (عبد اللہ بن زید راعی الاذان) منحر میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔

حضور نے ضحایا تقسیم فرمائے اور اس کو اپنے بالوں میں سے دیا۔ (اصابہ)
طبقات (۴۷) ابن سعد میں اس روایت میں اتنا اور ہے کہ محمد ﷺ مذکور فرماتے ہیں کہ وہ بال
مہندی اور وسمہ سے رنگا ہوا ہمارے پاس موجود ہے۔

۶- حضرت ابو محذورہ (مؤذن اہل مکہ) کے سر کے سامنے کے حصہ میں بالوں کا ایک جوڑا تھا۔
جب وہ زمین پر بیٹھتے اور اس کو کھول دیتے تو بال زمین سے لگ جاتے۔ کسی نے ان سے کہا کہ
ان بالوں کو منڈوا کیوں نہیں دیتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ان کو منڈوانہیں سکتا۔ کیوں کہ
رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک ان کو لگا ہوا ہے۔ (شفاء شریف)

۷- حضرت خالد بن ولید قرشی مخزومی کی ٹوپی جنگ یرموک میں گم ہو گئی۔ انہوں نے کہا کہ تلاش
کرو۔ تلاش کرتے کرتے آخر کر مل گئی۔ لوگوں نے ان سے سبب پوچھا تو فرمایا کہ ایک روز
رسول اللہ ﷺ نے عمرہ ادا فرمایا۔ جب آپ نے سر مبارک منڈوا یا تو لوگ آپ کے موئے مبارک
لینے کے لیے دوڑے۔ میں نے بھی آپ کی پیشانی مبارک کے بال لے کر اس ٹوپی میں رکھ
لیے۔ جس لڑائی میں یہ ٹوپی میرے پاس رہی مجھے فتح نصیب ہوتی رہی۔ (اصابہ ترجمہ خالد بن ولید)
شفاء شریف میں اس طرح ہے کہ حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی میں رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال
تھے۔ وہ ٹوپی کسی غزوہ میں گر گئی۔ حضرت خالد نے اس کے لیے مڑ کر سخت حملہ کیا۔ جس میں بہت سے
مسلمان کام آئے صحابہ کرام نے ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے یہ حملہ ٹوپی کے
لیے نہیں کیا بلکہ موئے مبارک کے لیے کیا تھا جو اس ٹوپی میں تھے کہ مبادا ان کی برکت سے میرے پاس
نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ لگ جائیں۔

۸- آنحضرت ﷺ ام سلیم (والدہ انس) کے ہاں چمڑے کے فرش پر قیلوہ فرمایا کرتے تھے۔ جب
آپ اٹھتے تو وہ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو ایک شیشی میں جمع کر لیتیں اور شانہ کرتے وقت جو
بال گرتے ان کو اور پسینہ مبارک کو سک (۴۸) میں ملا دیتیں۔ حضرت ثمامہ کا قول ہے کہ جب
حضرت انس بن مالک کی وفات کا وقت آیا تو مجھے وصیت کی کہ اس سک میں سے کچھ میرے
حنوط (۴۹) میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(صحیح بخاری کتاب الاستیزان، باب من زار قوماً قتال عندہم)

۹- آنحضرت ﷺ ام سلیم کے گھر میں آ کر ان کے بستر پر قیلوہ فرمایا کرتے اور وہ گھر میں نہ ہوا
کرتیں۔ ایک روز حسب معمول حضور ﷺ ان کے بستر پر سوئے ہوئے تھے۔ جب ان کو خبر ہوئی
تو آ کر دیکھا کہ حضور ﷺ کا پسینہ مبارک بستر پر ایک چمڑے کے ٹکڑے میں پڑا ہوا ہے۔ انہوں نے

اپنے ڈبے میں سے ایک شیشی نکالی اور پسینہ مبارک کو اس میں نچوڑنے لگیں۔ حضور ﷺ کی آنکھ کھلی تو پوچھا کہ ام سلیم! تم کیا کر رہی ہو؟ ام سلیم نے عرض کیا کہ ہم اپنے بچوں کے لیے آپ کے پسینے کی برکت کے امیدوار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا۔

(صحیح مسلم، باب طیب عرقہ ﷺ والستبرک بہ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور اقدس ﷺ کے پسینہ مبارک کو بچوں کے چہرے اور بدن پر مل دیا کرتے تھے۔ جس سے وہ تمام بلاؤں سے محفوظ رہا کرتے تھے۔

۱۰- حضرت ثابت بنائی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خادم حضرت انس بن مالک نے مجھ سے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے بالوں میں سے ایک بال ہے۔ جب میں مرجاؤں تو اسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ چنانچہ میں نے حسب وصیت ان کی زبان کے نیچے رکھ دیا اور وہ اسی حالت میں دفن کیے گئے۔ (اصابہ۔ ترجمہ انس بن مالک)

۱- جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال اور ناخن منگوائے اور وصیت کی کہ یہ میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(طبقات ابن سعد جزء خامس ص ۳۰۰)

۱۱- حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ کے خدام اپنے برتن (جن میں پانی ہوتا) لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ آپ ہر ایک برتن میں اپنا دست مبارک ڈبو دیتے بعض وقت سردی ہوتی تو بھی اسی طرح کرتے۔

(صحیح مسلم باب قربت ﷺ من الناس وتبرکہم بہ وتواضعہ لہم)

۱۲- جب رسول اللہ ﷺ وضو فرماتے تو وضو کے پانی کے لیے حاضرین میں لڑائی تک نوبت پہنچنے لگتی۔

(صحیح بخاری، کتاب الوضوء باب استعمال وضوء الناس)

۱۳- حضرت ابو جحیفہ (وہب بن عبداللہ سوائی) کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ چرمی سرخ قبہ میں تھے۔ میں نے حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ہاتھوں پر ملتا۔ اور جس کو کچھ نہ ملتا دوسرے کے ہاتھ کی تری لے کر مل لیتا۔

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب القبۃ الحمراء من ادم)

۱۵- حضرت طلق بن علی یمامی کا بیان ہے کہ ہم اپنے وطن سے رسول اللہ ﷺ کی طرف نکلے۔ حاضر

خدمت ہو کر ہم نے آپ ﷺ سے بیعت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور عرض کیا کہ

ہمارے وطن میں ہمارا ایک گرجا ہے پھر ہم نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اپنے

وضو کا بچا ہوا پانی عنایت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے پانی طلب فرمایا اور وضو کر کے بقیہ آب کی ایک کلی ہمارے واسطے چھاگل میں ڈال دی۔ اور روانگی کی اجازت دے کر فرمایا کہ جب تم اپنے وطن میں پہنچ جاؤ تو اپنے گرجا کو توڑ ڈالو اور اس کی جگہ پر اس پانی کو چھڑک دو اور گرجا کی جگہ پر مسجد بنا لو۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر مدینہ منورہ سے دور ہے۔ گرمی سخت ہے۔ یہ پانی خشک ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں اور پانی ڈال لینا، برکت زیادہ ہو جائے گی۔

(مشکوٰۃ بحوالہ نسائی۔ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ)

۱۶- ایک روز حضرت خدش بن ابی خدش مکی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک پیالے میں کھانا کھاتے دیکھا۔ انہوں نے آپ ﷺ سے وہ پیالہ بطور تبرک لے لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ جب حضرت خدش کے ہاں تشریف لے جاتے تو ان سے وہی پیالہ طلب فرماتے۔ اسے آب زمزم سے بھر کر پیتے اور اپنے چہرے پر چھینٹے مارتے۔ (اصابہ، ترجمہ خدش)

۱۷- حضرت اسماء بنت عمیسؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے بعض ازواج مطہرات کو رسول اللہ ﷺ کے ہاں بطور عروس بھیجا۔ جب ہم خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے ایک بڑا پیالہ دودھ کا نکالا اور اس میں سے پی کر اپنی بیوی کو دیا۔ وہ بولیں کہ مجھے اشتہا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کر۔ پھر مجھے عنایت فرمایا۔ میں اس پیالہ کو اپنے ہونٹوں پر پھرانے لگی حالانکہ میں پیتی نہ تھی۔ محض بدیں غرض پھراتی تھی کہ میرے ہونٹ اس جگہ سے لگ جائیں۔ جہاں رسول اللہ ﷺ کے ہونٹ مبارک لگے تھے۔ بعد ازاں ہم رسول اللہ ﷺ کی بیوی کو چھوڑ آئے۔ (معجم صغیر طبرانی، اسم عبد الحمید)

۱۸- حضرت عاصم احولؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پیالہ دیکھا جو عریض و عمدہ اور چوب نضار (درخت گزیا شمشاد) کا بنا ہوا تھا۔ وہ ٹوٹ گیا تھا۔ حضرت انس نے اسے چاندی کے تار سے جوڑا ہوا تھا۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ میں نے اس پیالہ میں رسول اللہ ﷺ کو بارہا پانی پلایا ہے۔ بقول ابن سیرین اس میں لوہے کا ایک حلقہ تھا۔ حضرت انس نے چاہا کہ بجائے لوہے کے سونے یا چاندی کا حلقہ بنائیں۔ مگر ابو طلحہ نے کہا کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے بنایا ہوا ہے تبدیل نہ کرنا چاہیے۔ یہ سن کر ویسا ہی رہنے دیا۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الشرب۔ باب الشرب من قدح النبی ﷺ و آئینہ)

یہ پیالہ حضرت نصر بن انسؓ کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم کو خرید گیا۔ امام بخاری سے روایت ہے کہ میں نے اس پیالہ کو بصرہ میں دیکھا اور اس میں پانی پیا ہے۔ (شرح شمائل للبخاری بحوالہ شرح مناوی)

۱۹- ایک وز آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب سقیفہ بنی ساعدہ میں رونق افروز تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت سہل بن سعد سے فرمایا کہ ہمیں پانی پلاؤ۔ چنانچہ حضرت سہل نے ایک پیالہ میں حضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے اصحاب کو پانی پلایا۔ حضرت ابو حازم کا بیان ہے کہ حضرت سہل نے وہی پیالہ ہمارے واسطے نکالا اور ہم نے پانی پیا۔ اس پیالہ کو خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے حضرت سہل سے مانگ کر لے لیا۔ (صحیح مسلم۔ باب اباحت النبیذی الذی لم یحمد ولم یصر مسکراً)

۲۰- رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انیس کو عرفہ میں خالد بن سفیان بن شیخ ہزلی کے قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہ نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر ایک غار میں داخل ہوئے۔ اسی غار پر مکڑی نے جالاتن دیا۔ دشمن جو تعاقب میں آئے انہوں نے وہاں کچھ نہ پایا اور ناامید واپس ہو گئے۔ حضرت عبداللہ غار سے نکل کر اٹھارہ دن کے بعد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور خالد کے سر کو سامنے رکھ کر قصہ بیان کیا۔ حضور ﷺ کے دست مبارک میں عصا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ کو عطا فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا:

تخصر بہذہ فی الجنۃ۔ ”بہشت میں اس پر ٹیک لگانا۔“

وہ عصا حضرت عبداللہ کے پاس رہا۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو وصیت کی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ دفن کر دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (۵۰)۔

۲۱- امام ابن مامون کا بیان ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا۔ ہم اس میں بغرض شفاء بیماروں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ (شفاء شریف)۔

۲۲- رسول اللہ ﷺ کا اونی جبہ کسروانی تھا۔ جس کی جیب اور دونوں چاکوں پر دیبا کی سنجاں تھی۔ یہ جبہ پہلے حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تھا۔ ان کے بعد حضرت اسماء بنت ابی بکر نے لے لیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ اس جبہ کو رسول اللہ ﷺ پہنا کرتے تھے۔ ہم اسے دھو کر بغرض شفاء بیماروں کو پلاتے ہیں۔ (۵۱)

۲۳- حضرت محمد بن جابر کے دادا سیار بن طلق یمامی وفد بنی حنفیہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لائے۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے اپنے قمیص کا ایک ٹکڑا عنایت فرمائیے۔ میں اس کے ساتھ اپنا دل بہلایا کروں گا۔ حضور نے ان کی درخواست منظور فرما کر اپنی قمیص کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایا۔ محمد بن جابر کا بیان ہے کہ میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ ٹکڑا ہمارے پس تھا۔ ہم اسے دھو کر بغرض شفاء بیماروں کو پلایا کرتے تھے۔ (اصابہ ترجمہ سیار بن طلق)

۲۴- جب حضرت ولید بن ولید بن مغیرہ قرشی مخزومی مکہ میں قید سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ میں مرا جاتا ہوں۔ آپ ﷺ مجھے اپنے کسی زائد کپڑے میں جو آپ ﷺ کے جس اطہر پر رہا ہو کفنانا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ان کو اپنی قمیص میں کفنایا۔

(اصابہ، ترجمہ ولید بن ولید بن مغیرہ)

۲۵- حضرت عبداللہ بن حازم کے پاس ایک سیاہ عمامہ تھا۔ جسے وہ جمعہ اور عیدین میں پہنا کرتے تھے۔ لڑائی میں جب فتح پاتے تو بطور تبرک اس عمامہ کو پہنتے اور فرماتے کہ یہ عمامہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے پہنایا تھا۔ (اصابہ)

۲۶- ایوب بن تجارت بروایت ابو عبد اللہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے پاس رسول اللہ ﷺ کا لحاف تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے ان کے دادا کو کہلا بھیجا۔ چنانچہ وہ اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے حضرت عمر بن عبدالعزیز اس سے اپنے چہرے کو ملنے لگے۔ (تاریخ صغیر للبخاری ص ۱۱۱)

۲۷- رسول اللہ ﷺ بعض وقت شفاء بنت عبداللہ قرشیہ عدویہ کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کے گھر میں قیلولہ فرماتے۔ حضرت شفاء نے حضور انور ﷺ کے لیے ایک بچھونا اور ایک چادر بنوائی تھی جس میں آپ سو جایا کرتے۔ وہ بچھونا اور چادر حضرت شفاء کے خاندان میں رہی یہاں تک کہ مروان بن الحکم نے لے لی۔ (استیعاب و اصابہ)

۲۸- جب حضرت کعب بن زہیر نے ایمان لا کر اپنا قصیدہ بانس سعاد پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی چادر اڑھائی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں بروایت سعید بن مسیب نقل کیا ہے کہ یہ وہی چادر ہے جسے خلفاء عیدین میں پہنتے ہیں۔ (انتہی)

ابو بکر بن انباری (متوفی ۱۰ ذی الحجہ ۳۲۸ھ) کی روایت میں ہے کہ جب حضرت کعب اس شعر


پر پہنچے۔

ان الرسول لنور يستضاء به مهند من سيوف الله مسلول

تو آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف چادر مبارک پھینک دی۔ حضرت معاویہ نے اس چادر کے لیے دس ہزار درہم خرچ کیے۔ مگر حضرت کعب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی چادر کے لیے میں کس کو اپنی ذات پر ترجیح نہیں دیتا۔ حضرت کعب کی وفات کے بعد حضرت معاویہ نے ان کے ورثہ سے وہ چادر بیس ہزار درہم ہم کو لے لی۔ ابن انباری کا قول ہے کہ وہی چادر آج تک سلاطین کے پاس ہے۔ (شرح قصیدہ بانس سعاد لابن ہشام المتوفی ۶۱ھ)۔

۲۹- حضرت اہل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت ایک چادر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بنی ہے۔ میں آپ کے پہننے کے لیے لائی ہوں۔ آپ ﷺ کو ضرورت تھی اس لیے آپ ﷺ نے قبول فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے اسے بطور تہبند باندھ کر ہماری طرف نکلے۔ صحابہ میں سے ایک نے دیکھ کر عرض کیا۔ کیا اچھی چادر ہے۔ یہ مجھے پہنا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ مجلس سے اٹھ گئے۔ پھر واپس آئے اور وہ چادر لپیٹ کر اس سائل صحابی کے پاس بھیج دی۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ تو نے اچھا نہ کیا۔ کہ رسول اللہ ﷺ سے اس چادر کا سوال کیا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ ﷺ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔ اس صحابی نے کہا۔ اللہ کی قسم! میں نے صرف اس واسطے سوال کیا کہ میرے مرنے پر یہ چادر میرا کفن بنے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ چادر اس کا کفن ہی بنی۔ (صحیح بخاری، کتاب اللباس باب البرود والجرۃ والشملۃ)

۳۰- حضرت ابو بردہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے ہمیں ایک کملی جو پیوندوں کی کثرت سے نمدہ کی مثل تھی اور ایک مونا تہبند نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں وصال فرمایا۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس، باب الاکسیۃ والنمائن)

۳۱- آنحضرت ﷺ کی خاتم شریف جس میں تین سطریں یوں تھیں:  حضرت ابو بکرؓ کے پاس تھی۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ کے پاس رہی۔ بعد ازاں حضرت عثمان گنی کو ملی۔ جب ان کی خلافت کو چھ برس ہو گئے تو ایک روز وہ چاہا کہ اریس پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ہاتھ میں سے کونیں میں گر پڑی۔ تین دن تلاش کرتے رہے۔ کونیں کا تمام پانی نکالا گیا۔ مگر نہ ملی۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاتم گم ہو گئی تو ان کی بادشاہت جاتی رہی تھی۔ یہی راز حضور ختم المرسلین ﷺ کی خاتم گم ہونے میں تھا۔ چنانچہ اس کے بعد اس فتنہ کا آغاز ہوا جس کا انجام حضرت عثمان غنی کی شہادت پر ہوا۔ (وفاء الوفاء جزء ثانی ص ۱۲۱)

۳۲- آنحضرت ﷺ کی تلوار ذوالفقار حضرت امام زین العابدینؓ کے پاس تھی۔ جب وہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد یزید کے ہاں سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت مسور بن مخرمہ نے حضرت امام سے وہی تلوار مانگی تھی اور عرض کیا تھا کہ ”آپ سے لیں گے۔ جب تک میرے جسم میں جان ہے کوئی مجھ سے نہ لے سکے گا۔“

(صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب ما ذکر من درع النبی ﷺ وعصاه سیفہ الخ)۔

امام اصمعی (متوفی ۲۱۳ھ) ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز میں خلیفہ ہارون رشید کے ہاں گیا۔

انہوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار ذوالفقار دکھائی۔ جس سے بہتر میں نے کوئی تلوار نہیں دیکھی۔

(زرقانی۔ جزء ثالث ص ۳۷۸)

۳۳۔ حضرت عیسیٰ بن طہمان کا بیان ہے کہ حضرت انس بن مالک نے ہمیں دو پرانے نعلین نکال کر دکھائے جن میں سے ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے۔ اس کے بعد حضرت ثابت بنانی نے بروایت انس مجھ سے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نعلین شریفین ہیں۔

(صحیح بخاری۔ باب ما ذکر من درع النبی ﷺ الخ)

۳۴۔ جنگ بدر میں حضرت زبیر نے جو برچھی عبیدہ بن سعید بن عاص کی آنکھ میں ماری تھی۔ وہ یادگار رہی۔ بدیں طور کہ حضرت زبیر سے حضور اقدس ﷺ نے مستعار لی۔ پھر آپ کے چاروں خلفاء کے پاس بطور تبرک منتقل ہوتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس رہی۔ یہاں تک کہ حجاج نے ان کو ۷۳ میں شہید کر دیا۔ (صحیح بخاری باب شہود المسلمۃ بیدر)

۳۵۔ جنگ احد میں حضرت عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ اس تلوار کو عمر جون کہتے ہیں۔ یہ بطور تبرک ان کے خاندان میں رہی۔ یہاں تک کہ بقاتر کی کے ہاتھ جو معتصم باللہ ابراہیم بن ہارون رشید کے امیروں میں سے تھا بغداد میں دوسو دینار میں فروخت ہوئی۔ (زرقانی علی المواہب، جزء چانی، ص ۴۳)

۳۶۔ حضرت عتبان بن مالک انصاری خزرجی کا بیان ہے کہ میری بصارت جاتی رہی۔ میں نے ایک شخص کو بھیج کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ قدم رنجہ فرمائیں اور میرے مکان میں نماز پڑھیں۔ تاکہ میں آپ کی جائے نماز کو مسجد مقرر کر لوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ مع اصحاب تشریف لائے اور آپ نے میرے مکان میں نماز پڑھی۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

۳۷۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ ابو مریم جہنی کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اور وہیں میدان میں نماز پڑھ کر واپس ہو گئے۔ قبیلہ جہینہ کے چند اشخاص نے ابو مریم سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے درخواست کریں کہ حضور بنفس نفیس ہمارے واسطے ایک مسجد کی حد بند کر دیں۔ چنانچہ ابو مریم راستے ہی میں حضور ﷺ سے جا ملے اور عرض کیا کہ آپ ﷺ میری قوم کے لیے ایک مسجد کی حد بندی کر دیں چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے واپس ہو کر بنو جہینہ میں ایک مسجد کی حد بند کر دی۔

(اصابہ، ترجمہ ابو مریم جہنی)

۳۸۔ آنحضرت ﷺ کے منبر شریف کے تین درجے تھے۔ حضور ﷺ سب سے پہلے اوپر کے درجے پر بیٹھے اور درمیانی درجے پر اپنے پاؤں مبارک رکھتے۔ حضور اقدس ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر

صدیقؓ اپنے عہد خلافت میں پاس ادب درمیانی درجہ پر کھڑے ہوتے اور جب بیٹھے تو پاؤں سب سے نیچے کے درجے پر رکھتے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنی خلافت میں سب سے نیچے کے درجے پر کھڑے ہوتے اور جب بیٹھے تو پاؤں زمین پر رکھتے۔ حضرت عثمان غنیؓ اپنی خلافت کے چھ سال حضرت عمر فاروقؓ کی طرح کرتے رہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے جلوس کی جگہ پر چڑھے۔

(وفاء الوفاء جز اول ص ۲۸۰)

کشف الغمہ للشعرانی (جز اول ص ۱۲۱) میں ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کا عہد آیا تو انہوں نے منبر شریف کے درجات زیادہ کر دیئے۔ وہ اوپر کے تین درجوں کو چھوڑ کر زیادت کے پہلے درجہ پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔

۳۹۔ حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا گیا کہ منبر مدینہ میں جو جگہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کی تھی اسے ہاتھ سے مس کیا۔ پھر اس ہاتھ کو اپنے منہ پر پھیر لیا۔ (شفاء شریف و طبقات ابن سعد)

۴۰۔ یحییٰ بن سعید جو امام مالک کے استاد تھے جب عراق کو جاتے تو منبر شریف کے پاس آ کر اسے مس کرتے اور دعا مانگتے۔ (وفاء الوفاء جزء ثانی ص ۲۳۲)

۴۱۔ مسجد نبویؐ میں پہلی آتش زدگی یکم رمضان ۶۵۳ھ میں ہوئی۔ اس میں منبر نبویؐ کا بقایا بھی جل گیا۔ چنانچہ ابوالیسمن بن عسا کر جو آتش زدگی کے وقت زندہ تھے۔ تحفۃ الزائر میں یوں لکھتے ہیں:

”منبر نبویؐ کا بقایا جل گیا۔ اس منبر کو جس پر رسول اللہ ﷺ بیٹھنے کے وقت اپنا دست مقدس رکھا کرتے تھے۔ زائرین مس کیا کرتے تھے اور دو خطبوں کے درمیان اور پیشتر حضور انور منبر کی جس جگہ بیٹھا کرتے تھے اس جگہ کو اور منبر پر رونق افروز ہونے کے وقت جس جگہ پر حضور کے ہر دو قدم ہوا کرتے تھے اس جگہ کو بھی زائرین مس کیا کرتے تھے اب آتش زدگی سے وہ اس برکت عامہ و نفع عائد سے محروم ہو گئے“۔ (وفاء الوفاء، جز اول ص ۲۸۸)

۴۲۔ حضرت اسعد بن زرارہ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک چار پائی بطور ہدیہ پیش کی تھی۔ جس کے پائے ساگوان کی لکڑی کے تھے۔ حضور ﷺ اس پر سویا کرتے تھے۔ جب وفات شریف ہوئی تو حضور ﷺ کو اسی پر رکھا گیا۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کو بھی وفات پانے پر اسی پر رکھا گیا۔ بعد ازاں عمر فاروقؓ کو بھی اسی پر رکھا گیا۔ پھر لوگ بطور تبرک اپنے مردوں کو اسی پر رکھا کرتے تھے۔ یہ چار پائی بنو امیہ کے عہد میں میراث عائشہ صدیقہؓ میں فروخت ہوئی۔ عبداللہ بن اسحاق نے اس کے تختوں کو چار ہزار درہم میں خرید لیا۔

(زرقاتی علی المواہب بحوالہ ابن عماد جزء ثالث ص ۳۸۲)

۳۳- روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے متروکات میں سے بعض چیزیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھیں۔ وہ ایک کمرے میں محفوظ تھیں۔ ابن عبدالعزیز ہر روز ایک بار ان کی زیارت کیا کرتے تھے۔ اشرف میں سے اگر کوئی ان سے ملنے آتا تو اس کو بھی ان کی زیارت کرایا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کمرے میں ایک چارپائی، چمڑے کا تکیہ جس میں خرما کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک جوڑا موزہ۔ (لحاف) چکی اور ایک ترکش تھی جس میں چند تیرتھے۔ لحاف میں آنحضرت ﷺ کے سر مبارک کے میل کا اثر تھا۔ ایک شخص کو سخت بیماری لاحق تھی جس سے شفاء نہ ہوتی تھی۔ ابن عبدالعزیز کی اجازت سے اس میل میں سے کچھ دھو کر بیمار کی ناک میں ٹپکا دیا گیا۔ وہ اچھا ہو گیا۔ (مدارج النبوة، جزء ثانی، ص ۶۰۸)

۳۴- دلائل ابی نعیم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لیے سخت پتھر ایسے نرم ہو گئے کہ غار بن گئے۔ چنانچہ احد کے دن حضور ﷺ نے اپنا سر مبارک پہاڑ کی طرف مائل کیا۔ تاکہ مشرکین سے اپنا جسم مبارک چھپائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے پتھر کو ایسا نرم کیا کہ آپ نے اپنا سر مبارک اس میں داخل کر دیا۔ وہ پتھر اب تک باقی ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ اسی طرح مکہ مشرفہ کے ایک درہ میں حضور ﷺ نے نماز میں ایک سخت پتھر سے فرار پکڑا۔ وہ ایسا نرم ہو گیا کہ آپ ﷺ کے ہر دو بازوئے مبارک نے اس میں اثر کیا۔ وہ پتھر مشہور ہے۔ جو لوگ حج کرنے کو جاتے ہیں اس کی زیارت کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کے لیے شب معراج میں صخرہ بیت المقدس خمیر کی مانند ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے اپنا براق باندھا۔ لوگ آج تک اسے اپنے ہاتھ سے چھوتے ہیں۔ (دلائل النبوة للمحقق ابی نعیم الاصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ ص ۳۱۵)

۳۵- عبدالرحمن بن زید عراقی کا بیان ہے کہ ہم زبدہ میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھایا جو ایسا ضخیم تھا کہ گویا اونٹ کا سم تھا اور فرمایا کہ میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی ہے۔ پس ہم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اسے بوسہ دیا۔ (طبقات ابن سعد۔ جزء رابع، قسم ثانی ص ۳۹)

۳۶- اسماعیل بن یعقوب تیمی روایت کرتے ہیں کہ ابن منکدر (متوفی ۲۰۵ھ) مسجد نبوی کے صحن میں ایک خاص جگہ پر لوٹے اور لیٹے ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ راوی کا قول ہے کہ میرا گمان ہے کہ ابن منکدر نے کہا کہ خواب میں دیکھا۔ (وفاء الوفاء، جزء ثانی، ص ۲۲۵)

امثلہ مذکورہ بالا کے مطالعہ کے بعد کسی مسلمان کو آنحضرت ﷺ کے آثار شریفہ سے تبرک کا انکار

نہیں ہو سکتا۔ اولیاء و علماء جو آنحضرت ﷺ کی برکات کے وارث ہیں۔ ان کے آثار شریفہ میں بھی برکت ہوتی ہے۔ اس سے انکار کرنا حزمان و بد نصیبی کی علامت ہے۔ زیادہ تفصیل کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔
 شیخ الاسلام حافظ ابوالفتح تقی الدین بن دقیق العید (متوفی ۶۰۲ھ) رسول اللہ ﷺ کی مدح میں یوں فرماتے ہیں:

یا سائراً نحو الحجاز مشمراً
 و اذا سهرت الليل في طلب العلى
 فالقصد حيث النور يشرق سطعاً
 قف بالمنازل والمناهل من لدن
 و توخ اثار النبي فضع بها
 و اذا رايت مهابط الوحي التي
 فاعلم بانك مارايت شبيهاها
 اجهد فديتك في المسير وفي السرى
 فحذر اثم حذر امن خدع الكرى
 والطرف حيث تری لثرى متعطرأ
 وادى قباء الى حمى اما لقرى
 متشرفاً خديك في عفر الثرى
 نشرت على الافاق نورا انورا
 مذكنت في ماضى الزمان ولا ترى

”اے حجاز کی طرف تیزی سے چلنے والے میں تجھ پر فدا! تورات دن چلنے میں کوشش کرنا، اور جب تو بزرگیوں کی طلب میں رات کو جاگے تو اونگھ کے فریب سے بچنا پھر بیچتا۔ تو اس جگہ کا قصد کرنا جہاں نور خوب چمک رہا ہے۔ اور جہاں خاک خوشبودار نظر آتی ہے۔ تو ان منازل اور چشموں پر ٹھہر جانا جو وادی قبا کے قریب سے ام القریٰ (مکہ معظمہ) کے سبزہ زار تک ہیں۔

اور نبی (ﷺ) کے آثار کا قصد کرنا اور ان کی زیارت سے۔

مشرق ہوتے ہوئے وہاں اپنے ہر دور خسار کو روئے خاک پر رکھ دینا۔

اور جب تو وحی کے اترنے کی جگہوں کو دیکھے جنہوں نے

تمام دنیا پر نور انور پھیلا دیا ہے۔

تو جان لینا کہ تو نے اپنی گزشتہ عمر میں ان کی مثل نہیں دیکھا اور نہ آئندہ دیکھے گا۔“

(نوات الوفيات، ترجمہ ابن دقیق العید)

مومنوں پر واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا

۴۔ درود شریف و زیارت قبر شریف: کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا

تَسْلِيمًا (احزاب۔ ۷۷)

”تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔“

اس آیت میں تاکید کے لیے جملہ اسمیہ لایا گیا ہے۔ جس کے شروع میں بغرض تاکید مزید حرف تاکید مذکور ہے۔ اس جملہ کی خبر فعل مضارع ہے جو افادہ استمرار تجدیدی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اور میرے تمام فرشتے (جن کی گنتی مجھے ہی معلوم ہے) پیغمبر پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی اس وظیفہ میں میری اور میرے فرشتوں کی اقتداء کرو۔

واضح رہے کہ خدا کے درود بھیجنے سے مراد رحمت کا نزول کرنا اور فرشتوں اور مومنوں کے درود سے مراد ان کا بارگاہ رب العزت میں تضرع و دعاء کرنا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاک ﷺ پر رحمت و برکت نازل فرمائے۔

مومنوں کی طرف دے درود بھیجنے میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہے اور بھیجنے والوں کا بھی فائدہ ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ مسلمانو! رسول اللہ ﷺ کی اس شان محبوبیت اور عظمت جاہ کو دیکھیے کہ امت کا ایک بندہ حقیر ذلیل حبیب خدا ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو اس کا بدلہ خود رب جلیل جل شانہ دیتا ہے۔ اور ایک کے مقابلہ میں دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے طفیل سے یہ شرف اسی امت کو عطا ہوا ہے۔ کیوں کہ اس امت کے سوا کسی اور امت کو اپنے پیغمبر پر درود و سلام بھیجنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

درود شریف کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ درود شریف اجابت دعا کا ذریعہ ہے۔ کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کا توسل بالنبی ﷺ ہے۔ دلائل الخیرات شریف میں ہے کہ حضرت ابوسلمان عبدالرحمن بن عطیہ درانی (متوفی ۲۱۵ھ) نے فرمایا کہ جب تم خدا تعالیٰ سے کچھ مانگو تو دعا سے پہلے اور پیچھے درود شریف پڑھ لیا کرو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ دونوں طرف کے درود شریف کو تو اپنے کرم سے قبول کر ہی لیتا ہے۔ اور یہ اس کے کرم سے بعید ہے کہ درمیان کی چیز کو رد کر دے۔ علامہ فاسی شرح دلائل الخیرات میں لکھتے ہیں کہ بعض کے نزدیک امام دارانی کے قول مذکور کا تمہ یوں ہے۔ ”اور ہر ایک عمل مقبول ہوتا ہے یا مردود سوائے درود شریف کے کہ وہ مقبول ہی ہوتا ہے، مردود نہیں ہوتا۔“ امام باجی نے بروایت ابن عباس نقل کیا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگو تو اپنی دعا میں درود شریف شامل کرو۔ کیوں کہ درود شریف مقبول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ بعض کو رد کرے۔ شیخ ابو طلب کی نے یہ حدیث نقل کی ہے، کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگو تو پہلے درود شریف پڑھو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ اس سے دو حاجتیں مانگی جائیں۔ جن میں سے ایک کو پورا کر دے اور دوسرے کو رد کر دے

اس روایت کو امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے۔ امام عراقی نے کہا کہ میں نے اس روایت کو مرفوع نہیں پایا۔ وہ ابوالدرداء پر موقوف ہے شفاء شریف میں ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ درود شریف کے درمیان کی دعاء رد نہیں کی جاتی۔ ابو محمد جبر نے اس روایت کو کتاب شرف المصطفیٰ سے منسوب کیا ہے۔ کذا فی مطالع المسرات۔

علامہ شامی نے سلف کے قول (کہ درود شریف کبھی رد نہیں ہوتا) کی تاویل و تفسیح یوں کی ہے کہ درود شریف (اللہم صل علی محمد) دعا ہے اور دعا کبھی مقبول ہوتی ہے اور کبھی مردود۔ مگر درود شریف عموم دعا سے مستثنیٰ ہے۔ کیوں کہ نص قرآنی سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر درود بھیجتا رہتا ہے۔ اس نے اپنے مومن بندوں پر احسان کیا ہے کہ ان کو بھی درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ ان کو زیادہ فضل و شرف حاصل ہو جائے۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ کو تو اپنے پروردگار کا درود ہی کافی ہے۔ پس مومن کا اپنے رب سے طلب درود کرنا قطعاً مقبول ہے۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ خود خبر دے رہا ہے کہ میں اپنے رسول پر درود بھیجتا رہتا ہوں۔ باقی تمام دعائیں اور عبادتیں اس کے برعکس ہیں۔ لہذا درود شریف کے مقبول ہی ہونے کی سند نص قرآنی ہے۔ رہا اس پر ثواب کا ملنا، سو وہ چند عوارض سے مشروط ہے۔ اور وہ عوارض یہ ہیں۔ قلب غافل سے پڑھنا، ریاء و سمعہ کے لیے پڑھنا کسی حرام چیز پر استعمال کرنا وغیرہ۔ کذا فی رد المحتار۔ آنحضرت ﷺ کے روضہ شریف کی زیارت بالا جماع سنت اور فضیلت عظیمہ ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ جن میں سے چند وفاء الوفاء سے یہاں پیش کی جاتی ہیں:

۱- مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ-

۲- مَنْ زَارَ قَبْرِي حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ-

۳- مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَا تَحْمِلُهُ حَاجَةٌ إِلَّا زَيَّارَتِيْ كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ-

۴- مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ وَفَاتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِيْ-

۵- مَنْ حَجَّ الْبَيْتِ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِيْ-

۶- مَنْ زَارَنِي إِلَى الْمَدِيْنَةِ كُنْتُ لَهُ شَهِيدًا وَشَفِيْعًا-

۷- مَنْ زَارَ قَبْرِي أَوْ مَنْ زَارَنِي كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا أَوْ شَهِيدًا وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْأَمِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ-

۸- مَنْ زَارَنِي مُتَعَمِّدًا كَانَ فِي جَوَارِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ-

۹- مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَمَاتِي فَكَأَنَّ لَمَّا زَارَنِي فِي حَيَاتِيْ. وَمَنْ مَاتَ بِأَحَدِ

الحرمین بعث من الامین یوم القیمة۔

۱۰۔ من حج الی مکة ثم قصدنی فی مسجدی کتب له حجتان مبرورتان۔
”جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ اس کے لیے میری شفاعت ثابت ہوگئی۔“

(دارا قطنی و بہتئی وغیرہ)

”جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ اس کے واسطے میری شفاعت ثابت ہوگئی۔“ (بزار)
”جو میری زیارت کو اس طرح آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی اور چیز اس کو نہ لاتی تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن میں اس کا شفیع ہوں گا۔“ (کبیر اوسط طبرانی۔ امالی دارا قطنی وغیرہ)
جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی۔ وہ مثل اس کے ہے جس نے میری زندگی میں زیارت کی۔ (دارا قطنی و طبرانی وغیرہ)

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ستم کیا۔ (کامل ابن عدی)
جس نے مدینہ میں آکر میری زیارت کی۔ میں اس کے لیے گواہ اور شفیع ہوں گا۔ (سنن دارا قطنی)
”جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ (یا فرمایا) جس نے میری زیارت کی۔ میں اس کے لیے شفیع یا گواہ ہوں گا۔ اور جو شخص حرمین میں سے ایک میں مر گیا۔ اللہ عزوجل اس کو قیامت کے دن امن والوں میں اٹھائے گا۔“ (ابوداؤد، طیالسی)

”جس نے بالقصد میری زیارت کی۔ وہ قیامت کے دن میری پناہ میں ہوگا۔“ (ابو جعفر عقیلی)
”جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی۔ اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اور جو حرمین شریفین میں سے ایک میں مر گیا وہ قیامت کے دن امن والوں کے زمرہ میں اٹھایا جائے گا۔“ (دارا قطنی وغیرہ)

”جس نے مکہ میں حج کیا۔ پھر میری مسجد میں میری زیارت کی۔ اس کے لیے دو مقبول حج لکھے گئے۔“ (مسند فردوس)

احادیث مذکورہ بالا کے علاوہ کتاب اللہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:
وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (نساء، ۹۷)

”اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تیرے پاس آتے ہیں خدا سے بخشش مانگتے۔ اور پیغمبران کے لیے بخشش مانگتا تو وہ خدا کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔“

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ مگر

قبول توبہ کے لیے ایک تیسرے امر (گنہگار ان امت کے لیے استغفار رسول) کی بھی ضرورت بیان ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا تمام مومنوں کے لیے طلب و مغفرت فرمانا تو ثابت ہی ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کو حکم الہی یوں ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لَذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔

”گناہ کے لیے اور مومنوں اور مومنات کے لیے بخشش مانگ۔“

ظاہر بالبداہت ہے کہ حضور ﷺ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پس اگر باقی دو امر (گنہگاروں کا بغرض توسل حاضر خاند ہونا اور طلب مغفرت کرنا) پائے جائیں تو وہ مجموعہ مستحق ہو جائے گا جو موجب قبول توبہ و رحمت الہی ہے۔

آیت زیر بحث میں استغفر لہم کا عطف جاؤک پر ہے۔ اس لیے میں اس کا مقتضایہ نہیں کہ استغفار رسول استغفار عاصیان کے بعد ہو۔ علاوہ ازیں ہم تسلیم نہیں کرتے کہ حضور ﷺ وفات شریف کے بعد گنہگار ان امت کے لیے طلب مغفرت نہیں فرماتے۔ کیوں کہ حضور ﷺ (بلکہ تمام انبیاء کرام علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام) وفات شریف کے بعد زندہ ہیں اور عاصیان امت کے لیے طلب مغفرت فرماتے ہیں۔ چنانچہ بزار نے صحیح راویوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حیاتی خیر لکم تحدّ ثون و احدث لکم و وفاتی خیر لکم تعرض علیّ
اعمالکم فما رایت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رایت من شرّ استغفرت
اللہ لکم۔

”میری زندگی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم مجھ سے (حلال و حرام) پوچھتے ہو۔ میں تمہیں (بذریعہ وحی) (احکام سناتا ہوں۔ اور میری وفات بھی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش ہوا کریں گے۔ میں اچھے عملوں کو دیکھ کر اللہ کا شکر کروں گا اور برے عملوں کو دیکھ کر تمہارے واسطے مغفرت کی دعا کیا کروں گا۔“

پس آنحضرت ﷺ نے حیات شریف ہی میں عاصیان امت کو بشارت دے دی کہ میں وفات شریف کے بعد ان کے لیے استغفار کیا کروں گا۔ اور حضور ﷺ کے کمال رحمت سے معلوم ہے کہ جو شخص اپنے رب سے طلب مغفرت کرتا ہوا حضور ﷺ کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوتا ہے آپ کے لیے استغفار فرماتے ہیں۔ اسی واسطے علماء کرام نے تصریح فرمادی ہے کہ حضور کا یہ رتبہ آپ ﷺ کی وفات شریف سے منقطع نہیں ہوا۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس آیت کا حکم آنحضرت ﷺ کی حالت شریف کے ساتھ ہی مختص ہے وہ غلطی پر ہے۔ کیوں کہ یہ اصولی قاعدہ ہے کہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ مورد خاص کا۔ صحابہ کرام اور تابعین عموم الفاظ قرآنی سے حجت پکڑتے رہے۔ باوجودیکہ وہ آیتیں خاص موقعوں پر نازل ہوئیں۔ (اتقان للسیوطی) اسی طرح آیت زیر بحث اگرچہ ایک خاص قوم کے حق میں حیات رسول اللہ ﷺ میں نازل ہوئی۔ لیکن جہاں یہ وصف (عاصیان امت کا حضور سیدالابرار کی بارگاہ میں گناہوں کی معافی کے لیے حاضر ہونا) پایا جائے گا عموم حالت کے موافق اس کا حکم بھی عام اور ہر دو حالت حیات و بعد الوفا کو شامل ہوگا۔ چنانچہ علمائے کرام نے عموم سے ہر دو حالتیں سمجھی ہیں۔ اور جو شخص قبر شریف پر حاضر ہو اس کے واسطے مستحب خیال کیا ہے کہ وہ اس آیت کو پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے۔ امام عسکری (امام شافعی کے استاد) کی حکایت اس بات میں مشہور ہے۔ اور مذاہب اربعہ کے علماء نے اسے اپنے مناسک میں نقل کیا ہے اور اسے مستحسن سمجھ کر آداب زیارت میں شامل کیا ہے (۵۲)۔ ہم اس حکایت کو ان شاء اللہ تعالیٰ بحث تو سل میں لائیں گے۔

صحابہ کرام کے زمانہ میں آج تک اہل اسلام حضور اقدس ﷺ کے روضہ شریف کی زیارت اور حضور ﷺ سے توسل و استغاثہ کرتے رہے ہیں۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل بیت المقدس سے صلح تو کعب احبار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ حضرت فاروق اعظم ان سے خوش ہوئے اور فرمایا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ مدینہ منورہ چلو اور آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کی زیارت سے فائدہ اٹھاؤ۔ حضرت کعب احبار نے جواب دیا کہ ہاں (زر قانی علی المواہب)۔

حافظ ابو عبد اللہ محمد بن موسیٰ بن نعمان اپنی کتاب مصباح المظالم میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابو سعید سمعانی نے بروایت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن شریف کے تین دن بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا۔ اس نے اپنے آپ کو قبر شریف پر گرا دیا۔ اور قبر شریف کی کچھ مٹی اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا وہ ہم نے سن لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا جس میں ارشاد فرمایا۔ ولو انهم اذ ظلموا ان نسهم۔ الایۃ میں نے ظلم کیا۔ میں آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ میرے حق میں طلب مغفرت فرمائیں۔ قبر شریف سے آواز آئی کہ تجھے بخش دیا گیا (۵۳)۔

مسند امام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ میں بروایت امام منقول ہے کہ حضرت ایوب سختیانی تابعی آئے۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے نزدیک پہنچے تو اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف اور منہ حضور اقدس ﷺ کے چہرے کی طرف کر لیا۔ اور روئے (۵۴)۔ توسل کی دیگر مثالیں عنقریب مذکور ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ذیل میں چند آداب زیارت بیان کیے جائے ہیں۔ زائرین کو چاہیے کہ ان کو ملحوظ رکھیں۔

۱- زائرین کو مناسب ہے کہ زیارت روضہ شریف کے ساتھ مسجد نبوی کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے کی بھی نیت کریں۔ اگر مجرد زیارت کی نیت کریں تو اولیٰ ہے۔ دوسری بار اگر موقع ملے تو ہر دو کی نیت کریں۔

۲- مدینہ منورہ کے راستہ میں درود و سلام کی کثرت رکھیں۔

۳- راستے میں مساجد اور آثار شریف جو رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہیں ان کی زیارت کریں اور ان میں نماز پڑھیں۔

۴- جب مدینہ منورہ کے مکانات نظر آنے لگیں تو پاس ادب پیدل ہو جائیں اور درود و سلام بھیجیں اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے یا داخل ہو کر غسل کریں اور تبدیل لباس کر کے خوشبو لگائیں۔

۵- پہلے مسجد نبوی میں داخل ہو کر دو رکعت تحیۃ المسجد دو گانہ شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے دروازے پر پہنچا دیا۔

۶- دو گانہ شکر کے بعد روضہ شریف پر حاضر ہوں۔ زیارت کے وقت اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف اور منہ حضور ﷺ کے چہرہ کی طرف کریں۔ اور جالی مبارک کے قریب کھڑے ہو کر نہایت ادب و خشوع سے سلام عرض کریں۔ اور اگر کسی دوست وغیرہ سے حضرت نبوی میں سلام بھیجا ہو تو اس کی طرف سے سلام پہنچائیں۔

۷- حضور اقدس ﷺ کے سلام سے فارغ ہو کر ایک ہاتھ اپنی دائیں طرف کو ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کریں۔ پھر ایک ہاتھ اور دائیں طرف ہٹ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کریں۔

۸- بعد ازاں اپنی جگہ پر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر درود و سلام عرض کریں۔ پھر گناہوں سے توبہ کر کے حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگیں۔

۹- ایام قیام مدینہ منورہ میں نماز فرض ہو یا نفل مسجد نبوی میں پڑھا کریں۔

۱۰- مسجد قبا میں جا کر نماز پڑھیں اور آنحضرت ﷺ کے آثار شریف و دیگر مزارات کی زیارت کریں۔

بعض لوگ انبیاء کرام اور اولیاء و شہداء عظام کے مشاہد و مقابو
حدیث لا تشد الرحال کی بحث: کی طرف سفر کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور حدیث لا تشد

الرحال کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہابیہ کے مورث اعلیٰ ابن تیمیہ نے تو کھلے الفاظ میں فتویٰ دے دیا

کہ حضور سید المرسلین ﷺ کے روضہ شریف کی زیارت کے قصد سے سفر کرنا سفر معصیت ہے جس میں نماز قصر نہ کرنی چاہیے۔ بنا بریں زائرین کے علاوہ فرشتے بھی جو ہر روز صبح و شام آسمان سے اتر کر روضہ شریف پر حاضر ہوتے اور درود شریف پڑھتے ہیں اسی معصیت میں مبتلا ہیں۔ یہ حضور رسول اکرم ﷺ کی جناب میں کمال درجے کی گستاخی ہے۔

ابن تیمیہ کے اس فتوے سے شام و مصر میں بڑا فتنہ برپا ہوا۔ شامیوں نے ابن تیمیہ کے بارے میں استفتاء کیا۔ علامہ برہان بن کاح فزاری نے قریباً چالیس سطر کا مضمون لکھ کر اسے کافر بتایا۔ علامہ شہاب بن جہبل، نے اس سے اتفاق کیا۔ مصر میں یہی فتویٰ مذاہب اربعہ کے چاروں قضاة پر پیش کیا گیا۔ بدر بن جماع شافعی نے لکھ دیا کہ مفتی یعنی ابن تیمیہ کو ایسے فتاویٰ باطلہ سے بزدلوں کو منع کیا جائے۔ اگر باز نہ آئے تو قید کیا جائے۔ محمد بن جریر انصاری حنفی نے لکھا کہ اس وقت بلا کسی شرط کے قید کیا جائے۔ محمد بن ابی بکر مالکی نے کہا کہ اسے اس قسم بزدلوں کو منع کیا جائے کہ ایسے مفاسد سے باز آ جائے۔ احمد بن عمر مقدسی حنبلی نے بھی ایسا ہی لکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابن تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ میں دمشق میں قلعہ میں قید کیا گیا اور قید ہی میں ۲۰ ذی قعدة الحرام ۷۲۸ھ کو اس دنیا سے رخصت ہوا (۵۵)۔

حدیث زیر بحث صحیح بخاری کے باب فصل الصلوٰۃ فی مسجد مکتہ والمدینۃ میں بروایت ابو ہریرہ وارد ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد المسجد الحرام و مسجد الرسول
والمسجد الاقصی۔

”کجاوے نہ باندھے جائیں مگر تین مسجدوں یعنی مسجد حرام و مسجد رسول و مسجد اقصیٰ کی
طرف۔“

اور باب مسجد بیت المقدس میں بروایت ابوسعید خدری بدیں الفاظ مذکور ہے۔

اسی طرح امام مسلم نے حدیث ابو ہریرہ کو باب فضل المساجد الثلثہ میں اور حدیث ابوسعید خدری کو باب سفر المرأة مع محرم الی الحج وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ حدیث ابوسعید خدری مشکوٰۃ شریف میں باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ میں مذکور ہے۔

مختلف ابواب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث زیر بحث میں بہ نسبت دیگر مساجد کے مساجد ثلاثہ میں نماز کی فضیلت کا بیان ہے۔ کیوں کہ یہ تینوں مساجد ان فضائل سے مختص ہیں جو دوسری مسجدوں میں نہیں پائے جاتے۔ لہذا اس حدیث کو مشاہد و مقابر سے کوئی تعلق نہیں۔ اس مدعا کے اثبات کے لیے ہم وجودہ ذیل پیش کرتے ہیں:

1- حدیث زیر بحث میں استثناء مفرغ ہے۔ پس اس کے لیے ایسے عام مستثنیٰ منہ کی تقدیر کی ضرورت ہے جو مستثنیٰ اور غیر کو شامل ہو۔ اور مستثنیٰ سے مناسبت قریبہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ نوع مفرد سے اور جنس نوع سے۔ اسی واسطے ماجاء فی الازید میں شی یا جسم یا حیوان کو مقدر نہیں کرتے بلکہ، رجل یا احد کو مقدر کرتے ہیں۔ اور ما کسوتہ الاجبۃ میں کسوت کو اور ماصلیت الا فی المسجد میں فی مکان یا فی موضع کو مقدر کیا جاتا ہے (مطول و حواشی) پس صورت زیر بحث میں مستثنیٰ منہ ایسا ہونا چاہیے جو مساجد ثلاثہ اور دیگر مساجد کو شامل اور مساجد کے ساتھ نسبت قریبہ رکھتا ہو۔ اور وہ سوائے لفظ مسجد کے اور کوئی نہیں۔

2- حدیث زیر بحث کی ترجمہ باب بخاری سے مطابقت اور اسی باب کی دوسری حدیث سے مناسبت و مطابقت صاف بتا رہی ہے کہ مستثنیٰ منہ مسجد ہے۔ کیوں کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ باب مکہ و مدینہ میں نماز کی فضیلت کے بارے میں باندھا ہے۔ اس باب کی پہلی حدیث (لا تشد الرحال) میں مقصود مساجد ثلاثہ میں نماز کی فضیلت بہ نسبت دیگر مساجد کے تاکہ ترجمہ باب کے مطابق ہو۔ یہ نہ کہا جائے کہ پہلی حدیث میں لفظ صلوة نہیں ہے۔ کیوں کہ مساجد ثلاثہ کی طرف رحلت سے مراد ان میں نماز کا قصد ہے۔ اسی باب کی دوسری حدیث بھی حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلوة فی مسجدی ہذا خیر من الف صلوة فی ما سواہ الا المسجد الحرام (میری اس مسجد میں نماز بہتر ہے۔ ہزار نمازوں سے دوسری مسجدوں میں سوائے مسجد حرام کے) ترجمہ باب کے مطابق ہے۔ اور پہلی حدیث کے معنی کو ظاہر کرتی ہے اور نص ہے۔ اس امر پر کہ ادائے نماز پر تضاعف ثواب میں مساجد ثلاثہ کو دیگر تمام مساجد پر فضیلت ہے کیوں کہ الا المسجد الحرام کا مستثنیٰ منہ مساجد ہے جو بعض روایات میں صراحتاً مذکور ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔ عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ صلوة فی مسجدی ہذا خیر من الف صلوة فی غیرہ من المساجد الا المسجد الحرام۔ اور مسلم ہی میں حدیث میمونہ میں ہے۔ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول صلوة فیہ افضل من الف صلوة فیما سواہ من المساجد الا المسجد الکعبۃ۔ پس ظاہر ہوا کہ حدیث لا تشد الرحال میں مستثنیٰ منہ مسجد ہے۔ لہذا مساجد ثلاثہ سوا دنیا کی کسی مسجد کی طرف بقصد نماز سفر کرنا ممنوع ہے۔ اور جو کسی اور ضرورت کے لیے ہو وہ ممنوع نہیں۔

3- حدیث زیر بحث کے بعض طرق پر مراد مقصود کی تصریح اور مستثنیٰ منہ کا ذکر موجود ہے۔ اور وہ مسند امام احمد میں یوں مذکور ہے:

عربی: هاشم حدثني عبد الحميد حدثني شهر سمعت ابا سعيد الخدري و
 ذكر عنده صلوة في الطور فقال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا
 ينبغي للمطى ان تشد رحاله الى مسجد يبتغى فيه الصلوة غير المسجد
 الحرام والمسجد الاقصى والمسجد هذا۔ (تسطواني وعمدة القاري)

”(بخذف اسناد) شہر (بن حوشب) کا بیان ہے کہ میں نے سنا ابا سعید خدری کو اور ان
 کے پاس طور میں نماز کا ذکر آیا۔ پس کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے شتران سواری کے
 کجاوے کسی مسجد کی طرف بقصد نماز نہ باندھے جانے چاہئیں۔ سوائے مسجد حرام اور مسجد
 اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔ اتنی پس حدیث زیر بحث کی تفسیر حدیث ہی سے ہوگئی اور یہ
 بہترین تفسیر ہے۔“

4- حدیث زیر بحث کی شرح میں جمہور محدثین و شراح اور اکابر فقہائے حنفیہ و شافعیہ کے اقوال ہیں جو
 ہمارے مدعا کے موید ہیں نظر بر اختصار ہم ان کو یہاں نقل نہیں کرتے۔ جسے شوق ہو وہ فتح الباری،
 عمدة القاری، ارشاد الساری، نووی علی المسلم، احیاء العلوم للغزالی اور جذب القلوب للشیخ عبدالحق
 الدہلوی وغیرہ میں دیکھ لے۔

خلاصہ مضمون یہ ہوا کہ حدیث لا تشد الرحال مساجد کے بارے میں ہے اس کی رو سے مساجد
 ثلاثہ کی طرف بدیں غرض سفر کرنا ان میں نماز ادا کرنے سے تضاعف ثواب حاصل ہو جائز ہے۔ دنیا کی
 کسی اور مسجد کی طرف اس غرض کے لیے سفر کرنا چاہیے۔ کیوں کہ وہ درجہ میں متساوی ہیں۔ کسی کو کسی پر
 باعتبار کثرت ثواب فضیلت نہیں۔ ہاں کسی اور مطلب کے لیے دوسری مساجد کی طرف بھی سفر کرنا جائز
 ہے۔ مثلاً کسی مسجد میں کوئی بزرگ رہتے ہیں۔ ان کی زیارت یا ان کے استفاضہ کے لیے اس مسجد کی
 طرف سفر کرنا جائز ہے۔ اسی طرح کسی مسجد کے ضائع غریبہ کو دیکھنے کے لیے سفر کرنا بھی ممنوع نہیں
 ہے۔ مقابر و مشاہد انبیاء کرام و اولیائے عظام کی زیارت کے لیے سفر کرنا حدیث زیر بحث کی نہی کے
 تحت میں داخل نہیں۔ بلکہ جائز و مشروع و مستحب اور موجب خیر و برکت ہے۔ جب حوائج دنیا کے لیے
 سفر کرنا بالاتفاق جائز ہے تو حوائج آخرت بالخصوص ان میں سے جو اکد ہے۔ یعنی حضور سید الاولین
 والآخرین امام المرسلین خاتم النبیین سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے روضہ منورہ کی زیارت کے
 لیے سفر کرنا بطریق اولیٰ جائز و مستحسن ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد مبارک سے اس وقت تک مسلمانوں
 کا اسی پر عمل رہا ہے۔ اس کا انکار حرمان و شقاوت کی علامت ہے۔

آنحضرت ﷺ کے وسیلہ سے بارگاہِ الہی میں دعا کرنا مستحسن خاتمہ در بحث استغاثہ و توسل: ہے۔ اس کو مختلف الفاظ توسل و استغاثہ و تشفع و توجہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض وقت توسل بالنبی ﷺ یوں ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز طلب کی جائے بدیں معنی کہ آپ ﷺ اس میں سبب پر قادر ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں یا شفاعت فرمائیں۔ اس کا مطلب بھی حضور ﷺ سے طلب دعا ہے۔

حضور ﷺ سے توسل و استغاثہ فعل انبیاء و مرسلین علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور سیرت سلف صالحین ہے۔ اور یہ توسل حضور اقدس ﷺ کی ولادت شریف سے پہلے، ولادت شریف کے بعد عالم برزخ میں اور عرصات قیامت میں ثابت ہے۔ جس کی توضیح ذیل میں کی جاتی ہے۔

ولادت شریف سے پہلے توسل: جب حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی تو انہوں نے آخر کار یوں دعا کی:

یا رب اسئلك بحق محمد لما غفرت لی۔

”اے میرے پروردگار! میں تجھے سے بحق محمد ﷺ سوال کرتا ہوں کہ میری خطا معاف کر دے۔“

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تو نے محمد ﷺ کو کس طرح پہچانا۔ حالانکہ میں نے ان کو پیدا نہیں کیا۔ حضرت آدم نے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ پس میں جان گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کو ذکر کیا ہے جو تیرے نزدیک محبوب ترین خلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم! تو نے سچ کہا۔ وہ میرے نزدیک احب الخلق ہیں۔ چونکہ تم نے ان کے وسیلہ سے دعاء مانگی ہے۔ میں نے تم کو معاف کر دیا۔ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے۔ میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(حاکم و طبرانی)

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود اپنے دشمنوں پر فتح پانے کے لیے دعا میں حضور انور ﷺ ہی کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہے:

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا (بقرہ۔ ع ۱۱)

”اور وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔“

حافظ ابو نعیم نے دلائل میں عطا و ضحاک کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے یہودی بنی قریظہ و نصیر کافروں پر فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔

اور دعا میں یوں کہا کرتے تھے۔

اللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَنْصِرُكَ بِحَقِّ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ اِن تَنْصِرْنَا عَلَيْهِمْ۔

”خدا یا! ہم تجھ سے بحق نبی امی دعا مانگتے ہیں کہ تو ہم کو ان پر فتح دے اور فتح پایا کرتے

تھے۔“ (تفسیر درمنثور للسيوطی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی حیات شریف میں دیگر

۲۔ حیات شریف میں توسل: حاجات کی طرح آپ ﷺ سے طلب دعاء و طلب شفاعت

بروز قیامت یا طلب دعا مغفرت بھی کیا کرتے تھے۔ صرف چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

اگر زیادہ مطلوب ہوں تو شفاء السقام کا مطالعہ کیجئے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان

یشفع لی یوم القیمة فقال انا فاعل فقلت یا رسول اللہ ابن اطلبک قال

اطلبنی اول ما تطلبنی علی الصراط قلت فان لم القک علی الصراط قال

فاطلبنی عند المیزان قلت فان لم القک عند المیزان قال فاطلبنی عند

الحوض فانی لا اخطی هذا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی باب الحوض و اشفاعتہ)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ

قیامت کے دن میری شفاعت فرمادیجئے فرمایا میں کروں گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول

اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں فرمایا پہلے مجھے صراط پر ڈھونڈنا۔ میں نے عرض کیا۔

اگر میں آپ ﷺ کو وہاں نہ پاؤں فرمایا کہ پھر میزان کے پاس ڈھونڈنا، میں نے عرض

کیا اگر میزان کے پاس آپ ﷺ کو نہ پاؤں۔ فرمایا تو پھر حوض کے پاس مجھے ڈھونڈنا،

کیوں کہ میں ان تین جگہوں کو نہ چھوڑوں گا۔“

۲۔ حضرت سواد بن قارب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایمان لاتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

وکن لی شفیعاً یوم لا زو شفاعۃ بمغن فتیلاً عن سواد بن قارب۔

”اور آپ ﷺ میرے شفیع بنیں جس دن سواد بن قارب کو کوئی شفاعت کرنے والا ذرا

بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔“

۳۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف حسب عادت تجارت کے لیے یمن گئے ہوئے تھے۔ آپ کی غیر

حاضری میں نبی ﷺ مبعوث ہوئے۔ عسکلان بن عواکن حیری نے سن کر اپنے ایمان کا اظہار

اشعار میں کیا۔ وہ اشعار حضرت عبدالرحمن کی وساطت سے خدمت اقدس میں ارسال کیے۔ ان

میں سے دو شعر یہ ہیں:

اشهد بالله رب موسى انك ارسلت بالبطح فكن شفيعى الى ملك يد
عوا البرايا الى الصلاح۔

”میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں جو موسیٰ کا رب ہے کہ آپ ﷺ وادی مکہ میں رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں پس آپ ﷺ میرے شفیع بنیں اس بادشاہ کی طرف جو خلائق کو نیکی کی طرف بلاتا ہے۔“
آنحضرت ﷺ نے یہ اشعار سن کر فرمایا:

اما ان اخا حمير من خواص المؤمنين و رب مومن بى و لم يرنى و مصدق
بى و ما شهد فى اولئك اخوانى حقاً۔

”آگاہ رہو۔ بے شک حمیری بھائی خواص مومنین سے ہیں۔ اور بعض مجھ پر ایمان لانے والے ہیں حالانکہ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا اور میری تصدیق کرنے والے حالانکہ وہ میرے پاس حاضر نہیں ہوئے۔ وہ حقیقت میں میرے بھائی ہیں۔“

۴۔ حضرت مازن بن عمرو بن عدس نے اپنی ایک بستی میں ایک بت کی خدمت کیا کرتے تھے۔
آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر سن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ آپ نے بارگاہ رسالت میں اپنی بے اعتدالیوں کا ذکر کیا اور طالب دعا ہوئے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کی دعا کی برکت سے وہ رذائل مبدل بفصائل ہو گئے۔ اس بارے میں آپ نے یہ اشعار کہے ہیں:

اليك رسول الله حششت مطيتي تجرب الفيافي من عمان الى العرج
لتشفع لى ياخير من وطى الحصا فيغفر لى ذنبى وارجع بالفلاح
الى معشر جانب فى الله دينهم فلا رايهم راي ولا شرجهم شر جى
(اصابہ۔ بحوالہ طبرانی ذہبی وغیرہ۔ نیز استیعاب ابن عبدالبر)

”یا رسول اللہ! میں نے اپنی اونٹنی آپ کی طرف دوڑائی جو عمان سے عرج تک بیابانوں کو طے کرتی تھی۔ تاکہ آپ ﷺ میری شفاعت فرمائیں اے بہترین ان میں کے جنہوں نے سنگریزوں کو پامال کیا۔ پس میرا رب میرے گناہ بخش دے اور میں کامیاب ہو کر اس گروہ کی طرف جاؤں جن کے دین سے میں اللہ کے واسطے کنارہ کش ہو گیا۔ پس ان کی رائے میری رائے نہیں اور نہ ان کا طریق میرا طریق ہے۔“

۵۔ حضرت عثمان بن حنیف صحابی کا بیان ہے کہ ایک نابینا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ ﷺ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے عافیت بخشے۔ حضور ﷺ

نے فرمایا کہ اگر تو چاہے میں دعا کر دیتا ہوں۔ اور اگر تو چاہے تو صبر کر۔ صبر تیرے واسطے اچھا ہے اس نے عرض کیا کہ خدا سے دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر کے یوں دعا کرنا:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَآتُوْجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى لِي اللَّهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ۔

”یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں۔ اور تیرے نبی نبی الرحمتہ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ یا محمد ﷺ! میں نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کیا ہے۔ اپنی اس ضرورت میں تاکہ وہ پوری ہو یا اللہ! تو میرے حق میں حضور ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔“

اس حدیث کو ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا۔ ہذا حدیث حسن صحیح غریب۔ امام بیہقی و طبرانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ مگر امام بیہقی نے اتنا اور کہا ہے کہ اس نابینا نے ایسا ہی کیا اور بینا ہو گیا (۵۶)۔

۶۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی کا بیان ہے کہ میں رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں رہا کرتا تھا۔ آپ ﷺ کے وضو کے لیے پانی لادیا کرتا تھا اور دیگر خدمت (جامہ و مسکواک و شانہ وغیرہ) بھی بجالایا کرتا تھا۔ ایک روز آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ سل (مانگ) میں نے عرض کیا۔ اسئلک مرافقتک فی الجنة۔

”میں آپ ﷺ سے بہشت میں آپ ﷺ کا ساتھ مانگتا ہوں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مرتبہ بہت بڑا ہے۔ کچھ اور مانگ۔ حضرت ربیعہ نے عرض کیا کہ میرا مقصود تو یہی ہے جو عرض کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اس مقصد کے حصول میں) تو میری مدد کر۔ بدیں طور کہ نماز بہت پڑھا کر اور سجدوں میں دعا کیا کر (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب السجود و فضله) مطلب یہ کہ میں کوشش کروں گا۔ تو بھی کچھ کیا کر۔ اشعة اللمعات میں اس حدیث کے تحت میں ہے۔ واز اطلاق سوال کہ فرمود سل (بخواہ) و تخصیص نہ کر دے بمطلوبے خاص۔ معلوم ہے شوق کہ کارہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ﷺ۔ ہرچہ خواہد ہر کر خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔

وفات شریف کے بعد بھی آپ ﷺ کے اصحاب کرام

۳۔ وفات شریف کے بعد تو سل: جن اللہ مصائب و حروب و حاجات میں آپ ﷺ کو پکارا

کرتے اور آپ ﷺ سے استغاثہ کیا کرتے تھے۔ دیکھو مثلہ ذیل:

۱- صاحب مواہب لدنیہ بحوالہ ابن منیر لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال شریف ہوا تو اس صدمہ سے آپ ﷺ کے اصحاب کرام کا عجب حال ہو رہا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ روتے ہوئے حاضر ہوئے اور حضور اقدس ﷺ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھا کر یوں عرض کرنے لگے:

ولو ان موتك كان اختيارا لجلدنا لموتك بالنفوس۔ اذ کرنا یا محمد عند ربك و لنکن من بالک۔

”اگر آپ ﷺ کی موت میں ہمیں اختیار دیا جاتا تو ہم آپ ﷺ کی موت کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ یا محمد ﷺ اپنے پروردگار کے پاس ہمیں یاد کرنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا۔“

۲- وفات شریف کے تین دن بعد اعرابی کا قبر شریف پر حاضر ہونا اور آپ ﷺ سے توسل کرنا بروایت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ پہلے آچکا ہے۔

۳- مالک الدار راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروق کے زمانے میں قحط پڑا ایک شخص (بلال بن حارث صحابی) نے رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر یوں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیں۔ وہ ہلاک ہو رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں اس شخص سے فرمایا کہ عمر کے پاس جا کر میرا سلام کہو اور بشارت دو کہ بارش ہوگی۔ اور یہ بھی کہہ دو کہ نرمی اختیار کرے۔ اس شخص نے حاضر ہو کر خبر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر روئے۔ پھر کہا۔ اے رب میں کو تا ہی نہیں کرتا مگر اس چیز میں کہ جس سے میں عاجز ہوں۔ (وفاء الوفاء بحوالہ بیہقی و ابن ابی شیبہ)

۴- ایک سال مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فریاد کی۔ حضرت ممدوحہ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر اس میں ایک روشن دان آسمان کی طرف کھول دو۔ تاکہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ خوب بارش ہوئی اور گھاس اگی۔ اور اونٹ ایسے فر بہ ہو گئے کہ چربی سے پھٹنے لگے۔ اس سال کو عام الحقق کہتے تھے (۵۷)۔

علامہ قاضی زین الدین مراغی فرماتے ہیں کہ قحط کے وقت روشن دان کو کھولنا اس وقت تک اہل مدینہ کا طریقہ ہے۔ وہ قبہ خضراء مقدسہ کے اسفل میں بجانب قبلہ کھول دیتے ہیں اگرچہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل رہتی ہے (۵۸)۔ علامہ سمودی (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ ”آج کل اہل مدینہ کا طریقہ یہ ہے کہ حجرہ شریف کے گرد جو مقصورہ ہے اس کا وہ دروازہ جو حضور ﷺ کے چہرے مبارک کے سامنے ہے کھول دیتے ہیں اور وہاں جمع ہوتے ہیں (۵۹)۔“

۵- ابن جریر طبری ۱۸ھ کے واقعات میں بالاسناد نقل کرتے ہیں کہ عاصم بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں امساک باراں ہوا۔ مواشی لاغر ہو گئے۔ اہل بادیہ میں سے قبیلہ مزینہ کے ایک اہل خانہ نے اپنے صاحب (حضرت بلال بن حارث صحابی) سے کہا کہ ہمیں غایب درجہ کی تکلیف ہے۔ تو ہمارے واسطے ایک بکری ذبح کر۔ اس نے کہا کہ بکریوں میں کچھ نہیں رہا۔ اہل خانہ اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس نے ان کے واسطے ایک بکری ذبح کی۔ جب کھال اتاری تو سرخ ہڈیاں دکھائی دیں۔ اس پر وہ پکار اٹھا۔ یا محمد ﷺ! الخ (تاریخ الامم والملوک۔ جزء رابع۔ ص ۲۲۲ کمال ابن اثیر)

۶- حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے قنسرین سے حضرت کعب بن ضمیرہ کو ایک ہزار سوار دے کر فتح حلب کے لیے روانہ کیا اور فرما دیا کہ میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں ادھر یوقنا حاکم حلب کو اس کے جاسوسوں نے خبر دی کہ عرب ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ تمہارے شہر کی فتح کے ارادے سے آ رہے ہیں اور وہ شہر سے چھ میل کے فاصلہ پر ہیں۔ یوقنا نے لشکر کو تیار کر کے آدھا اپنے ساتھ لیا اور آدھا کمین گاہ میں مقرر کیا۔ جب حضرت کعب کی نظر یوقنا کے لشکر پر پڑی تو اپنے لشکریوں سے کہا کہ میرے اندازہ میں دشمن کا لشکر پانچ ہزار ہے جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ غرض مقابلہ ہوا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو فتح میں کا یقین ہو گیا۔ مگر اسی اثنا میں کمین گاہ سے یوقنا کا لشکر اڑا۔ جس کے سبب سے اسلام کا ایک فرقہ بھاگنے لگا۔ دوسرے فرقہ نے اہل کمین کا مقابلہ کیا۔ تیسرا فرقہ حضرت کعب کے ساتھ تھا جو مسلمانوں کے لیے بڑے بے چین تھے۔ اور ان کے بچانے کے لیے کوشش کر رہے تھے اور گروا دیتے ہوئے یوں پکار رہے تھے۔

یا محمد یا محمد یا نصر اللہ! انزل۔ یا معشر المسلمین اثبتوا انما ہی

ساعة و یاتی النصر و انتم الاعلون ۵ (فوج الشام، مطبوعہ مصر، جزء اول ص ۱۵۱)

”یا محمد! یا محمد!! اے نصرت الہی نزول فرما۔ اے مسلمانوں کے گروہ ثابت قدم رہو۔ یہی

ایک گھڑی ہے مدد آنے والی ہے۔ تمہارا ہی بول بالا ہے۔“

۷- حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبداللہ بن قرط صحابی کے ہاتھ اپنا خط ابو عبیدہ بن الجراح کے نام پر موک بھیجا اور سلامتی کی دعا کی۔ عبداللہ جب مسجد سے نکلے تو خیال آیا کہ مجھ سے خطا ہوئی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے روضہ شریف پر سلام عرض نہیں کیا۔ اس لیے وہ روضہ شریف پر حاضر ہوئے۔ وہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرات علی ابن ابی طالب و عباس حاضر تھے۔ امام حسن حضرت علی کی گود میں اور امام حسین حضرت عباس کی گود میں تھے۔ حضرت عبداللہ نے حضرت علی و

حضرت عباس سے عرض کیا کہ کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔ ہر دو نے روضہ شریف پر ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی:

اللّٰهُمَّ انا نتوسل بهذا النّبى المصطفى والرسول المجتبى الذى توسل به ادم فاجبت دعوتہ و غفرت خطيئته سهل على عبد الله طريقه والطواله البعيد و ايد اصحاب نبيك بالنصر انك سميع الدعاء۔

”یا اللہ! ہم اس نبی مصطفیٰ و رسول مجتبیٰ کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں کہ جن کے وسیلہ سے حضرت آدم کی دعا قبول ہوگئی اور ان کی خطا معاف ہوگئی کہ تو عبد اللہ پر اس کا راستہ آسان کر دے اور بعید کو نزدیک کر دے۔ اور اپنے نبی کے اصحاب کی مدد فتح سے کر دے۔ بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔“

اس کے بعد حضرت علیؑ نے عبد اللہ سے فرمایا کہ اب جائیے۔ اللہ تعالیٰ حضرات عمرؓ و عباسؓ و حسنؓ و حسینؓ و ازواج رسول اللہ ﷺ کی دعاء کو رد نہ کرے گا۔ کیوں کہ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں اس نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑا ہے جو اکرم المخلوق ہیں۔ (فتوح الشام، جزء اول ص ۱۰۵)

۸- ابن السنی (متوفی ۳۶۳ھ) کی کتاب میں پیشم بن حش سے روایت ہے کہ اس نے کہا۔ ہم حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس تھے۔ ان کا پاؤں سو گیا۔ تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ آپ یاد کیجئے اس کو جو آپ کے نزدیک سب لوگوں سے پیارا ہے۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے کہا۔ یا محمد ﷺ۔ پس گویا آپ بند سے کھول دیئے گئے اور کتاب ابن السنی ہی میں مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص کا پاؤں سو گیا۔ آپ نے اس سے کہا۔ تو یاد کر اس کو جو تجھے سب لوگوں سے پیارا ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا۔ یا محمد ﷺ۔ یہ کہتے ہی اس کے پاؤں کی خوابیدگی جاتی رہی۔ (کتاب الاذکار للنووی ص ۱۳۵) حضرت ابن عمرؓ کے پاؤں سو جانے کی روایت الادب المفرد للبخاری ص ۱۱۳ میں بھی ہے۔

۹- ایک شخص کسی حاجت کے لیے حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس آیا کرتا تھا۔ مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور اس کی حاجت پر غور نہ فرماتے۔ وہ ایک روز حضرت عثمان بن حنیفؓ سے ملا اور ان سے شکایت کی۔ حضرت ابن حنیفؓ نے اس سے کہا کہ وضو کر کے مسجد میں جا۔ اور دو رکعت پڑھ کر یوں دعا کر۔

اللّٰهُمَّ انى اسئلك و اتوجه اليك نبيك محمد نبي الرحمة يا محمد انى اتوجه بك الى ربك ان تقضى حاجتى۔

(یہاں اپنی حاجت کا نام لینا) اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔ دربان آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اسے اپنے برابر فرش پر بٹھایا۔ اور دریافت حال کر کے اس کی حاجت پوری کر دی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اتنے دنوں میں اس وقت تم نے اپنا مطلب بیان کیا۔ آئندہ جو حاجت تمہیں درپیش آیا کرے ہمارے پاس آ کر بتا دیا کرو۔ وہ وہاں سے رخصت ہو کر ابن حنیف سے ملا اور ان کا شکر یہ ادا کیا کہ آپ نے ایسی اچھا دعا بتائی۔ ابن حنیف نے کہا کہ میں نے اپنی طرف سے نہیں بتائی۔ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک نابینا نے اپنی بینائی کے جاتے رہنے کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر تم چاہو میں دعا کر دیتا ہوں۔ یا صبر کرو۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے بہت دشواری ہے۔ کوئی میرا عصا پکڑنے والا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دو گانہ ادا کر کے یہ دعا پڑھنا۔ اللهم انی اسئلك و اتوجه الیک نبيک محمد الخ۔ ابن حنیف کا بیان ہے کہ ہم ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ شخص آیا۔ گویا اس کو کوئی تکلیف نہ ہوئی تھی۔ (۶۰)

اس قصے میں خود حضور رسول اللہ ﷺ نے نابینا کو طریق تو سل تعلیم فرمایا ہے۔ یہی طریق ایک صحابی سکھا رہے ہیں۔ اور یہی عمل آج تک امت میں جاری ہے۔ اس روایت کو طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۰۔ ہیشم بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ بنو عامر (قبیلہ نابغہ جعدی) بصرہ میں کھیتوں میں مواشی چرایا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعرئیؓ کو ان کے طلب کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے ابو موسیٰ کو دیکھتے ہی یوں آواز دی۔ یا آل عامر! یہ سن کر نابغہ جعدی بھی اپنی قوم کے ساتھ نکلا۔ ابو موسیٰ نے اس سے پوچھا کہ تم کس واسطے نکلے ہو؟ نابغہ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی قوم کی دعوت قبول کی ہے۔ اس پر ابو موسیٰ نے نابغہ کو تازیانے لگائے۔ نابغہ نے اس بارے میں یہ اشعار کہے ہیں:

فان تک لابن عفان امیناً فلم یبعث بك البر الامینا

ویا قبر النبی وصاحبہ الا یا غوثنا لو تسمعونا

(الاستیعاب بن عبدالبر)

”اگر تو ابن عفان کا امین ہے تو اس نے تجھے مہربان امین نہیں بھیجا، اے قبر نبی کی اور آپ

کے دو صاحب کی دیکھنا اے ہمارے فریاد رس! کاش آپ سنیں۔“

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے تشدد کا استغاثہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کیا ہے اور یا غوثنا کہہ کر پکارا ہے۔

۱۱۔ معجم کبیر و اوسط میں بروایت انس بن مالک منقول ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ کی والدہ فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ اس کے سر ہانے آ بیٹھے اور فرمایا۔ اے میری ماں کے بعد میری ماں! اللہ تجھ پر رحم کرے اور اس کی تعریف کی اور اسے اپنی چادر میں کفنایا۔ پھر حضور ﷺ نے حضرات اسامہ بن زید، ابو ایوب انصاری، عمر بن خطاب اور ایک سیاہ فام غلام کو بلایا۔ انہوں نے قبر کھودی۔ جب لحد تک پہنچے تو حضرت ﷺ نے لحد (۶۱) اپنے دست مبارک سے کھودی اور آپ ﷺ اس میں لیٹ گئے۔ پھر یوں دعا کی۔

اللہم اغفر لأمی فاطمة بنت اسد ووسع علیها مدخلها بحق نبیک

والانبیاء الذین من قبلی فانک ارحم الراحمین O (وفاء الوفاء جزء ثانی ص ۸۹)

”یا اللہ میری ماں فاطمہ بن اسد کو بخش دے اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دے بوسیله اپنے نبی

ﷺ کے اور ان نبیوں کے جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ تو ارحم الراحمین ہے۔“

جب آنحضرت ﷺ بچپن میں ابوطالب کی کفالت میں تھے تو ابوطالب کی زوجہ فاطمہ بنت اسد

نے کھلانے پلانے میں آپ ﷺ کا خاص خیال رکھا تھا۔ یہ اسی احسان کا بدلہ تھا کہ آپ ﷺ نے

فاطمہ کو اپنی چادر میں کفنایا تا کہ آتش دوزخ سے محفوظ رہے۔ اور آپ ﷺ اس کی لحد میں لیٹ گئے تا

کہ اسے راحت و آرام ملے۔ یہ روایت نظر ”برجق عبیک“ حیات شریف میں تو سل کی دلیل ہے۔ اور

نظر ”الانبیاء الذین من قبلی“ بعد وفات تو سل کی دلیل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آج تک یہ تو سل و استغاثہ جاری ہے۔ اور تا قیامت جاری رہے گا۔

حضرت امام الائمہ سیدنا ابو حنیفہ نعمان بن ثابت تابعی کو فی رضی اللہ عنہ اپنا حال یوں عرض کر رہے ہیں:

یا سید السادات جنتک قاصداً ارجو ارضاک واحتمی بجماک

انت الذی لولاک ما خلق امرء کلا ولا خلق الوری لولاک

انا طمع بالجودک منک ولم یکن لابی حنیفة فی الانام سواک

”اے سید سادات! میں قصد کر کے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کی خوشنودی کا امیدوار

اور آپ کے سبزہ زار میں پناہ گزیر ہوں۔ آپ کی وہ مقدس ذات ہے اگر آپ نہ ہوتے

تو کبھی کوئی آدمی پیدا نہ ہوتا۔ اور نہ کوئی مخلوق پیدا ہوتی۔ میں آپ کے جو دو کرم کا امیدوار

ہوں۔ آپ کے سوا خلقت میں ابو حنیفہ کا کوئی سہارا نہیں۔“ (انتہی)

حضرت ایوب سختیانی تابعی کے تو سل کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ منصور عباسی کو جو طریق دعایتا یا اس میں بھی تو سل بالنبی ﷺ ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اعرابی کا قصہ (جس کو ائمہ نے عقی سے نقل کیا ہے) چاروں مذہب کے علماء کے مناسک میں ذکر کیا ہے۔ اور اسے آداب زیارت میں شمار کیا ہے۔ ابن عساکر نے اسے اپنی تاریخ میں اور ابو جوزی نے مشیر الغرام الساکن الی اشرف الاماکن میں بروایت محمد بن حرب ہلالی اس طرح لکھا ہے کہ عقی (۶۲) نے کہا کہ میں مدینہ میں داخل ہوا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کر کے حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ ایک اعرابی نے آکر زیارت کی اور یوں عرض کیا۔ ”یا خیر الرسل! اللہ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل کی ہے۔ جس میں یوں ارشاد فرمایا:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (نساء، ۹۷)

”اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں آپ کے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور پیغمبران کے لیے بخشش مانگتے۔ تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔“ میں آپ کی خدمت میں آپ کے پروردگار سے گناہوں کی مغفرت کا طالب اور آپ کی شفاعت کا امیدوار بن کر حاضر ہوں۔ پھر اس نے رو کر یہ اشعار پڑھے۔

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه
فطاب من طيبهن القاع والا کم
نفسی الفداء لقبرانت ساکنه
فیه العفاف وفیه الجود والکرم
”اے سب سے بہتر جس کی ہڈیاں میدان میں مدفون ہیں پس ان کی خوشبو سے پست اور اونچی زمینیں مہک گئیں۔ میری جان اس قبر پر فدا جس میں آپ ساکن ہیں اس میں پاکیزگی ہے اور اس میں جود و کرم ہے۔“

بعد ازاں اس اعرابی نے توبہ کی اور چلا گیا۔ میں سو گیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں۔ ”تم اس شخص سے ملو اور اسے بشارت دو کہ اللہ نے میری شفاعت سے اس کے گناہ معاف کر دیئے۔“ میری آنکھ کھلی تو میں اس کی تلاش میں نکلا۔ مگر وہ نہ ملا۔ (۶۳) قصہ اعرابی میں جو آیت قرآن مذکور ہے۔ وہ باتفاق مفسرین مثبت تو سل ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیت ذیل سے بھی تو سل ثابت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ

تَفْلِحُونَ (مائدہ، ۶۴)

”اے ایمان والو! خدا سے ڈرو۔ اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

اس آیت میں خدا کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کا حکم ہے۔ وسیلہ سے مراد خواہ خاص شخص ہو یا عمل صالح۔ بہر صورت توسل بہ سید الرسل ثابت ہے۔ کیوں کہ اشخاص کی طرح اعمال صالحہ بھی مخلوق الہی میں جیسا کہ آیہ واللہ خلقکم وما تعملون (اللہ نے پیدا کیا تم کو اور تمہارے عمل کو) سے ظاہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اشرف الخلق واخرم الخلق و افضل الخلق ہونے میں کلام نہیں۔ پس آپ اشرف الوسائل و اقرب الوسائل الی اللہ ہیں۔ لہذا آپ سے توسل بطریق اولیٰ جائز و مستحسن ہے۔

مختصر یہ کہ انبیائے کرام ﷺ اور اولیائے عظام رضی اللہ عنہم سے توسل و استغاثہ مستحسن ہے۔ اور یہی مذہب اہل سنت و جماعت ہے۔ ہم یہاں صرف علامہ ابن حاج مالکی (متوفی ۵۴۳ھ) کا قول نقل کرتے ہیں جو متعدد دین میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب مدخل میں زیارت قبول کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

ثم يتوسل باهل تلك المقابر اعنى بالصلحين منهم في قضاء حوائجهم ومغفرة ذنوبهم ثم يدعوا لنفسهم ولوالديهم ولمشائخهم ولاقاربهم ولاهل تلك المقابر ولا موات المسلمين ولا حياءهم وذريتهم الى يوم الدين ولمن غاب عنه من اخوانه و يجأ الى الله تعالى بالدعاء عندهم و يكثر التوسل بهم الى الله تعالى لانه سبحانه وتعالى اجابهم وشرفهم وكرمهم فكما نفع بهم في الدنيا ففى الآخرة اكثر۔ فمن اراد حاجة فليذهب اليهم ويتوسل بهم فانهم الوساطة بين الله تعالى وخلقهم وقد تقرّر في الشرع وعلم ما الله تعالى بهم من الاعتناء وذلك كثير مشهور وما زال الناس من العلماء والاكبر اكبرا عن كابر مشرقاً ومغرباً يتبركون بزيارة قبورهم ويجدون بركة ذلك حساً ومعنى وقد ذكر شيخ الامام ابو عبد الله بن النعمان رحمه الله في كتابه المسمى بسفينة النجاة لاهل الالتجاء في كرامات الشيخ ابي النجاء في اثناء كلامه على ذلك ما هذا الفظه تحقق لذي وى البصائر والاعتبار ان زيارة قبور الصلحين محبوبة

لاجل التبرك مع الاعتبار فان بركة الصالحين جارية بعد مماتهم كما كانت في حياتهم والدعاء عند قبور الصالحين والتشفع بهم معمول به عند علماءنا المحققين من ائمة الدين - (انتهى) -

واما عظيم جناب الانبياء والرسل صلوات الله و سلامه عليهم اجمعين فياتي اليهم الزائر و يتعين عليه قصدهم من الاماكن البعيدة - فاذا جاء اليهم فليتصف بالذل والانكسار والمسكنة والفقر والفاقة والحاجة والاضطرار والخضوع ويحضر قلبه وخاطره اليهم والى مشاهدتهم بعين قلبه لابعين بصره لانهم لا ييلون ولا يتغيرون - ثم يشئى على الله تعالى بما هو اهلهم ثم يصلى عليهم و يترضى عن اصحابهم ثم يترحم على التابعين لهم باحسان الى يوم الدين ثم يتوسل الى الله تعالى بهم فى قضاء ما ربه ومغفرة ذنوبه و يستغث بهم و يطلب حوائجه مهم و يجزم بالاجابة ببركتهم ويقوى حسن ظنه فى ذلك فانهم باب الله المفتوح - وجرى سنة الله سبحانه وتعالى فى قضاء الحوائج على ايدهم و بسببهم - ومن عجز الوصول اليهم فليرسل بالسلام عليهم و يذكر ما يحتاج اليه من حوائجه ومغفرة ذنوبه و ستر عيوبه الى غير ذلك فانهم السادة الكرام والكرام لا يودون من سألهم ولا من توسل بهم ولا من قصدهم ولا من لجأ اليهم - هذا الكلام فى زيارة الانبياء والمرسلين عليهم الصلوة والسلام عموماً -

واما فى زيارة سيد الاولين والاخرين صلوات الله عليه و سلامه فكل ما ذكر يزيد عليه اضعافه اعنى فى الانكسار والذل والمسكنة لانه شافع المشفق الذى لا ترد شفاعته ولا يخيب من قصده و من نزل بساحته ولا من استعان او استغاث به اذانه عليه الصلوة والسلام قطب دائرة الكمال و عروس المملكة -

قال الله تعالى فى كتابه العزيز (لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى) قال علماءنا رحمة الله تعالى عليهم رأى صورته عليه الصلوة والسلام فاذا هو عروس المملكة - فمن توسل به او استغاث به او طلب حوائجه منه

فلا یرد ولا یخیب لما شهدت به المعاینه والأثار و یحتاج الی الادب
الکلی فی زیارته علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ وقد قال علماؤنا رحمۃ اللہ
علیہم ان الزائر یشعر نفسه بانہ واقف بین یدیه علیہ الصلوٰۃ والسلام
کما هو فی حیاته اذ لا فرق بین موته و حیاته اعنی فی مشاهدته لامته
ومعرفته باحوالہم و نیاتہم و عزائمہم و خواطرہم و ذلك عنده جلی
لاخفاء فیہ فان قال القائل هذه الصفات مختصة بالمولی سبحانہ وتعالی
فالجواب ان کل من انقل الی الاخرة من المؤمنین فہم یعلمون احوال
الاحیاء غالباً وقد وقع ذلك فی الکثرة بحیث المنتہی من حکایات وقعت
منہم۔ و یحتمل ان یرى علمہم بذاك حین عرض اعمال الاحیاء علیہم
و یحتمل غیر ذلك وهذه الاشیاء مغیبة عنا وقد اخبرنا لصادق علیہ الصلوٰۃ
والسلام بعرض الاعمال علیہم فلا بد من وقوع ذلك و کیفیة فیہ غیر
معلومة واللہ اعلم بہا۔ و کفی فی هذا بیانا قوله علیہ الصلوٰۃ والسلام
(الْمُؤْمِنُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ) انتہی ونور اللہ لا یججبه شیء۔ هذا فی حق
الاحیاء من المؤمنین فکیف من کان منہم فی الدار الاخرة۔ وقد قال
الامام ابو عبد اللہ القرطبی فی تذکرته ما هذا الفظہ۔ قال ابن المبارک
اخبرنا رجل من الانصار عن المنہال بن عمرو انه سمع سعید بن المسیب
یقول لیس من یوم الاوتعرض علی النبی صل اللہ علیہ وسلم اعمال امته
غداوة و عشیة فیعرفہم بسیمائہم و اعمالہم فلذلك یشہد علیہم۔ قال
اللہ تعالی (فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَ جِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰؤُلَاءِ
شَهِيدًا) قال وقد تقدم ان الاعمال تعرض علی اللہ تبارک و تعالی یوم
الخمیس و یوم الانثین و علی الانبیاء و الالباء و الالباء و الامہات یوم الجمعة
ولا تعارض فانه یحتمل ان یختص نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام بعرض کل
یوم و یوم الجمعة مع الانبیاء۔ (انتہی)

فالتوسل بہ علیہ الصلوٰۃ والسلام هو محل حظ احوال الاوزار و اثقال
الذنوب والخطا یا لان بركة شفاعته علیہ الصلوٰۃ والسلام و عظمها عند
ربہ لا یتعاضمها ذنب اذاتها اعظم من الجمیع فلیستبشر من زاره ویلجأ

الی اللہ تعالیٰ بشفاعۃ نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من لم یزرہ۔ اللہم لا تحرمنا من شفاعتہ بحرمة عندک امین یارب العلمین۔ ومن اعتقد خلاف هذا فهو محروم۔

”پھر زائر اپنی قضائے حاجات اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے ان قبر والوں یعنی ان میں سے صالحین سے توسل کرے پھر اپنی میں ذات کے لیے اور اپنے والدین و مشائخ و اقارب و اہل مقابر کے لیے اور مسلمان مردوں اور زندہ کے لیے اور قیامت تک ان کی اولاد کے لیے اور اپنے غائب بھائیوں کے لیے دعا کرے۔ اور ان اہل قبور کے پاس اللہ تعالیٰ سے عاجزی و زاری سے دعا کرے اور بار بار ان کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ بنائے۔ کیوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ بنایا اور بزرگ بنایا اور گرامی بنایا۔ پس جس طرح اس نے دنیا میں ان کے ذریعہ سے فائدہ پہنچایا آخرت میں اس سے زیادہ نفع پہنچائے گا۔ جو شخص کوئی حاجت چاہے اس چاہیے کہ ان کے پاس جائے اور ان سے توسل کرے کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ اور شرع میں ثابت و معلوم ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی کتنی توجہ و مہربانی ہے اور وہ کثیر و مشہور ہے۔ اور مشرق و مغرب میں علماء و اکابر قدیم سے ان کی قبروں کی زیارت کو مبارک سمجھتے رہے ہیں اور ظاہر و باطن میں اس کی برکت محسوس کرتے رہے ہیں۔ امام ابو عبد اللہ بن نعمان رحمہ اللہ اپنی کتاب سفینۃ النجاة میں یوں لکھتے ہیں: ”اصحاب بصائر و اعتبار کے نزدیک یہ امر ثابت ہے کہ صالحین کی قبروں کی زیارت بغرض تبرک و حصول عبرت پسندیدہ ہے۔ کیوں کہ صالحین کی برکت ان کی موت کے بعد اسی طرح جاری ہے۔ جیسا کہ ان کی زندگی میں تھی۔ اور ائمہ دین میں سے ہمارے علمائے محققین کے نزدیک صالحین کی قبروں پر دعا کرنا اور ان سے طلب شفاعت کرنا معمول بہ ہے۔“

”رہا انبیاء و مرسلین صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین کی بارگاہ عالی۔ سوزائے ان کے پاس جائے اور اسے چاہیے کہ در دراز مقامات سے ان کا قصد کرے۔ جب ان کے پاس پہنچے تو ذل و انکسار و مسکنت و فقر و فاقہ و حاجت و اضطراب و خشوع ظاہر کرے اور اپنے دل کو ان کی طرف متوجہ کرے۔ اور چشم دل سے (نہ کہ چشم بھر سے) ان کے مشاہدے میں مشغول ہو جائے کیوں کہ وہ بوسیدہ و متغیر نہیں ہوتے پھر اللہ تعالیٰ کی مناسبت ثناء کے بعد ان پر درود بھیجے۔ اور ان کے اصحاب کے لیے رضائے خدا طلب کرے۔ اور ان کے

تابعین تا قیامت کے لیے رحمت طلب کرے۔ پھر قضائے حاجات اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے ان کو بارگاہِ الہی میں وسیلہ بنائے۔ اور ان سے استغاثہ کرے اور اپنی حاجتیں ان سے مانگے۔ اور ان کی برکت سے اجابت کا یقین کرے اور اس بارے میں اپنے حسن ظن کو قوی کرے۔ کیوں کہ وہ خدا کا کھلا دروازہ ہیں۔ اور خوراکی یہ سنت جاریہ ہے کہ وہ ان کے ہاتھوں پر اور ان کے سبب سے قضائے حاجات فرماتا ہے۔ جو شخص ان کی خدمت میں پہنچنے سے عاجز ہو اسے چاہیے کہ کسی دوسرے کے ہاتھ اپنا سلام پہنچائے اور اپنی حوائج و مغفرت و ذنوب و ستر عیوب وغیرہ کا ذکر کرے۔ کیوں کہ وہ سادات کرام ہیں۔ اور کرام رد نہیں کرتے اس کو جو ان سے توسل کرے اور نہ اس کو جو ان کا قصد کرے اور نہ اس کو جو ان کی پناہ لے۔ یہ کلام عام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے بارے میں ہے۔

رہا زیارت سید الاولین والآخرین صلوٰۃ اللہ علیہ و سلامہ۔ سوائے اسرار و ذل و مسکنت جن کا ذکر اوپر ہوا ان کا اظہار اس بارگاہِ عالی میں کئی گناہ زیادہ کرے۔ کیوں کہ حضور ﷺ شافع مشفع ہیں کہ جن کی شفاعت رد نہیں ہوتی۔ اور وہ محروم نہیں رہتا جو آپ کا قصد کرے یا آپ کے آنگن میں اترے یا آپ سے مدد مانگے۔ یا آپ سے استغاثہ کرے۔ کیوں کہ حضور ﷺ قطب دائرہ کمال اور عروس (۶۳) مملکت ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: لقد رای من ایت ربہ الکریمی البتہ تحقیق دیکھا حضرت نے اپنے رب کی نشانیوں سے بڑی کو ہمارے علماء اجمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تاویل میں کہا کہ حضور ﷺ نے شب معراج میں اپنی ذات شریف کی صورت کو ملکوت میں دیکھا تو ناگاہ آپ عروس مملکت تھے پس جس نے حضور سے توسل یا استغاثہ کیا یا حضور ﷺ سے اپنی حاجتیں مانگیں۔ اس کی دعا رد نہیں ہوتی اور وہ محروم نہیں رہتا جیسا کہ معائنہ و آثار اس پر شاہد ہیں۔ حضور ﷺ کی زیارت میں پورے ادب کی ضرورت ہے ہمارے علماء اجمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ زائر سمجھے کہ میں حضور ﷺ کے سامنے ایسا کھڑا ہوں جیسا کہ حضور ﷺ کی حیات شریف میں۔ کیوں کہ اپنی امت کے مشاہدے اور ان کے احوال و نیابت و عزائم و خواطر کی معرفت میں حضور ﷺ کی موت و حیات یکساں ہے۔ اور یہ آپ کے نزدیک ظاہر ہے۔ اس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ صفات تو اللہ تعالیٰ سے مختص ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مومنوں میں سے جو عالم برزخ

میں چلے جاتے ہیں وہ زندوں کے حالات اکثر جانتے ہیں۔ چنانچہ حکایتوں میں نہایت کثرت سے ایسے واقعات مذکور ہیں اور احتمال ہے کہ مردوں کو زندوں کے حالات کا علم اس وقت ہو جاتا ہے جب کہ ان پر زندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ اس کے سوا اور بھی احتمال ہے یہ چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں۔

”حالانکہ خود حضور ﷺ نے خبر دی ہے کہ زندوں کے اعمال مردوں پر پیش ہوتے ہیں۔ پس اس کے وقوع میں شک نہیں مگر ہمیں اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ خدا کو خوب معلوم ہے اس کے بیان میں حضور ﷺ کا یہ قول کافی ہے۔ ”مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے“۔ اور خدا کے نور کے لیے کوئی چیز حاجب نہیں یہ تو زندہ مومنوں کے حق میں ہے۔ ان میں سے جو دار آخرت میں چلا جاتا ہے۔ اس کا کیا حال ہوگا۔ امام ابو عبد اللہ قرطبی نے اپنی کتاب تذکرہ میں یوں فرمایا ہے۔

عبداللہ بن مبارک راوی ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نے ہمیں خبر دی کہ منہال بن عمرو نے سعید بن مسیب کو سنا کہ فرماتے تھے کہ کوئی دن ایسا نہیں کہ امت کے اعمال صبح شام شام نبی ﷺ پر پیش نہ کیے جاتے ہوں۔ پس حضور ﷺ ان کو ان کے چہرے سے اور ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں۔ اسی واسطے آپ ﷺ اپنی امت پر شہادت دیں گے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”پس کیوں کر ہو سکا جس وقت ہم لائیں گے ہر امت سے گواہی دینے والا اور لائیں گے ہم تجھ کو ان پر گواہ۔“

اور پہلے آچکا ہے کہ اعمال اللہ تعالیٰ پر پنج شنبہ اور دو شنبہ کو اور پینجمبروں اور باپوں اور ماؤں پر جمعہ کے دن پیش ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی تعارض نہیں کیوں کہ احتمال ہے کہ اعمال کا ہر روز پیش ہونا ہمارے نبی ﷺ سے مختص ہو اور جمعہ کے دن پیش ہونا حضور ﷺ سے اور دوسرے پینجمبروں سے مخصوص ہو۔

پس حضور ﷺ سے توسل کرنا گناہوں اور خطاؤں کے بوجھوں کے ساقط ہونے کا محل ہے۔ کیوں کہ حضور ﷺ کی شفاعت کی برکت اور اللہ کے نزدیک آپ کی عظمت کے سامنے کوئی گناہ بڑا نہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی شفاعت سب سے بڑھ کر ہے۔ پس چاہیے کہ خوش ہووے وہ شخص جس نے حضور کی زیارت کی جو شخص زیارت کے لیے حاضر نہ ہو سکا وہ حضور کو شفیع بنا کر خدا کی پناہ لے۔ اللهم لا تحر منامن شفاعته بحرمتہ

عندك آمين يارب العالمين۔ جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ محروم ہے۔
 امام محمد بن موسیٰ بن نعمان مراکشی فاسی مالکی (متوفی ۶۸۳ھ) نے ۶۳۹ھ میں حج سے واپس آ کر اپنی کتاب مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام فی الیقظة والمنام تصنیف کی۔ علامہ سمودی نے اس میں چند مثالیں ایسے اشخاص کی نقل کی ہیں کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کیا یا حضور کی قبر شریف کے پس آپ سے کچھ مانگا اور ان کا مطلوب حاصل ہو گیا۔ ہم ذیل میں وفاء الوفاء کے علاوہ دیگر کتب سے بھی توہل و استغاثہ کے چند واقعات نقل کرتے ہیں:

۱- حافظ محمد منکدر (متوفی ۲۰۵ھ) کا بیان ہے کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس اسی دینار بطور امانت رکھے۔ اور وہ یہ کہہ کر جہاد پر چلا گیا کہ میری واپسی تک اگر تمہیں ضرورت پیش آئے تو خرچ کر لینا۔ والد نے قحط سالی کے سبب سے وہ دینار خرچ کر لیے اس شخص نے واپس آ کر اپنی امانت طلب کی والد نے جواب دیا کل میرے پاس آنا اور رات مسجد نبوی میں گذاری۔ کبھی قبر شریف سے لپٹتے اور کبھی منبر مدینہ سے۔ یہاں تک کہ قبر شریف سے استغاثہ کرتے کرتے صبح ہونے کو آئی۔ ناگاہ تاریکی میں ایک شخص نمودار ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”اے ابو محمد! یہ لو“۔ والد نے ہاتھ بڑھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک تھیلی ہے جس میں اسی دینار ہیں صبح کو والد نے وہی دینار اس شخص کو دے دیئے۔

۲- امام ابو بکر مقرر کا قول ہے کہ میں طبرانی اور ابو الشیخ حرم نبوی میں فاقہ سے تھے۔ جب عشاء کا وقت آیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ! ہم بھوکے ہیں“۔ یہ عرض کر کے میں لوٹا۔ ابو القاسم (طبرانی) نے مجھ سے کہا کہ بیٹھو۔ رزق آئے گا یا موت۔ ابو بکر کا بیان ہے کہ میں اور ابو الشیخ سو گئے۔ اور طبرانی بیٹھے ہوئے کچھ دیکھ رہے تھے۔ ایک علوی نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہم نے کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ دو غلام ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کے پاس کھانے سے بھری ہوئی ایک زنبیل ہے۔ ہم نے بیٹھ کر کھایا اور خیال کیا کہ بقیہ کو غلام لے لے گا۔ مگر وہ باقی کو ہمارے پس چھوڑ گئے۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو علوی نے ہم سے کہا۔ کیا تم نے نبی ﷺ سے فریاد کی تھی۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے پاس کچھ لے جاؤں۔

۳- ابن جلا د کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور فاقہ سے تھا۔ میں نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ ”میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں“۔ اتنا عرض کر کے میں سو گیا۔ خواب میں نبی ﷺ نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی میں نے کھالی۔ آنکھ کھلی تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

۴- ابو الخیر قطع ذکر کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور فاقہ سے تھا پانچ دن اسی طرح رہا۔ پھر قبر شریف پر حاضر ہوا۔ اور نبی سلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین پر سلام عرض کیا اور یوں گویا ہوا۔ ”یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں“۔ یہ عرض کر کے میں قبر شریف کے پیچھے سو گیا۔ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ حضرت ابو بکر آپ ﷺ کے دائیں طرف عمر بائیں طرف اور حضرت علیؓ سامنے ہیں۔ مجھے حضرت علیؓ نے ہلایا اور کہا اٹھو! رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ میں نے اٹھ کر حضور ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ حضور ﷺ نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی میں نے کھالی آنکھ کھلی تو آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

۵- ابو عبد اللہ بن زرعہ صوفی ذکر کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد اور ابو عبد اللہ بن حنیف مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ ہم رات کو بھوکے رہے۔ میں ابھی بالغ نہ ہوا تھا اور اپنے والد سے بار بار کہتا تھا۔ کہ میں بھوکا ہوں۔ میرے والد نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ! آج رات میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں“۔ یہ عرض کر کے والد مراقب ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے سر اٹھایا تو کبھی روتے کبھی ہنستے۔ ان سے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے کچھ درہم میرے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ ہاتھ جو کھولا تو اس میں وہ درہم موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان درہموں میں اتنی برکت دی کہ ہم شیراز آ گئے اور وہاں بھی ان میں سے خرچ کرتے رہے۔

۶- احمد بن صوفی کا بیان ہے کہ میں تین مہینے بیابان میں پھرتا رہا۔ پھر مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ اور روضہ شریف پر حاضر ہو کر حضور ﷺ پر اور حضرات شیخین پر سلام عرض کیا۔ پھر سو گیا۔ خواب میں مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”اے احمد! تم آگے ہو؟“ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ میں بھوکا ہوں اور آپ ﷺ کا مہمان ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کھولو۔ میں نے ہاتھ کھول دیئے۔ حضور ﷺ نے میرے دونوں ہاتھ درہموں سے بھر دیئے۔ میری آنکھ کھلی تو دونوں ہاتھ درہموں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے نان میدہ اور فالودہ خرید اور کھایا۔ پھر اسی وقت صحرا کی راہ لی۔

۷- حافظ ابو القاسم بن عسا کر نے اپنی تاریخ میں بالاسناد نقل کیا ہے کہ ابو القاسم ثابت بن احمد بغدادی ذکر کرتے ہیں کہ ایک شخص نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے پاس نماز صبح کے لیے اذان دی۔ اور اس میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہا۔ خدام مسجد میں سے ایک نے یہ سن کر اس پر تھپڑ مارا۔ اس شخص نے رو کر عرض کیا۔ ”آپ کے حضور میرے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے“۔ اسی وقت اس خادم پر فاج لگ گیا۔ اسے وہاں سے اٹھا کر گھر لے گئے۔ اور وہ تین دن کے

بعد مر گیا۔ (۶۵)

۸۔ منجملہ روایت میں ابن نعمان یہ ہے کہ میں نے ابو اسحاق ابراہیم بن سعید سے سنا کہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ میرے ساتھ تین فقیر تھے۔ ہم فاقہ میں مبتلا ہوئے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت شریف میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ! ہمارے پاس کچھ نہیں۔ ہمیں تین مد کافی ہیں۔ خواہ کسی چیز کے ہوں۔“ اس کے بعد ایک شخص مجھ سے ملا۔ اس نے مجھے تین مد عمدہ کھجوریں عطا کیں۔

۹۔ امام ابن نعمان ہی بروایت ابو العباس بن نفیس مقرر نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا میں مدینہ منورہ میں تین دن بھوکا رہا۔ میں نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ! میں بھوکا ہوں۔ یہ عرض کر کے میں سو گیا۔ ایک لڑکی نے پاؤں مار کر مجھے جگا دیا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گئی اور گیہوں کی روٹی اور کھجوریں پیش کیں۔ اور کہا۔ ”ابو العباس! کھاؤ۔ میرے جد بزرگوار ﷺ نے مجھے یہ کھانا تیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ تمہیں جب بھوک لگے ہمارے پاس آ جایا کرو۔“

۱۰ تا ۱۳: علامہ سمودی اپنے مسموعات یوں بیان کرتے ہیں۔ میں نے شریف ابو محمد عبد السلام بن عبد الرحمن حسینی فاسی کو یہ فرماتے سنا کہ میں مدینہ منورہ میں تین دن رہا۔ مجھے کھانے کو کچھ نہ ملا۔ میں نے منبر شریف کے پاس دو گانہ ادا کر کے یوں عرض کیا۔ ”اے میرے، جد بزرگوار! میں بھوکا ہوں اور آپ سے ٹرید مانگتا ہوں۔“ یہ عرض کر کے میں سو گیا۔ ناگاہ ایک شخص نے مجھے جگا دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک چوہی پیالہ ہے جس میں ٹرید، گھی، مصالحہ اور گوشت ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ کھا لو۔ میں نے پوچھا کہ تم یہ کہاں سے لائے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میرے بچے تین دن سے اسی کھانے کی تمنا کرتے تھے۔ آج اللہ تعالیٰ نے کچھ کشائش کر دی تو میں نے یہ کھانا تیار کیا۔ پھر میں سو گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں۔ کہ تمہارا ایک بھائی مجھ سے اسی کھانے کی آرزو کرتا ہے۔ تم اس میں سے اس کو بھی کھلاؤ۔

میں نے شیخ ابو عبد اللہ بن ابی الامان کو یہ کہتے سنا کہ میں مدینہ منورہ میں محراب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے عقب میں تھا۔ شریف مکثر قاسمی محراب مذکور کے پیچھے سوئے ہوئے تھے۔ وہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت شریف میں حاضر ہوئے اور ہمارے پس مسکراتے ہوئے آئے۔ شمس الدین صواب خادم روضہ شریف نے ان سے مسکرانے کا سبب دریافت کیا انہوں نے بیان کیا کہ میں فاقہ سے تھا۔ اپنے گھر سے نکل کر بیت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں آیا۔ اور نبی ﷺ سے استغاثہ کیا کہ میں بھوکا ہوں۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ نے مجھے دودھ کا پیالہ عطا فرمایا۔ میں نے پی لیا اور سیراب ہو گیا دیکھ لو یہ موجود ہے۔ اور اپنے منہ

میں سے اپنے ہاتھ پر تھوک کر دکھلا دیا۔ ہم نے مشاہدہ کیا کہ ان کے منہ میں دودھ تھا۔ میں نے عبداللہ بن حسن دمیاطی کو بیان کرتے سنا کہ مجھ سے عبدالقادر تنیسی نے حکایت کی کہ میں فقیروں کی طرح سفر کر رہا تھا۔ میں نے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ سے کچھ عرض کیا اور بھوک کی شکایت کی۔ پھر میں وہیں سو گیا۔ ایک نوجوان نے مجھے جگا دیا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے شریک کا ایک پیالہ اور کئی قسم کی کھجوریں اور بہت سی روٹیاں پیش کیں۔ میں نے کھانا کھایا۔ اس نے گوشت و نان و تمر سے میرا توشہ دان بھر دیا۔ اور بیان کیا کہ میں نماز چاشت کے بعد سویا ہوا تھا خواب میں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں یہ کھانا پہنچا دوں۔ حضور ﷺ نے مجھے تمہاری جگہ بھی بتادی اور فرمایا کہ تم نے حضور ﷺ نے یہی تمنا کی تھی۔

میں نے اپنے دوست علی بن ابراہیم بوسیری کو فرماتے سنا کہ عبدالسلام بن ابی القاسم صقلی ذکر کرتے تھے کہ ایک ثقہ شخص نے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا مجھ سے بیان کیا کہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ میرے پاس کچھ نہ تھا میں کمزور ہو رہا تھا۔ ایک روز حجرہ شریف کے پاس آ کر میں نے عرض کیا۔ ”یاسید الاولین والآخرین! میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ پانچ ماہ سے آپ ﷺ کی خدمت میں ہوں۔ کمزور ہو گیا ہوں۔ یا رسول اللہ ﷺ! خدا سے دعا فرمائیے کہ میرے پاس کوئی بندہ ایسا بھیج دے جو مجھے پیٹ بھر کر یا مجھے اپنے ساتھ لے جائے۔“ میں یہ عرض کر کے منبر شریف کے پاس بیٹھ گیا۔ ناگاہ ایک شخص حجرہ میں داخل ہوا۔ اس نے کچھ کلام کیا اور کہا۔ اے جد بزرگوار اے جد بزرگوار! پھر میری طرف آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر باب جبریل سے نکلا۔ اور بقیع میں سے ہوتا ہوا ایک خیمہ میں پہنچا۔ وہاں اس نے غلام و کنیر سے کہا کہ اپنے مہمان کے لیے کھانا تیار کرو۔ چنانچہ غلام لکڑیاں چن لایا اور کنیر نے اناج پیس کر روٹی پکائی۔ روٹی کے ساتھ گھی اور کھجوریں تھیں۔ میں آدھی روٹی سے سیر ہو گیا اس نے باقی آدھی اور دو صاع کھجوریں میرے توشہ دان میں ڈال دیں۔ جب میں فارغ ہوا تو اس نے میرا نام پوچھا۔ میں نے بتلا دیا۔ پھر مجھ سے کہا کہ تجھے خدا کی قسم! میرے جد بزرگوار کے پاس پھر شکایت نہ کرنا۔ کیوں کہ انہیں ناگوار گزرتا ہے۔ آج سے بھوک کے وقت تیرا رزق تیرے پاس آ جایا کرے گا۔ یہاں تک کہ سفر کے لیے تجھے کوئی ساتھی مل جائے۔ پھر اس نے اپنے غلام سے کہا کہ ان کو حجرہ شریف میں پہنچا دو۔ جب میں غلام کے ساتھ بقیع میں آیا تو میں نے اس سے کہا کہ اب تم لوٹ جاؤ۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ اس نے کہا۔ یاسیدی۔ میں تو آپ کو حجرہ شریف میں پہنچا کر ہی آؤں گا۔ مبارک رسول اللہ ﷺ میرے آقا کو بتا دیں۔ غرض وہ مجھے حجرہ شریف میں پہنچا کر چلا گیا۔ میں چار روز توشہ دان میں سے کھاتا رہا۔ پھر مجھے بھوک لگی تو وہی غلام مجھے کھانا دے گیا۔ بعد ازاں ایسا ہی ہوتا رہا کہ جب بھی مجھے بھوک لگتی کھانا پہنچ

جاتا۔ یہاں تک کہ ایک جماعت کے ساتھ میں بیچ کی طرف نکلا۔

۱۴۔ علامہ سمودی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا۔ مصر کے حاجیوں کا قافلہ زیارت کو آیا۔ میرے ہاتھ میں خلوت کی کنجی تھی۔ جس میں میری کتابیں تھیں۔ ایک مصری عالم نے کہا کہ میرے ساتھ روضہ شریف میں چلو۔ جب میں واپس آیا تو مجھے کنجی نہ ملی۔ میں نے ہر چند مختلف جگہ تلاش کی مگر نہ ملی۔ یہ مجھ پر بہت ناگوار گزرا۔ کیوں کہ اس وقت مجھے کنجی کی سخت ضرورت تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ ”یا سیدی! یا رسول اللہ! میری خلوت کی کنجی کم ہو گئی ہے مجھے اس کی ضرورت ہے۔ میں آپ ﷺ کے پاس دروازے سے مانگتا ہوں۔“ یہ عرض کر کے میں واپس آیا تو ایک لڑکے کو جسے میں نہ پہچانتا تھا خلوت کے قریب دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ کنجی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں یہ کہاں سے ملی اس نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کے مولجہ شریف کے پاس تھی۔ میں نے وہاں سے اٹھالی (۶۶)۔

۱۵۔ علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ کئی سال مجھے ایک بیماری لاحق رہی جس کے علاج سے اطباء عاجز آگئے میں نے ۲۸ جمادی الاولیٰ ۸۹۳ھ کی رات کو مکہ شرفہ میں نبی ﷺ سے استغاثہ کیا۔ خواب میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے پاس ایک کاغذ ہے۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ اذن شریف نبوی کے بعد حضرت شریفہ سے یہ احمد بن قسطلانی کی دوا ہے۔ جب میری آنکھ کھلی تو واللہ میں نے اس بیماری کا کوئی نشان نہ پایا۔ اور نبی ﷺ کی برکت سے شفا حاصل ہو گئی۔

۱۶۔ علامہ قسطلانی اپنا دوسرا واقعہ یوں ذکر کرتے ہیں کہ ۵۸۵ھ میں زیات شریف کے بعد میں مصر کو آ رہا تھا کہ مکہ کے اتے میں ہماری خادمہ غزال حبشہ پر کئی روز آسیب کا اثر رہا۔ اس بارے میں میں نے نبی ﷺ سے استغاثہ کیا خواب میں ایک شخص نظر آیا۔ جس کے ساتھ وہ جن تھا۔ اس نے کہا اس جن کو رسول اللہ ﷺ نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ میں نے اس جن کو ملامت کی اور اس سے حلف لیا کہ آئندہ اس خادمہ کے پاس نہ آئے گا۔ میری آنکھ کھلی تو خادمہ پر آسیب کا کچھ اثر نہ تھا گویا اس کو قید سے رہا کر دیا گیا ہے وہ عافیت میں رہی۔ یہاں تک کہ میں نے ۸۹۳ھ میں اس کو علیحدہ کر دیا۔

۱۷۔ علامہ یوسف نہبانی نقل فرماتے ہیں کہ کثیر بن محمد بن رفاعہ نے بیان کیا کہ ایک شخص عبد الملک بن سعید بن خیاری بن جبیر کے پاس آیا۔ اس نے اس شخص کا پیٹ ٹٹولا اور کہا کہ تجھے لا علاج بیماری ہے۔ اس نے پوچھا کیا بیماری ہے؟ ابن جبیر نے کہا کہ دبیلہ (۶۷)۔ یہ سن کر وہ لوٹ آیا۔ اور

نے تین بار یوں دعا مانگی۔

اللہ اللہ اللہ ربی لا اشرفک بہ شیئا اللهم انی اتوجه الیک بنبتک محمد
صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بک الی ربک و ربی

ان یرحمنی ممابی رحمة یغنینی بها عن رحمة من سواہ۔

”اللہ، اللہ، اللہ میرا پروردگار ہے۔ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا یا اللہ! میں
تیری بارگاہ میں تیرے نبی محمد ﷺ نبی رحمت کے وسیلے سے پیش ہوتا ہوں۔ یا محمد! میں
آپ ﷺ کے اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ ﷺ کے وسیلے سے پیش ہوتا ہوں کہ وہ
اس بیماری میں مجھ پر ایسی رحمت کرے کہ جس سے کسی غیر کی رحمت سے مجھے بے نیاز کر

دے۔“

اس دعا کے بعد وہ پھر ابن جبیر کے پاس گیا۔ اس نے اس کا پیٹ ٹٹولا تو کہا کہ تو تندرست ہو گیا

ہے۔ تجھے کوئی بیماری نہیں (۶۸)۔

۱۸۔ ابو عبد اللہ سالم معروف بہ خواجہ نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں دریائے نیل کے
ایک جزیرہ میں ہوں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مگر مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ میں اس سے ڈر گیا۔
ناگاہ ایک شخص نے جو میرے ذہن میں آیا کہ وہ نبی ﷺ ہیں مجھ سے فرمایا کہ جب تو کسی سختی میں
ہو تو یوں پکارا کر۔

أَنَا مُسْتَجِيرٌ بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔

”یا رسول اللہ! میں آپ کی پناہ کا طلب گار ہوں۔“

اتفاق سے ان ہی ایام میں ایک نابینا نے نبی ﷺ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ میں نے اس سے اپنا
خواب بیان کر دیا اور کہہ دیا کہ جب تو کسی سختی میں مبتلا ہو تو یوں پکارا کرانا مستحیر بک یا رسول اللہ وہ روانہ
ہو کر رابع میں پہنچا وہاں پانی کی قلت ہے۔ اس کا خدمت گار پانی کی تلاش میں نکلا۔ راوی کا قول ہے
کہ اس نابینا نے مجھے سے ذکر کیا کہ میرے ہاتھ میں مشک خالی رہ گئی۔ میں پانی کی تلاش سے تنگ آ
گیا۔ اسی اثنا میں مجھے تمہارا قول یاد آ گیا۔ میں نے کہا۔ انا مستحیر بک یا رسول اللہ۔ اسی حال میں ناگاہ
ایک شخص کی آواز میرے کان میں پڑی کہ تو اپنی مشک بھر لے۔ میں نے مشک میں پانی کے گرنے کی
آواز سنی یہاں تک کہ وہ بھر گئی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ شخص کہاں سے آ گیا (۶۹)۔

۱۹۔ ابوالحسن علی بن مصطفیٰ عسقلانی ذکر کرتے ہیں کہ ہم بحر عیذاب میں کشتی میں جدہ کو روانہ ہوئے۔
سمندر میں طغیانی آ گئی۔ ہم نے اپنا اسباب مبارک سمندر میں پھینک دیا۔ جب ہم ڈوبنے لگے تو

نبی ﷺ سے استغاثہ کرنے لگے اور یوں پکارنے لگے۔ یا محمد! یا محمد! ہمارے ساتھ مغرب کا ایک نیک دل شخص تھا۔ وہ بولا۔ حاجیو! گھبراؤ مت۔ تم بچ جاؤ گے۔ کیوں کہ ابھی میں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ میں نے حضور سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ سے استغاثہ کر رہی ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مدد کرو۔ مغربی کا قول ہے کہ میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہا تھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ سمندر میں گھس گئے۔ انہوں نے کشتی کے پتوار پر اپنا ہاتھ ڈالا۔ اور کھینچتے رہے یہاں تک کہ خشکی سے جا لگے۔ چنانچہ ہم صحیح و سالم رہے۔ اور اس کے بعد بجز خیر ہم نے کچھ نہ دیکھا۔ اور صحیح و سالم خشکی پر پہنچ گئے (۷۰)۔

۲۰۔ علامہ نبہانی شواہد الحق میں عبدالرحمن زجولی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ میری آنکھ ہر سال خراب ہو جایا کرتی تھی۔ ایک سال مدینہ منورہ میں میری آنکھ دکھنے لگی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فریاد کی۔ ”یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ کی حمایت میں ہوں اور میری آنکھ دکھ رہی ہے“ پس مجھے آرام ہو گیا اور حضور ﷺ کی برکت سے اب تک مجھے آنکھ کی تکلیف نہیں ہوئی۔

۲۱۔ علامہ نبہانی شواہد الحق میں کتاب الارشادات الی معرفۃ الزیارات سے نقل کرتے ہیں کہ اس کے مصنف شیخ ابوالحسن علی بن ابی بکر الساج الہروی، (متوفی بحلب ۶۱۱ھ) کہتے ہیں کہ جزیرہ میں ایک شہر تو نہ ہے۔ وہاں مشہد نبی ﷺ اور مشہد علیؓ موجود ہیں۔ میں نے جزیرہ والوں سے ان مشاہدہ کی نسبت دریافت کیا کہ کیا یہ نبی ﷺ اور علیؓ مر تضاۃ کے نام پر بنائے گئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ قصہ تفصیل طلب ہے۔ پھر ایک خوبصورت شیخ کو بلا کر بتلایا کہ یہ شخص جذام میں مبتلا ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اس کی بیماری سے ڈر کر اسے جزیرہ کے ایک طرف نکال دیا تھا۔ ایک رات اس نے ایسا غل مچایا کہ لوگ وہاں پہنچ گئے اور اسے تندرست کھڑا دیکھا۔ جب اس کا حال دریافت کیا گیا تو اس نے بیان کیا کہ اس جگہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں۔ ”یہاں مسجد بنو او“۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بیمار ہوں۔ لوگ میری بات کا یقین نہ کریں گے۔ حضور ﷺ نے ایک شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے علی! اس کا ہاتھ پکڑو۔ حضرت علیؓ نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

امام ابن نعمان مصنف مصباح الظلام فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسجد کو دیکھا۔ ہمارے استاد

حافظ دمیاطی اور دیگر شیوخ اس قصہ کا ذکر کرتے ہیں۔

۲۲۔ علامہ نبہانی اپنی کتاب سعاد الدارین میں خود اپنے استغاثہ کا قصہ یوں تحریر فرماتے ہیں کہ کسی ناخدا ترس دشمن نے میرے اوپر ایسا افتراء باندھا کہ سلطان عبدالحمید خان نے حکم دیا کہ مجھے معزول کر کے دور علاوہ میں بھیج دیا جائے یہ سن کر مجھے بے قراری ہوئی۔ جمعرات کا دن تھا جمعہ کی رات میں نے ایک ہزار دفعہ استغفار پڑھا اور تین سو پچاس بار یہ درود شریف پڑھا۔ اللہم صل علی ال سیدنا محمد قد ضاقت حیلتی ادر کنی یا رسول اللہ۔ مجھے نیند آ گئی۔ آخر رات پھر جاگا اور ہزار دفعہ درود شریف پڑھ کر حضور ﷺ سے استغاثہ کیا۔ جمعہ کی شام ہی کو سلطان کی طرف سے تارا گیا کہ مجھے بحال رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ سلطان کو نصرت دے اور مفتری کو رسوا کرے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

۲۳۔ امام شرف الدین بوسیری (متوفی ۶۹۳ھ) اپنے قصیدہ بردہ کا سبب تصنیف یوں بیان فرماتے ہیں: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں بہت سے قصیدے لکھے جن میں سے بعض وزیر زین الدین یعقوب بن زبیر کی درخواست پر تصنیف ہوئے بعد ازاں ایسا اتفاق ہوا کہ میں مرض فالج میں مبتلا ہو گیا اور اس سے میرا نصف بدن بے کار ہو گیا۔ میرے جی میں آیا کہ حضور ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھوں۔ چنانچہ میں نے یہ قصیدہ بردہ تیار کیا۔ اور بتوسل حضور اکرم ﷺ بارگاہ باری تعالیٰ میں اپنی عافیت کے لیے دعا کی۔ میں نے اس قصیدے کو بار بار پڑھا اور آنحضرت ﷺ کے توسل سے دعا کی اور سو گیا، (اب دیکھیے احمد مختار کی مسیحائی اور محمد عربی کی چارہ فرمائی) خواب میں زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے اپنا دست شفا میرے مفلوج حصہ پر پھیرا۔ اور اپنی چادر (بردہ) مبارک مجھ پر ڈال دی۔ آنکھ کھلی تو میں نے اپنے تئیں تندرست و قوی پایا۔ میں نے اس قصیدہ کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا۔ مگر جب میں صبح کو گھر سے نکلا تو راستے میں ایک درویش نے مجھ سے کہا کہ وہ قصیدہ مجھے عنایت فرمائیے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں لکھا ہے۔ میں نے کہا۔ آپ کون سا قصیدہ طلب فرماتے ہیں؟ وہ بولے کہ جو تم نے بحالت مرض لکھا ہے اور اس کا مطلع بھی بتا دیا اور یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم! رات کو یہی قصیدہ میں نے دربار نبوی میں سنا ہے۔ جب یہ پڑھا جا رہا تھا تو حضور ﷺ اس کو سن کر جھوم رہے تھے۔ جیسا کہ باد نسیم کے جھونکے سے میوہ دار درخت کی شاخیں جھومتی ہیں۔ حضور انور ﷺ نے ان کو پسند فرمایا اور پڑھنے والے پر ایک چادر ڈال دی۔ یہ سن کر میں نے اپنا خواب بیان کیا اور یہ قصیدہ اس

درویش کو دے دیا۔ اس نے لوگوں سے ذکر کر دیا اور یہ خواب مشہور ہو گیا (۷۱)۔
 ۲۴۔ شیخ شمس الدین محمد جرزی شافعی (متوفی ۷۳۴ھ) اپنی مشہور کتاب حصین من کلام سید المرسلین کے دیباچہ میں اپنے استغاثہ کا یوں ذکر کرتے ہیں۔

”جب میں اس کی ترتیب و تہذیب پوری کر چکا تو مجھے ایسے دشمن (امیر تیمور) نے طلب کیا کہ اللہ کے سوا کوئی اس کو دفع نہیں کر سکتا تھا۔ میں اس دشمن سے چھپ کر بھاگ گیا اور اس کتاب کو میں نے اپنا حصین بنایا۔ میں نے حضور سید المرسلین کو خواب دیکھا۔ میں حضور ﷺ کے بائیں جانب بیٹھا ہوا ہوں۔ حضور ﷺ گویا فرما رہے ہیں کہ تو کیا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے لیے اور مسلمانوں کے لیے اللہ سے دعا کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے۔ میں دیکھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے دعا مانگی۔ پھر دست مبارک چہرے پر ملے۔ یہ زیارت شب پنج شنبہ کو ہوئی۔ اور شب یک شنبہ کو دشمن بھاگ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان احادیث کی برکت سے جو اس کتاب میں ہیں مجھے اور مسلمانوں کو دشمن سے نجات دی۔“

۲۵۔ فقیہ ابو محمد اشبیلی نے اپنی کتاب فضیلت حج میں لکھا ہے کہ اہل غرناطہ میں سے ایک شخص کو ایسا مرض لاحق ہو گیا کہ اس کے علاج سے اطباء عاجز ہو گئے اور شفاء سے مایوس ہو گئے۔ وزیر ابو عبد اللہ محمد بن ابی الخصال نے ایک نامہ بحضور نبی کریم ﷺ لکھا اور اس مریض کی شفاء کے لیے اشعار میں حضور سے توسل کیا۔ یہ نامہ کسی کے ہاتھ مدینہ منورہ کو بھیج دیا گیا۔ جب وہ اشعار حضور ﷺ کے روضہ شریف پر پڑھے گئے تو بیمار اپنے وطن میں اسی وقت تندرست ہو گیا۔ نامہ لے جانے والے نے واپس آ کر اسے دیکھا تو ایسا تندرست پایا۔ کہ گویا وہ کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا۔ (۷۲)

۲۶۔ ابو محمد عبد اللہ بن محمد ازوی کمال جو اندلس میں ایک نیک شخص تھا۔ بیان کرتا ہے کہ اندلس میں ایک شخص کا بیٹا قید ہو گیا۔ وہ اپنے بیٹے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے فریاد کرنے کے لیے اپنے شہر سے نکلا۔ راستے میں کوئی اس کا واقف ملا۔ اس نے کہا کہاں جاتے ہو اس شخص نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ سے فریاد کرنے جاتا ہوں۔ کیوں کہ رومیوں نے میرے بیٹے کو گرفتار کر لیا ہے اور تین سو دینار زر فدیہ قرار دیا ہے۔ مجھ میں استطاعت نہیں۔ اس واقف نے کہا کہ نبی ﷺ سے استغاثہ ہر جگہ مفید نہیں ہے۔ مگر وہ نہ مانا۔ جب مدینہ میں پہنچا تو روضہ شریف پر حاضر ہو کر اپنا حال عرض کیا اور حضور ﷺ سے توسل کیا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی ﷺ فرما رہے ہیں کہ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔ جب وہ اپنے شہر میں واپس آیا۔ تو اپنے بیٹے کو موجود پایا۔ اس سے

حال دریافت کیا تو بیٹے نے کہا کہ فلاں رات مجھ کو اور بہت سے قیدیوں کو خدا تعالیٰ نے رہائی دی۔ وہ رات وہی تھی جس میں اس کا باپ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔ جب وہ اپنے شہر میں واپس آیا۔ تو اپنے بیٹے کو موجود پایا۔ اس سے حال دریافت کیا تو بیٹے نے کہا کہ فلاں رات مجھ کو اور بہت سے قیدیوں کو خدا تعالیٰ نے رہائی دی۔ وہ رات وہی تھی جس میں اس کا باپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا (شواہد الحق)۔

۲۷۔ ابراہیم بن مرزوق بیانی کا بیان ہے کہ جزیرہ شقر کا ایک شخص قید ہو گیا اور بیڑیوں اور کاٹھ میں ٹھوک دیا گیا۔ وہ یا رسول اللہ ﷺ پکار پکار کر فریاد کرتا تھا اس کے بڑے دشمن نے طنزاً کہا کہ اس سے کہو تمہیں چھڑا دے۔ جب رات ہوئی تو ایک شخص نے اسے بلایا اور کہا کہ اذان کہو۔ وہ بولا کہ تم نہیں دیکھتے کہ میں کس حال میں ہوں؟۔ پھر اس نے اذان کہی جس وقت وہ اشہد ان محمد رسول اللہ پر پہنچا تو اس کی بیڑیاں وغیرہ خود بخود ٹوٹ گئیں۔ اور اس کے سامنے ایک باغ نمودار ہوا۔ وہ باغ میں پھر رہا تھا کہ اسے ایک راستہ مل گیا جس سے وہ جزیرہ شقر میں جا پہنچا۔ اور اس کا قصہ اس کے شہر میں مشہور ہو گیا۔ (شواہد الحق)۔

۲۸۔ سیدی محمد بن سعید بصری الاصل قریشی شافعی (متوفی ۸۳۹ھ) کے خلاف شاہ یمن نے کچھ طلب دنیا کے لیے لکھ دیا تھا۔ اس پر آپ نے حضور تاجدار مدینہ ﷺ کی جناب میں یوں توسل و استغاثہ کیا۔

مالی سوی جاہ النبی محمد جاہ بہ احمی و ابلغ مقصدی فکم بہ زال
العنا عنی وقد اعد مت فی ظن العذول المعتدی یا قلب لا تجزع و کن
خیر امری اضحی یروجی غارۃ من احمد فعسی توافیک الفوائد ممسیاً
ولعل تاتیک البشائر فی غد۔

”میرے واسطے نبی محمد کے جاہ کے سوا کوئی ایسا جاہ نہیں کہ جس کے وسیلے میں محفوظ رہوں اور اپنے مقصد کو پہنچوں کیوں کہ بہت دفعہ آپ کے وسیلہ سے میری تکلیف دور ہو گئی۔ حالانکہ میں ملامت کرنے والے ستم گر کے گمان میں محتاج و ہیچ تھا اسے دل تو بے صبری نہ کر اور اچھا مرد بن۔ جو احمد سے غارت کا امیدوار رہے۔ کیوں کہ قریب ہے تجھے شام کو فائدے پہنچیں گے اور امید ہے تجھے کل بشارتیں آئیں گی۔“

آپ نے اس نظم کو تمام نہ کیا تھا کہ نیند آگئی۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہم غارت کے لیے آگئے ہیں۔ تو ہر رات ہم پر ایک ہزار بار درود

بھیجا کر۔ سورج غروب نہ ہونے پایا تھا کہ منصور کی بیماری کی خبر آئی۔ پھر تیسرے دن وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (جامع الکرامات للنہانی۔ بحوالہ منادی جزء اول ص ۱۵۶)

۲۹۔ سیدی ابوالعباس مری کا بیان ہے کہ میں جہاز پر سوار ہو گیا۔ تلاطم کے سبب سے ہم سب ڈوبنے لگے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی۔

اللہم بحرمة نبيك الامي انقذني و سلمني۔

”یا اللہ! تو اپنے نبی مصطفیٰ کے طفیل مجھے بچالے اور سلامت رکھ۔“

میں اس دعا سے فارغ نہ ہوا تھا کہ مجھے جہاز کے گرد فرشتے نظر آئے جنہوں نے مجھے سلامتی کی بشارت دی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو خوشخبری دی کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تم کل صبح صحیح و سالم موضع مریہ میں پہنچ جاؤ گے۔ (جامع الکرامات بحوالہ مصباح الظلام، جزء اول ص ۲۷۷)

۳۰۔ امام شرف الدین بوسیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ ہمزیرہ میں یوں فریاد کرتے ہیں:

”اور ہم گنہگاروں کے بوجھ سے نحیف و ناتواں ہو کر آپ کے پاس آئے ہیں دہلی اونٹنیاں ہمیں بارگاہِ غنا میں لائی ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں ذاتی حاجتیں ہیں۔ جن کے لیے آپ کے دست مبارک کی سخاوت سے چارہ نہیں پس ہماری مدد کیجئے۔ اے فریاد زدو باراں جب کہ خلقت قحط سے تنگ آجائے۔“

۳۱۔ شیخ الاسلام حافظ ابوالفتح تقی الدین بن دقیق العید (متوفی ۱۱ صفر ۷۱۲ھ) تو سل و استغاثہ کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:

واتینا اليك انضاء فقر	حملتنا الى الغنى انضاء
وانطوت في الصدور حاجات نفس	مالها عن يدي يدك انطواء
فاغثنایامن هو الغوث والغيث	اذا اجهد الوری اللراء
اقول لركب سائرين ليثرب	ظفرتم بتقريب النبی المقرب
فبثوالیه كل شكوى ومتعب	وقصر اعليه كل سنول ومطلب
وانتم بمرانی للرسول ومسمع	ستحمون فی مغناه خیر حماية
وتكفون ماتخشون ای كفاية	رتبدو الکم من عنده كل اية
فحلوا من التعظیم ابعدا غاية	فحق رسول الله اكبر ما رعى

(طبقات الشافعية الكبرى للآج السبکی۔ ترجمہ ابن دقیق العید)

”میں یثرب جانے والے شترسواروں سے کہتا ہوں۔ کہ تم کو نبی مقرب کی زیارت نصیب ہو۔ تم حضور سے ہر ایک مرض و مشقت عرض کر دینا۔ اور ہر ایک درخواست و مطلب بیان کر دینا۔ اس حال میں کہ رسول اللہ تمہیں دیکھتے اور تمہاری بات سنتے ہوں گے اور حضور کی منزل میں تمہاری خوب حفاظت ہوگی۔ اور جس چیز سے تم ڈرتے ہو اس سے خوب بچاؤ ہوگا۔ اور حضور کے ہاں سے تمہارے واسطے ہر نشان ظاہر ہوگا۔ پس تم غایت درجہ کی تعظیم سے اترنا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا حق ان سب سے بڑا ہے جن کی رعایت کی جانی ضروری ہے۔“

۳۲- علامہ کمال الدین بن زملکانی انصاری (متوفی ۱۶- رمضان ۷۳۷ھ) جنہوں نے مسئلہ زیارت و استغاثہ میں اپنے ہم عصر ابن تیمیہ کی تردید میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اپنے قصیدہ مدحیہ میں یوں فرماتے ہیں:

يا صاحب الجاه عند الله خالق	ماود جاهك الا كل افاك
انت الوجيه على رغم العدا ابا	انت الشفيح لفتاك ونساک
يا فرقة الزبيغ لا لقيت صالحة	ولا سقى الله يوما قلب مرضاك
ولاحظت بجاه امصطفى ابا	ومن اعانك في الدنيا ووالاك
يا فضل الرسل ويا مولی لانام ويا	خير الخلائق من انس واملاك
هاقد قصدتك اشكو بعض ما صنعت	بي الذنوب وهذا ملجاء الشاكي
قد قيدتني ذنوبي عن بلوغ مدى	قصدي الى الفوز منها فهي اشراكي
فاستغفر الله لي واسأله عصمته	فيها بقى وغنى من غير امساك
عليك من ربك الله الصلوة كما	منا عليك السلام الطيب الزاكي

(نوات الوفيات، جزء ثانی ص ۲۵۱)

”اے خدائے خالق کے نزدیک قدر و منزلت والے! سوائے روح گو کے کسی نے آپ کے جاہ و منزلت کو رد نہیں کیا دشمنوں کی خواہش کے برعکس آپ ﷺ ہمیشہ آبرو والے ہیں۔ آپ ﷺ دلیروں اور عابدوں کے شفیع ہیں۔ اے فرقہ کج رو! تو کسی نیکی کو نہ پائے۔ اور نہ خدا کسی روز تیرے مریضوں کے دل سیراب کرے اور نہ تو جاہ مصطفیٰ سے کبھی فائدہ اٹھائے۔ اور نہ دنیا میں تیرے مددگار و دوست فائدہ اٹھائیں۔ اے فضل الرسول اے تمام مخلوقات کے آقا۔ اے تمام انس و ملاک سے بہتر! لو میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا

ہوں۔ تاکہ میں آپ ﷺ سے اپنے گناہوں کے سلوک کی شکایت کروں اور آپ ﷺ کی بارگاہ ہی فریاد کرنے والے کا بلجا ہے۔

میرے گناہوں نے مجھے میرے غایت قصد تک پہنچنے سے روک کر اپنے میں پھنسا لیا۔ پس وہ میرا جال ہیں۔ پس آپ ﷺ خدا سے میرے لیے مغفرت طلب کیجئے اور آئندہ اس سے حفاظت اور غنابلا امساک کی دعا کیجئے۔ آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے پروردگار اللہ کی طرف سے درود ہو۔ جیسا کہ ہماری طرف سے آپ ﷺ پر عمدہ پاک سلام ہو۔

(نوات الوفيات۔ جزء ثانی ص ۲۵۱)

۳۳۔ مشہور مؤرخ قاضی عبدالرحمن معروف بہ ابن خلدون مالکی (متوفی ۸۰۸ھ) یوں استغاثہ کرتے ہیں۔

ہب لی شفاعتک الی ارجواہا
ان النجاة وان اتیحت لامری
انی دعوتک واثقا باجابتی
”مجھے اپنی شفاعت عطا فرمائیے جس سے میں اپنے برے گناہوں کی معافی کی امید کر سکوں اگر نجات کسی مرد کے لیے مقدر ہے تو وہ آپ کے جاہ کے طفیل سے تشبیب سے نہیں میں آپ کو پکارتا ہوں۔ مجھے قبولیت کا یقین ہے اے خیر مدعو اے خیر مجیب!“

(المقالات الوفیة فی الرد علی الوہابیہ)

۳۴۔ شیخ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۳ھ) یوں عرض کرتے ہیں:

نبی اللہ یاخیر البرایا
وارجوا یا کریم العفو عما
فقل یا احمد بن علی اذهب
بجھاک تقی فصل القضاء
جنتہ یدای یارب الحباء
الی دار النعیم بلا شقاء

(المقالات الوفیة)

”اے اللہ کے نبی اے تمام مخلوق سے بہتر! حضور ہی کی قدر و منزلت کے طفیل قیامت میں میرا بچاؤ ہوگا۔“

اے کریم اے صاحب جو دو عطاء! میں ان گناہوں کو جو مجھ سے ہوئے ہیں معافی کی امید کرتا ہوں۔ حضور ﷺ فرمادیں کہ اے احمد بن علی جنت میں بغیر مشقت کے چلا جا۔“

(المقالات الوفیة)

۳۵۔ امام عمر بن الوردی یوں عرض کرتے ہیں:

يارب بالهادى البشر محمد وبلدينه العالى على الاديان
 ثبت على الاسلام قلبى واهدنى ، للحق وانصرنى على الشيطان
 ”اے میرے پروردگار ہادی بشر حضرت محمد ﷺ کے طفیل سے اور حضور ﷺ کے دین کی
 برکت سے جو سب دینوں پر غالب ہے میرے دل کو اسلام پر ثابت رکھ اور حق کی طرف
 میری رہنمائی کر اور مجھے شیطان پر غلبہ دے۔“ (القرات و غیر)

۳۶۔ مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ ہمزئیہ میں اس طرح استغاثہ فرماتے ہیں:

رسول الله ياخير البرايا نوالك ابتغى يوم القضاء
 اذا ما حل خطب مدلهم فانك الحصن من كل البلاء
 اليك توجهى وبك استنادى وفيك مطامعى وبك ارتجائى
 ”اے اللہ کے رسول ﷺ اے تمام خلق سے بہتر قیامت کے دن میں آپ ﷺ کی عطا و
 بخشش چاہتا ہوں جب کوئی سخت مصیبت پیش آئے تو حضور ﷺ ہی ہر بلا کے بچاؤ کے
 لیے قلعہ ہیں۔ حضور ﷺ ہی کی طرف میری توجہ ہے اور حضور ﷺ ہی میرا سہارا ہیں اور
 حضور ﷺ ہی سے بھلائی کی طمع اور حضور ہی سے امید ہے۔“

۳۷۔ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ اطیب النغم کی تضمین میں یوں
 فرماتے ہیں:

مدار وجود الكون فى كل لحظة ومفتاح باب الجود فى كل عسرة
 وتمسك الملهون فى كل شدة ومعتصم المكروب فى كل غمرة
 ومنتجع الغفران من كل تائب اليك قد العين حين ضراعة
 ”آپ ہر لحظہ وجود عالم کے دار و مدار ہیں۔ اور ہر مشکل میں سخاوت کے دروازے کی کنجی
 ہیں اور ہر شدت میں پریشان بے قرار کی پناہ ہیں۔ اور ہر مصیبت میں آفت رسیدہ کا سہارا
 ہیں۔ اور ہر ایک توبہ کرنے والے کے لیے بخشش کا وسیلہ ہیں۔ خشوع و خضوع کے وقت
 آپ ہی کی طرف آنکھ اٹھتی ہے۔“

۳۸۔ استاد کبیر شیخ حمد اللہ شبراوی مصری رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے وقت یوں عرض کرتے ہیں:

يا رسول الله اتى مذهب ومن الجود قبول المذنب
 يانبي الله مالى حيلة غير جتى لك ياخير نبى
 عظم الكرب ولى فيك رجاء فيه يارب فرج كربى

(مقالات و فیہ)

”یا رسول اللہ! میں گنہگار ہوں۔ گنہگار کی عرض کا قبول کرنا جو دو کرم ہے۔ یا نبی اللہ یا سید الانبیاء۔ آپ کی محبت کے سوا میرا کوئی حیلہ نہیں۔ میرا اندہ و غم بڑا ہے۔ مجھے آپ سے امید ہے۔ اے پروردگار! حضور کے طفیل سے میرا غم دور کر دے۔ (مقالات و فیہ)

۳۹۔ حضرت حاجی حافظ شاہ محمد امداد اللہ رحمہ اللہ دربار نبوی میں یوں عرض کرتے ہیں:

کرم فرماؤ ہم پر اور کروحق سے شفاعت تم
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر
جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
ہمارے جرم و عصیاں پر نہ جاؤ یا رسول اللہ
میری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ
بس اب چاہو تراؤ یا ڈباؤ یا رسول اللہ
(رسالہ درد نامہ غمناک)

۴۰۔ مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی یوں عرض کرتے ہیں:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
یہ ہے اجابت حق کو تری دعا کا لحاظ
خدا ترا تو جہاں کا ہے واجب الطاعت
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
قضائے مبرم و مشروط کی نہیں ہے پکار
جہاں کو تجھ سے تجھے اپنے حق سے ہے سروکار
(قصائد قاسمی)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۱۸ھ میں جسے عام حدیث تو سئل بالعباس کی بحث: الرماۃ کہتے ہیں سخت قحط پڑا۔ چوپائے اور انسان بھوک کی شدت سے مرنے لگے۔ لوگوں نے تنگ آ کر حضرت فاروق اعظم سے استسقاء کے لیے درخواست کی جسے امام بخاری نے یوں نقل کیا ہے:

عن انس بن مالك ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا
استسقی بالعباس بن عبدالمطلب رض اللہ عنہ فقال اللهم نتوسل اليك
بنبينا صلى الله عليه وسلم ستسقيننا وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقيننا
قال فيسقون۔ (باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

”انس بن مالک سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں میں قحط پڑا۔ عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی اور یوں عرض کیا۔ یا اللہ! ہم تیری جناب میں اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے پس تو ہمیں بارش عطا کر دیتا تھا۔ اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں۔ پس ہمیں بارش عطا کر

(قول راوی) پس بارش ہو رہی تھی۔“

ابن تیمیہ اور ان کے مقلدین نجد یہ کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم نے جو رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت عباسؓ سے توسل کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بعد وفات شریف توسل جائز نہیں۔ ورنہ حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ ایسا نہ کرتے۔ ابن تیمیہ کا یہ اجتہاد ایجاد بندہ ہے۔ علماء اہل سنت میں سے آج تک کسی نے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حیات و وفات میں اس طرح فرق کرنا کمال درجہ کی شقاوت ہے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ مسئلہ زیارت و توسل کی مخالفت کا خمیازہ جو ابن تیمیہ کو بھگتنا پڑا، ہم اس کی طرف پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔ اب ہم حدیث زیر بحث کی نسبت بطریق اختصار حسب ذیل گزارشیں کرتے ہیں۔

صحابہ کرام نے اس دعاء باراں میں نام نامی حضرت عباسؓ کو وسیلہ نہیں بنایا۔ بلکہ یوں عرض کیا کہ اے پروردگار ہم تیری جناب میں اپنے نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ نام نامی لے کر وسیلہ پکڑنا بھی جائز تھا مگر اس موقع پر فاروق اعظمؓ اور دیگر صحابہ کرام کو حضرت عباسؓ کی قرابت نبوی جتلا کر گویا حضور ﷺ ہی کا وسیلہ پیش کرنا منظور تھا۔ چنانچہ خود حضرت عباسؓ اپنی زبان مبارک سے اقرار کرتے ہیں جیسا کہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں بدیں الفاظ مذکور ہے:

وفي الحديث ابى صالح فلما صعد عمرو معه العباس المنبر قال عمر
اللهم انا توجهنا اليك بعم نبيك و صنوايه فاسقنا الغيث ولا تجعلنا من
القانتين ثم قال قل يا ابا الفضل العباس اللهم لم ينزل بلاء الا بزنب ولم
يكشف الا بتوبة فقد توجه بي القوم اليك لمكانى من نبيك (الحديث)

”اور حدیث ابوصالح میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ و عباسؓ منبر پر چڑھے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا اللہ ہم تیری جناب میں تیرے نبی ﷺ کے چچا کو جو بجائے والد نبی ﷺ کے ہیں پیش کرتے ہیں تو ہمیں بارش عطا فرما اور ہمیں نا امید نہ کر۔ پھر کہا اے عباس تم بھی دعا کرو۔ حضرت عباسؓ نے یوں دعا کی۔ یا اللہ! نہیں اتری کوئی بلا مگر گناہ کے سبب سے اور نہیں دور ہوئی مگر توبہ سے۔ اور قوم نے اس واسطے میرا وسیلہ پکڑا ہے کہ میرا تعلق تیرے نبی ﷺ سے ہے۔“

خود عمر فاروق کے بیان سے بھی صاف پایا جاتا ہے کہ یہاں حقیقت میں آنحضرت ﷺ سے توسل ہے۔ حافظ ابن عبد البر استیعاب میں حضرت عباس بن عبد المطلب کے حالات میں لکھتے ہیں:

ورويانا من وجوه عن عمر انه خرج يستسقى و خرج بالعباس فقال اللهم انا

نتقرب اليك بعمّ نبيك صلى الله عليه وسلم و نتشفع به فاحفظ فيه نبيك
 صلى الله عليه وسلم كما حفظت الغلامين لصلاح ابيهما (الحديث)
 ”حضرت عمرؓ سے ہمیں کئی وجہ سے روایت پہنچتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ حضرت عباسؓ کو
 لے کر نکلے۔ اور عرض کیا۔ یا اللہ! ہم بوسیله تیرے نبی ﷺ کے چچا کے تیری جناب میں
 حاضر ہوتے ہیں اور ان کو اپنا شفیع بناتے ہیں۔ پس تو اس میں اپنے نبی ﷺ کی رعایت کر
 جیسا کہ تو نے ان دو یتیم بچوں کی رعایت ان کے باپ کی نیکی کے سبب کی (کہ ان کی
 گرتی دیوار کو سیدھا کھڑا دیا)۔“

حضرت عباسؓ میں آنحضرت کی رعایت کا مطلب یہی ہے کہ قرابت نبوی کو ملحوظ رکھ کر بارش کی
 دعا کو شرف قبولیت عطا فرما۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں بھی یہی مضمون تقریباً ان ہی الفاظ میں مذکور
 ہے۔ عمدۃ القاری میں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب مرتدین کے مقابلہ میں لشکر
 اسلام کو روانہ کیا تو آپ حضرت عباسؓ کے ساتھ مشایعت کے واسطے شہر سے باہر نکلے اور کہا:

يا عباس استنصر و انا ومن فاني ارجوا ان لا يخيب دعوتك لمكانك من
 نبى الله صلى الله عليه وسلم۔

”اے عباس! مدد کی دعا مانگو اور میں آمین کہتا جاؤں۔ کیوں کہ مجھے امید ہے کہ تمہاری دعا
 بیکار نہ جائے گی بوجہ اس کے کہ تمہارا نبی ﷺ سے تعلق ہے۔“

خلاص کلام یہ کہ حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنانا صرف قرابت نبوی کے سبب سے تھا اور یہ تو سل
 بالنبی ہے ﷺ۔ بایں ہمہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حدیث زیر بحث میں حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت
 عباسؓ کی ذات خاص سے بلا تعلق قرابت نبوی کے وسیلہ پکڑا تو اس سے حضور ﷺ کی ذات پاک سے
 وسیلہ پکڑنے کا انکار نہیں نکلتا۔ حضور ﷺ کے وسیلہ ہونے اور حضور کے ذریعہ سے دعا مانگنے کا ثبوت
 مطلقاً اسی حدیث میں موجود ہے۔ اب اس مطلق تو سل کو کہ عام ہے حالت حیات اور وفات سے، مقید
 بحالت حیات کرنا اور حالت وفات کی نفی کرنا کس قاعدہ سے ہے۔۔ اور دلالات اربعہ علم اصول (عبارة
 النص و اشارة النص و الالة النص و اقتضاء النص) میں سے کون سی دلالت اس نفی تو سل پر دلالت کرتی
 ہے۔ ہرگز کوئی دلالت نفی تو سل پر نہیں کرتی۔ یہ اجتہاد بے بنیاد کسی علمی قاعدے پر مبنی نہیں۔ کیوں کہ اگر
 مثلاً ایک شخص میں ایک وصف پایا جائے تو وہ دوسرے شخص میں اس وصف کے نہ پائے جانے کی دلیل
 نہیں کر سکتا۔ پس اس صورت میں حدیث زیر بحث سے تو سل بالنبی ﷺ کے علاوہ اہل بیت و دیگر صلحاء
 امت سے تو سل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے مختلف اوقات میں ہر دو طریق پر

عمل کیا ہے۔ یہاں نجد یہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس موقع پر صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ (جو افضل ذریعہ ہیں) کو چھوڑ کر دوسرا وسیلہ کیوں اختیار کیا۔ اس کا جواب کئی طرح سے دیا گیا ہے۔

اولاً۔ حافظ ابن عبدالبر استیعاب (ترجمہ عباس بن عبدالمطلب) میں یوں لکھتے ہیں:

قال ابو عمر و كان سبب ذلك ان الارض اجذبت اجداً بشديداً علي عهد عمر زمن الرمادة و ذلك سنة سبع عشرة فقال كعب يا امير المؤمنين ان بني اسرائيل كانوا اذا اصابهم مثل هذا استسقوا العصبه الانبياء فقال عمر هذا عم رسول الله ﷺ و صنوابيه و سيد بني هاشم فمشى اليه عمر و شكوا اليه ما فيه الناس من القحط ثم صعد المنبر و معه عباس۔ الخ

”ابو عمر نے کہا کہ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر کے عہد میں عام الربادۃ میں سخت خشک سالی تھی۔ اور یہ ۷۷ھ تھا۔ حضرت کعب نے کہا۔ اے امیر المؤمنین بنی اسرائیل میں جب ایسا قحط پڑتا تھا تو وہ پیغمبروں کی ایک جماعت کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا اور بمنزلہ والد نبی اور سید بنی ہاشم ہیں۔ پس حضرت عمر نے حضرت عباس سے قحط کی شکایت کی جس میں لوگ مبتلا تھے۔ پھر منبر پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت عباس بھی تھے۔

پس یہاں بھی قرابت نبوی کی وجہ سے توسل ہے جو توسل بالنبی ہے ﷺ۔

ثانیاً۔ علامہ ابن حجر، پتیمی مکی جوہر معظم ص ۷۷ میں فرماتے ہیں:

و كان حكمة توسله به دون النبي ﷺ و قبره اظهار غاية التواضع لنفسه

وارفعة لقرابة النبي فقی توسله به توسل بالنبي ﷺ و زیادة۔

”گویا نبی ﷺ اور آپ کی قبر شریف کو چھوڑ کر حضرت عباس سے توسل کرنے میں حکمت

بمقابلہ حضرت عباس اپنی تواضع کا ظاہر کرنا اور قرابت نبوی کی رفعت کا اظہار تھا۔ پس

حضرت عباس سے توسل توسل بالنبی ﷺ ہے۔ اور زیادت ہے۔“

ثالثاً۔ شیخنا العلامة مولانا مشتاق احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ دفع التامل عن التوسل بسید الرسل

ص ۷۷ میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

یہ علم کلام کا مسئلہ مسلمہ ہے کہ ولی کی کرامت اس نبی ﷺ کا معجزہ ہے جس کی امت میں وہ ولی

ہے۔ یہ جو کرامت حضرت عباس سے اس موقع استسقاء پر ظاہر ہوئی کہ ان کی دعا سے مینہ برسا، یہ معجزہ

رسول اکرم ﷺ کا ہوا۔ یہاں افضل ذریعہ کو صحابہ نے چھوڑا نہیں بلکہ اور زیادہ فضیلت کو جتلا دی اور بتلا

دیا کہ ہمارے پاس ایسا افضل ذریعہ ہے جس کے ادنیٰ خادموں یا جس کے قرابت داروں کے وسیلہ بنانے سے خداوند کریم دعا قبول فرمالیتا ہے۔ انتہی

ان نجد یہ سے پوچھنا چاہیے کہ تمہارا دعویٰ تو سل بالحدیث ہے۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ قیامت کے دن سب لوگ بغرض شفاعت دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس یکے بعد دیگر جائیں گے۔ پھر اخیر میں حضور سید المرسلین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ شفاعت عظمیٰ کے بعد جو حضور ﷺ سے مختص ہے۔ علماء اور شہداء امت بھی گنہگاروں کے لیے جو دوزخ میں ہوں گے شفاعت فرمائیں گے۔ پس وہاں افضل ذریعہ چھوڑ کر دوسرے وسیلہ کیوں اختیار کیے جائیں گے۔ اس حدیث تو ظاہر ہے کہ افضل ذریعہ کی موجودگی میں دیگر وسائل اختیار کرنا جائز ہے۔ غرض تو سل بالنبی ﷺ جائز، تو سل باہل البیت والصلحاء جائز۔ ایک وقت میں ہر دو معاً جائز اور مختلف اوقات میں علیحدہ علیحدہ بھی جائز ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال شریف کے بعد صحابہ کرام کو کئی موقعوں پر تو سل کی ضرورت پڑی ہے۔ جن میں سے استغاثہ و تو سل زیر بحث ایک مثال ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انہوں نے ایسے مواقع پر کس طرح تو سل کیا ہے۔ اس کتاب میں ایسی دس مثالیں پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ جن کا ما حاصل ہم یہاں بالترتیب دہراتے ہیں۔

۱۔ حضور اقدس ﷺ کا وصال شریف ہو چکا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ چہرہ مبارک سے چادر اٹھا کر یوں پکارتے ہیں:

اذ کرنا یا محمد عند ربك ولنكن من بالك۔

”اے محمد ﷺ، ہمیں اپنے پروردگار کے پاس یاد کرنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا۔“

۲۔ ذفن شریف کے تیسرے روز ایک اعرابی مزار مقدس پر حاضر ہو کر عرض کرتا ہے۔ ”یا رسول اللہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ ﷺ میرے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔“ قبر شریف سے آواز آئی تجھے بخش دیا گیا۔

۳۔ عہد فاروقی میں قحط پڑا۔ حضرت بلال بن حارث صحابی مزار شریف پر حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کی امت ہلاک ہو رہی ہے۔ بارش کی دعا فرمائیں۔ حضور ﷺ خواب میں حضرت بلالؓ سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے میرا سلام کہو اور بارش کی بشارت دو۔ اور ان سے یہ بھی کہہ دو کہ دین میں نرمی اختیار کریں۔ چنانچہ بلالؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ خبر سنائی، آپ سن کر رو پڑے۔ اگر بعد وفات شریف تو سل جائز نہ ہوتا تو امیر المومنین ضرور منع کرتے۔

۴۔ ایک سال مدینہ منورہ میں قحط پڑتا ہے لوگ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فریاد کرتے ہیں۔ حضرت

ممدوحہ فرماتی ہیں کہ روضہ شریف پر حاضر ہو کر ایک روشندان آسمان کی طرف کھول دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ اور خوب بارش ہوتی ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے اس توصل پر اعتراض نہ کیا۔ بلکہ بعد میں یہ طریق توصل اہل مدینہ میں جاری رہتا ہے۔ حضرت صدیقہ کی علمی قابلیت محتاج بیان نہیں۔ اگر وفات شریف کے بعد توصل ناجائز ہوتا تو صحابہ کرام سکوت نہ فرماتے۔ یہ جواز توصل پر اجماع سکوتی ہے۔

۵- عہد فاروقی میں عام الرماد ہی کا واقعہ ہے کہ حضرت بلال بن حارث صحابی اپنے اہل خانہ کے اصرار پر ایک بکری ذبح کرتے ہیں۔ کھال اتارنے پر سرخ ہڈیاں نظر آئیں تو یوں پکارتے ہیں۔ یا محمد اہ۔

۶- عہد فاروقی ہی میں ۱۵ھ میں مسلمانوں کا مقابلہ یوقنا حاکم حلب کے لشکر جرار سے ہوتا ہے۔ حضرت کعب بن حمزہ لشکر اسلام کے بچانے کے لیے بے چین ہو رہے ہیں۔ اور یوں پکارتے ہیں۔
یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل۔

ترجمہ: ”یا محمد! یا محمد! اے نصرت الہی! نزول فرما۔“

اس لشکر اسلام میں کس قدر صحابہ شامل ہوں گے۔ مگر کسی نے اس استغاثہ پر اعتراض نہیں کیا۔
۷- ۱۳ھ میں حضرت عمر فاروق اپنا خط عبداللہ بن قرط صحابی کے ہاتھ حضرت عبیدہ بن الجراح کے نام پر موک بھیجتے ہیں۔ اور بوسیلہ حضور رسول اکرم ﷺ سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ جاتے وقت حضرت عبداللہ روضہ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں۔ وہاں آپ کی درخواست پر حضرت عباسؓ و حضرت علیؓ روضہ شریف پر ہاتھ اٹھا کر یوں کرتے ہیں:

اللہم انا نتوسل بهذا النبی المصطفیٰ والرسول المجتبیٰ۔ الخ

ترجمہ: یا اللہ! ہم اس نبی مصطفیٰ و رسول مجتبیٰ کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں۔ الخ۔

اس موقع پر حضرات حسینؓ و حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی اس دعا میں شریک ہیں اس کے بعد حضرت علیؓ حضرت عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ اب جائیے۔ اللہ تعالیٰ عمر و عباسؓ و علیؓ و حسنؓ و حسینؓ و ازواج رسول اللہ کی دعا کو رد نہ کرے گا۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑا ہے جو اکرم المخلوق ہیں۔

۸- حضرت ابن عمرؓ کا پاؤں سو گیا۔ آپ پکارتے ہیں یا محمد ﷺ! اور خوابیدگی دور ہو جاتی ہے۔

۹- ایک شخص کسی حاجت کے لیے بار بار حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ مگر حضرت خلیفہ توجہ نہیں فرماتے۔ حضرت عثمان بن حنیف صحابی اس شخص کو وہ طریق توصل بناتے ہیں جو خود حضور رسول

اکرم ﷺ نے ایک نابینا کو بتایا تھا جس میں یہ الفاظ ہیں:

اللهم انى اسئلك و اتوجه اليك محمد نبى الرحمة يا محمد انى
اتوجه بك الى ربك ان تقضى حاجتى۔

”وہ شخص اس پر عمل کرتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے یہی عمل آج تک مشائخ امت میں جاری ہے۔“

۱۰۔ بنو عامر (قبیلہ حضرت نابغہ جعدی) بصرہ میں کھیتوں میں اپنے مواشی چرایا کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی ابو موسیٰ اشعری کو ان کے طلب کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ حضرت نابغہ اپنی قوم کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ ان کو تازیانے لگاتے ہیں۔ حضرت نابغہ صحابی اس تشدد کی فریاد آنحضرت ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے یوں کرتے ہیں:

فيا قبر النبى و صاحبيه۔ الا يا غوثنا لو تسمعونا۔

”پس اے قبر نبی ﷺ کی اور آپ کے دو صحابہ کی دیکھنا اے ہمارے فریاد رس کاش آپ سنیں۔“

میں نے یہ مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس واسطے دہرائی ہیں کہ مومنوں کے ایمان کو تازگی بخشتی ہیں۔ اس عشرہ کاملہ کے علاوہ قرآن کریم کی دو آیتوں سے تو سل زیر بحث کا ثبوت۔ خود حضور اکرم ﷺ کا انبیائے سابقین علیہم السلام سے تو سل۔ حضرات تابعین کا تو سل بالنبی ﷺ۔ اعرابی کا قصہ بروایت امام عقیلی (متوفی ۲۲۸ھ) جسے علماء مذاہب اربعہ نے آداب زیارت میں شمار کیا ہے۔ پھر اس زمانے تک تو سل کی اور چالیس مثالیں۔ یہ سب کچھ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ زیادہ کی ضرورت نہیں۔

قارئین کرام! غور کا مقام ہے۔ حضور رسول اکرم ﷺ ابتداء آفرینش سے تا قیامت واسطہ وسیلہ و ذریعہ ہیں۔ چنانچہ خلق عالم میں آپ ﷺ ہی واسطہ تھے۔ عالم ارواح میں انبیاء کرام کی روحوں نے جو علوم و معارف حاصل کیے وہ آپ ﷺ ہی کے واسطہ و ذریعہ سے کیے۔ اس عالم میں انبیاء کرام کو جو مشکلات پیش آئیں اور جو انعامات الہی ان پر ہوئے ان مشکلات کا حل اور ان انعامات کا حصول آپ ﷺ ہی کے واسطہ سے تھا۔ دنیا میں وجود عنصری کے ساتھ تشریف لانے پر خالق و مخلوق میں واسطہ آپ ﷺ ہی کی ذات اقدس تھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ”دیتا خدا ہے، بانٹتا میں ہوں“۔ صحابہ کرام قضائے حاجات کے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں آپ ﷺ ہی کا واسطہ پیش کیا کرتے تھے۔ وفات شریف کے بعد زمانہ صحابہ کرام سے آج تک ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے اور تا قیامت رہے گا۔ عرصات قیامت میں تمام امتوں کی مشکل کا حل آپ ﷺ ہی کے واسطہ سے ہوگا۔ اندریں حالات منکرین کا تو سل بعد الوفات سے انکار نہایت حیرت انگیز ہے۔ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں بحیات حقیقیہ دنیویہ زندہ ہیں۔ آپ ﷺ کے تصرفات بدستور جاری ہیں اسی واسطے آپ ﷺ کی امت میں

قطب و اوتاد و ابدال تا قیامت رہیں گے۔ آپ ﷺ کی دنیوی زندگی میں جس اعلیٰ وصف کے سبب سے آپ ﷺ سے توسل کیا جاتا تھا وہ وفات شریف کے بعد بھی بدستور ثابت ہے کیوں کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔

اسی طرح وصف رحمۃ للعالمین بھی بعد الوفات آپ ﷺ میں موجود ہے کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ میری حیات اور میری ممات دونوں تمہارے واسطے بہتر ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بایں ہمہ آپ ﷺ کی حیات و ممات میں فرق کرنا اور توسل بعد الوفات کا انکار کرنا یقیناً حرمان و شقاوت کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ بجاہ حبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

اس کتاب میں شفاعت کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۴۔ عرصات قیامت میں شفاعت و توسل: شفاعت کے جس قدر انواع ہیں وہ سب حضور

سید المرسلین ﷺ کے لیے ثابت ہیں۔ جن میں سے بعض حضور ﷺ سے مختص ہیں اور بعض میں مشارکت ہے۔ قیامت میں سب سے پہلے جو باب شفاعت کھولیں گے وہ آنحضرت ﷺ ہوں گے۔ اس لیے حقیقت میں تمام شفاعتیں حضور ہی کی طرف راجع ہیں اور حضور ہی صاحب شفاعت علی الاطلاق ہیں۔ وہ انواع حسب ذیل ہیں:

1۔ شفاعت عظمیٰ ہے جو تمام خلائق کو عام ہے۔ اور حضور ﷺ کو مختص ہے۔ میدان حشر میں طول و قوف کے سبب سے سب لوگ گھبرا جائیں گے اور بغرض شفاعت انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس یکے بعد دیگر جائیں گے۔ مگر سب کی طرف سے یہی جواب ملے گا کہ ہم اس کے اہل نہیں۔ آخر کار حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں گے اور حضور ﷺ انا لہا (میں اس کا اہل ہوں) فرماتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں طول و قوف سے نجات اور تعجیل حساب کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔

2۔ ایک جماعت کے حق میں بغیر حساب بہشت میں داخل ہونے کے لیے شفاعت ہوگی۔ چنانچہ حضور ﷺ کی شفاعت سے ستر ہزار آدمی بے حساب بہشت میں جائیں گے۔ ان ستر ہزار کے ساتھ اور بہت سے بھی بے حساب جنت میں چلے جائیں گے۔ بعض کے نزدیک یہ نوع بھی آنحضرت ﷺ سے مخصوص ہے۔

3۔ وہ اقوام جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں۔ شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔

4۔ جو لوگ دوزخ کے مستحق و مستوجب ہیں وہ حضور ﷺ کی شفاعت سے بہشت میں چلے جائیں گے۔

5۔ ایک جماعت کے رفع درجات کے لیے حضور ﷺ کی شفاعت فرمائیں گے۔

6- گنہگار لوگ جو دوزخ میں ہوں گے وہ شفاعت سے نکل آئیں گے۔ یہ شفاعت تمام انبیاء و ملائکہ و شہداء میں مشترک ہے۔

7- استفتاح جنت کے لیے شفاعت ہوگی۔

8- جو لوگ عذاب دائمی کے مستحق ہوں گے ان (میں سے بعض) کے عذاب میں تخفیف کے لیے ہوگی۔

9- خاص اہل مدینہ کے لیے ہوگی۔

10- آنحضرت ﷺ کے روضہ شریف کے زائرین کے لیے ہوگی۔ (اشعۃ اللمعات جلد رابع ص ۴۰۴)

اب اخیر میں تو کلی مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے روتا ہوا دربار رسالت مآب میں یوں عرض کر رہا ہے:

”یا رسول اللہ! قیامت میں اس مسکین، عاجز، بے نوا، سراپا گناہ محمد نور بخش تو کلی کی

شفاعت فرما دیجئے گا“۔

هذا اخر الكلام في سيرة خير الانام۔ عليه الف الف تحية وسلام۔

رَبِّ تَقَبَّلْ مِنِّي هَذِهِ الْهَدِيَّةَ الطَّيِّفَةَ۔ لِحَبَابِ حَبِيبِكَ الْخَصِيبِ عَلَيْهِ الْوُفُؤُ

الصَّلَاةِ وَالتَّحِيَّةِ۔ وَاجْعَلْهَا لِي حُصُولَ رِضَاكَ وَنَيْلَ شَفَاعَتِهِ وَسَيْلَةً۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَّبِعِينَ بِشَرِيْعَتِهِ الْمُتَّصِفِينَ بِمُحَبَّتِهِ الْمُحْتَدِينَ بِهَدْيِهِ

وَسِيْرَتِهِ۔ وَتَوَقَّئِي عَلَى سُنَّتِهِ وَمِلَّتِهِ وَلَا تَحْرِمْنِي فَضْلَ شَفَاعَتِهِ۔ وَاحْشُرْنِي

فِي أَتْبَاعِهِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِينَ۔ وَأَشْيَاعِهِ السَّابِقِينَ وَأَصْحَابِي الْيَمِينِ۔ اللَّهُمَّ

اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِشُيُوْخِي وَلِسَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ

بِرَحْمَتِكَ يَا رَحْمَنُ يَا رَحِيمُ يَا غَفَّارُ يَا وَهَّابُ۔ هَذَا وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ

لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ

وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَوْلِيَاءِ أُمَّتِهِ وَأَتْبَاعِهِ أَجْمَعِينَ ۝



حواشی

حوالہ جات (باب پہلا)

- (۱) مصنف عبدالرزاق (متوفی ۲۱۱ھ) کے بروایت حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری۔ (۲)
ترمذی شریف (۳) اس آیت کا ترجمہ یوں ہے ”اور جب لیا اللہ نے اقرار پیغمبروں کا کہ البتہ جو کچھ
میں نے تم کو دیا کتاب و حکمت سے پھر آوے تمہارے پاس رسول سچا کرنے والا اس چیز کو کہ تمہارے
ساتھ ہے البتہ تم ایمان لاؤ گے اس پر اور البتہ مدد دو گے اس کو۔ کہا خدا نے کیا اقرار کیا تم نے اور لیا اس
پر عہد میرا۔ کہا انہوں نے اقرار کیا ہم نے۔ فرمایا خدا نے تم گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں سے
ہوں۔ انتہی (آل عمران رکوع ۵)۔ (۴) بلکہ لایا ہے حق کو سچا کیا ہے پیغمبروں کو (صافات رکوع ۲۶)۔
(۵) وفاء الوفاء فی فضائل المصطفیٰ لابن الجوزی۔ (۶) خصائص کبریٰ للسیوطی بحوالہ حاکم و طبرانی۔ (۷)
مجموعہ قصائد ص ۴۰۔

حوالہ جات (باب دوسرا)

- (۱) قصی کے حالات کے لئے دیکھو سیرت ابن ہشام اور سیرت حلبیہ۔ (۲) وفات حاجیوں
کے کھانے پینے کا انتظام کرنا سقایت حاجیوں کو آب زمزم پلانا۔ (۳) کامل ابن اثیر و سیرت حلبیہ۔
(۴) سلمی ہاشمی سے پہلے اجمہ بن جراح کے تحت میں تھی۔ جس سے عمرو بن اجمہ پیدا ہوا۔ (۵) یہ شہر مصر
کی طرف اقصائے شام میں واقع ہے۔ مطلب نے رومان میں عبد شمس نے مکہ میں اور نوفل نے سلمات
میں وفات پائی جو عراق سے مکہ کے راستے میں ایک قطعہ آب ہے۔ (۶) ان کے حالات کے لئے
دیکھو سیرت ہشامیہ اور سیرت بنو یوسف لیسید احمد زینی المشہور بدحلان۔ (۷) استیعاب ابن عبد البر۔ (۸)
بقول واقدی حارث کی ماں کا نام صفیہ بنت جندب ہے اور اروی حارث کی سگی بہن ہے۔ (۹) صحیح
بخاری کتاب النکاح باب وامہتکم التی ارضعنکم نیز زرقانی علی المواہب (جز اول ص ۳۸
(چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ ان حکمرانوں کے نام یہ ہیں۔ نوشیرواں، ہرمز بن نوشیرواں، خسرو پرویز
بن ہرمز، شیروہ بن خسرو پرواز، شیر بن شیروہ، شہریار یا شہریراز کسریٰ بن شیروہ (بقول بعض بن پرویز)
ملکہ بوران، ہمشیرہ شیروہ، فیروز خفش، ارزمید منت، ہمشیرہ شیروہ، خرزاد خسروانہ اولاد، پرویز بن ہرمز، ابن
مہر جنس از نسل اردشیر بن بابک، فیروز بن مہران جنس یزدین شہریار بن پرویز۔ (۱۰) مواہب زرقانی
۔ (۱۱) ابن سعد و ابو نعیم وغیرہ۔ (۱۲) ترمذی شریف۔ (۱۳) کیا راندہ قوم کتا تیرے قافلہ کو پناہ دے گا؟
دیکھو عقد الفرید لابن عبد ربہ۔ (۱۴) اور میں تیرا ٹھا کر اپنے چچاؤں کو دے رہا تھا۔ (۱۵) اعلام باعلام
بیت اللہ الحرام للعلامة قطب الدین الحنفی ص ۱۳۔ (۱۶) شرعی گز ۱۳۳ نکل کا ہوتا ہے۔ (۱۷) تفصیل

اعلام باعلام بیت اللہ الحرام میں ہے بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حجر کو حطیم نہ کہنا چاہئے کیونکہ یہ نام ایام جاہلیت میں وضع ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ ایام جاہلیت میں وہاں باہم قسم کھایا کرتے تھے اور عقد حلف کی علامت یہ ہوا کرتی تھی کہ معاہدین اپنا جو تاج یا جبک یا کمان حجر کی طرف پھینک دیا کرتے تھے۔ اس واسطے حجر کو حطیم کہا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

حوالہ جات (باب تیسرا)

- (۱) یہ خاکہ ابوالمند رہشام کلبی (متوفی ۲۰۲ھ) کی تصنیف کتاب الاضام سے ماخوذ ہے جو مصر میں ۱۳۲۳ھ میں چھپ چکی ہے۔ (۲) طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی مطبوعہ بیروت ۱۹۱۲ء ص ۲۳۔
- (۳) مجسم البلدان یا قوت حموی۔ تحت النواط۔ (۴) سیرت ابن ہشام۔ قصہ اصحاب الاخدود (۵) مذہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا۔ تحت عرب قدیم۔ (۶) حواة الحیوان للدمیری (جز اول ص ۱۶۹)
- بحوالہ بصائر القدماء لشیخ ابی حیان التوحیدی المتوفی ۳۸۰ھ (۷) کشف الغمہ اللقطب الشعرانی جز ثانی ص ۵۶۔ (۸) شرح فقہ اکبر لعلی القاری۔ (۹) تفصیل کے لئے صحیح بخاری کتاب التفسیر دیکھو۔ (۱۰) صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ شعراء۔ (۱۱) سیرت ابن ہشام (۱۲) سیرت ابن ہشام (۱۳) سیرت ابن ہشام (۱۴) صحیح بخاری کتاب الاجہاد۔ باب طرح جیف المشرکین فی البشر۔ (۱۵) سیرت ابن ہشام (۱۶) صحیح بخاری، مناقب ابو بکر۔ (۱۷) مشکوٰۃ شریف بحوالہ شرح السند باب المصافحہ والمعانقہ۔ (۱۸) تفصیل کے لئے دیکھو صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ۔ (۱۹) سیرت ابن ہشام۔ (۲۰) خصائص کبریٰ للسیوطی بحوالہ بیہقی و ابو نعیم۔ (۲۱) صحیح بخاری۔ باب نزول النبی ﷺ مکہ۔ (۲۲) سیرت ابن ہشام۔ (۲۳) سیرت ابن ہشام۔ (۲۴) سیرت ابن ہشام۔ (۲۵) یہ مقام موصل سے چھ دن کا راستہ ہے۔ اور موصل سے شام کو قافلہ کا راستہ ہے اس پر واقع ہے۔ (۲۶) شبین دو پہاڑ ہیں۔ جن کے درمیان مکہ مشرفہ واقع ہے ان کے نام یہ ہیں۔ ابو قیس اور تعیقعان۔ (۲۷) صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ (۲۸) اس بیعت کے حالات سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہیں۔

حوالہ جات (باب چوتھا)

- (۱) سیرت ابن ہشام۔ خبر، دارلندوہ۔ (۲) قصد ہجرت کے لئے دیکھو صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ (۳) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان اونٹنیوں کو چار ماہ سے ببول کی پیتیاں کھلا کھلا کر تیار کیا تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ (۴) سیرت ابن ہشام۔ (۵) مجسم البلدان لیا قوت الحموی۔ تحت۔ حزرہ۔ (۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر۔ (۷) مشکوٰۃ شریف

باب فی المعجزات فصل ثالث۔ (۸) صحیح بخاری باب علامات النبوت فی الاسلام۔ نیز باب مناقب
المہاجرین و فضائلہم۔ (۹) آپ کو اپنے پروردگار پر اعتماد تھا اس لئے آپ کو سراقہ کی کچھ پروا نہ تھی حضرت
صدیق اکبر کو اپنا تو خیال نہ تھا مگر محبت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا بڑا خیال تھا۔ اس لئے از روئے
شفقت پیچھے دیکھتے تھے کہ سراقہ کی طرف سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ (۱۰) صحیح بخاری۔ باب الحجر اة الی
المدینہ۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے سراقہ سے فرمایا کیف بك اذا بست سواری کسری۔ (تیرا
کیا حال ہوگا جب تو کسری کے دو کنگن پہنایا جائے گا) جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین و طائف سے
واپس ہوئے تو جہرانہ میں سراقہ نے وہ فرمان امن پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ آج وفا و احسان کا دن
ہے۔ سراقہ آگے بڑھے اور ایمان لائے۔ جب عہد فاروقی میں ایران فتح ہوا۔ اور کسری ہرمز کے کنگن
حضرت فاروق کے ہاتھ آئے تو آپ نے قول رسول کریم ﷺ کی تصدیق و تحقیق کے لئے وہ کنگن سراقہ
کو پہنادیئے اور فرمایا۔ الحمد لله الذی سلبہما کسری والبسہما سراقہ۔ (یعنی سب ستائش اللہ کو
ہے جس نے کسری جیسے عثمان عجم کے کنگن چھین کر سراقہ جیسے غریب بدوی کو پہنادیئے۔ سراقہ نے ۲۲ھ
میں بعہد حضرت عثمان غنی وفات پائی۔ (۱۱) مشکوٰۃ باب فی المعجزات فصل ثالث۔ (۱۲) استیعاب لابن
عبدالبروفاء الوفا للسمودی۔ (۱۳) اصابہ للمحافظ ابن حجر۔ ترجمہ شمس بنت نعمان۔ نیز وفاء الوفاء۔
(۱۴) وفاء الوفاء جز اول ص ۱۸۱۔ (۱۵) زاد المعاد وفاء الوفاء۔ (۱۶) مرقات شرح مشکوٰۃ جز و خامس
ص ۲۸۶ یعنی شرح صحیح بخاری۔ جزء ثانی ص ۶۱۳۔ (۱۷) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ (۱۸) جب آنحضرت
ﷺ غزوہ دومتہ الجندل کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کی غیر حاضری میں حضرت ام سلمہ نے اپنا
حجرہ بھی کچی اینٹوں کا بنالیا۔ آپ نے واپسی پر دریافت فرمایا کہ یہ عمارت کیسی ہے؟ ام سلمہ نے جواب
دیا۔ یا رسول اللہ میں نے یہ اس لئے بنایا لیا کہ لوگوں کی نظر نہ پڑے آپ نے فرمایا۔ ”ام سلمہ مسلمان
کے مال کا برا مصرف عمارت ہے“ وفاء الوفاء جز اول صفحہ ۳۲۷۔ (۱۹) الادب المفرد للبخاری صفحہ
۸۸۔ (۲۰) اس ارتفاع میں بظاہر تین ہاتھ کی بنیاد محسوب ہے (واللہ اعلم بالصواب) (۲۱) تعمیر مسجد
و مکانات کی تفصیل کے لئے دیکھو صحیح بخاری اور وفاء الوفاء۔ (۲۲) معجم البلدان للحموی تحت مدینہ
یثرب۔ زیادہ تفصیل وفاء الوفاء میں ہے۔ (۲۳) صحیح بخاری کتاب باب الصلوٰۃ علی الفراش۔ (۲۴)
استیعاب و اصابہ ترجمہ سراج النبی۔ (۲۵) صحیح بخاری کتاب المناقب۔ باب اخاء النبی ﷺ بین
المہاجرین و الانصار۔ (۲۶) صحیح بخاری۔ ابواب الحرث و المزارعة۔ (۲۷) صحیح بخاری کتاب المناقب
باب ویویرون علی انفسہم۔ (۲۸) زرقانی علی المواہب۔ غزوہ بنی نضیر بحولہ اکلیل حاکم نیشاپوری۔
نیز دیکھو فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر صفحہ ۲۶۔ (۲۹) صحیح بخاری کتاب الجہاد۔ باب ما قطع النبی

سیرت رسول عربی ﷺ من البحرین وما وعد من مال البحرین والجزیرہ۔ یہ حدیث کتاب المناقب اور کتاب المساقات میں بھی وارد ہے۔ (۳۰) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب رد المهاجرین الی الانصار من انھم من الشجر والشمحین استغفوا عنها بالفتوح۔ (۳۱) صحیح بخاری کتاب المغازی۔ باب ذکر النبی ﷺ ومن یقتل ببدر۔ (۳۲) بواء ایک قریہ ہے جو حنفہ سے ۲۳ میل ہے یہاں آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر ہے۔ (۳۳) بواط ایک پہاڑ کا نام ہے جو یثرب سے ایک دن کی راہ۔ (۳۴) ذوالعشیرہ مکہ مدینہ کے درمیان میں یثرب کے نواح میں واقع ہے۔ (۳۵) یہ مقام مکہ و طائف کے درمیان مکہ سے ایک دن کی راہ ہے۔ (۳۶) عمرو بن حضرمی کا باپ عبداللہ حضرمی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا حرب بن امیہ کا حلیف تھا اور حرب قریش کا رئیس تھا اور عثمان و نوفل حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا مغیرہ کے بیٹے تھے جو روسا قریش کے زمرہ میں شمار ہوتا تھا۔ (۳۸) طبقات ابن سعد و استعیاب و اصحابہ ترجمہ عمیر بن ابی وقاص۔ (۳۹) حدیث کعب بن مالک میں ہے انما خرج النبی ﷺ یرید عمیر قریش حتی جمع اللہ بینہ و بینہم علی غیر ميعاد۔ (یعنی آنحضرت ﷺ صرف قافلہ قریش کے قصد سے نکلے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق کو اچانک مقابل کر دیا، یہ حدیث صحیح بخاری مسلم میں ہے اور قرآن کریم کی آیت ذیل کی صحیح تفسیر ہے اور اگر آپس میں تم وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدے پر۔ لیکن اللہ کو کر ڈالنا تھا ایک امر کا جو ہو چکا تھا۔ حدیث کعب کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں۔ جو اسی مضمون کی تائید کرتی ہیں۔ (۴۰) صحیح مسلم کتاب الجہاد۔ باب سقوط فرض الجہاد عن المعذورین۔ حدیث انس بن مالک۔ (۴۱) بدر سے ۳۶ میل ہے۔ (۴۲) بدر سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ (۴۳) مقام روجاء تک حضرت مرشد کی جگہ حضرت ابولبابہ تھے۔ جب حضور اقدس ﷺ کی باری پیدل چلنے کی آتی تو حضرت علی و ابولبابہ عرض کرتے کہ آپ سوار ہو لیں ہم بجائے آپ کے پیدل چلتے ہیں مگر حضور فرماتے تم پیدل چلنے پر مجھ سے زیادہ قادر نہیں ہو اور نہ میں تمہاری نسبت اجر کا کم خواہاں ہوں طبقات ابن سعد۔ غزوہ بدر۔ (۴۴) سیرت ابن ہشام۔ (۴۵) صحیح بخاری باب ذکر النبی ﷺ من یقتل ببدر۔ (۴۶) سیرت ابن ہشام۔ (۴۷) قرآن مجید کی آیت ذیل میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور جس وقت سنوار نے لگا شیطان ان کی نظر میں ان کے کام اور بولا کوئی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن اور میں رفیق ہوں تمہارا۔ (۴۸) اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ کو مناخ بولتے ہیں۔ (۴۹) طبقات ابن سعد غزوہ بدر۔ (۵۰) حنفہ مدینہ کے راستے میں مکہ سے تین چار منزل ہے اور غدیر خم سے دو میل اور ساحل بحر سے قریباً تین منزل۔ (۵۱) نغمہ ابلدان لیا قوت الحماہی۔ (۵۱) کامل ابن الاثیر غزوہ بدر۔ بدر موسم عرب میں ایک موسم جیسا تھا جہاں ہر سال ایک دفعہ میاں لگا کرتا تھا حضور اقدس ﷺ نے بدر پہنچنے کے لئے جو راستہ

اختیار فرمایا تھا وہ روحاء میں سے تھا۔ روحاء اور مدینے کے درمیان چار دن کا رستہ ہے۔ پھر روحاء سے منصرف ایک برید۔ پھر ذات اجذال ایک برید پھر معاملات ایک برید پھر اٹیل ایک برید اور اٹیل سے بدر و میل طبقات ابن سعد۔ (۵۲) قرآن کریم کی آیت ذیل میں اسی طرف اشارہ ہوا ہے اور مت ہو کہ جیسے نکلے وہ لوگ اپنے گھروں سے اترتے اور لوگوں کو دکھاتے اور روکتے اللہ کی راہ سے۔ اور اللہ کے قابو میں ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اس کا اصل نام ابی تھا مگر جب بنو زہرہ کو لوٹا لے گیا تو کہا گیا نفس بہم (وہ ان کی واپس لے گیا) لہذا اس کو اخنس کہنے لگے (طبقات ابن سعد) اس کے اسلام میں اختلاف ہے۔ دیکھو اصحابہ فی تمیز الصحابہ۔ (۵۳) طبقات ابن سعد۔ مگر ضرب الامثال للبدانی میں ہے کہ ابو سفیان کا یہ خطاب بنو زہرہ سے تھا اور اسی نے لکھا ہے کہ یہ مثل سب سے پہلے ابو سفیان کی زبان سے نکلی تھی۔ بقول اصمعی اسے ایسے مقام پر بولا جاتا ہے جہاں کسی شخص کی قدرے تحقیر و تصغیر منظور ہو۔ (۵۴) سورة الانفال رکوع اول میں ہے۔ کما اخرجک ربک من بیتک بالحق الایہ۔ ۵ تا ۱۱۔ بعض نے پانچویں آیت میں وان فریقا من المومنین لکروہن کو حال حقیقیہ سمجھ کر کہا ہے کہ مدینہ سے نکلے اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت ایک ہی تھا۔ اور ساتویں آیت واذیعدکم اللہ کی رو سے دو فریق (کاروان تجارت و فوج قریش) میں سے ایک کا وعدہ بھی مدینہ ہی میں تھا مگر یہ درست نہیں کیونکہ جملہ دان فریقا حال حقیقیہ نہیں بلکہ مقدرہ ہے جیسا کہ تمام کتب تفسیر میں مذکور ہے اور واذیعدکم میں وادعاطفہ نہیں بلکہ استیناف ہے اور اذظرف ہے فعل مضمر اذ کروا کا نہ کہ اخرجک کا اس میں شک نہیں کہ نویں آیت (اذ نستغیثون) میں اور گیارہویں آیت (اذ یغشیکم النعاس) میں اذ بدل ہے اذیعدکم سے پس بنا بر تقریر بعض مذکور خروج من البیت وعدہ احدی الطائفتین استغاثہ مسلمین نیند کا طاری ہونا اور مینہ کا برسنا یہ سب مدینہ ہی میں ہونا چاہیے و ہذا کماتری تفصیل کے لئے رسالہ غزوات النبی مولف خاکسار دیکھو۔ (۵۴) سیرت ابن ہشام۔ (۵۵) صحیح بخاری غزوہ بدر باب قول اللہ اذ تستغیثون ربکم الایہ۔ سیرت ابن ہشام میں حضرت مقداد کی تقریر میں یہ بھی ہے۔ ”قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ برک الغماد کا قصد کریں گے تو ہم تلوار چلائیں گے۔ یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں۔“ بعض روایتوں میں یہی الفاظ حضرت سعد بن معاذ کی طرف منسوب ہیں۔ ممکن ہے دونوں نے ایسا ہی کہا ہو۔ جیسا کہ ابن المدینہ کا قول ہے۔ (معجم البلدان کیا قوت الحموی) برک الغماد مکہ مشرفہ سے پانچ دن کی راہ قضاے یمن میں حبشہ کے مقابل ایک شہر ہے۔ (۵۶) فاذهب انت وربک فقاتلا انا ہنا قاعدون۔ تو جا اور رب دونوں لڑو، ہم یہاں ہی بیٹھتے ہیں۔ (مائدہ ع۔ ۴) (۵۷) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔ (۵۸) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔ (۵۹) قرآن

کریم میں ہے اور جب وعدہ کرتا ہے اللہ ایک کا دو جماعتوں میں سے کہ یہ واسطے تمہارے ہے اور تم دوست رکھتے ہو یہ کہ بن شوکت والا ہی ہووے واسطے تمہارے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ سچا کرے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کائے پیچھا کافروں کا۔ حضور اقدس کا مطلب یہ تھا کہ کاروان اور لشکر قریش میں سے ایک کا وعدہ ہو چکا ہے۔ اب قافلہ تو ہاتھ سے جاتا رہا۔ لہذا قریش گرفتار ہوں گے تم سے۔ (۶۰) قرآن کریم میں ہے جس وقت تم تھے درے کے ناکے پر اور وہ پرے کے ناکے پر اور قافلہ نیچے اتر گیا تم سے۔ یعنی مسلمان قریب کے میدان میں مدینے کی طرف کو اترے اور کفار پر لے ناکے پر مکہ کی طرف اترے اور قافلہ مسلمانوں سے نیچے کی طرف ساحل سمندر کے قریب تھا۔ (۶۱) سیرت ابن ہشام۔ مگر صحیح مسلم میں ایک غلام کا ذکر ہے بظاہر حدیث مسلم کے راوی نے ایک ہی کے ذکر پر اختصار کیا۔ واللہ اعلم قرآن مجید میں ہے۔ اور جس وقت ڈال دی تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کو اور اتار تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے اور دور کرے تم سے شیطان کی نجاست اور محکم گرہ دے تمہارے دلوں پر اور ثابت کرے اس کے سبب تمہارے قدم۔ (۶۲) صواعق مخرقہ لابن حجر المکی بحولہ مسند بزار ص ۱۴۔ (۶۳) منتخب کنز الاعمال بروایت ابن عساکر۔ (۶۴) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر بروایت ابن اسحاق۔ (۶۵) طبقات ابن سعد غزوہ بدر۔ (۶۶) طبقات ابن سعد غزوہ بدر۔ (۶۷) ابو جہل لعین کے حلقہ دبر پر ایک برص کا داغ تھا۔ جسے وہ زعفران لگا کر زرد کرکھا کرتا تھا۔ سیرت ابن ہشام۔ (۶۸) در منشور للسیوطی بحوالہ دلائل بیہتی۔ جزء ثالث صفحہ ۱۶۷۔ (۶۹) قرآن مجید میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھایا تیرے خواب میں تھوڑے اگر وہ تجھ کو بہت دکھاتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے کام میں لیکن اللہ نے بچالیا اس کو معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں۔ (۷۰) قرآن مجید میں ہے۔ اور جب تم کو دکھائی دی وہ فوج وقت ملاقات کے تمہاری آنکھوں میں تھوڑی۔ اور تم کو تھوڑا دکھایا ان کی آنکھوں میں تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو ہو چکا تھا اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی۔ (۷۱) صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب سقوط فرض الجہاد عن المذورین۔ (۷۲) ابن سعد نے اس قول کو ثبت کہا ہے مگر سنن ابی داؤد میں بروایت حضرت علی وارد ہے کہ حضرت عبیدہ اور ولید میں مقابلہ ہوا۔ اور حضرت علی کا مقابلہ شیبہ سے ہوا۔ (۷۳) ان چھ (حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عبیدہ بن حارث، عتبہ، شیبہ، ولید بن عتبہ) کے بارے میں سورہ حج کی یہ آیت نازل ہوئی۔ ہذا ان خصمن اختصموا فی ربہم۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ حج) (۷۴) اللہم انجز لی ما وعدتہ اللہم ات ما وعدتہ اللہم انک ان تہلک هذا العصابة من اهل الاسلام لا تعبد فی الارض۔ (صحیح مسلم باب الامداد بالملائحۃ فی غزوہ بدر رواحۃ الغنائم)۔ (۷۵) امام خطابی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت

صدیق اکبر کو حضور اقدس ﷺ کی نسبت اس حالت میں وعدہ الہی پر زیادہ اعتماد تھا کیونکہ یہ قطعاً ناجائز ہے۔ بلکہ حضور نے اپنے اصحاب پر شفقت اور ان کے دلوں کی تقویت کے لئے ایسا کیا۔ اس لئے کہ یہ دشمن کے ساتھ پہلا مقابلہ تھا۔ لہذا دعائیں الحاح فرمایا کہ ان کے دل کو تسکین حاصل ہو۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ حضور کا وسیلہ مقبول اور ان کی دعاء مستجاب ہے۔ پس حضرت صدیق اکبر کو قوت و طمانیت قلبی سے معلوم ہو گیا کہ حضور کی دعا قبول ہوگئی۔ تو انہوں نے عرض کی کہ بس یہ کافی ہے۔ عینی شرح بخاری۔ (۷۶) قرآن کریم میں ہے جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو۔ کیا تم کو کفایت نہیں کہ تمہاری مدد بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترے البتہ اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیزگاری کرو۔ تم۔ اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے رب تمہارا پانچ ہزار فرشتے پلے ہوئے گھوڑوں پر۔ (۷۷) چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ پس جب سامنے ہوئیں دونو جیس الٹا پھر اپنی اڑیوں پر۔ اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں۔ میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (۷۸) اسی کی نسبت قرآن میں وارد ہے۔ اور تو نے نہیں پھینکی تھی مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی۔ (۷۹) چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ ابھی ہو چکا ہے تم کو ایک نمونہ دونو جوں میں جو بھڑی تھیں ایک فوج ہے لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری منکر ہے دیکھتے تھے وہ کافر مسلمانوں کو اپنے دو برابر صریح آنکھوں سے۔ اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے۔ اس میں عبرت ہے آنکھ والوں کے لئے۔ (۸۰) ہیزوم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے۔ یعنی اے ہیزوم آگے بڑھو۔ (۸۱) ترجمہ۔ شتاب شکست کھاوے گی جماعت اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر انتہی اس آیت میں نبوت ایک نشان ہے کیونکہ مکہ مشرفہ میں نازل ہوئی۔ جس میں پہلے یہ بتایا گیا تھا کہ کفار کو ہزیمت ہوگی۔ (۸۲) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔ (۳۸) صحیح بخاری کتاب الوکالت۔ (۸۳) اس لعین کا مطلب یہ تھا کہ تمہارا مجھے قتل کرنا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کو اس کی قوم قتل کر دے پس اس میں نہ تمہیں کوئی فخر ہے اور نہ مجھے کوئی عار ہے۔ (۸۵) صحیح بخاری۔ کتاب المغازی باب قتل ابی جہل۔ (۸۶) اس سماع موتی ثابت ہے اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو کتاب البرزخ مولفہ خاکستار دیکھو۔ (۸۷) غنیمت کے بارے میں مجاہدین میں جھگڑا ہوا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے قل الانفال اللہ والرسول الایقہ نازل فرمائی اور تقسیم کا معاملہ آنحضرت ﷺ کے سپرد کیا۔ پس حضور بانی ہوامی نے برابر تقسیم فرمائی۔ (۸۸) سیرت ابن ہشام۔ (۸۹) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔ (۹۰) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب هل یخرج المیت من القبر واللحد لعلقہ (۹۱) صحیح مسلم باب الامداد بالملنکة فی غزوة بدر و اباحة الغنائم (۹۲) اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔ نہ تھا لائق واسطے نبی کے یہ کہ ہوئیں واسطے اس کے بند یوان یہاں تک کہ

خوزیزی کرے بیچ زمین کے۔ ارادہ کرتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ ارادہ کرتا ہے آخرت کا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (۹۳) طبقات ابن سعد غزوہ بدر۔ (۹۴) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔ (۹۵) کامل ابن اثیر غزوہ بدر۔ (۹۶) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ”اے نبی کہہ دے ان کو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی اگر جانے گا اللہ تمہارے دل میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھین گیا اور تم کو بخشے والا۔ مہربان۔ (۹۷) کامل ابن اثیر غزوہ بدر۔ (۹۸) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔ (۹۹) لعل اللہ الطمع علی اهل بدر فقال عملوا ما شئتم فقد وجبت لكم الجنة او فقد غفرت لكم۔ (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی فصل من شہد بدر)۔ (۱۰۰) صحیح بخاری باب شہود الملئکة ببدر۔ (۱۰۱) سفر نامہ محمد بن جبیر اندلسی (اردو ترجمہ) مطبع احمدی ریاست رامپور صفحہ ۱۹۲۔ (۱۰۲) اس قتل کے سنہ و ماہ میں یہ مختلف اقوال ہیں۔ رمضان ۶ھ و ذوالحجہ ۵ھ و ذوالحجہ ۴ھ جمادی الاخریٰ ۳ھ رجب ۳ھ۔ (۱۰۳) احد ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے قریباً تین میل پر ہے۔ (۱۰۴) طبقات ابن سعد بخاری شریف میں ہے کہ تلوار کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا جس کی تعبیر صحاب کرام کی شکستگی و ہزیمت تھی۔ (۱۰۵) طلحہ بن ابی طلحہ کو کبش الکبتیہ کہتے تھے۔ (۱۰۶) صحیح بخاری کتاب الجہاد باب مایکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب۔ (۱۰۷) یہ وہی حربہ ہے جس سے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ حضرت وحشی کہا کرتے تھے۔ قتلت فی کفری خیر الناس و فی اسلامی شر الناس۔ یعنی میں نے اپنی کفر کی حالت میں خیر الناس کو شہید کیا۔ اور مسلمانوں ہونے کی حالت میں شر الناس کو قتل کیا۔ (۱۰۸) مسلمیہ کذاب کو امیر المؤمنین اس لئے کہا کہ اس پر ایمان لانے والوں کے امور کا مرجع وہی تھا۔ اس سے تلقیب مقصود نہ تھی۔ (۱۰۹) صحیح بخاری باب قتل حمزہ۔ (۱۱۰) سیرت ابن ہشام۔ (۱۱) سیر ابن ہشام بروایت ابن اسحاق۔ (۱۱۲) صحیح بخاری کتاب الجہاد باب قول اللہ عزوجل من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ۔ (الایہ)۔ (۱۱۳) سیرت ابن ہشام۔ (۱۱۴) اصابہ ترجمہ ثابت بن و حداح۔ (۱۱۵) ابن جوزی نے اور خطیب نے تاریخ میں محمد بن یوسف حفظ فریابی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کا رباعیہ توڑا تھا اس کے گھر میں جو بچہ پیدا ہوتا اس کا رباعیہ نہ اگتا۔ زرقانی علی المواہب جزء اول ص ۳۸۔ (۱۱۶) سیرت ابن ہشام۔ (۱۱۷) تفسیر در منثور للسيوطی بحوالہ طبقات ابن سعد۔ (۱۱۸) سیرت ابن ہشام۔ (۱۱۹) اللہ کا غضب سخت ہے اس پر جس نے اس کے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام)۔ (۱۲۰) صحیح بخاری غزوہ احد۔ (۱۲۱) صحیح بخاری غزوہ احد۔ (۱۲۲) استیعاب و مواہب۔ (۱۲۳) وفاء الوفاء للسمرودی جز ثانی ص ۱۱۳۔ (۱۲۴) صحیح بخاری غزوہ احد۔ (۱۲۵) طبقات ابن سعد۔ (۱۲۶) فارسی گور کیا بہ ہندی گندھلین گندھیل

(۱۲۷) بخاری غزوہ احد۔ (۱۲۸) طبقات ابن سعد۔ (۱۲۹) بخاری (باب ما یكون من النیاحۃ علی لمیت
)۔ (۱۳۰) زاد المعاد غزوہ احد۔ (۱۳۱) طبقات ابن سعد۔ (۱۳۲) استیعاب ابن عبد البر۔ (۱۳۳)
 بخاری۔ غزوہ احد۔ (۱۳۴) سیرت ابن ہشام۔ (۱۳۵) طبقات ابن سعد۔ (۱۳۵) بخاری کتاب
 الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید۔ (۱۳۷) فرط آنکہ پیش قوم رودتا اسباب آنخور رادرست کند۔ منتهی
 الارب۔ (۱۳۸) صحیح بخاری مع قسطلانی باب حدیث بنی نضیر۔ (۱۳۹) یہ موضع دمشق و مدینہ کے درمیان
 دمشق سے سات منزل پر ہے۔ (۱۴۰) کفار کا بڑے زور شور سے مدینہ پر حملہ کرنا مخلصوں کا ثابت قدم
 رہنا اور منافقوں کے کلمات نفاق کا سرزد ہونا اور طوفان باد سے لشکر کفار کا برباد ہونا یہ سب کچھ سورہ
 احزاب میں مذکور ہے۔ (۱۴۱) صحابہ فیل کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فیل کو مکہ میں داخل
 ہونے سے روک دیا تھا تا کہ جان و مال کا نقصان اور بیت اللہ کی بے حرمتی نہ ہو اور اس کے حبیب پر
 غلامی کا دھبہ نہ لگے اسی قسم کے امور کے لئے خدا تعالیٰ نے قصواء کو مکہ میں داخل ہونے سے روک
 دیا۔ (۱۴۲) حدیبیہ مکہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔ (۱۴۳) بدیل مذکور فتح مکہ کے دن ایمان لایا۔
 قبیلہ خزاعہ نے زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کے داد عبدالمطلب سے عہد موالات کیا تھا اسی کی رو
 سے بدیل کا اس موقع پر خدمت اقدس میں حاضر ہونا بغرض خیر خواہی تھا۔ (۱۴۴) عربی میں امصصن
 بنظر الام گالی ہے۔ حضرت ابو بکر نے بجائے ام کے لات کہہ دیا۔ اس میں عروہ اور اس کے معبود کی
 تحقیر ہے۔ وہ لات کو خدا کی بیٹی کہا کرتے تھے لہذا عروہ پر چوٹ ہے کہ لات اگر خدا کی بیٹی ہے تو اس
 کے لئے وہ چاہئے جو عورتوں میں ہے۔ (۱۴۵) ایک دفعہ عروہ کو دیت دینی پڑی تھی اس میں حضرت ابو
 بکر نے عروہ کو مدد دی تھی یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ (۱۴۶) مغیرہ اور ثقیف کے تیرہ آدمی تحائف لے
 کر مقوقس والی مصر کے ہاں گئے تھے جو انعام ملا وہ تیرہ نے لے لیا اور مغیرہ کو کچھ نہ دیا۔ واپسی پر رستے
 میں وہ تیرہ شراب پی کر سو گئے۔ مغیرہ نے سب کو قتل کر دیا۔ اور مال لے کر مدینہ میں حاضر ہوا اور اسلام
 لایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تیرا اسلام ہم قبول کرتے ہیں مگر مال میں دخل نہیں دیتے۔ اس پر
 فریقین میں لڑائی ہو۔ عروہ نے دیت دے کر ثقیف سے صلح کر لی۔ (۱۴۷) رسول اللہ ﷺ نے سہیل سے
 جو موافقت کی اس میں بڑی مصلحت تھی جو صحابہ کرام کو اس وقت معلوم نہ ہوئی۔ یہ حقیقت میں بڑی فتح
 تھی۔ یہی سہیل حجۃ الوداع میں حاضر ہے۔ حضور انور قربانی دینے کے بعد اپنا سر مبارک منڈا رہے ہیں
 اور سہیل آپ کے بامبارک لے کر اپنی آنکھوں پر رکھ رہا ہے علاوہ ازیں باسمک اللہم اور بسم اللہ
 الرحمن الرحیم۔ کے ایک ہی معنی ہیں۔ (۱۴۸) اس شرط میں بھی موافقت بنا۔ مصلحت تھی۔ اور وہ
 اس صلح کے ثمرات و فوائد تھے اس سے کفار کو رسول اللہ ﷺ کے حالات سننے اور دیکھنے کا موقع مل گیا اور

وہ اسلام کی طرف مائل ہو گئے چنانچہ حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان کچھ لوگ اسلام لائے۔ مگر فتح مکہ کے بعد گروہ درگروہ اسلام میں داخل ہوئے۔ (۱۳۹) حالات مذکورہ کے لئے دیکھو قانی علی المواہب۔ (۱۵۰) یہ شہر اقصائے شام میں مصر کی طرف واقع ہے۔ (۱۵۱) صحیح بخاری کتاب العلم و کتاب الجہاد۔ (۱۵۲) اصابہ ترجمہ جد جمیرہ۔ (۱۵۶) ہدیۃ الجہادی لابن قیم مواہب لدنیہ۔ (۱۵۷) جب حضرت ابو موسیٰ اشعری کو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی خبر پہنچی تو وہ اور ان کے دو بھائی اور ان کی قوم کے باون یا تین آدمی یمن سے ہجرت کر کے ایک کشتی میں مدینہ کو روانہ ہوئے۔ مگر باو مخالف کے سبب سے امن کی کشتی ساحل حبشہ پر جا لگی۔ اس لئے وہ حبشہ میں حضرت جعفر طیار کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس سفر میں وہ بھی حضرت جعفر کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔ (۱۵۸) ہدیۃ الحباری ابن القیم۔ (۱۵۹) تفصیل کے لئے دیکھو ہدیۃ الجہادی اور مواہب لدنیہ۔ (۱۶۰) ذوقرد ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ اور خیبر کے درمیان مدینہ سے ایک دن (بقول بعض دو دن) کی مسافت پر ہے۔ (۱۶۱) خیبر مدینہ سے شام کی طرف ۹۶ میل کے فاصلہ پر ہے اس بڑی بستی میں سات قلعے اور کھیت و باغات کثرت تھے۔ قلعوں کے نام یہ ہیں ناعم۔ قموص۔ شق۔ نظاۃ۔ سلام۔ وطح۔ کتیہ۔ معجم البلدان۔ (۱۶۲) صحیح بخاری غزوہ خیبر۔ (۱۶۳) فتوح البلدان بلاذری ذکر خیبر۔ (۱۶۴) بلاذری ذکر فدک۔ (۱۶۵) مشکوٰۃ شریف باب فی المعجزات فصل ثانی۔ (۱۶۶) یہ مقام شام و وادی القرئی کے درمیان واقع ہے۔ موتہ اور مشارف دیہات بلقاء میں سے ہیں شہر معابن بلقاء کے نواح میں ہے۔ (۱۶۷) زر قانی علی المواہب بحوالہ مغازی ابن عائد بروایت ابن عمر۔ (۱۶۸) تم کرو جو چاہو البتہ میں نے تم کو معاف کر دیا صحیح بخاری باب غزوہ لفتح و مابعث حاطب بن ابی بلتعہ الی اہل مکہ (۱۶۹) یہ مقام مکہ شریف سے چار منزل ہے۔ (۱۷۰) حضرت عثمان نے یہ معجزہ دیکھ کر تجدید شہادت کی ورنہ یہ معلوم ہے کہ آپ سال فتح سے پہلے اسلام لائے تھے۔ (۱۷۱) طبقات ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ)۔ (۱۷۲) سیرت ابن ہشام۔ (۱۷۳) لائف آف محمد مولفہ سرولیم میور صاحب۔ (۱۷۴) صحیح بخاری و سیرت ابن ہشام۔ (۱۷۵) ایک وادی کا نام ہے جو مکہ سے طائف کی طرف قریباً بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ (۱۷۶) صحیح بخاری باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین اذا عجبتمکم کثرتکم الایقہ (۱۷۷) بحرانہ یا جفرانہ مکہ و طائف کے درمیان مکہ سے ایک برید (۱۲ میل) ہے۔ (۱۷۸) طائف ایک بڑا شہر ہے جو مکہ سے دو یا تین منزل مشرق کی طرف واقع ہے۔ (۱۷۹) منجیق ایک قسم کا بڑا گوبھیا تھا جس میں بڑے بڑے پتھر رکھ کر دیوار قلعہ پر پھینکا کرتے تھے تاکہ دیوار ٹوٹ جائے۔ (۱۸۰) دبا بہ ایک آلہ جنگ تھا جو چمڑے اور لکڑی سے بنایا جاتا تھا اس کی اوٹ میں دشمن کے قلعہ کی طرف جاتے تاکہ دیوار میں نقب لگائیں۔ (۱۸۱) ان حالات کے

لئے صحیح بخاری دیکھو۔ (۱۸۲) سیرت حلبیہ و اصابہ۔ (۱۸۳) اصابہ۔ ترجمہ ابو ثروان۔ (۱۸۴) صحیح بخاری، غزوہ حنین۔ (۱۸۵) یہ شہر مدینہ و دمشق کے قریباً وسط میں ہے۔ (۱۸۶) صحیح بخاری باب کتاب الانبیاء (۱۸۷) صحیح بخاری کتاب المغازی باب نزول النبی ﷺ الحجر۔ (۱۸۸) زرقانی علی المواہب بحوالہ ابن اسحاق دو اقدمی وغیرہ غزوہ تبوک۔ (۱۸۹) یہ شہر بحیرہ قلزم کے کنارے پر شام سے ملحق واقعہ ہے۔ وہ یہود ہے۔ وہ یہود جن پر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کا شکار سبت کے دن حرام کر دیا تھا اسی شہر میں رہا کرتے تھے۔ (۱۹۰) تفسیر درمنشور اور وفاء الوفاء۔

حوالہ جات (پانچواں)

- (۱) وفاء الوفاء۔ جزء اول ص ۲۲۶۔ (۲) مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیحین۔ باب وفات النبی ﷺ۔
- (۳) مشکوٰۃ شریف۔ باب الانفاق و کرانیہ الامساک۔ (۴) ابن ماجہ۔ ابواب الوصایا۔ (۵) حواۃ الحیوان للعلامة کمال الدین الدمیری الشافعی المتوفی ۸۰۸ھ جزو اول ص ۴۲۔ (۶) مواہب لدنیہ۔ کتاب شمائل انبیویہ۔ (۷) مشکوٰۃ شریف باب فضل اصدقہ۔ (۸) صحیح بخاری۔ باب صفۃ النبی ﷺ۔
- (۹) یہ حضور کے ربیب تھے۔ کیونکہ خدیجہ الکبریٰ حضور سے پہلے ابوہالہ کے نکاح میں تھیں جس سے ہند مذکور پیدا ہوئے یہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور ۳۶ھ میں یوم جمل میں حضرت علی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ (۱۰) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ۔ (۱۱) حلوہ دو کپڑوں کو کہتے ہیں۔ یعنی چادر اور شلوار۔ (۱۲) دیکھو شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ۔ (۱۳) حمیراء لقب ام المؤمنین حضرت عائشہ۔ گویند کہ حرہ معنی سفیدی نیز آمدہ و ایثاں را حمیراء گویند ایشان سفید رنگ بودند۔ کذا فی الممنتخب۔ (۱۴) خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۸۰۔ (۱۶) یعنی نہ چھوٹی اور نہ اتنی بڑی کہ باہر نکلی ہوئی معلوم ہو۔ (۱۷) دلائل حافظ ابی نعیم مطبوعہ دائرۃ المعارف انتظامیہ حیدرآباد دکن ص ۵۴ ابو نعیم کے علاوہ ابن سعد اور ابن عساکر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ۔ جزو اول ص ۹۱) (۱۸) ترجمہ۔ بہکی نہیں نگاہ اور حد سے نہیں بڑھی۔ (۱۹) زرقانی علی المواہب۔ جزء رابع ۸۲۔ (۲۰) خصائص کبریٰ جزء اول ص ۶۱۔ (۲۱) صحیح بخاری۔ باب عظة الامام الناس فی اتمام الصلوٰۃ و ذکر القبلة۔ (۲۲) ترجمہ۔ جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے۔ اور تیرا پھر نام غازیوں میں۔ اس آیت کے تحت میں تفسیر خازن میں لکھا ہے۔ وقیل معناه یری تقلب بصرک فی المصلین خانکاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبصر من خلفہ کما یبصر من قدامہ۔ (انتھی) (۲۳) اس حدیث مرسل کو امام حمیدی (متوفی ۴۰۹ھ) نے اپنی مسند میں اور ابن منذر (متوفی ۳۱۸ھ) نے اپنی تفسیر میں

اور بیہتی نے روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب لدنیہ۔ جزء اول۔ ص ۲۵۲ اور خصائص کبریٰ جزء اول میں ۶۱ (۲۳) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب وفات النبی ﷺ۔ (۲۵) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ۔ (۲۶) زرقاتی علی المواہب جزء رابع۔ ص ۹۱۔ (۲۷) خصائص کبریٰ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ والی نعیم۔ جزء اول ص ۶۵۔ (۲۸) مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل القرآن (۲۹) خصائص کبریٰ۔ جزء اول ص ۷۴۔ (۳۰) جب کسی شخص کو نماز میں جمائی آئے۔ تو وہ صرف ذہن میں اتنا یاد کر لے کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی جمائی نہیں آئی تھی اس کے بعد نہ آئے گی۔ (۳۱) اصابہ۔ ترجمہ عمیرہ بنت مسعود۔ (۳۲) دیکھو صحیح بخاری۔ باب غزوہ خیبر۔ (۳۳) حضرت مدیک بن عمرو اسلامانی۔ اور حضرت جرہد کا قصہ معجزات میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (۳۴) خصائص کبریٰ للسیوطی۔ جزء اول ص ۶۲۔ (۳۵) استیعاب و اصابہ اور خصائص کبریٰ بحوالہ بیہقی و حاکم۔ (۳۶) زاد المعاد۔ غزوہ بدر۔ (۳۷) اصابہ۔ ترجمہ عمرو بن معاذ انصاری۔ (۳۸) اصابہ۔ ترجمہ ابو قتادہ انصاری۔ (۳۹) خصائص کبریٰ بروایت ابو نعیم جزء اول ص ۹۱۔ (۴۰) استیعاب و اصابہ اور خصائص کبریٰ بحوالہ بیہقی و حاکم۔ (۴۱) شمائل ترمذی۔ باب کیف کان کلام رسول اللہ ﷺ۔ (۴۲) استیعاب لابن عبد البر۔ فصل سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے۔ کہ آپ کا کلام مبین و ظاہر ہوت تھا۔ جیسا کہ روایت حضرت عائشہؓ میں وارد ہے۔ (۴۳) نسیم الریاض جلد اول صفحہ ۳۹۷۔ (۴۴) زرقاتی علی المواہب بحوالہ ترمذی۔ جزء رابع ص ۱۷۸۔ (۴۵) دیکھو مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ۔ (۴۶) خصائص کبریٰ للسیوطی بروایت ابن سعد والی نعیم وغیرہ۔ (۴۷) ترمذی۔ باب ماجاء فی بدء نبوة النبی ﷺ۔ (۴۸) صحیح بخاری باب صفة النبی ﷺ۔ (۴۹) صحیح مسلم۔ باب طیب ریحہ ولین سہ۔ (۵۰) دیکھو مواہب لدنیہ۔ (۵۱) قرآن کریم میں ہے (وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمى) ترجمہ۔ ”اور نہیں پھینکا۔ تو جس وقت کو پھینکا تو نے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا۔“ (۵۲) خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی ص ۷۵ (۵۳) دلائل حافظ ابو نعیم جزء ثانی ص ۱۸۸۔ (۵۴) قرآن مجید میں ہے۔ اقتربت الساعة وانشق القمر۔ (ترجمہ) نزدیک آئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔ (۵۵) صحیح بخاری۔ باب علامات النبوت فی الاسلام۔ (۵۶) امثلہ مذکورہ بالا میں سے نمبر ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴،

لئے دیکھو رسالہ حلیۃ النبی وموئج خاکسار۔۔ (۷۳) خصائص کبریٰ بحوالہ احمد ونبہتی۔ جزء اول ص ۷۳۔ (الف) مدارج النبوة مطبوعہ نولکشور۔ جلد اول ص ۶۵ (ب) اس طرح کی رفتار ممدوح و مستحسن ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ترجمہ۔ اور بندے رحمن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دے پاؤں اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ کہیں۔ صاحب سلامت (ج) شامل ترمذی۔ باب ماجاء فی مشیہ ﷺ۔ (د) حضور اپنے اصحاب کے مربی و نگہبان تھے۔ اس لئے ان کے حالات کے ملاحظہ کے لئے آپ پیچھے ہو جاتے تاکہ حسب حال ان کی تربیت و تادیب و تکمیل فرمائیں۔ یا آپ کا یہ فعل تو واضح پر مبنی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔۔ (ر) بقول حافظ ابو نعیم فرشتے آپ کی نگہبانی کرتے تھے۔ یہ امر کسی طرح واللہ یعصمک من الناس الایتہ۔ (اور اللہ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا) کے منافی نہیں۔ کیونکہ اگر یہ حالت اس آیت کے نزول سے پہلے تھی۔ (۶۵) خصائص کبریٰ و شرح ہمز یہ لابن حجر ھیتمی۔ (۶۶) مواہب لدنیہ بحوالہ عبداللہ بن الامام احمد وغیرہ۔ (۶۷) آپ کا ارتفاع معنوی دیکھنے والوں کے مثل ہو جاتا ہے۔ اور آپ ان سب کو بلند نظر آتے (دیکھو زرقانی علی المواہب۔ جزء رابع۔ ص ۱۹۹)۔ (۶۸) خصائص کبریٰ جزء اول ص ۶۸۔ (۶۹) زرقانی علی المواہب جزء رابع ص ۲۲۰۔ (۷۰) زرقانی علی المواہب جزء رابع ص ۲۲۳۔ (۷۱) غیر ایک خوشبو ہے۔ جو صندل و گلاب و مشک سے بناتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک خوشبو ہے جس میں زعفران ملا ہوتا ہے۔ (۷۲) صحیح بخاری کتاب الصیام۔ باب ما یذکر من صوم النبی ﷺ و افطارہ۔ (۷۳) یہ ایک حدیث کا مضمون ہے جسے ابو بعلی اور طبرانی اور ابن عرقہ ﷺ۔ (۷۵) صحیح مسلم باب طیب عرقہ ﷺ و التبرک بہ۔ (۷۶) اس کو بزار اور ابو یعلیٰ نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ۔ (۷۷) دیکھو وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ الشیخ الاسلام السہودی۔ جزء اول ص ۱۲۔ (۷۸) خصائص کبریٰ جزء اول ص ۶۸۔ (۷۹) نظر بریں کہ حضور ﷺ کی آنکھیں قدرتی طور پر سرگیں تھیں اور بدن مبارک سے خوشبو آیا کرتی تھی۔ آپ کو سرمہ یا خوشبو کے استعمال کی حات نہ تھی۔ مگر بایں ہمہ آپ کا سرمہ اور خوشبو کا استعمال کرنا بغرض تعلیم امت ہوگا۔ فافہم۔ (۸۰) مشکوٰۃ المصابیح باب التریل۔ (۸۱) لباس کے متعلق دیکھو مشکوٰۃ شریف۔ کتاب اللباس۔ (۸۲) اخبار الاخیر مجتہبائی۔ حاشیہ ص ۱۵۵۔

حوالہ جات (باب چھٹا)

(۱) صحیح مسلم۔ باب صلوٰۃ الیل۔ (۲) مصیبت و ایذا کے وقت اپنے آپ کو روکنا اور متاثر نہ ہونا صبر کہلاتا ہے۔ اپنی طبیعت کو غصہ سے ضبط کرنے کا نام حلم ہے۔ خطا پر مواخذہ نہ کرنے کو عفو کہتے ہیں۔

- (۳) صحیح بخاری باب صفة النبی ﷺ (۴) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب البعث و بدء الوحی۔ (۵) صحیح بخاری۔ باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمککہ (۶) استیعاب ابن عبدالبر۔ ترجمہ قتیلہ بنت نصر۔ (۷) سیرت ابن ہشام۔ (۸) اصحاب بحوالہ واقدی۔ ترجمہ دشور بن حارث غطفانی۔ (۹) مواہب لدنیہ و شفا شریف۔ (۱۰) صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد و کتاب المغازی۔ (۱۱) صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر۔ سورہ اذا جانک المنافقون۔ (۱۲) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب۔ (۱۳) ابوداؤد۔ کتاب الجہاد۔ باب۔ باب فی الجاسوس الزمی اصحابہ ترجمہ ابن حیا۔ (۱۴) صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب وفد بنی حنیفہ (۱۵) مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسراء۔ (۱۶) مکہ مشرفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جہاں سے عمرہ بجالاتے ہیں۔ (۱۷) وفاء الوفاء۔ جز اول ص ۲۲۵۔ جز ثانی ص ۲۵۲۔ (۱۸) صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب اسماء النبی ﷺ۔ (۱۹) صحیح بخاری۔ باب زکر ہند بنت عقبہ۔ (۲۰) اصحابہ۔ سیرت حلبیہ۔ (۲۱) صحیح بخاری۔ (۲۲) اصحابہ ترجمہ ہبار بن اسود۔ (۲۳) صحیح بخاری۔ (۲۴) اصحابہ و غیرہ۔ (۲۵) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۲۶) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۲۷) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۲۸) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۲۹) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۳۰) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۳۱) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۳۲) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۳۳) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۳۴) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۳۵) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۳۶) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۳۷) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۳۸) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۳۹) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۴۰) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۴۱) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۴۲) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۴۳) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۴۴) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۴۵) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۴۶) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۴۷) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۴۸) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۴۹) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۵۰) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۵۱) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۵۲) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۵۳) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۵۴) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۵۵) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۵۶) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۵۷) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۵۸) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۵۹) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۶۰) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۶۱) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۶۲) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۶۳) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۶۴) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۶۵) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۶۶) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۶۷) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۶۸) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۶۹) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۷۰) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۷۱) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۷۲) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۷۳) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۷۴) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۷۵) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۷۶) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۷۷) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۷۸) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۷۹) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۸۰) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۸۱) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۸۲) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۸۳) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۸۴) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۸۵) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۸۶) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۸۷) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۸۸) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۸۹) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۹۰) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۹۱) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۹۲) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۹۳) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۹۴) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۹۵) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۹۶) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۹۷) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۹۸) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۹۹) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۱۰۰) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔

یوم علیٰ حدیۃ فی العلم۔ (۵۴) مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری۔ باب الشفقتہ والرحمۃ علی الخلق۔ (۵۵)
 مشکوٰۃ بحوالہ احمد ترمذی۔ باب الشفقتہ۔ (۵۶) مشکوٰۃ بحوالہ احمد باب الشفقتہ۔ (۵۷) طبقات ابن سعد
 جزء ثانی ص ۱۔ (۵۸) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ (باب الشفقتہ۔ (۵۹) ترمذی۔ ابواب الزہد۔ (۶۰) صحیح
 بخاری۔ کتاب الوضوء۔ باب بول الصبیان۔ (۶۱) صحیح بخاری۔ کتاب الاستیذان۔ باب لتسلیم۔ علی
 الصبیان۔ (۶۲) مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ باب آداب السفر۔ (۶۵) صحیح بخاری۔ باب الثلثۃ علی الدلبۃ۔
 (۶۶) ابوداؤد۔ کتاب الجہاد۔ باب من قال انہ یاکل مما سقط۔ (۶۷) صحیح مسلم۔ باب فضل المدینہ۔
 (۶۸) صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب رحمۃ الولد وتقبیلہ۔ (۶۹) صحیح بخاری۔ کتاب الادب باب
 من ترک صبیۃ غمرہ حتی تلعب بہ۔ (۷۰) صحیح بخاری کتاب اللباس۔ باب ما یدعی لمن لیس ثوباً جدیداً۔
 (۷۱) مسند دارمی۔ صفحہ اول۔ (۷۲) تنزل وزوال رومۃ الکبریٰ۔ جلد اول باب ۱۲۔ (۷۳) مشکوٰۃ
 کتاب العتق۔ (۷۴) مشکوٰۃ بحوالہ احمد و ابوداؤد۔ باب النفقات و حق المملوک۔ (۷۵) مشکوٰۃ بحوالہ
 مسلم۔ باب النفقات و حق المملوک۔ (۷۶) دیکھو ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی حق المملوک۔
 (۷۷) دیکھو ابوداؤد۔ کتاب الادب باب فی حق المملوک۔ (۷۸) تیسیر الوصول الی جامع الاصول
 بحوالہ ابوداؤد۔ (۷۹) تیسیر الوصول الی جامع الاصول بحوالہ ابوداؤد۔ (۸۰) مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد۔
 باب آداب السفر (۸۳) صحیح مسلم۔ باب مراعت ملحۃ الدواب فی السیر۔ (۸۴) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی
 و ابوداؤد۔ کتاب الصيد والذبایح۔ (۸۵) تیسیر الوصول بحوالہ بخاری و مسلم۔ (۸۶) تیسیر الوصول۔
 بحوالہ مالک و بخاری و مسلم و ابوداؤد۔ (۸۷) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی و ابوداؤد۔ باب ذکر الکلب۔ (۸۸)
 مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم۔ کتاب الصيد والذبایح۔ (۸۹) مشکوٰۃ۔ بحوالہ صحیحین کتاب الصيد
 والذبایح۔ (۹۰) مرقات بحوالہ احمد و شیخین و نسائی۔ کتاب الصيد والذبایح۔ (۹۱) مشکوٰۃ۔ بحوالہ ابو
 داؤد۔ باب قتل اہل الروۃ۔ (۹۲) مرقات۔ بحوالہ مسند بزار۔ جزء رابع ص ۲۳۶۔ (۹۳) مشکوٰۃ
 بحوالہ ابوداؤد۔ (۹۴) مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ ﷺ۔ (۹۵) مشکوٰۃ کتاب
 الادب باب القیام۔ (۹۶) صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب از قال موسیٰ لقومه ان اللہ یامرکم
 ان تذبحوا بقرکم (الایۃ)۔ (۹۷) مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ باب المفاخرۃ والعصبیۃ۔ (۹۸) مشکوٰۃ
 شریف کتاب الادب۔ باب المفاخرۃ والعصبیۃ (۹۹) رکوسہ گروہے است میان ترسیان صاحبین۔
 (۱۰۰) سیرت ابن ہشام امرعدی بن حاتم۔ (۱۰۱) مشکوٰۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ۔ (۱۰۲) صحیح بخاری۔
 کتاب الادب۔ باب حسن الخلق والسخاء۔ (۱۰۳) مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ ﷺ۔ (۱۰۴) صحیح
 بخاری۔ کتاب الادب۔ باب الکبر۔ (۱۰۵) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ۔

(۱۰۶) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ (اس کی قیمت چار درہم تھی)۔ (۱۰۷) صحیح بخاری۔ کتب الجہاد۔ باب الردف علی الحمار۔ (۱۰۸) سیرت ابن ہشام۔ (۱۰۹) طبقات ابن سعد۔ غزوه بدر۔ مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ۔ باب آداب السفر۔ (۱۱۰) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ﷺ۔ (۱۱۱) صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب لم یکن النبی ﷺ فاشا ولا متعشا۔ (۱۱۲) صحیح بخاری۔ باب لم یکن النبی ﷺ فاشا ولا متعشا۔ (۱۱۳) مواہب لدنیہ بحوالہ سیرت محبت طبری۔ (۱۱۴) ابن ماجہ۔ باب القدید۔ (۱۱۵) مواہب لدنیہ۔ (۱۱۶) ابوداؤد۔ کتاب الادب باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان۔ (۱۱۷) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ کتاب الادب۔ باب المزاہ۔ (۱۱۸) دیکھو مشکوٰۃ۔ باب المزاح اور شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی مزاح رسول اللہ ﷺ (۱۱۹) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی مزاح رسول اللہ ﷺ۔ (۱۲۰) صحیح بخاری۔ کتاب العلم۔ باب متى یصح سماع الصیغر۔ (۱۲۱) استیعاب لابن عبدالبر۔ ترجمہ زینب بنت ابی سلمہ۔ (۱۲۲) صحیح بخاری کتاب الادب۔ باب حسن الخلق والسخاء۔ (۱۲۳) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ (۱۲۴) صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب ما قطع النبی ﷺ من البحرین۔ (۱۲۵) بخاری۔ باب غزوة الطائف۔ (۱۲۶) مشکوٰۃ باب اخلاقہ وشمائلہ ﷺ۔ فصل اول۔ (۱۲۷) جامع ترمذی۔ باب ماجاء اعطاء المولفۃ قلوبہم۔ (۱۲۸) صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب الشجاعة فی الحرب والحسب۔ (۱۲۹) صحیح بخاری۔ کتاب الاستقراض باب ادار الدیون۔ (۱۳۰) صحیح بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب بفکر الرجل الشی فی الصلوٰۃ۔ (۱۳۱) صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب البرود والجرۃ۔ (۱۳۲) صحیح مسلم۔ باب المؤمن یا کل فی معی واحد والکافر یا کل فی سبعة امعاء۔ مہمان کا نام غالباً فضلہ بن عمرو غفاری تھا۔ (۱۳۳) ابوداؤد جلد ثانی۔ کتاب الخراج والفسی۔ باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔ (۱۳۴) صحیح بخاری۔ کتاب البیوع۔ باب شرعی الدواب والحمیر۔ باب اذا اشتری شیئا فوہب من ساعۃ قبل ان یتفرقا۔ (۱۳۵) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ﷺ۔ (۱۳۶) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ﷺ۔ (۱۳۷) صحیح بخاری۔ کتاب الادب باب حسن الخلق والسخاء۔ (۱۳۸) صحیح مسلم۔ غزوه حنین۔ (۱۳۹) صحیح بخاری۔ غزوه خندق۔ (۱۴۰) سیرت ابن ہشام۔ (۱۴۱) مواہب لدنیہ۔ (۱۴۲) صحیح بخاری۔ باب ما کان النبی ﷺ واصحابہ یاکلون۔ (۱۴۳) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب فضل الفقیر۔ (۱۴۴) صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب افضل۔ الفقیر۔ (۱۴۵) صحیح بخاری۔ باب کیف کان عیش النبی ﷺ واصحابہ۔ (۱۴۶) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فضل الفقیر۔ (۱۴۷) صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب فضل الفقیر۔ (۱۴۸) صحیح بخاری کتاب المغازی۔ باب وفات النبی ﷺ۔ (۱۴۹) صحیح بخاری۔ باب بیان ان تخیرہ امرأۃ لا یكون طلاقا بالنیۃ صحیح بخاری۔ باب الزکاح

ب موعظۃ الرجال انبۃ لجال زوجہا۔ (۱۵۰) جامع ترمذی ابواب الزہد۔ (۱۵۱) صحیح بخاری۔ کتاب
نیض۔ باب بل یصلی المرأة فی ثوب حاضت فیہ۔ ابو داؤد باب المرأة تغسل ثوبہا الذی تلبسہا فی
نیفھا۔ (۱۵۲) عصب کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ ایک بحری جانور کے دانت کو عصب
کہتے ہیں۔ جس کو تراش کر منکے بنائے جاتے ہیں۔ عصب کے معنی پٹھے کے بھی ہیں ممکن ہے کہ بعض
نیوانات کے پٹھوں کو شک کر کے کتر کر منکے بنا لیتے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (۱۵۳) مشکوٰۃ بحوالہ
حمد و ابو داؤد۔ کتاب اللباس۔ باب الرجل۔ (۱۵۴) صحیح بخاری کتاب الھبۃ۔ باب ہدیۃ ما یکرمہ
سہا۔ (۱۵۵) ابو داؤد۔ کتاب الاطعمۃ۔ باب الرجل یدعی فیری مکر وہا (۱۵۶) ابو داؤد۔ کتاب اللباس
باب فی الصور۔ (۱۵۷) مشکوٰۃ بحوالہ امام احمد۔ کتاب الرقاق۔ (۱۵۸) مواہب الدنیۃ بحوالہ طبرانی
۔ (۱۵۹) جامع ترمذی۔ ابواب الزہد۔ باب ماجاء فی الکفاف والصفو علیہ۔ (۱۶۰) صحیح بخاری۔
کتاب الجہاد۔ باب ما ذکر من درع النبی ﷺ۔ وعصاہ وسفاح الخ۔ (۱۶۱) صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔
باب قول النبی ﷺ لو تعلمون ما علم الخ۔ (۱۶۲) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی عبادۃ رسول اللہ
ﷺ۔ (۱۶۳) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی عبادۃ رسول اللہ ﷺ۔ روایت ابو ذر میں ہے کہ وہ آیت
یہ ہے۔ ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم۔ (سنن ابن ماجہ۔
باب ماجاء فی اقراء صلوة اللیل) (۱۶۴) مشکوٰۃ بحوالہ ابو داؤد۔ باب صلوة اللیل۔ (۱۶۵) شمائل
ترمذی۔ باب ماجاء فی بکاء رسول اللہ ﷺ (۱۶۶) صحیح بخاری۔ باب ما ذکر عن صوم النبی ﷺ و افطارہ۔
(۱۶۷) صحیح بخاری۔ باب عامات النبوة فی الاسلام۔ (۱۶۹) معجم صغیرہ طبرانی۔ اسم محمد (۱۷۰) معجم صغیر
طبرانی۔ اسم عبدان شروع۔ (۱۷۱) مستدرک حاکم۔ کتاب الاحکام۔ قصہ سرق رضی اللہ عنہ۔ (۱۷۲)
صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ (۱۷۳) ابو داؤد۔ باب القود بغیر حدید۔ (۱۷۴) سیرت ابن ہشام۔
(۱۷۵) حدیث بنیان الکعبۃ۔ (۱۷۶) ترمذی۔ باب ماجاء فی الرخصۃ فی الشراء الی اجل۔ (۱۷۷)
مشکوٰۃ شریف۔ باب فضل الصدقۃ۔ (۱۷۸) خصائص کبریٰ للسیوطی۔ بھوالہ ابن ابی شیبہ۔ و بیہقی و ابی
نعیم۔ جزء اول ص ۱۱۳۔ (۱۷۹) صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ شرعرا۔ (۱۸۰) ابو داؤد۔ باب فی الامام یتجن بہ
فی العہود۔ (۱۸۱) بخاری۔ باب اثم من قتل معاہد بغیر جرم۔ (۱۸۲) ابو داؤد کتاب الادب۔ باب العدة
(۱۸۳) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی حیا رسول اللہ ﷺ۔ (۱۸۴) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی تواضع
رسول اللہ ﷺ۔

حوالہ جات (باب ساتواں)

- (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نبیوں میں سے کوئی نبی نہیں۔ مگر یہ کہ معجزات میں سے اسے ایسا معجزہ عطا ہوا کہ جس کی صفت یہ ہے کہ اسے دیکھ کر لوگ ایمان لائے اور سوائے اس کے نہیں کہ مجھے جو معجزہ عطا ہوا وہ وحی ہے جو اللہ نے میری طرف بھیجی ہے اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے میں امت کے لحاظ سے ان سے زیادہ ہوں گا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (۲) (دیکھو مقدمہ تاریخ ابن خلدون۔) (۳) لفظ عرب اعراب سے ہے۔ جس کے معنی ہیں پیدا گفتن سخن روا بفصاحت سخن گفتن۔ (۴) اے لوگو! تم کو آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفاء واسطے سینوں کے روگ کے اور ہدایت اور رحمت ایمان لانے والوں کے لئے۔ (۵) کتاب الشعر والشعراء لابن قتیبہ ترجمہ لبید بن ربیعہ۔ (۶) ان مثالوں کے لئے دیکھو شفاء شریف اور مواہب لاینہ۔ (۷) مطلب یہ ہے کہ جب وہ حضرت یوسف سے بہت مایوس ہو گئے تو الگ ہو کر باہم مشورہ کرنے لگے اور سوچنے لگے کہ باپ کے پاس جا کر کیا جھوٹ بنا کر کہیں گے۔ اور اس حادثہ کا کیا ذکر کریں گے۔ پس یہ تھوڑے سے کلمیاس طویل قصے کو شامل ہیں۔ (۸) دیکھو حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین للنہبانی مطبوعہ بیروت ص ۳۰۹۔ (۹) دیکھو اتقان للسیوطی۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۶۸۔
- (۱۰) لقد سمعت قول الکحنة فما وهو بقولهم ولقد وضعت قوله عمی اقراء الشعراء فما یلتم علی لسان احد بعدی انه شعر والله انه الصادق وانهم لکاذبون۔ (۱۱) فوز الکبیر فی اصول التفسیر مطبوعہ مطبع مجتہبائی دہلی ص ۲۱-۲۳۔ (۱۲) شرارت سے مردان کا ظلم کرنا راہ خدا سے روکنا، سو دینا، حالانکہ ان کو ممانعت تھی۔ تورات کتاب الاخبار باب ۵۔ آیت میں اور لوگوں کا مال ناحق کھانا ہے۔ جیسا کہ سورہ نساء رکوع ۲۲ میں آیا ہے۔ (۱۳) تفسیر کامل قرآن بزبان انگریزی مولف ویری صاحب۔ جلد اول، صفحہ ۳۳-۳۶۔ (۱۴) انڈین این ٹیکوری جلد ۳۲ بابت جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۵۹۔ (۱۵) دیباچہ ترجمہ قرآن بزبان انگریزی ص ۳۸۔ (۱۶) اخرج احمد و البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن مردودہ و ابو نعیم عن ابن عباس من رسول اللہ ﷺ قال لو ان لیهود تمنوا الموائم لما تو اولرا امقاعدهم من النار۔ (در مور للسیوطی۔ جلد اول ص ۸۹) (۱۷) لایحج بعد العام مشرک ولا طیوف بالبيت عریان۔ (یعنی شرح بخاری جز رابع ص ۶۳۳)۔ (۱۸) در منشور بحوالہ ابن اسحاق و ابن جریرہ بیہقی روایت ابن عباس۔ (۱۹) دیکھو مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ فصل ثالث۔ (۲۰) اتقان للسیوطی۔ جز اول ص ۱۶۔ (۲۱) شیخ جمال الدین عبدالرحیم اسنوی شافعی شہر اسنا واقع ملک مصر میں ذی الحجہ ۷۰۳ھ میں پیدا

ہوئے۔ ۷۲۱ھ میں قاہرہ آئے اور وہاں مختلف استادوں سے ادب نحو، اصول فقہ اور حدیث میں تعلیم پائی۔ اپنے وقت میں فقہ شافعی میں یگانہ تھے صاحب تدریس و تصنیف تھے۔ فقہ و اصول و نحو میں بہت سی کتابیں آپ کی تصنیف ہیں۔ آپ کا وصال جمادی الاولیٰ ۷۷۲ھ میں ہوا۔ آپ کے جنازے پر انوار ولایت نمایاں تھے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو بیعتہ الدعاء اور حسن المحاضرہ ہر دو مصنفہ جلال الدین سیوطی) رسالہ نصیحة اولی الاباب فی منع الاستخدام انصاری آپ کی ہی تصنیف ہے جیسا کہ مصنف کے بیان سے ظاہر ہے۔ کشف الظنون میں ہے کہ علامہ سیوطی نے اس رسالہ کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام جہد القریحہ فی تجرید النصیحة ہے۔ علامہ جمال الدین اسنوی کے قلم سے اسی قسم کے ایک رسالہ حسن المحاضرہ میں لکھا ہے جس کا نام الرياستہ الناصریہ فی الرد علی من یغظم اہل الذمہ ویسخذ مہم علی المسلمین ہے۔ مگر کشف الطنون میں الرياستہ الناصریہ کو علامہ جمال الدین کے بھائی علامہ عماد الدین محمد بن حسن اسنوی۔ (متوفی ۷۹۴ھ) کی تصنیف ظاہر کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (۲۲) وجعلت من امتک اقواما قلوبہم انا جمیلہم (خصائص کبریٰ للسیوطی۔ جزء ثانی ص ۱۸۵۔ (۲۳) اس واسطے کے وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتب پر۔ اور اسکی خبر داری پر تھے۔ اس آیت میں کتاب سے مراد تورات ہے۔ (۲۵) دلائل حافظ ابی نعیم۔ مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد۔ ص ۹۱۔ ۹۲۔ (۲۶) اتقان للسیوطی جزء اول ص ۲۰۔ (۲۷) دیکھو مشکوٰۃ باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب۔ فصل اول ص (۲۸) دیکھو تفسیر کبیرہ جزء ثامن۔ تفسیر روح المعانی۔ جز اول ص ۲۸۔ (۲۹) فوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۳۹۹۲۔ (۳۰) کتاب آپس میں ملتی یعنی خوبی میں کوئی آیت کم نہیں۔ دوہرائی ہوئی۔ یعنی ایک مدعا کئی طرح تقریر کیا ہوا۔ (موضح قرآن) (۳۱) دیکھو سیرت ابن ہشام۔ ذکر اسلام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (۳۲) نحام کے معنی ہیں کھانسنے والا۔ یہ حضرت نعیم بن عبد اللہ کا لقب ہے جس کی روایت وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں بہشت میں داخل ہوا تو میں نے نعیم کے کھانسنے کی آواز سنی (اصابہ)۔ (۳۳) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ۔ دفتر اول مکتوب ۳۰۲۔ (۳۴) صحیح بخاری باب ہجرت النبی ﷺ۔ (۳۵) صحیح بخاری و صحیح مسلم دیکھو۔ (۳۷) دلائل النبوت للحافظ ابی نعیم۔ جزء اول ص ۷۸۔ ۷۹۔ یہ قصہ استیعاب لابن عبدالبر میں بھی مذکور ہے۔ (۳۷) دیکھو مواہب لدینہ للقسطلانی (۳۸) صبور۔ خرمابن تنہا گانہ۔ مرد فرد بے بر بے بردار و فرزند۔ (۳۹) تعریض یہ ہے کہ ایک لفظ اپنے معنی میں مستعمل ہو۔ تاکہ اس کے ساتھ ایک اور معنی کی طرف اشارہ کیا جائے۔ (۴۰) اتقان جزء ثانی ص ۵۵۔ (۴۱) اتقان جزء ثانی ص ۹۶۔ (۴۲) صنعت طباق یہ ہے کہ کلام میں ایسے دو معنی ذکر کریں۔ جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ (۴۳) اشارہ یہ ہے کہ کلام قلیل

لایا جائے جس کے معنی بہت ہوں۔ (۴۴) صنعت ارداف یہ ہے کہ متکلم ایک معنی مراد رکھے اور اسے لفظ موضع لہ سے یاد دلاتے اشارہ سے تعبیر نہ کرے۔ بلکہ اس کے مرادف لفظ سے ادا کرے۔ (۴۵) تمثیل وہ ہے کہ جس کی وجہ متعدد امور سے منزع ہو۔ (۴۶) تعلیل کا فائدہ تقریر اور ابلغیت ہے۔ کیونکہ نفوس احکام معاملہ کو دوسروں کی نسبت زیادہ قبول کرتے ہیں۔ (۴۷) احترا اس یہ ہے کہ کسی کلام میں جو خلاف مقصود کو موہم ہو۔ وہ امر ذکر کریں۔ جو اس وہم کو دور کر دے۔ (۴۸) احسن النسق یہ ہے کہ متکلم پے در پے معطوف جملے لائے۔ جو باہم اس طرح پیوستہ ہوں کہ اگر ان میں سے کوئی جملہ علیحدہ کر دیا جائے تو وہ بذات خود ایک مستقل جملہ ہو جس کے معنی سمجھنے کے لئے اسی کے الفاظ کافی ہوں۔ (۴۹) مقصود کو معمول سے کم الفاظ میں ادا کرنا ایجاز کہلاتا ہے۔ (۵۰) تسہیم یہ ہے کہ فاصلہ کا مقابل فاصلہ پر دلالت کرے۔ (۵۱) تہذیب یہ ہے کہ کلام ایسا مہذب ہو کہ اعتراض کو اس میں گنجائش نہ ہو۔ (۵۲) تمکین یہ ہے کہ فاصلہ اپنے محل میں متمکن اور اپنی جگہ قرار پذیر ہو۔ اور اس کے معنی کو کلام کے معنی سے ایسا تعلق تام ہو کہ اگر وہ گرجائے تو کلام کے معنی میں خلل آجائے۔ (۵۳) انجان یہ ہے کہ کلام پیچیدگی سے خالی ہونے کے سبب آب رواں کی مانند جاری اور ترکیب کی سہولت اور الفاظ کی شیرینی کے سبب نرم و آسان ہو۔ (۵۴) اعتراض یہ ہے کہ ایک یا زیادہ جملوں کا کوئی محل اعراب نہ ہو۔ ایک یا دو کلاموں کے درمیان رفع ابہام کے سوا کسی اور نکتہ کے لئے لائیں۔ (۵۵) کہتے ہیں کہ یہ فارس کے بادشاہ اردشیر کے قول کا ترجمہ۔ پھر رہ گیا فرق دو کمان کا میانہ یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے پر جو بھیجا۔ (۵۸) اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو تحفہ احمدیہ در ثبوت معراج محمدیہ مصنفہ شیخنا العلامة مولانا مولوی مشتاق احمد صاحب انیسٹھوی چشتی صابری مع حواشی خاکسار، دفتر انجمن نعمانیہ لاہور سے طلب فرما کر مطالعہ کریں۔ (۵۹) بعض قصہ خوان بیان کرتے ہیں کہ چاند جناب رسالت ماب کی جیب میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا مگر یہ بے اصل ہے۔ (۶۰) مسند ابوداؤد و طیالسی۔ مطبوعہ دارۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن جزء اول۔ ص ۳۸ (۶۱) ابوبکثہ حضور اقدس ﷺ کا ایک جد مادری تھا۔ زماں جاہلیت میں قریش بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور وہ ان کے خلاف شعری عبور کی پرستش کرتا تھا اس لئے جب حضور نے بتوں کی پرستش میں قریش کی مخالفت کی۔ اور خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت کی تعلیم دی تو وہ آپ کو اس مخالفت کے سبب ابوبکثہ کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ (۶۲) عرب میں خیبر سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔ (۶۳) اللهم انہ کان فی طاعتک و طاعتہ رسولک فار دو علیہ الشمس۔ (شفا و مواہب و خصائص کبریٰ) اس حدیث کا امام طحاوی اور قاضی عیاض نے صحیح کہا ہے اور ابن منذر و ابن شاہین و طبرانی نے اسے ایسے اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جن میں سے بعض

صحیح کی شرط پر ہیں۔ اور ابن مردویہ نے اسناد حسن کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔ (۶۴) شفاء شریف۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط میں بسند حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے۔ (مواہب لدنیہ) اور بیہقی نے اسماعیل بن عبد الرحمن سیطر بنی ارسال نقل کیا ہے (خصائص کبریٰ للسیوطی)۔ (۶۵) دیکھو مواہب لدنیہ۔ (۶۶) خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۶۷۔ (۶۸) ایک قسم کا کھانا ہے۔ جو روٹی کے ٹکڑوں کو گوشت کے شوربے میں تر کرنے سے تیار ہوتا ہے۔ (۶۹) مواہب لدنیہ۔ اس حدیث کو ابن ابی الدنیا بیہقی اور ابو نعیم نے نقل کیا ہے۔ (۷۰) بخاری کتاب الجہاد۔ باب الصرعة والركض فی الفزع۔ (۷۱) صحیح مسلم و شفاء شریف (۷۲) اماہ بحوالہ طبرانی وابن مندوہ اب السکن۔ ترجمہ ام اول ہمزہ۔ (۷۳) شفاء شریف و مسند امام احمد۔ (۷۴) سیرت ابن ہشام۔ (۷۵) استیعاب واصحابہ۔ (۷۶) شفاء شریف وابن سعد۔ (۷۷) اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ مواہب لدنیہ۔ (۷۸) اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۶۹ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ حضرت ثمر بن عطیہ تابع تابعین میں سے ہیں دیکھو زرقانی علی المواہب (۷۹) اس حدیث کو ابن ابی شیبہ و بغوی و بیہقی و طبرانی و ابو نعیم نے روایت کیا ہے (مواہب لدنیہ)۔ (۸۰) مواہب لدنیہ۔ کتاب فی المعجزات۔ (۸۱) اس حدیث اور احادیث آئندہ کے لئے دیکھو خصائص کبریٰ للسیوطی۔ جزء ثانی ص ۷۰۔ (۸۲) یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب فی المعجزات۔ (۸۳) کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں لشکر کی تعداد ایک لاکھ کو پہنچ گئی تھی۔ کزانی اشعة اللمعات۔ (۸۵) صحیح بخاری باب قبول الہدیۃ من المشرکین۔ (۸۶) صحیح بخاری۔ باب کیف کان عیش النبی ﷺ واصحابہ۔ (۸۷) مواہب لدنیہ بحوالہ صحیح مسلم۔ (۸۸) صحیح بخاری۔ باب علامات النبوة فی الاسلام۔ (۸۹) وسق بارشتر و شصت صاع۔ (۹۰) صحیح بخاری۔ باب قضاء الوصیۃ و دیون المیت۔ (۹۱) صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ دخان۔ (۹۵) یعنی مدینہ کے اطراف میں بادل تھا اور مدینہ برستا تھا مگر مدینہ پر نہ بادل تھا نہ مدینہ برستا تھا۔ (۹۶) قنات ایک وادی کا نام ہے جو طائف کی طرف سے آتی ہے۔ اور کوہ احد میں شہداء کی قبروں تک پہنچتی ہے۔ (۹۷) صحیح بخاری تفسیر سورہ دخان۔ (۹۸) زرقانی علی المواہب بروایت ابن ابی شیبہ و ابی نعیم وغیرہ ہما۔ جزء ربع ص ۴۳۔ (۹۹) ابن سعد کی روایت میں ہے کہ عاقب اور سید کچھ مدت بعد جلد مدینہ آئے اور حضور کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔ (۱۰۰) صحیح بخاری۔ باب علامات النبوت فی الاسلام (۱۰۱) اس حدیث کو امام احمد و نسائی نے روایت کیا ہے (مواہب لدنیہ) اور حافظ ابو نعیم نے بھی دائل میں نقل کیا ہے۔ (۱۰۲) اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ (تیسیر الوصول مواہب لدنیہ) (۱۰۳) دائل حافظ اب نعیم ص ۳۵ امام احمد بزار نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ (نسیم)

الریاض شرح شفاء قاضی عیاض۔ جزء ثالث ص ۸۰ (۱۰۴) اس قصہ کو شرح السنہ میں اور ابن عبد البر نے استیعاب میں اور ابن الجوزی نے کتاب الوفا میں نقل کیا ہے۔ (مشکوٰۃ باب فی المعجزات۔ فصل ثالث)۔ (۱۰۵) مشکوٰۃ باب فی المعجزات۔ بحوالہ شرح السنہ خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۶۲ میں ہے کہ اس حدیث کو امام احمد و حافظ نعیم نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ (۱۰۶) بقول واقدی اس کا نام ہے۔ ابن اسلمی تھا جو حرۃ ابو برہ میں ریوڑ چرا رہا تھا۔ ایہاں مزکور صحابی ہیں جنہوں نے حضرت امیر کے زمانہ میں انتقال فرمایا۔ (۱۰۷) حرۃ ابو بردہ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے۔ دیکھو، نا، الوفاء للطامة السمودی۔ (۱۰۸) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب اشراط الساعة۔ (۱۰۹) اس حدیث کو حافظ نعیم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی ص ۶۳۔ (۱۱۰) شیر کی کہت ہے۔ (۱۱۱) اس حدیث کو ابن سعد و ابو یعلیٰ و زرارہ و ابن منذر و حاکم و بیہقی و ابو نعیم نے نقل کیا ہے اور حاکم۔ (۱۱۲) اس حدیث کو بزاز و ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ (مواہب لدنیہ) (۱۱۳) مشکوٰۃ۔ باب فی المعجزات۔ (۱۱۴) اس حدیث کو امام احمد نے اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور دارمی و ترمذی و حاکم و بیہقی و ابو نعیم و ابو یعلیٰ و ابن سعد نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ (خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی ص ۳۶) (۱۱۵) اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ باب فی المعجزات۔ فصل اول)۔ (۱۱۶) ترمذی شریف مطبوعہ احمدی جلد ثانی ص ۲۲۳۔ (۱۱۷) اس حدیث کو بزار و طبرانی و ابو نعیم و بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ۔ مواہب لدنیہ) (۱۱۸) ابن عساکر کی روایت میں حدیث انس میں حضرت عثمان غنیؓ کے بعد یوں آیا ہے۔ ثم صیرھن فی ایدینار جلا رجلا فما سبحت حصاة منھن۔ (خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی ص ۷۵) پھر حضورؐ نے ان سنگریزوں کو ہم میں سے ایک ایک کے ہاتھ میں رکھا۔ ان میں سے کسی سنگریز نے تسبیح پڑھی۔ (۱۱۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے جو ابو ذر کو باوجود یکہ وہ مجلس میں اوروں کی نسبت آپ سے زیادہ قریب تھے سنگریزے نہ دیئے بلکہ ان کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر و عثمان کو دیئے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابو ذر خلفاء میں سے نہ تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بظاہر اس موقع پر حاضر نہ تھے۔ (۱۲۰) دیکھو شفاء قاضی عیاض۔ (۱۲۱) صحیح بخاری۔ باب علامات النبوة فی الاسلام۔ (۱۲۲) اس حدیث کو بیہقی نے دلائل میں بالطوال روایت کیا ہے۔ اور ابن ماجہ نے بالاختصار نقل کیا ہے۔ (مواہب لدنیہ) حافظ ابو نعیم نے بھی دلائل میں اسے روایت کیا ہے۔ (۱۲۳) ان کے نام مبارک یہ ہیں۔ فضل، عبد اللہ، عبید اللہ، قسم، معبد، عبد الرحمن رضی اللہ عنہم یہ سب ام الفضل کے بطن سے تھے۔ (۱۲۴) اس حدیث کو امام بخاری و امام

احمد ترمذی و ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ (مواہب لدنیہ)۔ (۱۲۵) یہ حدیث سنائی ترمذی و دارقطنی میں ہے۔ (مواہب لدنیہ) (۱۲۶) یعنی جو تجھ پر ہیں ان میں سے ہر ایک نہیں ہے مرنی یا صدیق یا شہید۔ مطلب یہ کہ ان میں سے ہر ایک اوصاف ثلاثہ سے خالی نہیں۔ (۱۲۷) عشرہ مبشرہ جو دس صحابی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی ان کے نام مبارک یہ ہیں۔ حضرت ابو بکر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر و سعد ابن ابی وقاص و عبد الرحمن بن عوف و ابو عبیدہ بن جراح و سعید بن زید رضی اللہ عنہم۔ (۱۲۸) دیکھو مواہب لدنیہ اور مدارج النبوة۔ (۱۲۹) اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ باب فی المعجزات) (۱۳۰) صحیح مسلم۔ غزوہ حنین۔ (۱۳۱) انبیاہ الاذکیاء فی حیات الانبیاء مطبوعہ مطبع محمدی واقع لاہور۔ (۱۳۲) مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن۔ فصل اول۔ (۱۳۳) صحیح مسلم۔ جلد ثانی۔ کتاب الفتن۔ (۱۳۴) عبارت است از حصول تمام علوم جزئی و کلی و احاطہ آں۔ اشعة اللمعات۔ (۱۳۵) مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ۔ باب المساجد۔ (۱۳۶) مشکوٰۃ کتاب الایمان۔ باب ایمان بالقدر فصل ثانی (۱۳۷) مواہب لدنیہ مقصد ثامن۔ فصل ثالث۔ (۱۳۸) مواہب لدنیہ۔ مقصد ثامن فصل ثالث۔ (۱۳۹) خائص کبریٰ للسیوطی۔ جزء ثانی ص ۱۹۷۔ (۱۴۰) مواہب لدنیہ۔ کتاب فی المعجزات و الخصاص الفصل الثانی فیما حضہ اللہ تعالیٰ بہ من المعجزات۔ ایک روایت میں میری امت کی بجائے دنیا کا لفظ ہے دیکھو زرقانی۔ (۱۴۱) نقد بفتح نون و قاف۔ ایک قسم کی بد شکل بکری ہوتی ہے جس کے ہاتھ پاؤں چھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ ذلت میں ضرب المثل ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ اذل من التقد یعنی نقد سے زیادہ ذلیل۔ اس کی جمع نقاد۔ (۱۴۲) صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ کتاب الفتن امام بخاری کی ولادت ۱۹۲ھ میں اور وفات ۲۵۶ھ میں، امام مسلم کی ولادت ۲۰۲ھ میں اور وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ (۱۴۳) ملک شام کے ایک شہر کا نام۔ (۱۴۴) مفصل حالات کے لئے دیکھو وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ للعلامة السہودی المتوفی ۹۹۱ھ جزء اول صفحہ ۹۹ تا ۱۰۶۔ (۱۴۵) یعنی اہل و عیال اور مال و اسباب کو بیلوں پر لا کر جنگل کو چلے جائیں گے۔ (۱۴۶) ابو اود کی ولادت ۲۰۲ھ میں اور وفات ۲۷۵ھ میں ہوئی۔ (۱۴۷) مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن۔ باب الملاحم فصل ثانی (۱۴۸) اشعة اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن۔ باب الملاحم۔ ۱۱۰ تا ۱۱۶۔ (۱۴۹) مفصل حالات کے لئے دیکھو طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج السبکی المتوفی ۷۷۱ھ جزء خامس ص ۱۰۰ تا ۱۱۶ (۱۵۰) کرخ بفتح اول و ثانی و خائے معجمہ ہے است قریب بغداد و قبل محلہ از بغداد۔ غیاث اللغات۔ (۱۵۱) نہیں مانا ان سے پہلے کسی بستی نے جس کو ہلاک کیا ہم نے اب یہ کیا مانیں گے۔ (۱۵۲) حکمت یہ کہ ان میں سے بعض ایمان لائیں اور بعض کی نسل سے موسیٰ پیدا ہوں گے۔

حوالہ جات (باب آٹھواں)

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دینے کا جس حال میں آپ ان میں موجود ہیں۔ (۲) دیکھو زرقانی علی المواہب۔ جزء ثالث ص ۵۲۔ (۳) خصائص کبریٰ بحوالہ صحیحین۔ جزء اول ص ۲۳۰۔ (۴) جب غزوہ تبوک کے بعد رمضان ۹ھ میں حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس نے آپ کی اجازت سے آپ کی مداح میں چند شعر کہے ہیں۔ ان میں سے ایک شعر یہ ہے۔ آپ حضرت خلیل اللہ کی آگ میں پوشیدہ داخل ہوئے۔ آپ ان کی پشت میں تھے وہ کیسے جل سکتے تھے۔ طبرانی وغیرہ نے اس قصہ کی روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب و زرقانی۔ غزوہ تبوک۔ (۵) خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی ص ۷۹۔ (۶) زرقانی علی المواہب جزء خامس ص ۱۹۳۔ (۷) کشف الغمہ للعشرانی بحوالہ خصائل للسیوطی۔ جزء ثانی ص ۳۶۔

حوالہ جات (باب نواں)

(۱) موضح قرآن میں ہے کہ یہ جو فرمایا کہ جو نیکی پر ہیں ان کو بڑا ثواب ہے۔ حضرت کی ازواج سب نیک ہی ہیں والبت لللطیبین مگر حق تعالیٰ صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تا کہ وہ نڈر نہ ہو جاوے خاتمہ کا ڈر لگا رہے۔ مدارک و بیضاوی میں ہے کہ منکن میں من بیانہ ہے۔ کیونکہ ازواج مطہرات سب محسنات تھیں۔ (۲) یہ آنحضرت ﷺ سے خطاب ہے۔ یعنی اگر برسبیل فرض و تقدیر تو شرک کرے گا اگرچہ یہ محال ہے تیرا عمل باطل ہو جائے گا۔ (زمرع ۷) (۳) یہ حالات عموماً زرقانی علی المواہب سے ماخوذ زرقانی نے بحوالہ دیگر کتب ان کو یکجا جمع کر دیا ہے۔ (۴) طبقات ان سعد۔ جزء ثامن ترجمہ زہرا (۵) وفاء الوفاء للسمہودی (۶) زہر الریح للسیوطی وحاشیہ سندی برنسائی۔

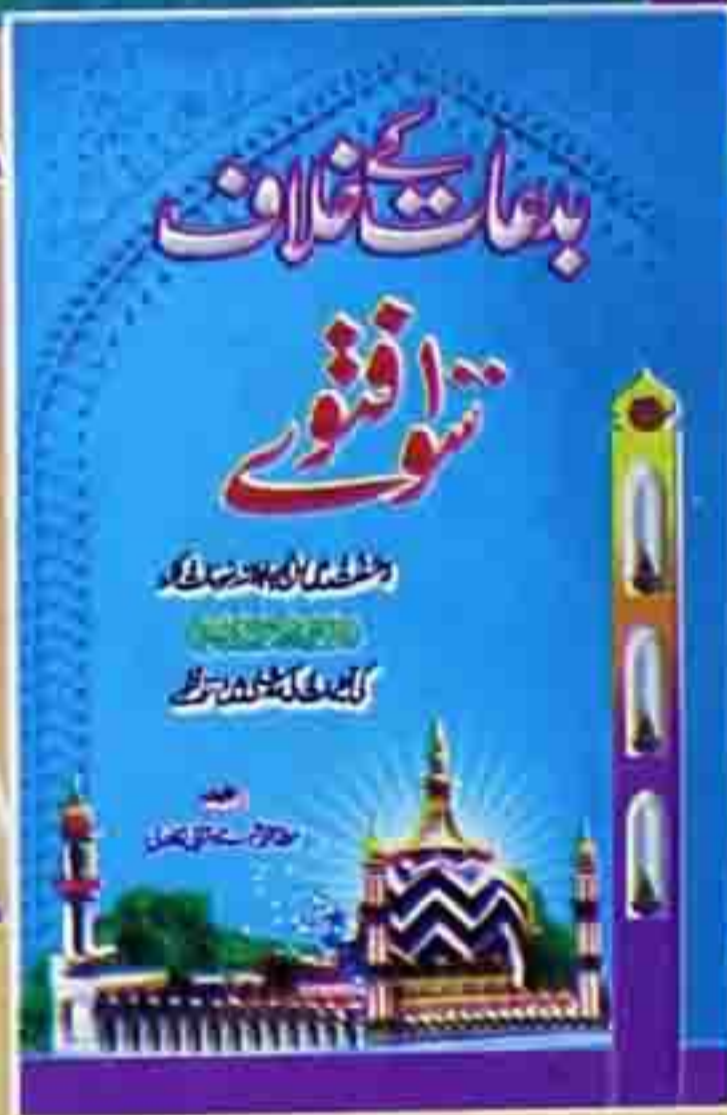
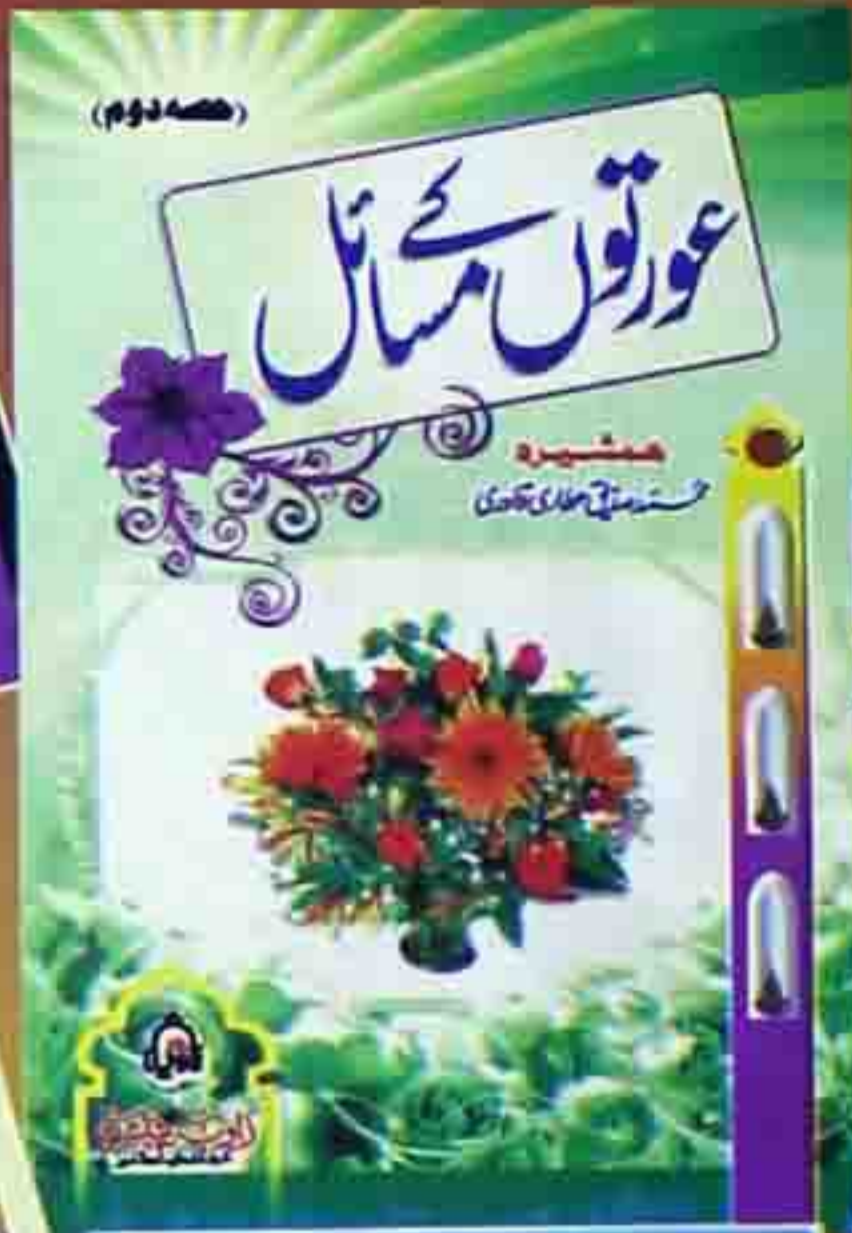
حوالہ جات (دسواں باب)

(۱) صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب موت یوم الاثنین۔ (۲) نسیم الریاض بحوالہ ابوداؤد و بخاری۔ (۳) وفاء الوفاء اول ص ۳۲۸۔ (۴) نسیم الریاض بحوالہ احمد و ابن اسحاق۔ اصابہ ترجمہ ابوطالب (۵) بیہقی و بزار۔ اصابہ ترجمہ ابوطالب بحوالہ ابن اسحاق۔ (۶) الادب المفرد للبخاری۔ باب ما یقول الرجل اذا حذرت رجلہ۔ (۷) شفاء شریف۔ (۸) زرقانی علی المواہب بحوالہ امام احمد وغیرہ۔ (۹) اصابہ بحوالہ طبرانی۔ (۱۰) اصابہ۔ ترجمہ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی۔ (۱۱) سیرت ابن ہشام۔ (۱۲) استیعاب ترجمہ عبدالرحمن بن ابی بکر۔ (۱۳) نسیم الریاض وغیرہ۔ (۱۴) صحیح مسلم۔ باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ

بدر۔ (۱۵) ترمذی۔ ابواب الزہد۔ (۱۶) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب الحب فی اللہ ومن اللہ (۱۷) درمنثور بحوالہ طبرانی وابن مردویہ وابو نعیم فی الحلیۃ والاضیاء المقدسی فی صفۃ الجنۃ (۱۸) اور منشور بحوالہ طبرانی وابن مردویہ وابو نعیم فی الحلیۃ والاضیاء المقدسی فی صفۃ الجنۃ (۱۹) بخاری۔ تفسیر سورہ حجرات (۲۰) اسباب نزول للواحدی۔ (۲۱) صحیح مسلم۔ باب مخافات المؤمن ان یحبط عملہ (۲۲) صحیح بخاری کتاب الشروط۔ (۲۳) شمائل ترمذی۔ کتاب التفسیر۔ تفسیر سورہ احزاب۔ (۲۴) ترمذی ابواب المناقب۔ (۲۵) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ۔ (۲۶) الادب المفرد للبخاری۔ باب قرع الباب۔ اس روایت سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دروازوں میں حلقے نہ تھے۔ صحابہ کرام پیاس ادب بجائے دستک دینے کے ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔ (۲۷) زاد المعاد لابن قیم۔ قصہ حدیبیہ۔ اور درمنثور للسیوطی تفسیر سورہ فتح۔ (۲۸) صحیح مسلم باب کون الاسلام یمہدم ما قبلہ وکذا الحج والمعرة۔ (۲۹) اصابہ، بحوالہ طبرانی۔ ترجمہ اسلع الاعرجی۔ تفسیر درمنثور بحوالہ طحاوی ودارقطنی وطبرانی ونبہتی وغیرہ۔ (۳۰) ترمذی۔ کتاب الطہارت۔ باب ماجاء فی مصافحۃ الجنب۔ (۳۱) کشف الغمہ للشعرانی۔ جزء ثانی ص ۱۸۴۔ (۳۲) جامع ترمذی۔ باب ماجاء فی میلاد النبی ﷺ (۳۳) اصابہ ترجمہ سعید بن یریوع۔ (۳۴) الادب المفرد للبخاری۔ باب الرجل یقبل ابنہ۔ (۳۵) جامع ترمذی۔ ابواب الاستیذان والادب۔ باب ماجاء فی قبلۃ الید والرجل۔ (۳۶) ابن ماجہ باب الرجل یقبل ید الرجل۔ (۳۷) الادب المفرد للبخاری۔ باب تقبیل الید۔ تفسیر درمنثور بحوالہ ابوداؤد وترمذی وابن ماجہ وغیرہ۔ (۳۸) ابو داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی قبلۃ الجسد۔ الادب المفرد للبخاری۔ باب تقبیل الید۔ (۳۹) زرقاتی علی المواہب۔ وفد عبد القیس الادب المفرد للبخاری۔ باب التودۃ فی الامور۔ (۴۰) دلائل حافظ ابی نعیم۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد کن ص ۱۳۸۔ (۴۱) صحیح بخاری کتاب اللباس۔ باب التزدد بالذہب۔ (۴۲) اصابہ بحوالہ ابن اسحاق ترجمہ مجن بن اورع اسلمی۔ نیز مشکوٰۃ بحوالہ بخاری باب اعداد آلتہ الجہاد۔ (۴۳) صحیح مسلم۔ باب اباحت اکل الثوم۔ (۴۴) شفاء شریف علی القاری شرح میں لکھتے ہیں کہ اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ (۴۵) وفاء الوفاء بحوالہ ابن زبالہ۔ جزء اول ص ۳۹۸۔ (۴۶) مناقب مدینہ منورہ سے باہر ایک جگہ کا نام ہے جہاں عورتیں زمانہ جاہلیت میں رات کے وقت بول و براز کے لئے جایا کرتی تھیں۔ کذافی معجم البلدان للیاقوت۔ (۴۷) تاریخ صغیر للبخاری مطبوعہ انوار احمد الہ آباد ص ۴۴۔ (۴۸) طبقات ابن سعد۔ جز ثالث۔ قسم ثانی ص ۸۷۔ (۴۹) ایک قسم کی خوشبو ہے جو مرکب ہوتی ہے۔ (۵۰) کافور و صندل وغیرہ جو مردے کے کفن و جسم پر مل دیا جاتا ہے۔ (۵۱) حیاۃ الحيوان للدمیری۔ تحت عنکبوت۔ زرقاتی علی المواہب۔ باب ہجرۃ المصطفیٰ واصحابہ الی المدینہ۔ (۵۲) صحیح مسلم

باب تحریم اناؤ الذہب والفضۃ علی النساء والرجال۔ (۵۳) دیکھو ووفاء الوفاء للسمودی اور شفاء السقال للسیکی۔ (۵۴) ووفاء الوفاء ثانی ص ۴۱۲۔ (۵۵) ووفاء الوفاء جزء ثانی ص ۴۲۳۔ (۵۶) السیف الصقل فی الد علی ابن زکیل۔ تکملہ علامہ کوثری۔ ص ۱۵۲۔ (۵۷) ووفاء الوفاء جزء ثانی ص ۴۲۰۔ (۵۸) سنن دارمی باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ ﷺ بعد موتہ۔ (۵۹) قاضی زین الدین ابو بکر حسین بن عمر عثمانی مراغی نزیل مدینہ منورہ (متوفی ۸۱۶ھ) نے مدینہ منورہ کے حالات میں اپنی کتاب تحقیق النصر بتلخیص معالم دار البجرۃ لکھی ہے جس کے مبیضہ سے ۶۶۶ھ میں فارغ ہوئے۔ کشف الظنون (۶۰) ووفاء الوفاء جزء الول ۳۹۸۔ (۶۱) ووفاء الوفاء۔ جزء ثانی ص ۴۲۰۔ (۶۲) عمر بن شیبہ نے عبدالعزیز بن عمران سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ سوائے پانچ اشخاص کی قبروں کے اور کسی کی قبر میں نہیں اترے۔ ان پانچ میں تین عورتیں اور دو مرد ہیں بدیں تفصیل۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ۔ عائشہ صدیقہ کی والدہ ام رومان۔ حضرت علیؑ کی والدہ فاطمہ بنت اسد۔ ابن خدیجہ اور عبداللہ بن نہم مزنی ملقب بہ ذوالجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ووفاء الوفاء ثانی ۸۷۔ (۶۳) محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عتبہ بن ابی سفیان صحر بن حرب (متوفی ۲۲۸ھ) (۶۴) ووفاء الوفاء ثانی ص ۴۴۱۔ (۶۵) عروس کے لئے سب چیزیں آراستہ کی جاتی ہیں۔ سب اس کی خدمت کرتے ہیں اور اس کا حکم مانتے ہیں اور اس کو خوش کرنے کے اصحاب مہیا کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ ملک و ملکوت میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مطلق ہیں۔ بساط و مرکبات میں آپ کو تصرف ہے۔ اور یہ عالم آپ ہی کے لئے بنا ہے۔ پس آپ عروس مملکت ہیں۔ کذافی مطالع المرآت (۶۶) علامہ سمودی اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ابو بکر مقرر کا واقعہ ووفاء ابن الجوزی میں ہے۔ باقی واقعات مذکورہ بلا کو ابن جوزی کے علاوہ اوروں نے بھی ذکر کیا ہے (۶۷) ووفاء الوفاء جزء ثانی ص ۴۲۹۔ (۶۸) پیٹ کی ایک بیماری کا نام ہے۔ (۶۰) حجۃ اللہ علی العالمین للعلامة محمد بن شاکر بن احمد کتبی متوفی ۶۲۳ھ ترجمہ محمد بن سعید بوسیری۔ (۷۳) ووفاء الوفاء جزء ثانی ص ۴۳۰۔





زاویہ پبلشرز

ڈربار مارکیٹ، لاہور

Voice: 042-7248657 Mobile: 0300-9467047